

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 طَوَافُ الْبَيْتِ عَلَى الْأَرْضِ وَالْبَحْرِ
 وَفِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْبَحْرِ
 وَفِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْبَحْرِ

مَعَالِمُ الْعُرْفَانِ
دُرُوسُ الْقُرْآنِ

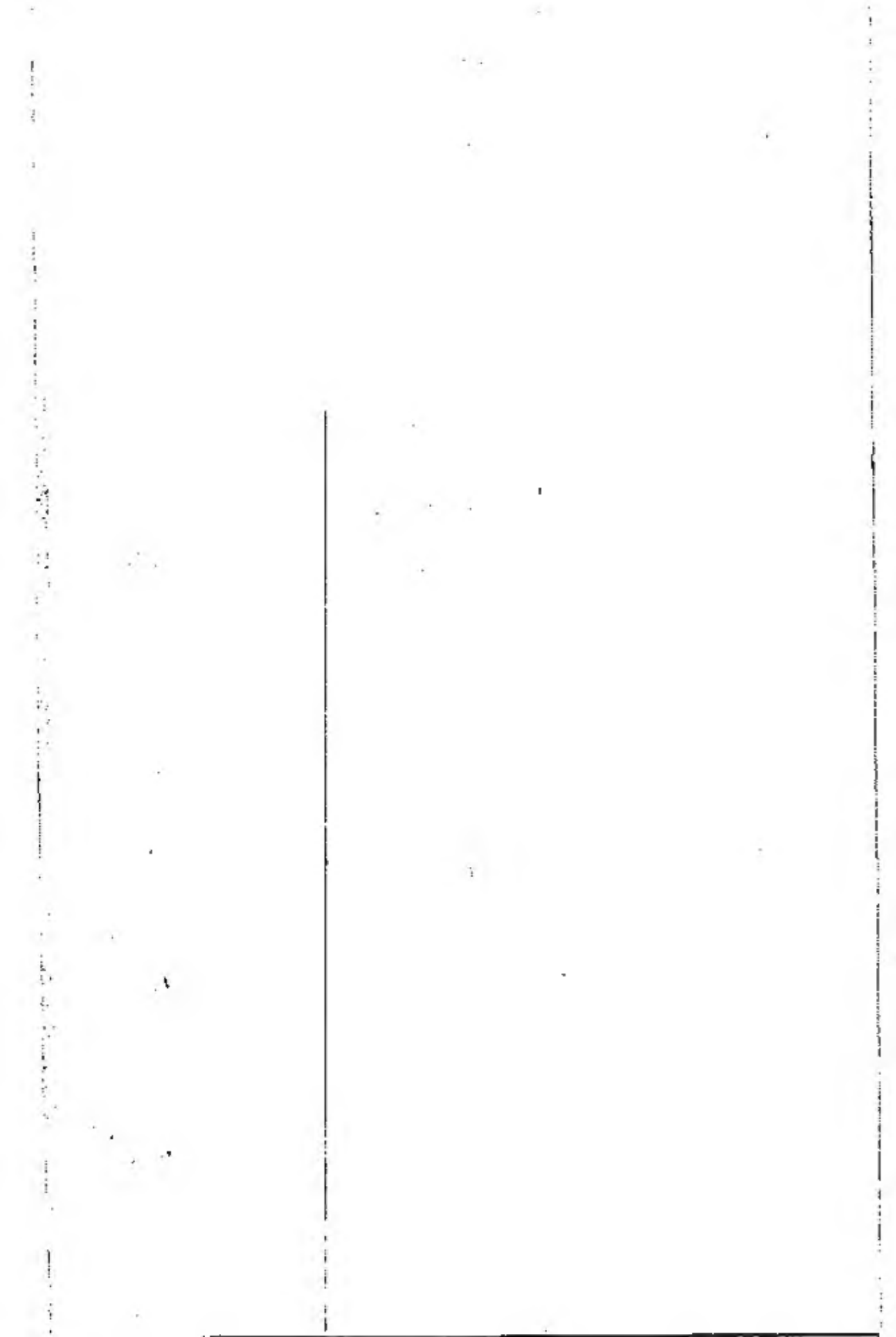
افادہ است
حضرت مولانا صفی عبدالحیہ سواتی
خطیب جامعہ نور
بانی مدرسۃ العلوم کراچی

مختص

الحاج لعل دین ایم تے [علوم اسلامیہ]

مكتبة رسول القرآن

فاروق سمیع ○ گوجرانوالہ



روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

جلد
افانٹ

حضرت مولانا صفی عبدالحمید صاحب سواتی دام مجید



خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

جسٹیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۳۲ تا آخر سورۃ) جلد ۳
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوہرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالہہ رٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید انطاہر حسین حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
کتابت	محمد امان اللہ قادری، گوہرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق منج گوہرانوالہ
قیمت	260/- روپے (دو سو ساٹھ روپے)

تاریخ طبع جسٹیسواں ایڈیشن ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰۱۳ء

قربانتہ

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، جملہ فاروق منج گوہرانوالہ (۵) کتب خانہ شہید بہارہ بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء منٹرارو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمیہ الفضل، رکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
- (۵) مکتبہ شہید بہارہ راولپنڈی
- (۶) کتب خانہ مجید بہارہ راولپنڈی
- (۷) مکتبہ طہیمہ نزد جامعہ بنوریہ سواتی، کراچی
- (۸) اسلامیہ کتب خانہ انارکلی، لاہور
- (۹) مکتبہ شہید بہارہ راولپنڈی
- (۱۰) مکتبہ اعظم اردو بازار لاہور
- (۱۱) کتب خانہ صمدیہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرست عنوانات

عالم القرآن فی دروس القرآن جلد نمبر ۳

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
		۳۱	درس نمبر ۵۵ آیات ۱۴۲ تا ۱۴۳
۵۲	اہم روئی اور قبلہ	۳۲	تعمیل قبلہ
۵۳	کھانا حق	۳۳	تحویل قبلہ پر پہلا اعتراض
۵۵	درس نمبر ۵۶ آیات ۱۴۸ تا ۱۵۰	۳۴	اس کا جواب
۵۶	آیات اور ترجمہ	۳۵	مقام تحویل قبلہ
۵۷	رابط آیات	۳۶	افضل امت اور اس کی گواہی
۵۸	حرمت کے لیے حجت مقرر ہے	۳۷	تقریر قبلہ کی غایت
۵۹	حرمت فروغی چیز ہے	۳۸	تحویل قبلہ پر دوسرا اعتراض
۶۰	بنیادی چیز نیکی ہے	۳۹	درس نمبر ۵۷ آیات ۱۴۴ تا ۱۴۶
۶۱	استقبال قبلہ کے سرگزشت احکام	۴۰	آیات اور ترجمہ
۶۲	قبلہ تعمیل نعمت ہے	۴۱	رابط آیات
۶۳	قبلہ ذریعہ ہدایت ہے	۴۲	تحویل قبلہ کی دوسری وجہ
۶۴	درس نمبر ۵۸ آیات ۱۵۱ تا ۱۵۲	۴۳	تحویل قبلہ کا حکم
۶۵	آیات اور ترجمہ	۴۴	حرمت قبلہ
۶۶	رابط آیات	۴۵	مخالفت بدلے مخالفت
۶۷	اقام نعمت	۴۶	استقبال قبلہ اور شاعر اسلامی
۶۸	بعثت رسول	۴۷	سرسری کا اعتراض
۶۹	ملکوت اور تزکیہ	۴۸	آریہ سماج اور تثلیث
۷۰	کتاب و حکمت کی تعلیم	۴۹	استقبال قبلہ میں اختلاف
		۵۰	
		۵۱	

۸۴	آیت اور ترجمہ	۶۴	ان جانی چیزوں کی تعلیم
۸۵	صفحہ اور سرورہ	۶۶	تہذیب الاخلاق کے پانچ اصول
۸۵	تہذیب اخلاق کا پہلا اصول [شعائر اللہ کی تعظیم ہے]	"	پہلا اصول ذکر الہی
۸۶	تفسیر عزہ ندی	۶۸	دوسرا اصول شجر الہی
۸۷	طواف و سعی	۶۹	درس نمبر ۵۹ آیات ۱۵۳ تا ۱۵۴
۸۹	پانچویں ذمہ	"	آیات اور ترجمہ
۹۰	صفحہ اور دعوت قرینہ	"	گزشتہ سے پیوستہ
۹۱	بیت اللہ شریفیت میں مشرک	"	بہر عروج قوم کی پانچ منازل
"	سعی قدیم سنت ہے۔	۷۰	تہذیب الاخلاق کا تیسرا اصول صبر
۹۳	درس نمبر ۶۲ آیت ۱۵۹ تا ۱۶۳	۷۲	تہذیب الاخلاق کا چوتھا اصول نماز
"	آیات اور ترجمہ	۷۳	شہادت فی سبیل اللہ
۹۴	کتاب حق	۷۴	شعور کا فقدان
"	کتاب حق کی سزا	۷۶	درس نمبر ۶۰ آیات ۱۵۵ تا ۱۵۷
۹۵	مولانا عبید اللہ سندھی	"	آیات اور ترجمہ
۹۷	تعلیم کی اہمیت	"	گزشتہ سے پیوستہ
۹۸	بینات اور ہدایت	۷۷	آزمائش مقصدائے ایمان ہے
۹۹	سعائی کا پروانہ	"	ذرائع آزمائش - خوف
"	بعثت کے متحقیق	۷۸	کعبہ کی
۱۰۰	مجید و صرف ایک ہے	۷۹	جان و مال کا نقصان
۱۰۲	درس نمبر ۶۳ آیت ۱۶۴	۸۰	شرائط کی کمی
"	آیت اور ترجمہ	۸۱	صابروں کے لیے شہادت
"	گزشتہ سے پیوستہ	۸۳	حکم صبر
		۸۴	درس نمبر ۶۱ آیت ۱۵۸

۱۲۱	گزشتہ سہ پرستہ	۱۰۲	کسب معاش
۱۲۲	قانون کی پابندی	۱۰۳	آسمانی کھڑے
۱۲۳	اولیٰ و علیہ السلام کی تمیز	۱۰۴	زمین
۱۲۵	شیطان کا نقش قدم	۱۰۵	رات اور دن کا تغیر
۱۲۶	ابو اجداد کا اتباع	۱۰۶	بحری جہاز
۱۲۸	صدقہ کا طریقہ	۱۰۷	پانی کا نزول
۱۲۹	کافروں کی مثال	"	جانوروں کی فکری
۱۳۰	درس نمبر ۶ آیات ۷ تا ۱۷	۱۰۸	ہواؤں کی گردش
"	آیات ۱۸ تا ۲۰	۱۰۹	مستخرجہ اول
"	اکلِ ظل	۱۱۰	نشاۃ قدرت
۱۳۱	شکوہ الہی	۱۱۱	درس نمبر ۷ آیات ۱۶۵ تا ۱۶۷
۱۳۲	محرم اور ترجمہ	"	آیات اور ترجمہ
"	مردار	۱۱۲	در مقابل
۱۳۳	خون	"	محبت الہی
۱۳۵	خزیر کا گوشت	۱۱۳	محبت کی اقسام
۱۳۸	درس نمبر ۸ آیت ۱۷ تا ۱۷۳	۱۱۴	محبت کی مختلف وجوہات
"	آیت اور ترجمہ	۱۱۵	محبت کی کھوٹی
"	گزشتہ سہ پرستہ	۱۱۶	غیر اللہ کی محبت
۱۳۹	مسئلہ انتقال خون	"	اہل بیان کا طریقہ
۱۴۰	غیر اللہ کے نام پر	۱۱۸	اللہ ہی قادر مطلق ہے
۱۴۲	افہم کا مفہوم	"	تابع اور متبوع
۱۴۳	حالت اضطرار	۱۲۱	درس نمبر ۹ آیات ۱۶۸ تا ۱۷۱
۱۴۴	ایک خبر اور اس کا اثر	"	آیات اور ترجمہ

۱۶۰	درس نمبر ۷ آیت ۱۷۸ تا ۱۷۹	۱۴۶	درس ۶۸ آیت ۱۷۳ تا ۱۷۴
"	آیات اور ترجمہ	"	آیات اور ترجمہ
"	اسلام کا فطری قانون	"	گزشتہ سے پیوستہ
۱۶۱	اسلامی قانون بمقابلہ قانون جاہلیت	۱۴۷	کھان قح پر پتھر مٹاؤ
۱۶۲	قتل کے تین اقسام	۱۴۸	علم قرآن کی اشاعت
"	نہر سے قتل	۱۴۹	اللہ تعالیٰ کی ناراضگی
۱۶۳	معافی کی ضرورت	۱۵۰	خار سے کا سودا
"	رہبت	۱۵۱	درس نمبر ۶۹ آیت ۱۷۷
۱۶۵	نقص میں زندگی ہے	"	آیت اور ترجمہ
۱۶۷	درس نمبر ۸ آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲	"	گزشتہ سے پیوستہ
"	آیات اور ترجمہ	۱۵۳	استقبال قبلہ فرضی مسئلہ ہے
"	ضابطہ جان کا قانون	"	نیکی کیا ہے
۱۶۸	اسلام کا ضابطہ دیوانی	۱۵۴	ایمان باللہ
"	اسلامی قانون حکمت پر مبنی ہے	"	ایمان بالآخرت
۱۶۹	تخلیف نفس	"	ایمان بالملائکہ
۱۷۰	تخلیف مال	۱۵۵	ایمان بالکتاب
۱۷۱	قانونی وصیت	"	ایمان بالانبیاء
۱۷۲	انبیاء کی وصیت	"	انفاق فی سبیل اللہ
۱۷۳	وصیت کی اقسام	۱۵۷	نماز و زکوٰۃ
۱۷۵	وصیت میں تبدیلی گناہ ہے	۱۵۸	ایمان سے حمد
۱۷۷	درس نمبر ۹ آیت ۱۸۳ تا ۱۸۴	"	صبر کی عظمت
"	آیات اور ترجمہ	۱۵۹	پچھ لوگ
"	گزشتہ سے پیوستہ	"	مستی لوگ

۱۹۵	آیت اور ترجمہ	۱۷۷	قرینیت روزہ
"	شان نزول	۱۷۸	روزہ کا مفہوم
"	رمضان اور دعا	۱۷۹	سابقہ امتوں کے روزے
۱۹۷	آداب دعا	"	روزہ باطنی عبادت ہے
۱۹۸	خانہ ان شاء ولی اللہ	۱۸۰	روزہ کے جمالی فوائد
۲۰۰	قرب خداوندی	۱۸۱	روزہ اور قائلان کی پابندی
۲۰۱	قرینیت دعا	۱۸۲	مریض اور مسافر کا روزہ
۲۰۲	درس نمبر ۵ آیت ۱۸۷	۱۸۳	روزہ کے ہرے فہرے
"	آیت اور ترجمہ	۱۸۴	روزہ رکھنا ہی بہتر ہے
۲۰۵	گذشتہ سے پیوستہ	۱۸۶	درس نمبر ۶ آیت ۱۸۵
"	شان نزول	"	آیت اور ترجمہ
۲۰۶	فلسفہ لباس	"	گذشتہ سے پیوستہ
۲۰۷	سابقہ لغتوں کی معافی	۱۸۷	ماہ رمضان اور قرآن پاک
"	حصول اولاد	۱۸۸	مختلف مہینوں کی وجہ تسمیہ
۲۰۸	تکمیل روزہ	۱۸۹	مسئلہ خلق قرآن
"	سحری کی برکات	"	نزول قرآن
۲۰۹	صوم وصال	۱۹۰	تلاوت قرآن
"	اعمال میں فی المناجید	"	قرآن ذریعہ ہدایت ہے
۲۱۰	عورتوں کا استحکام	۱۹۲	دلائل اور فیصلہ کن دلائل
"	حفاظت برآمدہ و شریعہ	۱۹۳	روزہ لازم ہے
۲۱۲	درس نمبر ۷ آیت ۱۸۸	"	روزے کی قصار
"	آیت اور ترجمہ	۱۹۴	اللہ آسانی چاہتا ہے
"	گذشتہ سے پیوستہ	۱۹۵	درس نمبر ۸ آیت ۱۸۶

۲۲۵	حرمتِ شائے میلے	۲۱۲	رابطات
"	اوقاتِ کا تعین	۲۱۳	شیخ الحدیث لاثر ترجمہ قرآن
۲۲۶	چاند کی تقدیم	"	مولانا سید عزیز گل
۲۲۷	حج کے لیے جلدی	۲۱۴	مولانا سید وحید احمد مدنی
۲۲۸	رسوماتِ باطلہ	"	انگریز کی چال بازی
"	صراطِ مستقیم	۲۱۵	شیخ سعدی
۲۲۹	درس نمبر ۸ آیت ۱۹۰ تا ۱۹۳	۲۱۶	ترکِ سلطنت
"	آیات اور ترجمہ	۲۱۷	سپر پاورز
"	جہاد کی قسمیں	"	ہزارہ اور گلستان
۲۳۰	جہاد پر اعتراض	۲۱۸	رواں کے اسباب
"	اقدامی اور دفاعی جہاد	"	فرقہ بندی کی لعنت
۲۳۱	قتال کا حکم	۲۱۹	تحریک ریشمی رومال
"	کفار کی طرف سے پل	"	تذکیہ مال
۲۳۲	زیادتی کی ممانعت	۲۲۰	اکلِ حرام
۲۳۳	جہاد کا مقصد	"	رشوت
"	جہاد کے اصول	"	غاصبانہ قبضہ
۲۳۴	فتنہ و فساد کی پنج گنجی	۲۲۱	درس نمبر ۹ آیت ۱۸۹
۲۳۵	درس نمبر ۹ آیت ۱۹۳ تا ۱۹۵	"	آیت اور ترجمہ
"	آیات اور ترجمہ	"	رابط آیت
"	گزشتہ سے پوچھتے	"	شانِ نزول
۲۳۶	حدیث کا واقعہ	۲۲۲	امام سیفادہ
"	جنگِ ہند کی آواز	"	سوالی جواب میں اختلاف
۲۳۷	درس نمبر ۱۰	۲۲۳	چاند کی مختلف صورتیں

۲۵۶	۲۴۰ ربط آیات	وقوف خدا
۲۵۷	۲۴۱ حج کے مہینے	پانے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا
"	۲۴۲ احکام کی پابندیوں	خدا حقیقی
۲۵۸	۲۴۳ بے حجابی	قانونِ صلح و جنگ
"	۲۴۴ کافر دینی	نفاق فی سبیل اللہ
۲۵۹	۲۴۵ لڑائی جھگڑا	فضلِ خیر
"	۲۴۶ سخت تنبیہ	تیلغ دین
"	۲۴۷ حج مبرور	احسانِ کرد
۲۶۰	۲۴۸ زوارہ	درس نمبر ۸۰ آیت ۱۹۶
۲۶۱	۲۴۹ گدگداری حرام ہے	آیت اور ترجمہ
۲۶۲	۲۵۰ تقویٰ بہترین زادِ راہ سے	گزشتہ حصے پر کسر
۲۶۳	۲۵۱ سجدت جائز ہے	حج اور عمرہ
"	۲۵۲ درس نمبر ۸۱ بقیہ آیت ۱۹۸-۱۹۹	اللہ کا مفہوم
۲۶۴	۲۵۳ آیات اور ترجمہ	احسان کے مسائل
"	۲۵۴ ربط آیات	قرآنی اور منطق
"	۲۵۵ وقوف عرفہ	احرام کی جنایات
۲۶۵	۲۵۶ عرفات کے معانی	حج کی اقسام
۲۶۶	۲۵۷ عرفات کی مصروفیات	فتح اور قرآنی
"	۲۵۸ عرفات سے واپسی	قرآنی کا جمل
۲۶۷	۲۵۹ وقوف مزدلفہ	فتح کی شرط
۲۶۸	۲۶۰ ذکر الہی	احکام کی پابندی
۲۶۹	۲۶۱ قریش حکم کا شخص	درس نمبر ۸۱ آیت ۱۹۸-۱۹۹
۲۷۰	۲۶۲ استعمال کا حکم	آیت اور ترجمہ

۲۸۹	سعودی عرب میں اجرائے حدود	۲۸۴	درس نمبر ۸ آیت ۳۰ تا ۳۲
"	جان نثارین اسلام	"	آیات اور ترجمہ
۲۹۰	درس نمبر ۸۵ آیت ۲۰۸ تا ۲۱۰	۲۸۵	مسیحی کی مصروفیات
"	آیات اور ترجمہ	۲۸۶	طاووسِ زیارت
"	مکمل اسلم	"	خاندانی تغافل
۲۹۳	شیخ الحداد اور ترجمہ قرآن	۲۸۷	ذکر الہی
۲۹۴	بدعات کی تردید	۲۸۸	دنیا کی خواہش
۲۹۶	ظاہر و باطن میں یکجائی	"	دنیا اور آخرت
۲۹۸	اسلام انقلابی مذہب ہے	۲۸۰	خیر و آخرت
۲۹۹	شیطان کے نقش قدم	"	یاد تازہ
"	وعیدِ خداوردی	۲۸۱	قیامِ حیاتِ حقین
۳۰۰	اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	"	نارن کی پابندی
۳۰۲	درس نمبر ۸۶ آیت ۲۱۱ تا ۲۱۲	۲۸۲	تقویٰ کیا ہے
"	آیات اور ترجمہ	۲۸۳	درس نمبر ۸۷ آیت ۲۰۳ تا ۲۰۷
"	واضح ثبوت	"	کیامت اور ترجمہ
۳۰۳	انبیاءِ نفسِ الہی ہیں	"	ربطِ آیات
۳۰۴	انعامات کی ناعدی	۲۸۴	مخلص اور منافق
۳۰۶	حبِ دنیا	۲۸۵	اصلاحِ قلب
۳۰۷	اہل ایمان سے بھٹکھٹھ	"	فنا فی الارض
"	اہل تقویٰ	۲۸۶	تولیٰ یعنی حاکم
۳۰۸	رزق کی فراوانی	۲۸۷	جرائم کی سرپرستی
۳۰۹	ال کے تین صورت	۲۸۸	نیکو بڑا آدمی
۳۱۱	درس نمبر ۸۷ آیت ۲۱۳	۲۸۹	مسلمان دینِ نفع

۲۲	درس نمبر ۸۹ آیت ۲۱۶ تا ۲۸۲	۳۱۱	آیت اور ترجمہ
"	آیت اور ترجمہ	"	گنہ شدہ سے پیوستہ
۳۳۲	گنہ شدہ سے پیوستہ	۳۱۲	اسمیت واحدہ
۳۳۳	جہاد اور قتال میں فرق	۳۱۳	بعثت انبیاء
"	فرض عین اور فرض کفایہ	۳۱۵	کتاب مساویہ
۳۳۵	خیر و شر المکر کے ظہر میں ہے	۳۱۶	درجہ اختلاف
"	غائب اور مغلوب	"	حق و باطل میں تمیز
۳۳۶	حرمت لئے مینے	۳۱۸	صبر و استقامت
۳۳۷	نشان نذر	"	ہدایت ربانی
۳۳۸	حرام مغل	۳۲۰	درس نمبر ۸۸ آیت ۲۱۴ تا ۲۱۵
۳۳۹	مرتبہ اور اسکی سزا	"	آیت اور ترجمہ
۳۴۰	اہل ایمان کے لیے خوشخبری	"	گنہ شدہ سے پیوستہ
۳۴۱	درس نمبر ۹۰ آیت ۲۱۹ تا ۲۲۰	۳۲۱	مشکلات کا سامنا
"	آیت اور ترجمہ	۳۲۲	سابقین کی مثالیں
"	گنہ شدہ سے پیوستہ	۳۲۳	لحیرت الہی
"	موضوع آیت	۳۲۴	اشاعت دین
۳۴۲	شراب نوشی	۳۲۵	جانی اور مالی جہاد
۳۴۳	قمار بازی	۳۲۶	سجادہ ضروری ہے
۳۴۴	حرمت شراب کے مراحل	"	نزع کی مدت (۱) والدین
۳۴۶	حرمت شراب پر تاویلیں	۳۲۷	(۲) اقدار
۳۴۸	حرام چیز کی تجارت بھی حرام ہے	۳۲۸	(۱) یتیم و مسکین
"	خرید کی مقدار	"	(۲) صاف تر
۳۴۹	ذخیرہ اندوزی کی ممانعت	۳۲۹	مذنی و متصر

۲۶۹	توبہ اور پاکیزگی	۳۵۰	غزوہ دکن کی دعوت
۲۷۰	عصمت ہنزلہ کھیتی	۳۵۱	درس نمبر ۹۱ آیت ۲۲۰ بقیہ
۲۷۱	نیک اولاد - صدقہ جاریہ	۳۵۲	آیت اور ترجمہ
۲۷۲	درس نمبر ۹۲ آیت ۲۲۱ تا ۲۲۴	۳۵۳	گزشتہ سے جوڑتے
"	آیات اور ترجمہ	۳۵۴	شان نزول
"	ربط آیات	۳۵۵	یقین کی سرچستی
۲۷۳	مسئلہ قسم	۳۵۶	مفسر اور مصحح
"	جانہ قسم کی ممانعت	۳۵۷	درس نمبر ۹۲ آیت ۲۲۱
۲۷۴	قسم کی تین قسمیں	۳۵۸	آیت اور ترجمہ
۲۷۵	قسم کا کفارہ	۳۵۹	ربط آیات
۲۷۶	مسئلہ ایثار	۳۶۰	مشرکین سے نکلنے کی ممانعت
۲۷۷	درس نمبر ۹۵ آیت ۲۲۸	۳۶۱	ارتداد، ناقض نکلان ہے
"	آیت اور ترجمہ	۳۶۲	شرک کیا ہے
"	ربط آیات	۳۶۳	اہل کتاب، عورتوں سے نکلان جائز ہے
"	نکلان اور طلاق	۳۶۴	دوزخ اور جنت کی طرف دعوت
۲۸۰	درس نمبر ۹۶ آیت ۲۲۹	۳۶۵	درس نمبر ۹۳ آیت ۲۲۱ تا ۲۲۴
۲۸۱	اسلام میں نظریہ طلاق	۳۶۶	آیات اور ترجمہ
"	عدت	۳۶۷	ربط آیات
۲۸۲	حیض یا طہر	۳۶۸	عورتوں کے مخصوص خوں
"	کتمانِ حیض جائز نہیں	۳۶۹	عدت حیض
۲۸۳	طلاقِ رجعی	۳۷۰	افراد و تفریط
۲۸۴	تسکونی مذہب	۳۷۱	سوال و جواب
۲۸۵	سوائی مذہب	۳۷۲	حاضر و گزشتہ کا موازنہ

۴۱۱	نکاح ثانی میں رکاوٹ نہ بنے	۲۸۷	طلاق کا حق مرد کو ہے
۴۱۳	درس نمبر ۹۹ آیت ۲۳۳	۲۸۹	درس نمبر ۹۶ آیت ۲۱۹
"	آیت اور ترجمہ	"	آیت اور ترجمہ
"	مطلوبہ رضاعت	"	ربط آیات
۴۱۴	حدت رضاعت	۲۹۰	نکاح سنت انبیاء ہے
۴۱۵	رضاعت اور خیرہ کی ذمہ داری	"	شرائط نکاح
۴۱۷	یتیم بچے کی رضاعت	۲۹۲	طلاق کی تین قسمیں
۴۱۸	حدت رضاعت میں رعایت	"	رحمی علاقہ قریب دو ہیں
"	اجنبی عورتوں سے رضاعت	۲۹۳	علمہ کی کا طریق کار
۴۲۰	درس نمبر ۱۰۰ آیت ۲۳۲، ۲۳۵	۲۹۴	فصل کا بیان
"	آیات اور ترجمہ	۲۹۵	طلاق باطلہ
"	ربط آیت	۲۹۶	حدود انکار کا احترام
۴۲۱	حدت کی مختلف اقسام	۲۹۷	درس نمبر ۹۷ آیت ۲۳۰
"	بیوہ کی حدت	"	آیت اور ترجمہ
۴۲۲	غیر ذہاب میں قبائلیں	"	علامہ
"	نکاح کی اجازت	۲۹۹	طلاق کی مختلف صورتیں
"	حدت میں ایسا کرنے کی اجازت	۳۰۰	طلاق ٹلاؤ کی تحقیق
۴۲۷	درس نمبر ۱۰۱ آیت ۲۳۶، ۲۳۷	۳۰۳	مشروط نکاح
"	آیات اور ترجمہ	۳۰۵	درس نمبر ۹۸ آیت ۲۳۱، ۲۳۲
"	ربط آیات	"	آیات اور ترجمہ
۴۲۸	حق مہر لازمی ہے	۳۰۶	طلاق بابت ایذا رسانی
۴۲۹	خاندان شاہ ولی اللہ	۳۰۸	حاکمیر احسان اللہ
۴۳۰	اورنگ زیب عالمگیر	۳۰۹	نکاح میں عورت کی رضامندی
۴۳۱	حق مہر کا عدم تقرر	۳۱۰	مسئلہ ولایت

۴۵۱	درس نمبر ۱۰۴ آیت ۲۴۶	۴۵۲	نزل
۴۵۲	آیت اور ترجمہ	۴۵۳	نصرت مہر
۴۵۳	رابطہ آیات	۴۵۴	معاہداتی قوتوں کی صلاحیت بہت
۴۵۴	سورہ کو سیاسی نظام	۴۵۵	فضیلت کی بد ساری
۴۵۵	بنی اسرائیل کا نزول	۴۵۶	درس نمبر ۱۰۵ آیت ۲۴۸ تا ۲۴۷
۴۵۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۴۵۷	آیات اور ترجمہ
۴۵۷	آثار واقعہ	۴۵۸	رابطہ آیات
۴۵۸	نقطہ نگاہ کی تشریح	۴۵۹	صلوٰۃ و سلی
۴۵۹	ملوکیت کا تصور	۴۶۰	نماز و خوات
۴۶۰	جہاد کی اہمیت	۴۶۱	پرواؤں پر امان
۴۶۱	بنی اور قوم میں مکالمہ	۴۶۲	مطالعہ کے حقوق
۴۶۲	بنی اسرائیل کی رد گھمائی	۴۶۳	درس نمبر ۱۰۶ آیت ۲۴۸ تا ۲۴۷
۴۶۳	نظام اور عدل	۴۶۴	آیات اور ترجمہ
۴۶۴	درس نمبر ۱۰۷ آیت ۲۴۸ تا ۲۴۷	۴۶۵	رابطہ آیات
۴۶۵	آیات اور ترجمہ	۴۶۶	اسلوب خطاب
۴۶۶	رابطہ آیات	۴۶۷	جہاد سے فرار و موت
۴۶۷	طاہرت بطور بادشاہ	۴۶۸	دو بارہ زندگی
۴۶۸	امیر کی خصوصیات	۴۶۹	جہاد سے گریز حرم ہے
۴۶۹	خلیفہ کا انتخاب	۴۷۰	جہاد کا حکم
۴۷۰	مولانا عبید اللہ سندھی	۴۷۱	جہاد بالادب
۴۷۱	شرعہ خلافت	۴۷۲	جہاد کی اہمیت
۴۷۲	تہذیب و سیکینہ	۴۷۳	قرآن حسنہ
۴۷۳	درس نمبر ۱۰۸ آیت ۲۴۹	۴۷۴	قبض و ربط

۴۹۰	انسان اپنے اردو کا خود ذمہ دار ہے	۴۹۹	آیت اور ترجمہ
۴۹۲	درس نمبر ۱۰۹ آیت ۲۵۴	۵۰۰	ربط آیات
۴۹۳	آیت اور ترجمہ	۵۰۱	شکر طاعت اور جالوت
۴۹۴	ربط آیات	۵۰۲	شکر کی آزمائش صیادی کے دعوت
۴۹۵	جان و مال کی قربانی	۵۰۳	اکثریت کی ناکامی
۴۹۶	الافاق فی بیل اللہ	۵۰۴	تین گروہ
۴۹۷	خروج میں اعتدال کی راہ	۵۰۵	تاریخی واقعات
۴۹۸	در زرقی مت خرید و فروخت نہ ہوگی	۵۰۶	درس نمبر ۱۰۰ آیت ۲۵۰ تا ۲۵۱
۴۹۹	مکستی کا مہ نہ آئیگی	۵۰۷	آیات اور ترجمہ
۵۰۰	عام سفارش نہیں ہوگی	۵۰۸	ربط آیات
۵۰۱	کفار ہی ظالم ہیں	۵۰۹	میدان جنگ میں دعا
۵۰۲	درس نمبر ۱۱ آیت ۲۵۵	۵۱۰	جالوت سے مقابلہ
۵۰۳	آیت اور ترجمہ	۵۱۱	حضرت داؤد علیہ السلام کا کارنامہ
۵۰۴	ربط آیات	۵۱۲	مناقب حضرت داؤد علیہ السلام
۵۰۵	آیت اسکیم کی فضیلت	۵۱۳	فلسفہ جلد
۵۰۶	قرید باری تعالیٰ	۵۱۴	درس نمبر ۱۰۸ آیت ۲۵۲ تا ۲۵۳
۵۰۷	ملک شفاعت	۵۱۵	آیات اور ترجمہ
۵۰۸	علم غیب خاصہ خداوندی ہے	۵۱۶	ربط آیات
۵۰۹	عرش اور کمری	۵۱۷	بعثت انبیاء کا مقصد
۵۱۰	درس نمبر ۱۱۱ آیت ۲۵۶ تا ۲۵۷	۵۱۸	تہذیب رسالت
۵۱۱	آیات اور ترجمہ	۵۱۹	انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت
۵۱۲	ربط آیات	۵۲۰	حضرت علی علیہ السلام کے معجزات
۵۱۳	دین میں جبر نہیں	۵۲۱	روح القدس سے تائید

۵۳۲	گوہا کی زندہ سوا	۵۱۲	تبار نزل
۵۳۳	عالم بزرگ	۵۱۳	مضبوط کچرا
۵۳۴	اجسام کی حفاظت	۵۱۴	زور اور عظمت
"	یقین کے تین مارچ	۵۱۵	طاقت کی دوستی
۵۳۶	درس نمبر ۱۱۲ آیت ۲۶۰	۵۱۶	درس نمبر ۱۱۲ آیت ۲۵۸
"	آیت اور ترجمہ	"	آیت اور ترجمہ
"	تہیہ	"	رابطہ آیات
۵۳۷	پس منظر	۵۱۸	ابوہیم علیہ اور فرد میں مناظرہ
۵۳۸	نیز رشک سے پاک ہیں	"	مخرد کا تجربہ نسب
۵۳۹	چار ہفتے	۵۱۹	مناظرہ کب سرا
۵۴۰	پروندہ دل کی موت و حیات	۵۲۰	مناظرہ کابین منظر
۵۴۱	کمال قدرت کا مشاہدہ	۵۲۱	اصناف مناظرہ
۵۴۲	معجزہ دیر کرامت	۵۲۲	غیر الہیہ کا معجزہ
۵۴۳	درس نمبر ۱۱۵ آیت ۲۶۱	"	ابوہیم علیہ اسلام کا معجزہ
"	آیت اور ترجمہ	۵۲۴	ظلم بدیت سے محروم میں
"	رابطہ آیات الخاق فی سبیل اللہ	۵۲۶	درس نمبر ۱۱۳ آیت ۲۵۹
۵۴۷	اجرو ثواب کے درجات	"	آیت اور ترجمہ
۵۴۸	معیار قبولیت	"	رابطہ آیات
۵۴۹	سہل کے ساتھ نرم رویہ	۵۲۷	متعلقہ شخص کو مل گیا
۵۵۰	درس نمبر ۱۱۶ آیت ۲۶۲	۵۲۸	آپ کی پس منظر
"	آیت اور ترجمہ	"	واقعہ پر حق منظر
۵۵۱	ابطال صدقہ کی پہلی دو وجوہ	۵۲۹	جادو شیطانی
"	تیسری وجہ ریہ کاری	"	موت و حیات کا منظر

۵۷۳	آیات اور ترجمہ	۵۵۳	چٹان کی نشان
"	ربط آیات	۵۵۴	کافر انہماکی سے محروم ہیں
۵۷۴	اہل ایمان	"	رضا الہی کے لیے خرچ
		۵۵۵	باغ کی مثال
۵۷۶	غیر مسلم کے لیے صدقہ	۵۵۷	درس نمبر ۱۱ آیت ۲۶۸ تا ۲۶۹
۵۷۷	حبیبی غیر مسلم محروم ہے	"	آیات اور ترجمہ
"	ہر امت دھندلہ صرف اللہ سے	"	ربط آیات
۵۷۸	پچھلے لفظ بدلہ	۵۵۸	قبولیت کی چوتھی شرط پاکیزگی ال
۵۷۹	درس نمبر ۱۲ آیت ۲۷۰ تا ۲۷۱	"	زاتی گناہی میں سے خرچ
"	آیت اور ترجمہ	۵۵۹	معہ نیات میں سے خرچ
"	ربط آیات	۵۶۰	جہیز ال قبول قبول نہیں
۵۸۰	فقیر و مسکین	۵۶۱	شیطان کا بہکاوا
"	مختصر فقرہ	"	اللہ تعالیٰ کا وعدہ
۵۸۲	فقراء کی چٹان	۵۶۲	درس نمبر ۱۱ آیت ۲۷۰ تا ۲۷۱
۵۸۳	گناہ گری ملامت ہے	"	آیات اور ترجمہ
۵۸۴	ادین کی مذمت	"	ربط آیات
۵۸۵	درس نمبر ۱۲ آیت ۲۷۲ تا ۲۷۳	"	حکمت کا مفہوم
"	آیات اور ترجمہ	۵۶۳	انفاق پر حکمت کا اثر
۵۸۶	صدقہ عطا بل سحر	"	حکمت منہج حیات ہے
"	صدقہ کے چار مواقع	۵۶۴	مطلوبہ مذہب
۵۹۰	ایصال ثواب کے لیے تین وقت	"	نذر معصیت
۵۹۱	سود خور کی حالت زار	۵۶۵	نیلہ میں یاد رکھنا کہ جنت میں
۵۹۲	جن کا سایہ	۵۶۶	درس نمبر ۱۱ آیت ۲۷۴ تا ۲۷۵

۶۱۳	رابط آیات	۵۹۲	تجارت بمقابلہ سود
"	گواہی کی شرائط	۵۹۳	مسائلہ سود کی معافی
۶۱۴	عورتوں کی گواہی	۵۹۵	حرمت سود کی حکمت
۶۱۵	شہادت اور قسم	۵۹۶	اہل ایمان کے لیے ثبات
۶۱۶	گواہ کی ذمہ داری	۵۹۷	درس نمبر ۱۲۲ آیت ۲۷۸ تا ۲۸۰
"	جھوٹی گواہی	"	آیات اور ترجمہ
۶۱۷	تقریب کب ضروری ہے	"	رابط آیات
۶۱۸	کاتب اور گواہ کا تحفظ	۵۹۸	شان نزول
۶۱۹	خوف خدا	۵۹۹	سود خوردن کے لیے تعزیر
۶۲۰	درس نمبر ۱۲۵ آیت ۲۸۳	۶۰۰	تنہا ست مفروض کے لیے حلت
"	آیت اور ترجمہ	"	معاف کردینا بہتر ہے
"	رابط آیات	۶۰۱	حکومت وقت کی ذمہ داری
۶۲۲	رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں	۶۰۲	آخرت میں محاسبہ
۶۲۳	امانت کی پاسداری	۶۰۳	درس نمبر ۱۲۳ آیت ۲۸۱ نصت اول
۶۲۴	گناہ شراعت گناہ ہے	"	آیت اور ترجمہ
"	شرماندگی کا معاوضہ جائز نہیں	"	دستار دین کی اہمیت
۶۲۶	درس نمبر ۱۲۶ آیت ۲۸۴	۶۰۵	تقریر کے مسائل
"	آیت اور ترجمہ	۶۰۶	قرض اور دین میں فرق
"	اختصاصی کلمات	۶۰۷	بیع سلم
۶۲۷	حاکمیت اعلیٰ	۶۰۸	اور ایسی قرض کا عجیب واقعہ
۶۲۸	محاسبہ کب ہوگا	۶۰۹	تقریر بدین کا حق ہے
۶۲۹	شان نزول	۶۱۰	درس نمبر ۱۲۴ آیت ۲۸۲ نصت آخر
۶۳۰	القدرت الی قادر مطلق سب سے	۶۱۱	آیت اور ترجمہ

۶۳۳	درس نمبر ۱۲ آیت ۲۸۵	۶۳۳	درس نمبر ۱۲۸ آیت ۲۸۶
"	آیت اور ترجمہ	"	آیت اور ترجمہ
"	در ربط آیات	"	درین آسان ہے
۶۳۴	در حدیث صحابہ	۶۳۴	مجموع اور خطائیں فرق
"	تصدیق بالقلب	"	مجموع اور خط پر مود خذہ نہیں
۶۳۵	صفات الہی پر ایمان	۶۳۵	و غایت کلمات
۶۳۶	فرشتوں پر ایمان	۶۳۶	معافی کی درخواست
"	کتابوں پر ایمان	"	غلبہ اسلام
۶۳۷	رسولوں پر ایمان	۶۳۷	سورۃ بقرہ کی خصوصیت
۶۳۸	سجشن کی طلب	۶۳۸	نفاذ آیات آخر سورۃ
	قیامت پر ایمان		

احکام عمرہ

مذہب دار است مکتبہ المکرمۃ و مکتبہ المنورۃ

ترتیب

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت:
۱۵/-
روپے

مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوہر انوار

صفحات
۹۶

پیش لفظ

لَحْمُ اللَّهِ وَحَكْمِي وَسَكْرَتِي عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ أَصْطَفَى
مَتَّاعًا

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا وہ آخری کلام ہے، جسے خود اللہ جل شانہ نے احسن الحمد پیش کا لقب دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے احسن الحمد کو کلام اللہ کے طور پر جو کلام خود، مکمل کلام کہے، اس سے بہتر کلام کس کا ہو سکتا ہے جس کلام کی نسبت خالق کمال شئی کی طرف سے سب کی ہمہ تن کا دعویٰ کون کر سکتا ہے، اور جن کے متعلق وہ خود اعلان فرمائے کَلِمَةً مِّنْهُ هُوَ الْحَقُّ اَشْءٌ اَعْلٰی دَارِ فَعِ کَلَامِ کَس کا ہو سکتا ہے۔ اس سے لے کر قل نے خود چیلنج کر دیا وَهَلْ كَسَدَقُ مِنْهُ لَذُو حَدِیْثٍ اَمْ خَدَاوَنَ قَدُ كَسَسِ كِی بات سے کئی بات کس کی ہو سکتی ہے فرمایا اگر ان خالق کے متعلق کمالی شک ہے۔ فَالْهُوَ بِسُوءَةٍ مِّنْ قَشْرِهِ تَرٰ اَسِی اِیْکِ هِی سُوْرَةُ بَنَّا کُرْسِیْ اَوْرَ مَکْرُ یہ چین آج تک تشنہ قبولیت رہا ہے۔

آئیے ہم اپنے دلوں کو ٹھونس در ان سے پوچھیں کہ کیا ہم نے قرآن حکیم کو وہ مقام دیا ہے جس کا وہ متقاضی ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں اپنے دلوں کی زمین کو پرکھنا ہو گا کہ وہ قرآن پاک کی برکات کو جذب کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں وَالطَّبُّ یَخْرُجُ مَبْتَلًا بِأَذْنِ رَبِّهِ وَکَذِیْ عَجَبٌ لَا یَخْرُجُ رَدًّا سِکْرًا اِیْچھی زمین اللہ کے حکم سے ہنریں اگاتی ہے مگر خراب زمین سے فطرت چیز ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنے دلوں سے سوال کئے سے پہلے آئیے قرآن پاک کے ادین مخاطبین کی طرف ایک نگاہ اچھ کر دیکھ لیں کہ

اُن پکیزہ دہنوں نے اس احسن الکلام کی برکات کو کس طرح اپنے اندر سمیٹ لیا۔
 فاروق اعظمؓ کی شہ زوری کے قلم نے زبانِ زورِ عام تھے۔ آپ قلب و جسم اور ارادے
 کے مضبوط انسان تھے، دیگر مخالفین کی طرح اس اسلام کو نہ کہ گرسنے میں پیش پیش نہ تھے۔
 ایک رات آپ اک اورو سے سے نکلتے ہیں حضور علیہ السلام حرمِ شریف میں نماز ادا کر رہے
 ہیں۔ سورۃ الحاقۃ کی آیات زبان پر ہیں۔ الْحَاقَّةُ ۝ مَّا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا
 اَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ کان میں آواز پڑی تو اس کی جلالت و شہرت سے متاثر ہوئے
 بغیر نہ رہ سکے۔ مخالفت کی آگ ٹھنڈی ہو گئی، قرآن کے نظم اور اسلوب بیان پر غور کیا۔ تو
 خیال پایا کہ شاید یہ کسی شاعر کا کلام ہے۔ مگر اسی لمحہ حضور علیہ السلام کی زبان مبارک پر یہ
 آیت تھی اِنَّہٗ لَقَوْلٌ رَّسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۝ وَہُوَ یَقُوْلُ شَیْءٌ
 قَبِیْلًا مَّا تَوْفِیْقُوْنَ ۝ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ پھر خیال آیا شاید یہ کسی
 کاہن کا کلام ہو۔ مگر اس کا جواب تھا وَلَا یَقُوْلُ شَیْءٌ ۝ یہ کسی کاہن کا کلام بھی
 نہیں بلکہ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ اَنْبِیَآئِیْنَ ۝ یہ تو تمام جہانوں کے پروردگار
 کا نازل کردہ ہے۔ دل پر چوم۔ گلاب چلی تھی۔ قرآن پاک کی حقانیت سے مغلوب ہو
 ہو چکے تھے۔ مگر ابھی مخالفانہ بات بڑے مخالفت کا اثر باقی تھا۔

پھر ہی عمر فاروقؓ ایک دن ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بارے سے
 نکلے ہیں کہ راستے میں بہن اور بہنوئی کے ایمان لانے کی خبر ملتی ہے۔ فوراً اوجھڑ کا رخ
 کرتے ہیں۔ دونوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں مگر جو بہن سورۃ بقرہ کی آیات کا ان
 میں پڑائی ہیں طلعہ ۝ مَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِیَشْفِیَ ۝ اَلَا
 تَذَکَّرُ ۝ لَمَنْ یُجَنِّحْ رِجْلَہٗ رَسُوْلًا عَظِیْمًا ۝ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل
 نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ یہ تو برڈرٹے فٹے شخص کے لیے یاد دہانی ہے؛
 فاروق اعظمؓ کی تمام شقاوت و درہم چوچ تھی۔ بچوں کی طرح بک بک کر شنے لگے۔ بہنوں
 کا سیلاب اُٹھ آیا، قلب نور ایمان سے منور ہو گیا، چنانچہ ویرانہ اس پر حاضر ہو کر کلمہ پڑھ لیا۔
 طفیل درسی بہت بڑے شاعر و ادیب ہیں اور اپنے قبیلے کے معززین میں سے تھے۔

ہے، جو اسکی اثر انگریزی سے بیگانہ اور اس کی برکات سے محروم ہے۔ ہاں اس کا اثر وہ شخص قبل کرتا ہے۔ جس کے پاس سوچنے والا دماغ، سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھ ہے۔ جس کی آنکھ میں روشنی نہیں اس کے لیے آفتاب کی روشنی بھی بیکار ہے۔ قرآن پاک قلب و ذہن کی گلیا پٹ سینے والا کلام ہے۔ اس میں دلوں کو کھینچ لینے والی مقناطیسیت ہے۔ اس نغمہ میں وہ سرور ہے، جس کو سن کر انسان تو کجا بھر و حجر بھی دھیر میں آجاتے ہیں۔ یہ قلب کو گھرا اور روح کو تڑپا دینے والا کلام ہے۔ اثر نے اس کا نام ہدایت بھی رکھا ہے اور نور بھی۔ یہ برہان بھی ہے اور فرقان بھی۔ اس میں جنت بھی ہے اور شفا بھی۔ کاش! ہم اس کی برکات کو پہنے دامن میں سمیٹ لیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے سلسلہ دروس قرآن جاری ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اس کار خیر میں حصہ لینے والی پوری ٹیم اور اس کے ساتھ واسطے، درمے، سٹنٹ تعاون کرنے والے حضرات کی استقامت اور کامیابی کی دعا کریں۔

الحمد لله سلسلہ دروس القرآن کی تفسیر جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پیشتر مختلف جلدوں کا مختصر تعارف ہر جلد کے ساتھ آچکا ہے۔ یہ جلد اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس کے ذریعے سورۃ بقرہ کی تکمیل ہو رہی ہے۔ قرآن حکیم کی طویل ترین سورۃ کردہ حصوں میں شائع کیا گیا پہلا حصہ پہلے پاسے پر مشتمل تھا، اب دوسرے حصے میں دوسرا مکمل پارہ اور تیسرا پارہ، اختتام سورۃ شل ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہر کام کی ترقی بخشی۔ جیسا کہ گزشتہ جلد کی ابتداء میں مسطور کیا جا چکا ہے۔ سورۃ آل عمران پر پیشتر کام مکمل ہو چکا ہے۔ یہ جلد بھی جلد ہی ذریعہ برکات سے مزین ہو کر قارئین کے مطالعہ میں آجائے گی۔ انشاء اللہ

سورۃ بقرہ سے پہلے تیسویں پاسے پر مشتمل بیسویں جلد شائع ہوئی تھی۔ قارئین کرام تیسویں پاسے اور سورۃ بقرہ کے مضامین میں وضع فرق محسوس کریں گے بیسویں جلد کی ۲۷ سورتوں میں سے ۳۴ مکی دور کی ہیں جب کہ صرف ۲ سورتیں مدنی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ تیسرا سالہ مکی دور میں قرآن پاک نے اپنے مخاطبین کو اسلام کی ابتدائی دعوت

دی چنانچہ کئی سورتوں میں کفر و شرک کا رد، ایمانات، اور معاصی سے متعلق مقررہات ہیں۔ یہ خلاف اس کے مدنی سورتوں کے مفاد میں مختلف نوعیت کے ہیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو سب سے پہلے یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ یہ لوگ توریت میں بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں پڑھ کر ان کی آمد کے منتظر تھے۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسرائیل میں سے آئے گا۔ یہ وہ اسے فوراً تسلیم کر لیں گے، ان کی توقع کے خلاف جب دعویٰ نبوت بنو اسرائیل کے ایک فرد سے کیا، تو یہودی حمد کی آگ میں جل گئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کر لیا تو ان کی ساری اجارہ داری در دوسری اقوام پر تفویض ختم ہو جائے گا لہذا انہوں نے آپ کی رسالت کا سب سے زیادہ جارحی رویہ اور پھر سن انکار یہ اسرار کرتے ہوئے اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ در دوسری طرف کچھ یہودی ایسے بھی تھے، جو اسلام کا رد کشن مستقبل دیکھ کر بظاہر مسلمان ہو گئے، مگر ان کے دل یہودیوں کے ساتھ خاک ہے۔ اور ان میں ترن یہ لوگ مسلمانوں کے اندر سے ان پر شبہ نول ماہ کر ان کی جمعیت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ منافق کہلاتے ہیں۔

چنانچہ سورۃ البقرہ، بکیشتر حصہ میں۔ اہل کتاب یہود اور منافقین کی سازشوں کا تذکرہ ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمان ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب انہیں روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے لیے قانون کی ضرورت تھی چنانچہ اس طویل سورۃ میں ایمانات کے علاوہ نماز، روزہ، حج، قربانی، نفاق فی بیل اللہ وغیرہ سے متعلق کچھ تفصیلات، آگئی ہیں۔ عدت و حرمت کے مسائل ہیں۔ ازدواجی زندگی اور اس سے متعلق مسائل نکاح، حلق، طلاق، عدت، نہر، ان نفقہ، رضا عدت وغیرہ کی بعض تفصیلات ہیں۔ معاشرتی مسائل میں والدین، قرابہ جہالوں اور یتیموں وغیرہ سے حسن سلوک کی تعلیمیں ہیں۔ زیارت و صدقات کی ہدایت، لین دین کے معاملات، مقرضین کے ساتھ نرمی، شہادت اور امانت جیسے مسائل بھی آگئے ہیں۔ صلح و جنگ کے قواعد، قتل و اس اور دیت کی بعض مبادیات، بھی آگئی ہیں۔ اس سورۃ

میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، فرشتوں کے ساتھ مکالمہ و رہائش کا تذکرہ بھی مجلہ ہو گیا
 جب الایہا رحمت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد میں ہر سب امت کے قیام اور
 پھر اسی نمن میں بیت المقدس شریف کی تعمیر اور دیگر شہداء اللہ کا مختصر بیان بھی آگیا ہے ۔
 ہمیں پورا پورا احساس ہے کہ اس جلد کی اشاعت میں اذارسے سے زیادہ دوسرے
 گناہ گاہے۔ کام کی رفتار بھی قدرے سست رہی، نیز اس عرصہ میں ادارہ کو حضرت
 مولانا صوفی محمد مجید صاحب کی گواہی قدرتا لیتے نماز مسنون کلاں کی طرف بھی توجہ مبذول
 کرنا پڑی۔ بلاشبہ نماز کے موضوع پر اس ضخیم کتاب نے بانی کتب سے بے نیاز
 کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محترم صوفی صاحب کی ایک دیرینہ خواہش اور عوام کی اہم ضرورت
 کو پورا فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صوفی صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کو دین کی مزید
 خدمت کی توفیق عطا فرمائے، قارئین سے التماس ہے کہ آپ کی صحت و دراز کی عمر
 کے لیے صدق دل سے دعا کریں۔

امید ہے کہ سلسلہ دروس القرآن کی آئندہ جلد کم از کم وقت میں شائع ہو جائے گی۔
 وَمَا كُنَّا فِيهِ بِالْمَعْلُومِ

بحق العباد

لعل دین

ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن لاہور

۱۔ یہ تفسیر الحمد للہ رمضان مبارک ۱۴۳۵ھ میں مکمل میں بعد میں شائع ہوگئی ہے۔ (فیاض)

سخنہائے گھنٹی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
الْكَرِيمِ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَ
صَحْبِهِ أَجْمَعِينَ ۔ مَا بَعْدَ

مستند جامع، قرآن، احادیث اور مسلک سلف کے مطابق تفسیر سادہ و سہل،
پُر مغز اور تصنع سے پاک انداز بیان، مختصر عام فہم اور اعتدال سے مبرا مضامین، سزاوارتہ
بنیادی عقائد کی ترمیم و تبیین، کفر و شرک اور بدعت کا احسن طریقے سے رد و تلافی
پر تنقید میں اعتدال، اور سخی و ریشگی سے گریز۔

مسلمانوں کی بنیادی خامیوں کی نشاندہی اور اس میں مذہب، عمل، باطن و ظاہر کے
پہلے لاکھ بھرہ، قصص کا سلسلہ مربوط و درمکھن، حکمت و ملی، ضروری فقہی مسائل
سیاسی، اقتصادی، اجتماعی مسائل اور عصر حاضر میں ان کا حل اور اس طرح کی مفید کتبیں جس قدر
کا خاص اہمیت ہے۔

دینی فکری اور قرآن کریم کی انقلابی روح کو پوری طرح ان دروس میں سمجھنے کی کوشش
کی گئی ہے، رواں دواں ہوسل، مانوس، آسان و سادہ زبان اختیار کی گئی ہے۔
مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشی بد حالی کا پورا پورا کھجور لگایا گیا ہے۔ اور قرآنی طریقہ کار کی
طرف ان کا رخ موڑنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ سائنسی اور جدید دور میں مشکل
حالات کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں قرآنی روشنی کی طرف دہشتائی
کی گئی ہے۔ ہو و لعب، عیاشی و فحاشی در رفاهیت، باغی کی پوری طرح حوصلہ شکنی
کی گئی ہے۔

مسلمانوں کی فکری گمراہی اور ذہنی غلامی کے فساد کو پوری طرح نبیل کیا گیا ہے۔

دروس القرآن صحیح محضوں میں مانندہ کوشیہ رخ سے حاصل کردہ اور حضرت صوفی صاحب
 دام مجدہم کی زندگی بھر کے مطالعہ سے حاصل ہونے والے علوم و فنون کا پتھر ہے۔
 زیر نظر جلد پارہ ۱۷ کے شروع سے سورۃ بقرہ کے آخر تک کے حصہ پر مشتمل
 ہے اس جلد میں دعوت الی التوحید و الرسل، فرائض خمسہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ
 ایمانیات، خلافت کبیری کے قاسم، ہم اصولوں، نظام سلطنت، سیاست مدنی
 قانون خانہ داری، اہمار فی سبیل اللہ، صداقت قرآن، علم القصص اور بہت سی مثالوں
 اور دیگر بہت سے مضمین کا ذکر ہے۔

قرآن پاک کا شمار سبھنے اور اذہن کر قرآن پاک کے قریب نہ کرنے اور سبھ صالین
 کی تغایر سے صحیح آگاہی کے لیے دروس القرآن کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔
 آخر میں ولی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس حضرت صوفی صاحب
 دام مجدہم اور انجمن مجاہدان اشاعت قرآن کے جملہ اراکین اور خصوصاً جناب الحاج اعلیٰ دین صاحب
 اہم اے علوم اسلامیہ اور اسی اخلاص میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح اور
 بخشش کا ذریعہ بنائے۔ ان کی اس محی کو قبول فرمائے اور دنیا و مافیہا سے زیادہ مسلمانوں کو
 اس سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقط

محمد الشافعی

(فاضل مدرسہ نصرت العلوم و رفاق المدارس العربیہ)

(۲۶ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۸۷ء)

پیش لفظ

طبع ششم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی مَا بَعْدُ :

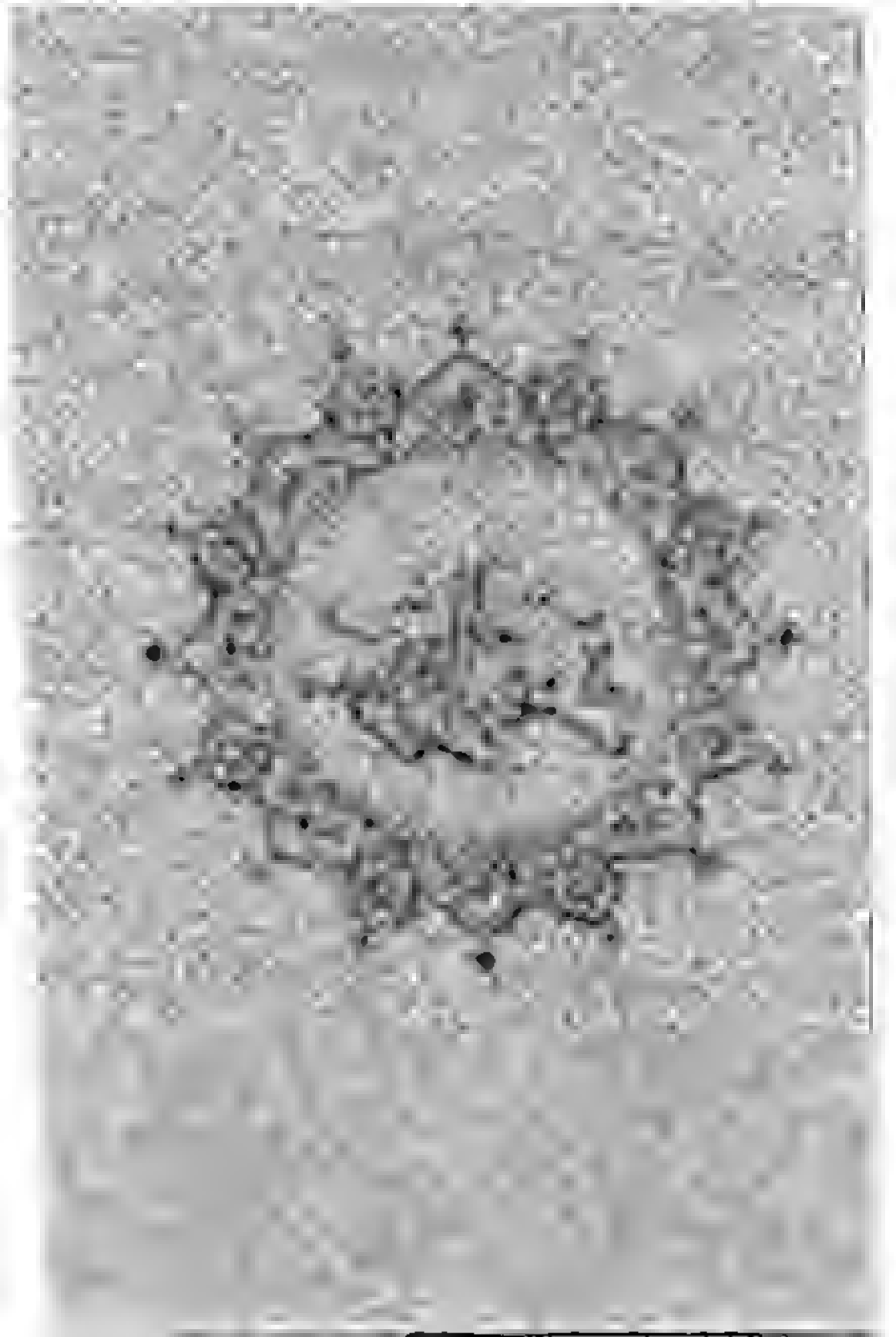
تفسیر معالم العرفان فی دروس اقرآن کی تیسری جد طبع ششم قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔
 اللہ رب العزت نے اس تفسیر کو اپنی خصوصی عنایات سے لے کر شرف قبولیت سے نوازا ہے جس کا منہ بولتا
 ثبوت ایک قلیل عرصہ میں اسکے متعدد پڑھنے والوں کا طبع ہو کر چار دانگ سلام پھیل کر دلائل تحسین حاصل کرنا ہے
 یہ تفسیر رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں بیس ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر منظر عام پر پہنچی ہے۔ اندرون ملک اور
 بیرون ملک سے کثیر خطوط اور ٹیلیفون کے ذریعہ عوام الناس نے اس سے مکمل ہونے پر مبارک بادیں
 پیش کی ہیں اور اس بات کا برملا اقرار کیا ہے کہ اردو زبان میں اتنی سہل مفصل اور عام فہم تفسیر
 آج تک نہ کچھ میں نہیں آئی۔ اہل سنت والجماعت جنہیں دیوبندی مسلک کی صحیح طرحانی اور کار کا رہنما و پابند
 کے جا بجا مفید ذکر کرنے اس کی افادیت کو مزید اجاگر کیا ہے۔ اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ
 اس تفسیر کو صاحب خیر کیلئے اور تمام معاونین اور قارئین کیلئے نجات کا ذریعہ بنادے اور دنیا میں لوگوں
 کی ہدایت کے لیے اور قرآن کریم سے تعلق قائم کرنے کا سبب بنائے۔ آمین۔
 طبع ششم میں کتبہ کی جو غلطی تھیں انھیں بھی کافی حد تک درست کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ
 قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

اسحق

محمد فیاض خاں سواتی

ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ بمطابق اگست ۱۹۹۹ء





سَيَقُولُ ۲

اور منجاء و نجات (۵۵)

الْبَقَرَةِ ۲

آیت ۴۲ ۴۳

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمْ
الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۖ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۲﴾ وَكَذِيتَ جَعَلْنَاكُمْ
أُمَّةً وَطَرًا تُكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ
الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ
يَنْتَقِلُ عَلَى عَقَبَيْهِ ۚ وَلَوْ كَانَتْ كُلُّ بَلَدٍ عَلَى
الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ أُمَّةً أُولَئِكَ
إِنَّ اللَّهَ يَالْتَسِ لَرُّ وَفَجَّ رَحِيمٌ ﴿۴۳﴾

ترجمہ : عنقریب لوگوں میں سے بوقت و گ کیس لے کر ان کو کس چیز سے ان کے
قبلہ سے پھیر دیا ہے، جس قبلہ پر رہتے۔ آپ کہتے تھے، اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق
اور مغرب، وہ جس کو چاہتا ہے۔ سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے ﴿۴۲﴾ اور
اسی طریقہ سے ہم نے تمہیں ایک افضل امت بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہی
دینے والے بنو۔ اور رسول تم پر گواہی دینے والا ہو۔ اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو
جس پر آپ تھے مگر اس لیے تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی تابعداری کرتا ہے
ان لوگوں میں سے جو اپنی اہلیوں پر پھرتے ہیں۔ اور بیچک یہ بات بھاری ہے
مگر ان لوگوں پر کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو مضبوط کرے گا
نہیں ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفیع اور نہایت ہی مہربان ہے ﴿۴۳﴾

تحریک قبلہ

اس سے پہلے قلبِ ابراہیمی درخانہ کعبہ کی تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ بیت اللہ شریعتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا قبلہ رہا۔ قبائلمکہ سے دورانِ حضور علیہ السلام کا قبلہ بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں ہی تھے۔ بعض مفسرین کو یوں فرماتے ہیں کہ آپ دورانِ فناء بیت المقدس کی طرف سے اس طرح رخ کر رہے تھے کہ یہ رخ بیت المقدس کی طرف بھی ہو جاتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مولا یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کیا۔ در تمام مسلمان اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس میں بھی مصیبت تھی۔ بیت المقدس میں سالفہ انبیاء کا قبلہ رہا ہے۔ اور اسی طرح ہر امت سے انبیاء کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا ہے۔ اور آخر اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے سینے خانہ کعبہ کو ہی قبلہ مقرر فرمایا جو اہم مقام ہے۔

ہجرت کے ابتدائی عرصہ میں بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے کا ایک مقصد یہودیوں کی اہلیت تھی تھی کہ وہ دشمنانوں سے قریب تر ہو کر اسلام کی پکارت سے نصیباب ہوں۔ اور اس طرح دین حق کو مست ہول کر لیں۔ مگر یہ لوگ انتہائی متعصب اور خنڈی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی راہ داری سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے۔ یہم حضور علیہ السلام کی ولی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ مقرر فرمائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو پذیرائی بخشی اور یہاں تک اگلی آیات میں آئیگا۔ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا سرخ حکم نازل فرمایا۔

اہل کتاب جو کچھ خنڈی، غنادی اور ہٹ دھرم تھے۔ اللہ رب العزت جانتے تھے کہ مسلمانوں کے جذبہ کی تبدیلی پر یہ لوگ حاضر کریں گے۔ در مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈ کر رہے تھے لہذا انہوں نے تحریک قبلہ کے حکم کے ساتھ ہی اہل اسلام کو خبردار کر دیا کہ یہ لوگ اس تبدیلی پر مسترض ہوں گے۔ لہذا تم ان کے

تھوڑا قبلہ
ہو رہے تھے

راپٹیکہ سے متاثر ہو کر کسی قسم کے شک یا تردید میں مبتلا نہ ہوں۔ پہلے اہل کتاب کے
پہلے اعتراض کا تذکرہ اس انداز میں بیان فرمایا سَيَقُولُ الشُّعْبَةُ لَمْ يَمْنَعْكَ اللَّهُ مِنْ عَقْدِ
اہل کتاب کے یہ قوت توہمیں سے بعض یوں کہیں گے مَا وَكَلَهُمْ عَنْ
قِبَلِهِمْ وَلَاحِجَّ حَكَاؤُا عَلَيْهِمْ سُلَامُونَ کو اہل کے قبلہ کے کس چیز نے چھیر دیا
ہے جس قبلہ پر وہ پہلے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، مسلمان ہجرت نبوی کے بعد سورہ
یا سترہ ۱۰۷ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اس کے بعد
بیت اللہ کے قبلہ مقرر ہونے کا حکم نازل ہوا۔ تو یہودیوں نے اعتراض پیش کر دیا کہ
کیا اللہ تعالیٰ کو اس قبلہ کا پہلے علم نہ تھا۔ جواب یا حکم دے دیا۔ پہلے قبلہ میں کیا غرالی
تھی۔ وہ بھی سابقہ انبیاء کا قبلہ رہا ہے۔ اب اس کی تبدیلی کی کیا ضرورت ہے۔ اہل
یہاں پر اہل کتاب کے یہی سابقہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو کہ عقبہ کی جمع

ہے۔ جس کا معنی یہ قوت ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو کوئی مقدس جگہ یا جہاں
سے عرض کرنا ہے وہ یہ قوت ہے۔ وَمَنْ يُنْصِبْ عَلَيْنَا مِثْرًا
لَهُمْ مَنْ سَنُنَبِّئُكَ - ظاہر ہے کہ کوئی سلیم الفطرت آدمی کلمت ابراہیمی سے بے خبر نہ
ہوگا کہ ستر گین ہی ہیں جو الیا کرتے ہیں۔ مذاہب یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہی ہیں جو الیا کرتے ہیں۔ مذاہب یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہی ہیں جو الیا کرتے ہیں۔ مذاہب یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہی ہیں جو الیا کرتے ہیں۔

اہل کتاب کے اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا قُلْ يَللہُ الشَّرْقُ وَالْمَغْرِبُ
وَالْمَغْرِبُ لَمْ يَغْبِرْ عَلَيْهِ السَّامُ! آپ فرمادیں کہ یاد رکھو، مشرق و مغرب اللہ ہی
کا ہے۔ یہ بات تو نہیں ہے کہ مشرق اللہ کا ہے اور مغرب کسی دوسرے کا۔ لہذا
ہر جہت اُسی کی ہے تو پھر اُسی کی اعانت لازم ہے۔ وہ جس طرف کو منہ کرے
کا حکم دے ماننا پڑے گا۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جو کوئی اللہ
تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ اُس کی خوشنودی کو پائے گا۔ اور جو اُس کے کسی حکم پر
معترض ہوگا۔ اُس کی تعمیل میں نیت و عمل کرے گا۔ وہ ملعون اور مردودِ عرش ہے گا۔ اور
بہرہ بھی ہے کہ عبادت کے لیے کسی قبلہ کا مقرر کرنا انسان کے محض جہانی

تقاضے کو پورا کرنا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے روح کی توجہ ہمیشہ
 بجلی الٹی کی طرف رہتی ہے۔ اس کا اظہار رخ کسی طرف بھی ہو، اس سے کچھ فرق
 نہیں پڑتا۔ بیت المقدس یا بیت الشریف کی جہت کا تقرر کہ مسلمانوں کے افاقہ و اتقان
 کی ایک علامت ہے کہ تمام عبادت گزاروں کا رخ ایک ہی جہت میں ہوتا ہے
 وگرنہ جس طرف بھی منہ نہ کراد، عبادت اسی کی ہوگی۔ پہلے گزر چکا ہے فَأَيُّكُمْ
 لَوَلَّوْا فَسُجَّوْا وَجْهَهُ اللّٰهِ تم جہت بھی رخ نہ کر دے گے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی
 ادھر ہی پاؤ گے۔ اسی لیے یہ مسئلہ ہے کہ دوران سفر اگر قبلہ کا تعین نہ ہو سکے۔ تو
 جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھو گے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ قبلہ معلوم
 ہو جانے کے بعد نماز کو پڑھانے کی ضرورت نہ نہیں ہوگی۔ دونوں قبلوں میں صرف
 اس قدر فرق ہے کہ بیت المقدس اس لحاظ سے قریبی قبلہ ہے۔ کہ یہ خاص خاص
 پر غیر دل کا قبلہ ہے۔ اور بیت اللہ شریف بین الاقوامی قبلہ ہے۔ کہ یہ تمام
 انبیاء و شہداء حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ ہے۔

مقام تحویل قبلہ

آگے تفصیل سے ذکر آئے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم ہی سلمہ کی مسجد میں قمر یا عصر کی نماز ادا فرماتے تھے۔ کہ دوران نماز
 ہی قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔ آپ نے آدھی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے
 پڑھی اور بقیہ نصفہ بیت اللہ شریف کی جہت میں صحیح حدیث میں آتا ہے کہ
 نبی کریم پر جب حضور علیہ السلام نے چپ کر رخ پھیر لیا۔ تو تمام صحابہ کرام بھی بیت
 گئے۔ کسی کو کچھ تردد نہ رہا۔

اگلے روز قبا کے لوگ اپنی مسجد میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کا رخ
 حسب معمول بیت المقدس کی طرف تھا۔ اسی دوران میں کسی نے آکر خبر دی۔ کہ قبلہ
 کا حکم تو بدل چکا ہے۔ تم ابھی تک بیت المقدس کی طرف رخ کیے ہوئے ہو۔ یہ
 سُننے ہی لوگوں نے نماز کی حالت میں اپنا رخ بیت اللہ شریف کی طرف پھیر
 لیا۔ کسی شخص نے جیل و محبت نہ کیا۔ یہ صرف اہل کتاب تھے جو تحویل قبلہ پر اعتراض

کہ ہے متھے۔ اُن کے یہ اعتراضات آگے وڑتے چلے گئے ہیں اَلْكَفَرَةُ
 اِلَى الدِّينِ فَخَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَكُنْهُمْ فِي سَلْبَةٍ مَوْقِعَ بَرْمُوقِ عِثَابِهِ۔ یہود و
 نصاریٰ کا یہ شکوہ بار بار منظر عام پر آتا ہے۔ حالانکہ اگر مسلمانوں کی طرح وہ بھی
 حُتِّ اِبْرَاهیمی پر قائم ہوتے تو اس قسم کے اعتراضات پیش کرنے کی بجائے
 اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لیتے۔

فرمایا مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل ہونی چاہیے
 مگر بات یہ ہے کہ یَا مُدِیْ مَنْ بَشَاءُ اِلٰی حِوَاطِ مُتَّقِیْنَ وہ جسے
 پابنا ہے۔ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اہل کتاب اپنی حد کی
 وجہ سے اس ہدایت سے محروم ہے حالانکہ اُن کی اپنی کتابوں میں بیت اللہ شریف
 کے فضل اور بین الاقوامی قبلہ ہونے کے احکام موجود تھے اور یہ ہمیشہ کوئی بھی پانی
 باقی نہ تھی کہ نبی اکرم الزماں کا قبلہ بیت اللہ شریف یعنی خانہ کعبہ ہوگا۔

افضل امت
 اس کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ فضل بنایا ہے۔ اسی طرح
 ہم نے تمہیں (سب اہل اسلام) امت بھی افضل بنایا ہے۔ وَكَذَلِكَ
 جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا اَوْسَطُ کے عظیم معنی درمیان کے ہیں۔ یعنی تمہیں
 درمیانی امت بنایا۔ اور ظاہر ہے کہ درمیان والی چیز ہی عدل و انصاف پر
 مبنی اور منطوق و تفسیر سے پاک ہوتی ہے۔ وذا ہی چیز افضل ہوتی ہے۔ گویا اللہ
 تعالیٰ نے امت محمدیہ کو وسط کا لقب دیکر اسے افضلیت کے مقام پر فائز فرمایا
 ہے اور اس امت کے افضل ہونے کی غرض و غایت یہ ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ
 عَلٰی النَّاسِ مَا کَرَّمَ دُوْسُکَ زُکُوْنٍ پُر گراہ بن جاؤ وَفِیْکُمْ اَلرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ
 سُبْحٰتُکُمْ اُور رسول اکرم علیہ التحیۃ والسلام تم پر گواہی دینے والے بن جائیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس دوہری گواہی کا مظاہرہ قیامت والے
 دن یہاں محشر میں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک اپنی کتاب المذہب
 میں حدیث لائے ہیں جس سے مذکورہ گواہی کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔

. الکر سے ہر مکہ و ہجرت کے روز جب سب لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں
 بہت ہموار ہو جائے اور مقدمہ پیسے کو آدھا کر دے۔ ہنر مند و صنعتی
 سے پورے ہوں گے۔ یہ تم نے میری امانت کو دیا۔ اسرائیل علیہ السلام عرض کریں
 گے کہ ہاں باری تعالیٰ میں سے وہ امانت جسے تیرے طریقہ اسلام کو پہنچا دی، چھوڑ کر اس کی
 و طلب کر کے لوٹیں گے کیا کیا، اسرائیل نے میری امانت تم تک پہنچا دی۔
 وہ اقرار کریں گے کہ ہاں اسرائیل علیہ السلام سے امانت مجھے تک پہنچا دی۔ چنانچہ
 اسرائیل کو بھڑکایا جائے گا۔ درجہ تیرے سے مزید سوال ہو گا کہ تم نے میری امانت
 کے ساتھ کیا کیا، وہ عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ! میں نے تیری امانت میرے
 رسولوں تک پہنچا دی۔ اب رسولوں کو طلب کر کے پوچھ جائے گا کیا جبریل نے
 میری امانت تک پہنچا دی۔ تو رسول بھی عرض کریں گے، ہاں مولا کریم! جبریل علیہ
 السلام نے تیری امانت ہم تک پہنچا دی۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تم نے اس
 امانت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ رسول عرض کریں گے کہ ہم نے تیرا پیغام اپنی
 امتوں تک پہنچا دیا۔ چھوڑ کر طلب کیا جائے گا۔ اور پوچھا جائے گا کیا میرے
 نبیوں نے میری امانت تم تک پہنچائی۔ قیامتوں کو طلب کیا جائے گا۔ کیا میرے
 پیروں میں سے بعض امتیں تصدیق کریں گی کہ اے اللہ! تیرے نبیوں نے تیری
 امانت ہم تک پہنچائی۔ اور بعض امتیں انکار کریں گی کہ ہم تک وہ امانت نہیں پہنچی
 انکار کرنے والی امتوں کے نبیوں سے کہا جائے گا کہ وہ اس بات پر
 گواہ ہوتے ہیں کہ واقعی امتوں نے امانت اپنی امتوں تک پہنچا دی۔ تو انبیاء
 کریم اپنی گواہی کے لئے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام پیش
 کریں گے۔ امت محمدیہ کو طلب کر کے پوچھ جائے گا تو وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں
 گے کہ انبیاء نے کریم نے اپنی امانت اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دی۔ وہ امتیں
 اس گواہی کا انکار کریں گی کہ مولا کریم۔ یہ لوگ ہم سے زمانہ میں نہیں تھے۔ ہم نے ان کو
 باطل نہیں پہچانے تھے لہذا یہ جہاں سے خلاف کیے گواہی دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

فرمانبردار ہو جائے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں رب العلمین کا فرمانبردار ہو گیا۔ پھر شاد ہو اس کی
 تعمیل کے لیے بسر و چشم تیار ہوں۔ اس قسم کے اعمال پر چلنے والے لوگوں کے سینے
 تحویل قبلہ جیسی چیز کیسے بجا رہی ہو سکتی ہے۔ نماز کے متعلق بھی پہلے پار دیں گے چکا
 ہے قَدْ هَمَّ لَكَ يَوْمَئِذٍ الْقَتْلُ إِنَّكَ لَمِّنْ شَاقِقِينَ یہ نہ منافقین پر بڑی بھاری ہے
 مگر ان لوگوں پر نہیں، جن میں عجزی اور خشیت الہی جیسی صفات موجود ہوں ان
 کے لیے کہ نماز راحت کا ذریعہ ہے کیونکہ اس سے تعلق الشریعہ ہوتا ہے تو
 ہاں یہ بھی فرمایا کہ تحویل قبلہ کا حکم اہل کتاب کے لیے سنت گراں ہے مگر ان لوگوں
 کیلئے نہیں ہے، نہیں اللہ نے ہدایت سے دریغ نہیں کیا۔

تحویل قبلہ پر
 دوسرا اعتراض

تحویل قبلہ سے تعلق اہل کتاب کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ جو لوگ بیت الشریعہ
 کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے فوت ہو گئے ہیں۔ نہیں تو اس طرف رخ کر کے نماز
 پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ کو بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر سکتے تھے۔ لہذا اس
 سنئے حکم کی روشنی میں ایسے لوگوں کی نمازوں کی کیا حیثیت ہوگی۔ وہ قبول ہوں گے یا
 نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ شَيْعًا
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَهْدِيَ ضَالِّينَ اگرچہ اللہ نے ہدایت کرنے والے نہیں ہیں۔ امام
 بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر ایمان سے مراد نماز ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں
 کی نمازیں ضائع نہیں کرے گا۔ جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے۔ ان پر
 کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ إِنَّ اللَّهَ يَهْدِي لِرِجَالِهِم مِّنْهُم مَّنْ يَهْدِيهِ اللَّهُ فَمَن يَضِلَّ
 لوگوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ سائبانہ لوگوں نے جو نمازیں پڑھی
 ہیں۔ وہ پختہ ہیں انبیا کے حکم کے مطابق صحیح طریقے سے ادا کی ہیں۔ لہذا ان
 کی نمازیں مقبول ہیں، ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔

اس قسم کا معاملہ شریعوں کے تعلق سورۃ مائدہ میں آئے گا۔ کہ جن لوگوں نے
 حرمت شراب سے پہلے شراب نوشی کی تھی اور وہ فوت ہو گئے۔ ان کا کیا
 بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ جس

وقت ایک چیز حرام نہیں تھی، اس وقت اس کے استعمال سے گناہ لازم نہیں آتا۔ ہاں جو شخص حرمت شراب کے حکم آجائے کے بعد ٹھکے پئے گا، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائے گا۔ اس مقام پر بھی اعتراض کا جواب یہی دیا کہ جن لوگوں نے تبدیلی قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف منکر کے نمازیں پڑھی ہیں۔ ان کی نمازیں بالکل درست اور اللہ کے ہاں قابل قبول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کا عمل عناہ نہیں کرتے وہ بڑے شفقت کرتے ہیں اور عمران ہیں۔

قَدْ تَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ
 قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوِرَّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
 وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ وَإِن
 لَّبَدِيبٍ لِّوَلَّوْنَا لَیَكْتَبَ لَیَعْلَمُونَ نَتَّهِ الْأَحْقَ مِنْ
 رَبِّهِمْ ۚ وَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عَلَّمْنَا مِنْهُ وَلَیْسَ
 نَتَّهِ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ لَیْسَ
 قِبْلَتُكَ ۚ وَمَا نَتَّهِ قِبْلَتُهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ
 بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَیْسَ أَشْعَتْ هَوَاءٌ هُمُومُ
 بَعْدَ مَا جَاءَتْكَ مِنْ أَمْرٍ ۚ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ نَظِيرٍ ۚ (۱۰۱)
 الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمْ لَیَكْتَبَ لَیَعْلَمُونَ كَمَا یَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ
 وَإِن فَرِیقًا مِنْهُمْ لَیَكْتَبُونَ ۚ أَحَقُّ وَهُمْ یَعْلَمُونَ ۚ (۱۰۲)
 الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِینَ ۚ (۱۰۳)

تمہیں یہ تحقیق ہم آپ کے پیروں سے کہنا کی طرف رہ رہ کر دیکھتے ہیں اس پر آپ
 کو بدل جائیں گے اس قبلے کا جس کو آپ پسند کر سکتے ہیں۔ پس اس پر پوری کیا
 اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔ پھر جہاں بھی آپ ہوں پس ہمیں وہی شہ جہوں کو اس
 طرف اور چنگ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی، لبتہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے
 رب کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں ہے، جن کو یہ کہتے
 ہیں (۱۰۳) اور اگر آپ ان لوگوں کے پاس ہیں کہ کتاب دی گئی ہے، ہر قسم کی کتابی

مگر انتظام دینی میں آپ اپنی نگاہ بار بار آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔
 سابقہ کتب میں اس بات کی پیشین گوئی موجود تھی کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ وہی
 ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا یعنی خانہ کعبہ، نیز یہی جذبہ آپ کے قلب
 مبارک میں بھی ڈال دیا گیا تھا۔ لہذا آپ کی خواہش تھی کہ بیت اللہ شریف کی طرف
 منہ کرنے کا حکم نازل ہو جائے۔ اور آخری نبی کی آخری امرت کا قبلہ قومی کی بجائے
 دین لاقوامی مقرر ہو جائے۔ مسلمانوں کو اسی قبلہ (بیت اللہ شریف) کی طرف منہ
 کرنے کا حکم ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ لہذا آپ ہی شرق
 میں نگاہ مبارک بار بار آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔

تحوّل قبلہ
 کا حکم

آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو شریف قبولیت بخدا اور تحویل قبلہ کا حکم
 نازل فرمایا۔ فَلَمَّا نَزَلَتْ قِبْلَتَهُ مَكَرَ صِهْرُكَ ابْنُ مَرْثَدَةَ ابْنِ قَيْسِ بْنِ خَدِجَةَ
وَالْبَنِيَّانِ کے جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔ لہذا حکم ہوا۔ فَوَيْلٌ لَّكَ وَجِجَتُكَ
بِطَرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ آپ اپنا چہرہ اور مسجہ حرام کی طرف پھیر دیں۔ وَوَحْيَتْ
مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ فَوَيْلٌ لَّكُمْ وَجِجَتُكُمْ شَطْرَكُمْ اور آپ لوگ جہاں بھی ہوں۔
 اپنے چہرہ کو اسی کی طرف پھیریں۔

تاریخی روایتوں میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام بنی سلمہ کے محلہ میں
 بشر ابن براہ بن معروضہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چار میل
 کے فاصلہ پر ہے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمع و غیر صحابہ محلہ
 کی مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ اسی
 دوران میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی فَوَيْلٌ لَّكَ وَجِجَتُكَ بَطَرِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ آپ دو رکعت ادا فرما چکے تھے۔ نزل دینی پر فوراً آپ نے پارخ مبارک
 بیت اللہ سے سمت بیت اللہ شریف کی طرف پھیر لیا۔ آپ کی اقتداء میں
 مرد اور عورتیں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے رخ تبدیل کیا تو بیت ام
 صحابہ نے بھی اپنی صفوں کو پلٹ دیا۔ اسی سمت بنی سلمہ کی اس مسجد کو مسجد قبلتین

یعنی دو قبلوں والی مسجد کہا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ شطر تفصیل طلب ہے۔ اس میں ایک حکم قریب ہے کہ
قَوِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط یعنی آپ اپنی منہ مسجد حرم کی طرف
کر لیں۔ دوسری بات یہ فرمائی وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
سَطْرَهُ ط اُنم جہاں کہیں بھی ہو، اس کی طرف منہ کرو۔ لفظ شطر مختلف معانی میں
استعمال ہوتا ہے، اس کا ایک معنی —————

’نصف‘ آتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آتا ہے: رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ
شَطْرِ أَهْلِ الْجَنَّةِ یعنی مجھے امید ہے کہ جہنم میں جانے والے کل لوگوں
میں نصف تعداد تمہاری ہوگی۔

شطر کا دوسرا معنی اجز و بھی آتا ہے۔ جیسا کہ اِنَّ الْفَرَائِضَ شَطْرُ الْعَسَمِ
یعنی فرائض اور راشٹ غلم کا جزو ہے۔ مگر اس آیت کریمہ میں شطر جہت
کے معنی میں آیا ہے۔ اس مسئلے میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ نماز شروع
کرتے وقت جس شخص کو کعبہ شریف نظر آ رہا ہو۔ اسے عین کعبہ کی طرف رُخ
کرنے کا حکم ہے۔ اور جس کو کعبہ نظر نہ آ رہا ہو۔ اسے عین کعبہ کی بجائے اُس کی طرف
یا اُس کی جہت میں رُخ کرنا کا حکم ہے۔

اس آیت میں عین کعبہ کی بجائے مسجد الحرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا
گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا قدرے مشکل ہے۔
لہذا پوری مسجد حرام کہہ جہت کو وسعت دے دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن
عباس کی روایت میں آتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کے لیے
عین کعبہ جہت ہوگی۔ جو لوگ حد و حرم کے اندر رہنے لگے ہیں۔ اُن کے لیے
مسجد الحرام جہت ہے۔ اور جو لوگ حد و حرم سے باہر دروازے پہنچ گئے
ہیں۔ اُن کی نیلے پورا حرم جہت ہے۔ مقصد یہ کہ جو لوگ خانہ کعبہ سے دور
ہوئے جائیں گے اُن کے لیے جہت میں وسعت پیدا ہونی چاہئے گی۔

ایک دوسری حدیث میں آئی ہے۔ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ. جسے مشرق و مغرب کے درمیان قیبلہ ہے۔ اور یہاں اس کو ہم یوں نہیں سمجھیں کہ شمال و جنوب کے درمیان قیبلہ ہے۔ مقصد یہ کہ اگر عین کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا تو یہ دشوار تھا اور جنت عام ہے۔ حتیٰ کہ جب تک کعبہ کی طرف بالکل پشت نہ ہو جائے۔ نماز درست ہے۔ اس کے لیے زاویہ قائمہ ضروری نہیں ہے اگر زاویہ حادہ کے ساتھ رخ کر کے بھی نماز پڑھی جائے گی، تو وہ درست ہوگی۔ البتہ اگر آسانی کے ساتھ جنت کا تعین ہونے کے ترہور کرنا چاہیے۔ ایک زمانہ میں غلامت اللہ خاں مشرقی نے اپنی تحقیق کے مطابق عام مسجدوں کے رخ غلط بتائے تھے۔ وہ ایک ریاضی دان تھے۔ ان کے نزدیک صرف بارش ہی مسجد کا رخ درست تھا، باقی سب غلط تھے ان کے بقول نمازیوں کو کثرت عین قیبلہ کی طرف نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نمازیں باطل تھیں۔ ان کا یہ نظریہ غلط تھا کیونکہ قیبلہ کا تعین اللہ تعالیٰ نے ریاضی کے اصولوں پر کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ فطری اصول پر جو جنت کعبہ یا جنت مسجد حرام کا حکم ہے۔

اگر عین کعبہ یا عین مسجد حرام کی پابندی لازمی ہوتی تو واقعی یہ بڑا مشکل کام تھا بعض مقامات پر مسجد اور عیدین کی نمازوں میں بڑی بڑی بی نظائریاں سن جاتی ہیں ایسی صورت میں ہر نماز کی کارش عین کعبہ یا عین مسجد حرام کی طرف ہونا ممکن ہی نہیں رہتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صرف جنت کا حکم دیا ہے۔

جس طرح دن، کپڑا اور زمان کی عبادت نماز کی شرائط میں سے ہے۔ اسی طرح استقبال قیبلہ بھی نماز کے لیے بغیر شرط کے ہے۔ اسی لیے حکم یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت جنت قیبلہ ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ گارٹی یا جہاز پر بھی سفر کر رہا ہے۔ تو قیبلہ کا تعین کر سکتا ہے۔ تاہم اگر دو دن نماز سواری پر ہوئی وہ جسے رخ تبدیل بھی ہو جائے۔ تو کوئی عرج نہیں۔ نماز درست ہوگی۔ البتہ جہاں تعین قیبلہ ممکن نہ ہو وہاں تحریر کا حکم ہے۔ حتیٰ اپنی طرف سے استقبال قیبلہ کی

پوری گوشش کرے۔ اور نماز شروع کرے۔ اور پھر اس طرح سے متعین ہی بڑ
 رخ غصہ بھی ہو گا۔ نماز درست ہوگی۔ کیونکہ یہ نماز ہی سے احتیاد سے اہم تھا
 اس کے متعلق آیت گزشتہ ہے۔ **فَاَبْنِاْ نُوْلُوْا قِسْمًا وَّجْهًا لِلّٰہِ** ایک
 موقع پر رات کے وقت صحابہ کرام سے یقین کے ساتھ تعین قبلہ نہ ہو گا ہر ایک
 نے اپنی اپنی گوشش اور سمجھ کے مطابق قبلہ کا تعین کیا۔ اگرچہ ان کے استقبال
 قبلہ میں ایک درست کر کے اختلاف پایا جاتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کی
 نمازوں کو شرف قبولیت بخشا۔ اور اس آیت کے ذریعہ نماز کی درستگی کی تصدیق فرمائی
 استقبال قبلہ کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ہتھ دھڑکی کا ذکر
 کیا ہے۔ کہ یہ لوگ اہل ایمان کی مخالفت محض مخالفت کی بنا پر کرتے ہیں۔ ورنہ
 ان پر حق تو واضح ہو چکا ہے۔ **وَاَنَّ الدِّیْنَ اَزَلَّوْا مِکْتَبٌ** اور وہ لوگ جن
 کو کتاب دی گئی ہے۔ **یَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہُمْ** وہ جانتے ہیں
 کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔ مگر وہ دالہ حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔
 انہیں علم ہے کہ ان کی اپنی کتابوں کے مطابق بیت اللہ شریف کی جہت بالکل
 درست ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ نبی آخر الزمان کا قہر یہی ہے۔ اس کے باوجود
 مخالفت پر کھمبستہ ہیں۔

مخالفت
 کرنے کی طرف

اس المؤمنین حضرت صفیہؓ مسودہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ آپ
 مد چھاپہ مسودہی عالم تھے اور خیبر میں بستے تھے۔ جب حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ سے
 ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو یہ دونوں بھائی آپ کو پہننے کے لیے
 آئے۔ آپ سے بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ ملاقات کے بعد جب واپس خیبر پہنچے تو
 دونوں بھائیوں نے حضور علیہ السلام کے متعلق آپس میں کچھ بات چیت کی
 جسے ام المؤمنینؓ نے بھی سن لیا۔ آپ کے باپ کے بوجھنا
 کہ سچ سچ بتاؤ کہ کیا یہ وہی نبی ہیں۔ جن کا ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔
 صفیہؓ کے پاس تصدیق کی کہ ہاں یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں۔ جن کی نشانیاں ہم

پاس موجود ہیں۔ اس پر چھپانے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر یہیں ان پر ایمان لے آنا چاہیے۔ مگر باپ کہنے لگا۔ کہ جب تک میری جان میں جان ہے۔ میں اسکی مخالفت کرتا رہوں گا۔ اور آپ کے پروگرام میں رکاوٹ بنا رہوں گا۔ مقصد یہ ہے کہ محض خدا کی وجہ سے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے ساتھ مخالفت ان کا جزو ایمان بن چکی تھی۔ حضرت صفیہؓ کا باپ جنگ خیبر میں قتل ہوا۔ آپ لڑائی کی حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو آزاد کر دیا۔ یہ پھر ان سے نکاح کر لیا۔ یہ واقعہ خود حضرت صفیہؓ نے سنایا۔ انور رضی اللہ تعالیٰ نے ان کی سند اور عداوت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے بعد فرمایا۔ کہ یہ لوگ حق کو چھپانے کی جتنی بھی کوشش کریں مگر وَمَا اللَّهُ بِخَافِلٍ عَمَّا يُفْعَلُونَ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل نہیں بلکہ ان کی ایک ایک حرکت کو خوب جانتا ہے۔

فرمایا۔ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وَلَکِنَّ الَّذِیْنَ اٰذَنُوْا لَیْکَذِبْنَ بیکل ایجے اگر آپ اہل کتاب کے پاس ہر قسم کی ناشافی بھی سے آئیں۔ اور دلائل کے ساتھ ثابت کر دیں۔ کہ بیت اللہ شریف ہی صحیح قبلہ ہے۔ مَا تَبْعُوْا قِبْلَتَکُمْ پھر بھی یہ لوگ آپ کے قبلہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ حالانکہ یہ چیز انجیل میں بھی موجود ہے کہ جب سیح علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے جا رہے تھے۔ تو اس سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ بھائی! میں تمہاری طرف اپنے خداوند کی جانب سے اُس موجود کو بھیجا ہوں جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مگر اے دوگرا جب تک تمہیں عالم بالا سے قوت حاصل نہ ہو جاوے تم پر و شلم میں ہی ٹھہرنا یعنی تمہارا قبلہ ہی ہو گا، اور پھر جب تمہیں قوت حاصل ہو جائے گی، تو تمہارا قبلہ بھی تبدیل ہو جائیگا۔ اس کے باوجود یہودیوں نے بیت اللہ شریف کو قبلہ تسلیم نہ کیا۔

انشاء جہان کے زمانے میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی «بیت بڑے عالم ہوئے

ہیں۔ انہوں نے بیضاوی پر حاشیہ لکھا ہے۔ فراموش ہے کہ سابقہ کتب کی پیش گوئیوں بعض صریح الفاظ میں ہیں، اور بعض کنیت کی زبان میں ہیں۔ اس آیت میں کنیت بتایا گیا ہے۔ کہ خود سے مراد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بہت اور بحیل کے الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو جائے۔ اور انہیں قرست یعنی مسیح اور علیہ وسلم بدھائے گا تو قبلہ بھی تبدیل ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ دو قبلہ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ قبلہ ہونے کی وجہ سے یہ دو قبلہ یعنی بیت المقدس اب بھی محترم اور عزیز ہے۔ مگر وہ قبلہ نہیں رہا۔ اس طرف رخ کر کے نماز اور نہیں کر سکتے۔

تھیں قبلہ
شمار ہو

تھیں کرام فرماتے ہیں۔ کہ نماز کی حالت میں نماز کے پھینکے کا جہت قبلہ ہوا فرض ہے۔ اندر چہرے کا اس رخ پر ہونا سنت ہے۔ چنانچہ اگر نماز کے دوران سینہ جہت قبلہ کے منحرف ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ چہرے کے منحرف ہونے سے نماز باطل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ محض مکروہ ہوگا۔ استقبال قبلہ کے متعلق ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا کہ ملت ابلیہ بھی کو ماننے والوں میں سے تھے صلی صلوٰتہا و منقبتہا قبلتہا و اھکال ذبحتہا و ذلک اذہم یعنی جس سے ہمارے جیسی نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا۔ اور ہمارا ذبیحہ کھایا۔ اور وہ مومن ہے۔ اگرچہ یہودی بھی بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں۔ مگر یہاں پر ہمارا قبلہ کہہ کر ان کے بعد کی نفی کر دی۔ اسی طرح وہ ہماری طرح نماز نہیں پڑھتے۔ و دشمنانوں کا ذبیحہ بھی نہیں کھاتے لہذا وہ ملت اسیرہ میں شامل نہیں گویا حضور علیہ السلام نے استقبال قبلہ کو شعار اسلامی میں شامل کیا۔

میں نے
اقرار کیا

دیباچہ سرسوتی کریم سماجی بندہ دلوں کا شور فیروز گزرا ہے۔ اس نے مسلمانوں پر ظفر نہیں کیا تھا کہ ہر لوگ ہندوؤں کو تو بت پرستی کا طعن دیتے ہیں۔ مگر خود ایک مکان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ جو یہ بت پرستی سے تعمیر کیا ہوا ہے۔ کیا یہ بت پرستی نہیں ہے؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دو حصوں پر مشتمل کتاب لکھی اس کے کتب خانہ میں سرسوتی کے اہل سنیہ پر بدھنوں پر، عترت حضرت کے جوابات، کچھ اور دور سے لکھے ہیں صرف قبلہ پر عترت امانت کا جواب دیا۔ قبلہ نامی یہ کتاب

بڑی رستہ پر ہی عمدہ کھانا بہت۔ مہربان فرماتے ہیں کہ عجیب اعتراف ہے
 لہذا اس استقبال قبلہ اور کچا تہاری بہت پرستی۔ تم تو بتوں کو نافع اور ضرر سمجھ کر سنے
 معنی سمجھ کر سنے ہو، اُن کی پوجا کرتے ہو۔ مگر ہم تو خانہ کعبہ کا صرف استقبال کرتے
 ہیں۔ لفظ استقبال خود بتلا رہا ہے۔ کہ خانہ کعبہ کی طرف۔ صرف توجہ کرتے ہیں۔ ابھی
 پوجا بگڑ نہیں کرے۔ لہذا تہااری بہت پرستی اور ہمارے استقبال میں زمین و آسمان
 کا فرق ہے۔ بہت تمہارے مقصود ہیں۔ مگر ہمارے صرف رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے
 مقصود تو رستہ خداوندی ہوتی ہے۔

پھر۔ ایک عبارت۔ کہ۔ بے نیت ضروری ہے۔ اس کے بغیر عبادت
 قبول نہیں۔ مگر استقبال قبلہ کے۔ بے نیت ضروری نہیں ہے۔ محض اس طرف
 رخ کر لینا ہی کافی ہے۔ مشرکین بتوں کی پوجا بہت اور ادا سے کرتے ہیں
 لہذا محض استقبال قبلہ عبادت کے ذریعے میں نہیں آتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اول سے
 ہر کام نماز کے کسی لفظ سے بھی تعظیم کعبہ کا اظہار نہیں ہوتا۔ یہاں تو ایک ایک
 لفظ سے اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثنا اور تعظیم اُپیان ہوتی ہے۔ لہذا کعبہ شریف کی عبادت
 کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ذرا اور آگے چلیے خانہ کعبہ کی دیوار میں یا جس کے سینٹر مسلمان کا مقصود و مقصد
 نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کسی وقت کعبہ کی دیوار میں مہدم جمع ہو جائیں۔
 اَللّٰہُ اَکْبَرُ تو پھر بھی مسلمان نہ ٹپھتے۔ اسی طرف رخ کریں گے۔ گویا اُن کے نزدیک
 انبٹوں اور پتھروں کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اُس جگہ کو مرکز تجلیاتِ الہی سمجھ کر اُس
 طرف رخ کیا جاتا ہے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں بیت اللہ شریف
 کی تعمیر کے سلسلے میں جب ساری دیواریں گرا کر اُس جگہ پر تھیں کھڑی کر دی گئیں
 تو نماز کے وقت رخ اُسی طرف ہی کیا جاتا تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف
 صرف جہت ہے، وہ مسجد نہیں ہے۔ بر خلاف اس کے کہ بہت پرست ہوا اس
 طرف کو رخ کر کے عبارت کریں گے جس طرف بت رکھے ہوں گے کیونکہ

بہت اُن کے معبود ہیں۔ اور بتوں کی منتفی پر اُن کا رُوح ہی اُسی رُوحِ متعلیٰ ہو جائیگا۔
 غلط بیعت اللہ سے خود بخود واضح ہے کہ اس سے مراد اللہ کا کُفر ہے، نہ کہ
 خود اللہ رب العزت۔ اور یہ مکان یا جگہ اللہ تعالیٰ کی خاص عیادت کا مرکز ہے۔
 یہ نہ صرف خود معبود نہیں ہے۔ ایک اور بات بھی ہے۔ کہ جب کوئی کسی مکان کی عیادت
 جاتا ہے۔ تو اس کا مقصود سنی اور پھر کابینا بڑے مکان نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مقصود وہ
 مطلوب اُس مکان کا عین ہونا ہے۔ لہذا استقبالِ قبلہ سے ہمارا مقصود اللہ تعالیٰ
 ہوتا ہے۔ اور نہ خانہ کعبہ اور یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ کہ سنی عبادت وہ ذات
 ہو سکتی ہے۔ جو خود بخود ہو۔ اور جس چیز کا قیام و بقا درمیانِ امر و نہی ہوتا ہو۔ وہ
 عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہے۔ اس خانہ کعبہ کو تو فرشتوں نے بنایا۔ دم علیہ
 السلام نے تعمیر کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں میں مکمل کو پہنچا، یہ کیونکر معجزہ
 مولانا نافروری نے آخری بات یہ فرمائی۔ کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی چیز کا عکس
 یا تجلی اُس چیز کا عین ہونا ہے۔ اور یہ تصور یا تجلی اُسی چیز کی بھی جائیگی جس کی وہ فی الواقع
 ہے۔ تو جہاں ہم کعبہ کو معبود نہیں مانتے بلکہ تجلی کا معبود مانتے ہیں۔ اور اس طرف
 دُش کر کے عبادت کرتے ہیں۔ تو گویا عین معبودِ حقیقی یعنی خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔
 خانہ کعبہ کے مرکز تجلیات ہونے کو ایک دوسرے طریقے سے سمجھیے۔ اور وہ
 یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی مثال ایسی ہے، جیسے سورج کی تہی جو پوری کائنات
 پر پڑتی ہے۔ اور کائنات کیسے بہ زمین ہے۔ اس کے اوپر کچھ غصہ ہے
 اور پھر عدم ہے۔ یعنی آگے کچھ بھی نہیں۔ جب سورج کی تجلی عدم پر پڑتی ہے۔
 تو زمین کی طرف واپس پلٹتی ہے۔ اور زمین پر بیعت اللہ شریعتِ معلیٰ آئینہ کے
 ہے آئینہ دیکھتے ہیں کہ جب سورج کی شعاعیں آئینہ پر پڑتی ہیں۔ اور اس میں سورج
 کی چمک نظر آتی ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی تجلیات خانہ کعبہ پر پڑتی ہیں۔ تو
 اس میں آئینہ کی جگہ جاتی ہیں۔ اور ایسے مرکز تجلیات بنادیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے اس مرکز خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ خانہ کعبہ

کی طرف رخ کرنے سے شروع اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

نورِ نور فرمائیے، جس طرح خداوند تعالیٰ جنت سے پاک ہے۔ اسی طرح روح جیسی لطیف چیز کو بھی جنت کی ضرورت نہیں۔ بہ خلالت اس کے جسم انسانی مادی چیز ہے۔ اور مادی چیز کا رخ جس چیز کی طرف متعین کیا جائے گا وہ مادی ہوگی۔ لہذا مادی چیز ہونے کی بنا پر خدا کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے۔ کہ اس کے اندر ایک قسم کا جہاز اور استقرار ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ ہم اس تجلی الہی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اور اس بالک بالک کی عبادت کرتے ہیں، جس ذات کی تجلی خدا کعبہ پر پڑ کر اُس کی صفت بنتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تجلی اسی مقام پر پڑ رہی ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ پوری زمین کی ابتداء اسی مکہ مکرمہ کے مقام سے ہوئی تھی۔ یہ جگہ ساری زمین کی ناف ہے۔ سب سے پہلے اسی مقام سے پانی کا ایک ٹبلہ اٹھا تھا جو پھیل کر زمین جیسی بڑی چیز میں تبدیل ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس جگہ کو مستقیم بلاد بھی کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تجلیات اسی مقام پر پڑتی ہیں۔ لہذا یہ جہاز قبلہ ٹھہرایا گیا۔

مسلمانوں کے قبلہ سے متعلق اعتراضات کے جواب حضرت مولانا نانوتویؒ کے علاوہ بعض دیگر علمائے کرام نے بھی دیے ہیں۔ جن میں دہلی کے مولانا ابوالمنصورؒ ہیں۔ لیور پور مولانا رحمت اللہ کیڑلویؒ ہیں۔ جو ہندوستان سے ہجرت کر کے بیڑہ معظمہ چلے گئے۔ دہلی انہوں نے مدرسہ صوفیہ کی بنیاد رکھی۔ جو گذشتہ ایک صدی سے دینی طلبہ کی آبیاری کے علاوہ حجاج کرام کی خدمات بھی سر انجام دے رہا ہے۔ پہلے عیسائیت کے رد میں ایک مدلل کتاب لکھی۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن کے سنڈے ٹائمز اخبار نے لکھا تھا کہ اگر دیبا میں اس کتاب کو پڑھا جائے تو غرضتک عیسائیت کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

آریہ سماج ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے۔ ہندوؤں کے ۲۳ گروڑ دیوتا سمجھے جاتے ہیں۔ یہ لوگ بت پرستی کے غلام، اعتراف کا جواب دے سکتے اور گھبرائے ظاہر

آریہ سماج اور
تشیب

ہے۔ کہ بہت پرستی فطرت کے خدو سب سے۔ میں نے یہ لوگ بحث ہوا عشر میں رہا
ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے تمام بتوں کا انکار کر کے تثلیث کا ایک نیا عقیدہ وضع کیا۔
اور کہا کہ بہت وغیرہ کچھ نہیں، صرف تین چیزیں قدیم ہیں یعنی خدا، مادہ اور روح۔ چنانچہ
حقیقت یہ ہے کہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ مادہ اور روح حادث ہیں
یہ بدبخت بہت پرستی کو ترک کر سنے کے باوجود بھی مشرک ہی ہے، جس طرح انصاری
اسیاد، ایسا اور روح القدس کی تثلیث میں مبتلا ہوئے، اسی طرح آریہ سماج بھی خدا
مادہ و روح کی تثلیث کے قائل ہوئے۔

استقبال قبلہ
میں غلو

الغرض! فرمایا اے نبی علیہ السلام، اگر آپ ان کے پاس ہر طرح کی نشانی بھی لے
آئیں، تو اب کتاب آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے ان میں سے ہر ایک کا ایک
اگلی قبلہ ہے۔ اور یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو بھی تسلیم کرنے کے لیے
تیار نہیں۔ یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ صلیبیوں کی طرف رخ
کرتے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے اپنے قبلہ پر کھنکھاتے ہیں۔ یہ لوگ اس قدر تعصب میں مبتلا ہیں
فرمایا جس طرح یہ لوگ آپ کے قبلہ کا اتباع کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔
اسی طرح وہاں آئے بِتَابِعِ قِبْلَتَهُمْ آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے
لے نہیں ہیں۔ کیونکہ جب تک اللہ کا حکم تھا۔ آپ میں طرف رخ کرتے تھے
جب خداوند تعالیٰ کا دوسرا حکم آگیا۔ تو آپ نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔
اور بیت اللہ مشرق کی طرف رخ کر لیا۔ اور ان کا اپنا حال بھی یہ ہے۔ وَقَبْلَتَا
بِتَابِعِ قِبْلَتَهُ بَعْضُ طَوْه بھی بعض بعض کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں
گے وَلَيْنَ تَبِعْتُمْ أَهْوَاءَهُمْ اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی
کی مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ لَكُمْ مِنْ بَعْدِ اس کے کہ آپ کے پاس قطعی علم آچکا
ہے۔ إِذَا أَلَيْنَ الظَّالِمِينَ تو پھر آپ ان انصافوں میں سے ہوں گے جو
مقام پر مشرک کے متعلق فرمایا کہ لَنْ تَكُونَ لِي قِبْلَةً وَلَتَكُونَ مِنَ الْغَافِلِينَ
یعنی قرآن مجید اگر آپ کے مشرک مرنے ہو گیا تو آپ کے لیے نالائق ہو جائیں گے، آپ نصالیان بن جائیں گے

اس مقدم پر فرما دیکہ اگر آس۔۔۔ نے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے انکی بات مان لی بعد اس کے کہ آپ کے پاس قطعی حکم چکا ہے۔ تو پھر آپ کے لیے یہ بڑی انصافی کی بات ہوگی

اس آیت کی روشنی میں کہ جس لوگ بعض لوگوں کے قبضہ کی پیروی نہیں کرتے مولانا رحمہ نے اپنی شہنوی میں قبلہ سے تعلق ہونے کی بات پیدا کی ہے۔
اور قبہ

فرماتے ہیں اسے
قبلہ شہل بود تاج و کمر
قبلہ ارباب دنیا سیم و زر
بادشاہوں کا قبلہ تاج و تخت ہو جائے
وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ
سنہری ٹیکا انہیں کچھ پاس ہے اور
دنیا دار لوگوں کا قبلہ سونا چاندی یعنی
مال و دولت ہوتا ہے۔

قبلہ صورت پرستان آپ بگل
قبلہ معنی شناسان جان و دل
صورت پرستوں کا قبلہ پانی اور مٹی کا
بننا جو پتلا ہوتا ہے اور وہ اُسی بہت
پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ مگر معافی سے
و غصہ حال لوگوں کا قبلہ جان اور
دل ہے۔ وہ ہمیشہ جان و دل
روح اور قبر کی صفائی کے لیے کوشاں
ہوتے ہیں

قبلہ زہاد محراب متہول
قبلہ برسیرتاں کار فضول
زہاد و زہد لوگوں کا قبلہ قبریست کا
محراب ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس فکر
میں رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کی نیکیاں
قبول ہو جائیں اور بدکرداروں کو فضول کاموں
میں منہمک ہیں۔ ان کا قبلہ ہی ہے

قبیرِ تن پروریں خواب و خورش
قبیرِ انساں بانٹیں پرورش
پیٹ کے بیمار یوں کا قبلہ کھٹنے پینے
اور سونے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ اسی قبیر
میں رہتے ہیں۔ مگر انسان بحیثیت انسان
محفل و دانش کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ
اسی ملک و قوم میں رہتے ہیں۔

قبیرِ عشق وصال سے زوال
قبیرِ عارفانہ جمالِ زورِ لچل
ناشنہ قبیرِ وصل لائے دواں ہو تا ہے۔ یعنی وہ
ایسی ملاقات کی خواہش مند ہو تا ہے
جس کو کبھی زوال نہ آئے۔ اور عارفانہ
لوگوں کا منتہائے مقصود حق تعالیٰ
کا دیدار ہے وہ ہمیشہ دامنِ تمکک کی
رسائی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

قبیرِ اصحابِ منصب مالِ دجاہ
قبیرِ بل سکر اسبابِ راہ
منصب پر فائزہ لوگوں کا قبلہ مال و
دولت اور عزت و عظمت ہو تا ہے
جب کہ خدا تعالیٰ کے راستے پر چلنے
ٹلے لوگوں کا قبلہ اُس راستے کے
اسباب ہوتے ہیں جن کے ذریعے
وہ مطلوبہ منزل حاصل کرسکتے ہیں۔

قبیرِ حرص دامنِ ہشدر ہوا
قبیرِ قانع توکل بر خدا
حرص اور آرزوئے لوگوں کا قبلہ ان
کی خواہش کی تکمیل ہوتا ہے اور غفلت
کو سنے والوں کا قبلہ اللہ تعالیٰ پر
اعتماد اور بھروسہ ہو تا ہے۔

فَرَأَى الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ جن لوگوں کو ہم نے
یعنی یہود و نصاریٰ۔ یَعْرِضُونَكَ لَهُمْ اَبْلَاؤُهُمْ
سنگین ہیں

کو معنی پیغمبر اسلام علیہ السلام یا قرآن الکریم کی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے پیغمبر کو
 جانتے ہیں۔ وَرَأَىٰ فِرْعَوْنُ أَنَّهُ مُنْهَكَمٌ كَيْفَ كُنْتُمْ مَوْنٌ اسٹیجی اور سب شک اُن میں کیا
 گزشتہ حق کو چھپا ہے۔ وَقَدْ كَرِهْنَا لَكَ أَنْ تَعْلَمَ مَا نَقُولُ حال نہ کہ وہ سب کچھ جانتے اور جانتے ہیں
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ پیغمبر اور کلام پاک کو بیٹوں کی طرح
 جاننے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیٹا خود میں ہونے کی وجہ سے اُس پر شک
 نہیں کرتا، اسی طرح اہل کتاب حضور علیہ السلام کو اپنی ہی کتابوں میں موجود لٹریچر کے
 پیمانے ہیں کہ یہ آخری نبی ہیں۔ مگر تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ
 بن سلامؓ کا مفورہ ہے کہ مجھے اپنے پیٹے کے متعلق شک ہو سکتا ہے کہ مشائخ
 اس کی دل سے خیانت کی ہو۔ مگر پیغمبر اسلام علیہ السلام کے بارے میں تردد نہیں
 ہو سکتا۔ فَرَأَىٰ اسْحَقُ مِنْ رَبِّكَ یہ حق ہے کہ سب کے رب کی طرف سے سب کے
تَكُونُ مِنْهُمْ اَلْمُسْتَرِیْنَ۔ سب شک و تردد کرنے والوں میں نہ ہوں۔

سَيَسْأَلُ ۲

الْبُعْرَةِ ۲

درستی و وقت (۵۴)

آیت ۱۳۸ تا ۱۵۰

وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّيًا فاسْتَقِمْوا الْخَيْرَاتِ ۖ
 اِنْ مَّا تَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللهُ جَمِيعًا لَنْ اللهُ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۱۳۸) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
 شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَرَأَيْتَ لَلْهَقِ مِنْ رَبِّكَ وَمَا
 اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (۱۳۹) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ
 فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا
 كُنْتُمْ فَوُتُوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِمَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ
 حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي
 وَلَا تَتَّبِعُوا نَفْسِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (۱۴۰)

وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّيًا فاسْتَقِمْوا الْخَيْرَاتِ ۖ

ترجمہ: اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے، وہ اس کی طرف اپنا رخ
 کرنے والا ہے۔ پس بوقت کروچوں کی طرف تم جہاں بھی ہوئے، تم سب کو
 اللہ تعالیٰ اکٹھا کر کے لائے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۝ (۱۳۸)
 اور جس جگہ بھی آپ کہیں ٹھکیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بیشک
 یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے غافل نہیں
 ہے جو تم کرتے ہو ۝ (۱۳۹) اور جہاں بھی آپ ٹھکیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی
 طرف پھیر دیں۔ اور جس جگہ بھی تم ہو (سے اہل ایمان) پس پھیر دینے چہروں کو اس
 کی طرف، تاکہ نہ ہو لوگوں کو تمہارے لیے الزام اور حجت، مگر وہ لوگ جنہوں نے ظلم
 کیا اُن میں سے۔ پس اُن سے ڈرو اور اللہ سے ڈرو، اور تاکہ میں تم پر اپنی
 نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پہنچو ۝ (۱۴۰)

تحویل قبلہ کا حکم نازل کر سنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سنہ تہجد یا کہ بیوقوف لوگ یعنی متعصب یہود و نصاریٰ پر ضرور اعتراض کریں گے کہ تحویل قبلہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ مگر سب سے نئی کہیم آپ ان کے اعتراضات کو خاطر میں نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ بیت المقدس کا استقبال خارجی حکم تھا۔ اور کسی خاص مصلحت کے تحت دیا گیا تھا۔ مستقل قبلہ تو بیت اللہ شریف ہے جس کا حکم حضور نبی کریم علیہ السلام کی دل خواہش کے پیش نظر دیا گیا۔ یہ تقریر کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ سابقہ کتب ساویہ میں موجود تھا کہ آخری دور اور آخری نبی کا قبلہ وہی قاز کعبہ ہوگا اور براہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے۔ اور اس میں اہل کتاب کے لیے آزمائش کا سامان بھی تھا۔ کہ ان میں سے کون سب سے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کر کے براہیم قبلہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ہذا تنذیر علیہ السلام کو نسی بھی دی گئی کہ آپ ان کے یہودہ اعتراضات کی پروا نہ کریں۔ بلکہ آپ صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔ اور اس سلسلہ میں آپ کو کسی قسم کا شک یا تردد نہیں ہونا چاہیے۔

ہر امت کیلئے
جست مقرر ہے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّجُلٌ مِّنْهُمْ لَقِيَهُ يَنبَأُهَا رَبَّهَا بِمَا فَعَلَ وَأَمَرَ بِهَا. یعنی ہر امت کیلئے ایک جست مقرر ہے جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں۔ دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں ہوگی جس کی جست مقرر نہ ہو۔ اب یہ جست صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اور معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ تاہم ہر امت کا قبلہ ضرور مقرر ہے۔ اور پھر آخری امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو قبلہ مقرر فرمایا۔ جب یہ ایک اصول موجود ہے تو پھر اہل کتاب کو تسلیم کرنا کہ قبلہ پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ ایسا کرنا سخت ناانصافی کے مترادف ہے۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی کر دی کہ استقبال قبلہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ اور فرعی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ کوئی البانیادی مسئلہ نہیں ہے۔ جس پر انسان بہت اصرار کرے لہذا اس قسم کی معمولی بات پر جھگڑنا

جست فردی
چیز ہے

انصاف پسند لوگوں کا کام نہیں ہے۔ اسی سورت میں آگے چل کر آئے گا کہ اس مقصود
قرعہ بات اسی ہے۔ جہت کا تعین تو شخص توجہ کے لیے ہوتا ہے دیگر نہ مشرقی نہ
مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ جہت کو جس کے امت میں مرکزیت پیدا ہو
جاتی ہے۔ اور یہ عبادت کے لیے وسیلہ یا شرط ہے

بنیادی چیز
نیکی ہے

فرمایا عس اور نیا دنی چیز نیکی ہے۔ فَاَسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اور نیکیوں کی
طرف سبقت کرو۔ یعنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کر کے کی کوشش کرو۔
اَيُّهَا سَيِّدُ الْوَلَدِ كُلِّكُمْ جَاءَ بِكُمْ یا سب کے۔ يَا سَيِّدُ مَكَّةَ یا جیسا کہ اللہ تعالیٰ
تم سب کو اکٹھا کرے گا اور پھر آخرت میں بھی سب کو اکٹھے کرے گا سب کا ہی
گھر ہے گا۔ یہ تو بھائی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی بیت اور شریعت کو قبل
مقرر کر کے سب کا رخ اور ہدف قرار دیا، اور سب کو اس پر جمع کر دیا۔ فرمایا آگے
جہل کو بھی ہی تمہارے کام آئے گی۔ لہذا نیکی میں سبقت حاصل کر دے حضرت علیہ السلام نے
حضرت علیؑ کو فرمایا اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو: اَلصَّلَاةُ اِذَا اُنْتُ
یعنی نماز کا وقت ہو جائے تو تاخیر نہ کرو۔ وَالْحَجُّ اِذَا احْضَرْتُ اور جب
حجۃ تیار ہو جائے تو جا کر نہ رو، تاخیر نہ کرو۔ وَلَا يَخْرُجُ وَجْهٌ لَهَا يَفْعُو
اور جب پہلے نیکی (سرو یا عورت) کا ہمسرا مل جائے تو نکاح میں تاخیر نہ کرو۔ یہ
سب نیکی میں سبقت کو ترویج دیتی ہیں۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب کو ایک قبلہ پر اکٹھا کر دیا ہے
اسی طرح آخرت میں بھی سب کو جمع کر دے گا۔ اور یہ اُس کے لیے قلعہ محکم نہیں
کیونکہ اِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُس کے
احاطہ اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں۔

استقبال قبلہ
کے لئے
محکم

اگلے دو آیات میں استقبال قبلہ کا یقین و فہم حکم دیا گیا ہے رشاد ہوتا ہے
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ در آپ
جس جگہ نکلیں! اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔

فرمایا۔ وَلَا تَقْلَقُ لِلْعَقْلِ مِنْ رَيْبِكَ اور یہاں یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں ہے
 جو تم کرتے ہو۔ دوسری بار پھر ارشاد فرمایا وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور آپ جہاں کہیں بھی نکلیں، اپنا رخ مسجد حرام کی طرف
 پھیر لیں۔ اسی آیت میں پھر آگے فرمایا وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي مَقَامٍ
يَذْكُرُونَ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ شطرنج کی پانچ پھروں کو اسی کی طرف پھیریں۔
 اب تک ہی مقام پر تین بار استقبال قبلہ کا حکم دینے کی مختلف توضیحات ہیں۔
 بعض فرماتے ہیں کہ استقبال قبلہ کا یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو حدود
 حرم سے اندر رہتے ہیں۔ اور دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو تک عرب میں اقامت
 پذیر ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تیسرا حکم عرب کے علاوہ باقی ساری دنیا کے
 رہنے والوں کے لیے نازل ہوا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلا حکم اس لیے دیا گیا کہ حضور نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی اور خواہش تھی۔ کہ قبلہ ابراہیمی ہی ہمارا قبلہ مقرر ہو۔ لہذا یہ حکم
 دیا گیا۔ فرمایا دوسرا حکم اس واسطے دیا گیا کہ ساتھ حکم میں اس کی پیش گوئیاں موجود
 تھیں۔ اور ان کی تصدیق کے لیے یہ دوسرا حکم نازل کیا گیا۔ پھر تیسری دفعہ استقبال
 کا حکم اس لیے دیا کہ لوگوں کو الزام کا موقع نہ ملے۔ کہ دیکھو! مسلمان ہمارے قبلہ کی طرف
 رخ کرتے ہیں۔ لہذا ہمارا دین سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تھا۔ کہ یہ خدا ہی بل
 کتاب اس قسم کے اعتراض کو مٹا دے۔ لہذا ان کو رفع کر کے کے لیے نازل فرمایا
يَذْكُرُوا اللَّهَ فِي مَقَامٍ يَذْكُرُونَ تاکہ آپ پر لوگوں کا الزام یا کوئی حجت
 باقی نہ رہے۔ کبھی یہ نہ کہنے لگیں کہ جب قبلہ ہمارا تسلیم کرتے ہیں۔ تو ہمارا باقی دین
 کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

فرمایا اس تمام حجت کے باوجود بعض لوگ حجت بازی سے باز نہیں آتے
 تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا لَا الَّذِينَ خَلَعُوا مِنْهُمْ وَالَّذِينَ

میں سے ظالم لوگ ہونگے جو اپنی بات پر مسمے رہیں گے اور متحول قلوب پر یہودیہ قسم کے اثر اس
 کھنے میں چھپکا ہوا محسوس نہیں کریں گے فرمایا کہ اہل کتاب تو صرف توکل قبلہ پر ایک عنصر میں محسوس کریں مگر
 مشرکین ہر دو صورتوں میں محسوس ہوتے ہیں یعنی بیت المقدس کو قبلہ بچھڑنے پر بھی اعتراض کریں گے
 اور اس کے بیت اللہ شریف کی طرف پٹنے پر بھی محسوس کے متضرع رہیں گے۔
 فرمایا اس قسم کے حجت باندوں کی آپ بالکل پرہیزگار نہ کریں۔ فکراً مختصراً
 آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں و خشوعاً بلکہ آپ مجھ سے ہی خوف لکھیں۔ یہ
 دگ محض تعصب کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں۔ اور آپ پر حرج غرر کے عنصر
 کرتے ہیں ان کے اعتراضات سے گھبرائے ل کوئی بات نہیں۔ صرف وہ
 صرف اللہ تعالیٰ کا خوف جائز نہیں ہونا چاہیے۔ جبکہ اللہ کا خوف پیدا ہو جائیگا
 تو باقی تمام خوف خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

قلیل
 نعمت

اللہ تعالیٰ نے قبلہ مقرر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی کہ لا مخرج
 منہ علیہ کی وجہ سے اگر میں تم پر پتہ نہ ہو۔ پوری کمرہ دل کی گرامیت اس کا تقرر
 نعمت خداوندی کی تکمیل ہے۔ وہی بیت اللہ شریف جو تمام قلوب سے
 انیس ہے۔ بجلی گاہ خداوندی اور فیری دنیا کے لیے مرکزِ مدیت ہے۔ دہان یہ
 سینے جانے والے عمان کا اجر، کوسب لکھ گناہ زبده ہے۔ اسی سے یہ حضورِ علیہ
 الصلوٰۃ والسلام در آئیکے ہاتھ دلوں سے ہے۔ ایک عظیم نعمت ہے۔ اگلی
 آیتوں میں کتابِ انبی اور عبادت خانے کا ذکر بھی آئے گا۔ قاری لکھناٹے کا
 بہتہ چرا احسان ہے۔

اس کے علاوہ بہت کچھ بھی ہے۔ مگر میں عرج اللہ تعالیٰ نے نشان
 قلم مقرر کیا ہے۔ اسی طرح کتاب بھی ہے نشان دی ہے۔ اندر میں بھی جامع اور
 کامل عطا کیا ہے گو یہ اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت۔ اسی آخری نعمت کے لیے لکھا
 رہا ہے۔ جملہ ان سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی خدمت بخشی ہے۔ یہ
 ہی بہت بڑا انعام ہے۔ جو اول آدم کے غرور کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں ہو

وَلَا تَقُلْ لِلْعَبْدِ كُفْرًا إِلَىٰ جَاعِلٍ فِي لَدُنِّهِ خَلِيفَةٌ خُلُوفُ نِيَابِتِ الْهَيْسِ
 ہے۔ اس میں تقویٰ کا اظہار ضروری ہے۔ اور عدل و انصاف، قائم کرنا بہت بڑی بات
 ہے۔ پھر یہ ہے کہ خلافت کے لیے قانون اور شریعت کی ضرورت ہوتی ہے جو
 اللہ تعالیٰ نے عطا کی۔ یہ خلافت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا دُرُءَاثَا
 جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِ بِمَقْصَدِیْ ہے کہ کبریاۃ کَمُفْرٍ فَعَمِيَتْ عَلَيْكَ
 تاکہ تم پر تکمیل نعمت ہو جائے۔ بیشک اللہ نے خلافت جیسی نعمت عطا کی۔ یہ الگ
 بات ہے کہ دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں نے بھی اپنی نالائقی کی وجہ سے
 خراب کر دیا۔ اور ملکیت میں مبتلا ہو کر برائیاں اختیار کر لیں۔ ظلم و زیادتی سے متکبر
 ہو گئے۔ تاہم اللہ نے اپنی نعمت مکمل کر دی۔ یہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہے
 اللہ تعالیٰ نے تقویٰ قبلہ کی ایک اور وجہ یہ بیان فرمائی وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
 اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے تمام ہی سامان مہیا کر دیے ہیں۔
 یہ کہ روٹیاں درخواست کی جاتی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
 اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا لَفَلَحَّظْنَا لَكَ اَنْتَ وَآلُكَ اِسْمَیْ اِسْمِیْ اِسْمِیْ
 سورۃ میں فرمایا ذَلِکَ الْکِتَابُ لَا رَيْبَ فِیْہِ ہَدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ متقی لوگوں
 کے لیے ہدایت ہے، گویا کتاب اللہ بھی ذریعہ ہدایت ہے۔ یہ کتاب تقویٰ اور
 عدل و انصاف اختیار کر نیکو لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وَذُرُوعُ
 لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان کی رہنمائی
 راہ راست کی طرف نہیں کرتا وہ اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔

تقبلہ ذریعہ
 ہدایت ہے

انفرض! جس طرح بعض دوسری چیزیں ذریعہ ہدایت ہیں۔ اسی طرح قبلہ کو
 بھی ذریعہ ہدایت فرمایا وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ
 نے ہدایت کے یہ سارے سامان مہیا کر دیے۔

البقرة ۲

تاریخ ۱۵۰/۱۵۷۱

سید قول ۲

۵۸
در من بجاہ و مشیت

كَمَا ارْسَدْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا
وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَلِحِكْمَةٍ وَيُعِصُّكُمْ
مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَذَكِّرُوْا اِذْ كَرَّمُوْا وَشَكَرُوْا لِيْ
وَلَا تَكْفُرُوْنَ ۝

ترجمہ: جس طرح کہ ہم نے تم میں سے تمہارے رسول بھیجا، جو تم پر ہمارا
آیتیں پڑھا ہے، اور تم کو پاک کرتا ہے، اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور تم میں
سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ۵۸ پس مجھے یاد کرو، میں تم کو یاد کروں گا۔
اور میرا شکر یاد کرو، اور تم نہ شکر گزار نہ بنو ۵۹

اس سے پہلے آیات میں اللہ تعالیٰ نے رحمت قبلہ کے متعلق فرمایا کہ تم جہاں کیوں
ہو اپنا رخ وقت نماز ہیئت اللہ شریف کی طرف کر لو۔ مگر یہود و نصاریٰ جو ظالم لوگ
تھے انہیں بتا دیا کہ یہاں پر ہے جہاں اعتراض کر سکتے ہیں، ان سے خوفزدہ نہ ہوں۔ اچھا کہ اخص
و شیعہ اور اعتراضات کی یہ دامن کریں۔ بیت مقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم غریب
ہو چکا ہے۔ سنا آپ ہر قسم کی مخالفت سے بے نیاز ہو کر بیت اللہ شریف کو اپنا
قبلہ بنا لیں۔ فرمایا اس کی عاقبت یہ ہے کہ وَلَیْسَ لَکُمْ دِیْنٌ اِلٰہَ سِوَاہٖ ۝ اَلَمْ یَکُنْ یَا اٰیہِی
نعمت پروردگار کے دول۔ وَ لَکُمْ تَقَاتُ ذٰلِکَ اُوْر تَاکُم تَمَّ ہِیْتِ پَاچہ رُہ مقصد یہ
کہ قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔
اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو زیادہ فضیلت والا قبلہ مقرر فرمایا ہے۔ جو کسی نہ من
قود اور علاقے کے سبب نہیں بلکہ اوامر غائب کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا قبلہ
ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بیت بڑا احسان ہے کہ اس خط کو بہ شرف بخشتی ہے۔ کہ اس

جگہ عبارت نور ربانیت کو بے پروا و اب و در سے کسی بھی مقام کی نسبت بہت زیادہ ہے
یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ درپہر اس انعام کے دو حصے ہیں یعنی مادی اور
روحانی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مبارک مادی انعام ہے اور قرآن پاک اللہ تعالیٰ
کا روحانی انعام ہے۔

تمام نعمت

تمام نعمت کے متعلق حضرت عائشہ کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام
کا ریشہ گری سب سے ان کے لیے تمام نعمت یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے
کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تمام ہے۔ ایک دوسری
روایت میں آتا ہے تمام نعمت یہ ہے کہ انسان کا خاتمہ ایمان پہ ہو جائے۔
کیونکہ صحیح معنوں میں مومن وہی ہے جس کا خاتمہ بالیمان ہو۔ اسی لیے خود انبیائے کرام
بھی یہی دعا کرتے تھے۔ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَحْسَنِيْ بِالْاَحْسَنِ۔ یعنی اے
مولا کہ میرے خاتمہ اسلام اور ایمان کی حالت میں موت دینا اور میرے حشر صالح لوگوں کے
ساتھ کرنا۔ اسی طرح خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ
اہل ایمان کو عطا فرماتا ہے

بعت رسول

فرمایا كَمَا رَسَخْتُ فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ حَسْبُ طَرَحِ بَعْدِ قَوْمٍ مِّنْكُمْ
تمہاری طرف ایک رسول بھیجا رہا ہے یہ لفظ کا تشبیہ کے لیے آیا ہے۔ یعنی جس
طرح ہم نے بیت اللہ شریف کو قبلہ مقرر کر کے تم کو نصیحت بخشی اور تمام نعمت
کیا۔ اسی طرح ہم نے تمہاری طرف خلیفہ اللہ بن رسول بھیج کر تم پر احسان کیا اور اپنی نعمت
کو کامل بنایا۔ رسول کا بھیجنا بھی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعامات میں سے ہے
دوسری جگہ قرآن پاک نے حضور علیہ السلام کے وجود مبارک کو نعمت سے تعبیر کیا ہے۔
اَلْوَسَلٰى لَكَ الْبَدِيْنُ بِكَ لَوْ فَخَمَهُ اللّٰهُ كَمَا كُنِيَ اَبْنٰى قَرِيْنٍ مِّمَّكَ وَرَ
مشرکین عرب کو نہیں دیکھ۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناقدری کی۔ گویا
نعمت کو کفر کے ساتھ تبدیل کیا۔ مراد یہ ہے کہ خود حضور علیہ السلام جن کا وجود مبارک اللہ
کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی ناقدری کی مقصد یہ کہ جس طرح ہم نے تمہاری طرف

تمہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔

گناہ کا یہ بھاری عہد، عہد کے سبب بھی ہو سکتا ہے اس کی کسی سے گمان نہ ہوگا۔
 کہ میں تم پر اپنی نعمت برپا کر دوں اور تاکہ تم ہدایت کے راستے پر قائم رہو۔ اور
 اس طرح یہ نکات تشبیہ کا نہیں بلکہ تعیل کا ہوگا۔ اور معنی یہ ہوگا کہ تم نے تمہارے
 درمیان ایک عظیم نشان رسول میں لیے بھیجا تاکہ اقامہ نعمت ہو جائے اور ہدایت کا
 راستہ بھی واضح ہو جائے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ کما بالکل اسی طرح ہے جس طرح
 حضور علیہ السلام نے دعائیں سکھایا: **اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اِنَّا اِخْتَلَعْنَا كُفْرًا**
کَمَا كُفَرْنَا یعنی کہ جب لباس کفر پہن کر تم سے التذیر شکریہ ہے کہ تو نے ہمیں لباس پہنایا یہ
 لباس جس تو نے ہی عطا کیا ہے گریہ اس لحاظ سے یہ کہ عہد تشبیہ کی بجائے تعیل کے
 لیے ہے یعنی جو عہد کا معنی دیتا ہے۔

یہاں پر بھی لفظ رسول بطور اسم نہ آتا ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم نے
 تمہاری طرف سے ایک عظیم نشان رسول بھیجا ہے۔ براہِ رسال بھیجا ہے۔ جو کہ **مِنْكُمْ**
 تم میں سے ہی ہے۔ اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں بھی گزر چکی ہیں
رَبَّنَا لَا اِصْنَعْ فِیْہُمْ رُسُلًا مِّمَّنْہُمْ جو جی لے جائے۔ یہاں بھی اوروں
 میں سے امت مقرر نہ ہو تاکہ اور پھر ان کے اندر ایک عظیم نشان رسول مبعوث فرما۔
 لہذا ایک ایسا رسول یسئلو علیک عن الایات جو تمہارے سامنے
 ہمارے آیتیں ڈھکتا ہے۔ لفظ آیت مختلف معانی کے لیے آتا ہے۔ اس سے
 مراد معجزہ، نشان، حکم، فرمان ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارا مبعوث کہہ دو رسول
 ہمارے آیت یعنی ہمارے کلام جو ہر جگہ جی نازل ہوتا ہے وہ پڑھ کر مانتا ہے۔

وَمِنْ ذٰلِکُمْ اٰیٰتُہُمْ اور تمہارا قرآن مجید کہ آیتیں ہیں کہ تمہارے سامنے آتے ہیں اور تمہارے
 منکارات سے بچا کر تمہارے اندر ایسے اخلاق پیچھے عیاں رہے جو تمہارے لیے

ایسا عظیم نشان رسول ہے جو تلاوت کے ذکر کر کے ساتھ ساتھ **وَقُلْ لِّہُمْ**
اَلْکِتَابُ وَالْحِکْمَةُ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اس تعلیم کا ذکر حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں بھی آچکے ہیں وہی انہوں نے یہی دعا کی تھی۔ کہ سائے
 جہان سے بس اس امت مسلمہ میں ایسا رسول بھیج جو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے
 اور ان کا تزکیہ کرے۔ وہاں پر تزکیہ کا ذکر کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد کیا گیا۔
 مگر یہاں پر اس کا ذکر پہلے آیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ نامہ میں
 بھی نکتہ یہاں ہے۔ وہاں پر دعا کا مقام تھا۔ کہ مولا کریم! ایسا رسول مبعوث فرما جو ان
 کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ان کا تزکیہ ہو جائے وہ ظاہری اور
 باطنی طور پر ہر لحاظ سے پاک صاف ہو جائیں اور یہ مقام عمل کا مقام ہے۔ تعلیم کتاب
 و حکمت کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کا تزکیہ ہو جائے۔ اب جب کہ امت
 مسلمہ پیدا ہو چکی وہ غیلم نشان رسول مبعوث ہو چکا۔ اب کتاب و حکمت کی تعلیم کی اصل
 غرض رہایت یعنی تزکیہ کر پہلے بیان فرمایا کہ جس طرح ہم نے تم میں سے ایک رسول
 مبعوث فرمایا جو ہماری آیات پڑھتے۔ تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اور تمہیں کتاب و حکمت
 کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت! ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مقام تعلیم اور پیش گوئی کا مقام تھا۔ اور یہ
 عمل کا مقام ہے۔ لہذا کتاب و حکمت کی تعلیم کی غرض و غایت یعنی تزکیہ کو پہلے بیان
 فرمایا جب تک مقصد حاصل نہ ہو عمل کا کچھ فائدہ نہیں۔ تعلیم شئی وقت مفید ہوگی۔
 جب اس کا مقصد تزکیہ حاصل ہو جائے تعلیم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات
 تزکیہ ہے۔ جس کا تذکرہ اس مقام پر پہلے کیا ہے۔

فرمایا کتاب و حکمت کی تعلیم سے علاوہ ہمارا رسول دینا کہ تمہارے لئے
 نیکوئی کا حکم ہو۔ تمہیں وہ چیزیں بھی سکھی گئیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ مثلاً
 لوگ وضو و طہارت کا طریقہ نہیں جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر علیہ السلام کی تعلیم کے ذریعے سکھایا۔ لوگ عمل جنابت
 کے طریقہ سے ناواقف تھے۔ انہیں تعداد رکعات معلوم نہ تھیں۔ نماز اور دیگر عبادت
 کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ حلال و حرام کی تمیز نہ تھی۔ یہ سب چیزیں اللہ نے نبی کے ذریعے

ان جانی
 چیزوں کی
 تعلیم

سکھائیں۔ اسی کو فرمایا کہ چار روشنی تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے۔ جو تمہارے علم میں نہ تھیں۔

حضرت جعفرؑ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کچھ مسلمان قریش مکہ کی ایذا پہنچانے سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور کفار نے وہاں بھی مسلمانوں کا پیچھا کیا تو حضرت جعفرؑ نے سبھاشی کے دربار میں جو تقریر کی اس کا لب لباب یہ تھا کہ سنے باؤنا وہ ہم بت پرستی کرتے تھے۔ ہمارے اندر ہر قسم کی برائیاں موجود تھیں۔ حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ ظلم و جور تحسین کے عادی ہو چکے تھے۔ حق و انصاف کے تقاضوں سے نا آشنا تھے، لہذا تمہارے سنے ہم میں بھی آخر انزالِ معوضہ فرما کر سب سے پہلا حکم یہ دیا۔ کہ خدا کے ساتھ شریک نہ کرو۔ بہت پرستی سے باز آ جاؤ۔ صرف اسی وحدہ لا شریک کی عبادت کرو۔ حلال و حرام میں تمیز پیدا کرو۔ کسی کو ظلم کا نشانہ نہ بناؤ۔ اللہ کے نبی نے ہمیں عبادت کا صحیح طریقہ سکھایا۔ تہذیب و تمدن کے اصول بتلائے اور معیشت کے نکات سمجھائے۔

آپؑ نے عقائد کی اصلاح کے اصول بتائے۔ اور پھر پیش آئیوں سے واقعات کو بیان فرمایا مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد سیر ہوگا۔ قبر کی زندگی اقامت کہ دوبارہ جی اٹھنا بلعمر ط پر سے گزرنا اور آخر میں محاسبی کی مشرب میزانِ عدل کا قیام اور پھر رب العزت کا آخری فیصلہ یہ سب باتیں حضور علیہ السلام نے امت کو بتلادیں گو انسان کو یہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہوایا اے لوگو! آؤ میں تم کو نہ بتاؤں کہ تمہارے یہ اللہ تعالیٰ نے کس کس چیز کو حلال اور کس کس کو حرام قرار دیا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتلاؤں، جو تم نہیں جانتے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام نے مطالبہ سے بچنے کا طریقہ بتلویا۔ مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا خصوصی احکام یہ ہے کہ جس نے بہترین نظام حکومت قائم کرنے کے اصول بتلائے اور پھر نبی اصولوں کے مطابق نظام خلافت قائم ہوا۔ عرب

کے لوگ ہزاروں سال تک نظام حکومت سے نا آشنا رہے، حالانکہ دیگر اقوام مثلاً رومی اور ایرانی
نظام حکومت بخوبی واقف تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا۔ کہ پہلے پیغمبر کے
کے ذریعے نظام حکومت کی تعلیم دی۔ جسکی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں پورے عالم
کوحی دنیا پر لہرائے گا۔ یہ سب چیزیں $\text{وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ مَا تَكُونُوا تَعْمَلُونَ}$ کا منہ
بولتا ثبوت ہیں۔

ان انعامات کا تذکرہ بیان کر لے کے بعد فرمایا کہ جب میں نے اتنے بڑے بڑے
انعامات تم پر کیے ہیں۔ تو پھر تمہارا بھی فرض ہے کہ خدا کو دینی مجھے یاد کرو۔ گویا یہاں
سے تہذیب کا سب شروع ہوتا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی قباحتیں
بیان کیں۔ پھر ملت ابراہیمی کی بنیاد کا ذکر کیا۔ غرض کہہ کے مرکز پر اسیت برسے کا بیان
ہوا۔ پیغمبر اسلام کا ذکر ہوا۔ کتاب کا بیان آیا اور اب یہاں سے تہذیب احسانی
یا تہذیب نفس کے احکام شروع ہوتے ہیں۔ جن کی بدولت انسان میں تہذیب اور
شائستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں اس مقام پر دو اصول بیان ہوئے ہیں۔ اور باقی
بقین اصول آئندہ رکوع میں بیان ہوں گے۔

تہذیب اخلاق کے
پانچ اصول
ذکر الہی
وہ تعلیم شاعرانہ

تہذیب نفس کا پہلا اصول جو یہاں بیان ہوا، وہ ذکر الہی ہے۔ گویا ہذا نصیب
تعمیم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ذکر زبان، اکمل، قلب اور رمح کے
ذریعے ہوتا ہے۔ ذکر کا عام مجموعہ طریقہ زبان کے ذریعہ سے ہے۔ انسان زبان کے
ماقتضیٰ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے۔ اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ تلاوت
کلام پاک کرتا ہے۔ یہ سب ذکر کی زبان کی صورتیں ہیں۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام
کی خدمت میں عرض کیا، حضور! $\text{أَكْمَلُ الْأَعْمَالِ مَا كُنَّا نَعْمَلُ الْفُضْ$ ہے۔ فرمایا
 $\text{لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا تَزِنُ ذِكْرَ اللَّهِ}$ یعنی تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر
رہنی چاہیے۔ ایک دوسری مذہبیت میں فرمایا افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ کہیں فرمایا
کہ نماز سب سے افضل عمل ہے اور کہیں جہاد فی سبیل اللہ کو افضل عمل قرار دیا۔ ہم
یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان کی زبان ہر وقت ذکر الہی سے تر رہنی چاہیے۔ ذکر الہی ایک

پہلا اصول
ذکر الہی

ایسی بادست رہنے جسکی کوئی حد نہیں، انا نہ روزہ، نہ روزہ وغیرہ سب محدود ہیں بلکہ ذکر الہی غیر محدود و سبیلہی ہے ﴿فَرَا آذْكَرٌ﴾ و اللہ ذکر کس کثرت سے یاد کر دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر کثرت سے یاد کر دے، ذکر الہی میں بسنے محو ہو کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگیں۔ اور پھر ذکر الہی کا صلہ یہ ملے گا کہ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ بلکہ تم خلعتِ پا جائزہ فرماؤ کہ اتنی کثرت سے یاد کر دے، کیونکہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔

امیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تہنکست کے مطابق جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر اخلاص، نیک نیتی اور اچھی کیفیت کے ساتھ کرتا ہے، تو اس کا روح حلیمہ و القدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر اس کا تعلق روحِ ہلکہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے جو نظیرۃ القدس میں ایک بڑی روح ہے۔ بنی نوع انسان کی یہ چھوٹی چھوٹی روحیں بڑی روح کے عصاف و جزا میں ہیں۔ اس طرح گواہی دہانی کرنے والے کا تعلق برادرِ راست خدا تعالیٰ کی تجلِ عظمیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح ذکر کی نفسانی کیفیت جس قدر روحِ عظیم کے مطابق ہوگی اسی قدر اس کو قرب الہی حاصل ہوگا۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے انسان کے اندر شہادت کی پیدا ہوگی، جس کے بغیر وہاں داخلہ ممکن نہیں۔ گمراہی و درجِ قدیم نفس میں کسی قسم کی سجاوشت ہوگی تو قرب الہی نصیب نہیں ہو سکتا یہ طاعتِ الہیہ کا ہم اصول ہے جس سے انسان کو تہذیب نصیب ہوتی ہے۔

الغرض افرایا فَاذْكَرٌ ﴿فَرَا آذْكَرٌ﴾ پس تم مجھے یاد کر دے، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یعنی میں تمہیں اس ذکر کی بدولت اجر و ثواب عطا کروں گا، اگر تمہیں یاد کر دے تو تیار ہوں گا، ہر شے میں آتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص مجھے اپنے جی میں یاد کرے گا میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کر دوں گا جس کو اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں یاد کر دے اس کی عظمت و قوت کس قدر قابلِ تہنکست ہوگی پھر فرما دیجئے کہ میں یاد کر دے گا میں اس کا ذکر اس سے بسترِ جمع میں کر دوں گا۔ جو شخص میری عزت چاہے کہ آئے گا میں اس کی عزت دوں گا یہ سب ذکر الہی کی بدولت ہیں حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا اے معاذ جب بھی

سَمْعُ الْقَوْمِ

لَمُتَشَرِّفَةٍ

وہ جو خود نہ دے

ابن ۵۲ ۵۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ
مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ بِهِ سَبْعُ مِائَةٍ
لَمِثْلِهِ مُوَاتٌ بَيْنَ أَحِبٍّ وَنِيكَنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥١﴾

ترجمہ ہر دہ سے بیان والو عبرت اور راز کے ساتھ مدد ملے گی۔ ایک اللہ تعالیٰ

عبرت کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۰﴾ اور نہ کہوں و گوں کہ ایک ہزار مردہ

جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں۔ گزشتہ روز میں شہر میں نہیں سکتے ﴿۱۵۱﴾

بنی اسرائیل کا شکوہ بیان کرنا ہے کہ بعد اللہ تعالیٰ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گزشتہ

روز نہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر کیا، پھر حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے گزشتہ

کے دعا اور کہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِرَحْمَتِکَ وَرَحْمَةِ اَبْنِیْکَ اِبْرٰہِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ

اور اس کے بنیادی اصول بیان کیے۔ بیعت اللہ شریفین مسکیر فیہ تقریر ہونے پر

یہودیوں کے اعتراضات کا ذکر ہوا۔ اس کا مزید بیان آگے ہی آئے گا۔

فَاذْكُرُونِيْٓ آَذْکُرْکُمْ کُفُوًا شَکُوْرًا فَاذْكُرُوْنِیْ وَکَلَّ کُفْرُوْنَا سَیْءَ اَیْسَ

نیا باب شروع ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی حکمت میں تہذیب الافواق

سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس باب میں تہذیب الافواق کے بڑے بڑے اصول بیان

ہوئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت کے مطابق کوئی قوم ترقی کی پانچ

منازل طے کیے بغیر برسر عروج نہیں پہنچ سکتی ترقی یافتہ قوم کی پہلی منزل تہذیب الافواق

ہے۔ اور دوسری منزل تہذیب منزل کے آگے چار قانون ہوتے ہیں۔ پہلا

قانون شادی بیاہ سے متعلق ہے۔ جس میں میاں بیوی کے حقوق و فرائض آتے

پیر علیہ السلام
کی پانچ منزل

ہیں۔ دوسرا قانونِ مذہبیں اور اولاد کی اصلاح سے متعلق ہے۔ تیسرا قانونِ ملک اور مملوک کے تعلقات پر مبنی ہونا ہے۔ اور چوتھے قانون میں اقربا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات اور ان کی اصلاح کی تدبیر ہوتی ہے۔

تہذیبِ الاخلاق اور تدبیرِ منزل کے بعد ترقی یافتہ قوم کی تیسری منزل تدبیرِ مذہب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے شرعی یا محد کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔ اس کے بعد چوتھی منزل اصلاحِ ملک سے متعلق ہوتی ہے۔ اور پانچویں منزل خلافتِ کبریٰ کی ہے جس کے ذریعے تمام جہاں کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔

شاد ولی اللہ قرطبی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ارتفاقِ ربیع کے اصول کے مطابق مبعوث فرمایا۔ اور اس سے مراد بین الاقوامی یعنی تمام عالم کی اصلاح ہے۔ الغرض جو قوم ترقی کے باہم پہنچتی ہے، اُسے بہر حال یہ پانچ منازل طے کرنا پڑتے ہیں۔ ترقی کے آخری ذریعہ پر پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ خلیفہ القدس یا بہشت بریں کا ممبر بن جائے۔ یہ انسان کی انتہائی ترقی کا مقام ہے۔ اگر وہ خلیفہ القدس کی منزل تک نہیں پہنچ سکا تو وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔

گذشتہ درس میں تہذیبِ الاخلاق کے پانچ اصولوں کا ذکر اجمالاً اچکا ہے۔ ان میں سے دو اصول ذکرِ الٰہی اور شکر کا بیان گذشتہ رکوع میں اچکا ہے ظاہر ہے کہ ان پانچ اصولوں پر عمل کیے بغیر کوئی شخص مہذب نہیں کہلا سکتا موجودہ زمانے میں جس شخص کے لیے مہذب کا ہم معنی لفظ کلچرڈ (CULTURED) بولا جاتا ہے۔ وہ اسلام کے اصولوں سے قطعاً بافت نہ نہیں رکھتا۔ بلکہ صحیح معنوں میں کلچرڈ یا مہذب اُسے کہیں گے جو اسلام کے قائم کردہ ان پانچ اصولوں پر پورا اتر گیا۔

تہذیبِ الاخلاق کا تیسرا اصول صبر بیان کیا گیا ہے۔ اشد تیسرا اصول صبر ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالْقَدْرِ الصَّالِحِ**۔ اے ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ استقامت پکڑو۔ صبر ملتِ ابراہیمی کا ایک اہم اصول

سب سے کمزور اعمال میں یہ حدیث موجود ہے جسے اہم مغز الٰہی نے احیاء العلوم میں اور
دوسرے علماء نے بھی نقل کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام کا ارشاد لکھا جی سہ ہے کہ صبر کا حق
کسی چیز سے رک جانا یا کسی شے کو برداشت کرنا ہے اور اس کے تین نام
ہیں صبر علی مصیبت، صبر علی لطمۃ اور صبر عن المعصیۃ۔

صبر علی المصیبت یہ ہے کہ اہل ایمان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے، کوئی
عادثہ پیش آتا ہے، تو وہ ایسے من جانب اللہ سمجھ کر اس پر صبر کرتے ہیں اور
اس کے جواب میں "وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْکَلْبِہِ وَاجْعَلُوْہُ" کہتے ہیں ایسے شخص کو
تعلق باللہ مضبوط ہوتا ہے۔ اسی لیے تمدنی شریفیت کی روایت میں آتا ہے۔
وَمِنْ اَبْقِیِّیْنَ مَا تَهْوٰی اِلَیْہِ عَیُّنُکَا مَصَآئِبُ الدِّیْنِ حضور علیہ السلام نے
امت کو یہ دیکھا کھانی، کہ لے لے اللہ تعالیٰ میں اس قدر درجہ عطا کر کے دنیا کی مصیبتیں
ہلکی ہو جائیں۔ ایسا شخص ہر تکلیف پر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔
اسی کا اردو اور مشیت کا نام کر رہی ہے۔ وہ ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت
کرے گا، جس پر صبر و فزع نہیں کرے گا۔ نہ تینے چلائے گا اور نہ کوئی دوجہ
کرے گا۔ یہ اس کے تعلق باللہ کی نشانی ہے۔ اس کی مزید تشریح یوں بیان فرمائی
اَلْمُتَّئِبِ عِنْدَ صَدِّقِہٖ اَقْوٰی کسی مصیبت کی تدار میں صبر کہ ابھی صبر
کی علامت ہے۔ وگرنہ جب تکلیف کا سامنا کرتے ہوئے انسان ٹھکے جاتا
ہے اور تمام وسائل سے مایوس ہو جاتا ہے، تو پھر صبر کہ ابھی ٹپہ تاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی اطاعت پر صبر کرنا صبر علی لطمۃ کہنا ہے ظاہر
ہے کہ کوئی کام بھی بغیر حوصلہ اور برداشت کے انجام نہیں پاسکا۔ گرمی سردی
میں دشواری کے لیے تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑی مشقت
کا کام ہے۔ حج و عمرہ میں تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ غرضیکہ اطاعت کو
کرنے کو بھی کام صبر کے بغیر پختہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

صبر عن المعصیۃ یہ کہ جب نفسانی خواہشات سامنے آئیں تو

بمقرر شد کہ سب سے پہلے ان کی تہذیب و تمدن کو ترقی دیا جائے گا۔ انہماک ہے۔ جو کہ
 بہت بڑی صفات ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقیدہ قائم ہوتا ہے۔
 نماز افضل عبادت ہے۔ عیسائیوں اور یوں امور میں پڑ کر اللہ سے غافل ہو
 جاتا ہے۔ تو نماز اس کا تعلق اللہ سے ہے۔ پھر قائم کر دیتی ہے۔ ان کا تعلق حقیقی ہے
 سے جڑی ماس ہے۔ نماز و برہنہ کرنے سے انسان کی غفلت دور ہو جاتی ہے
 ورتعلق با اللہ قائم رہتا ہے۔

فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ بِشَکْلِ الَّذِیْ تَعَالٰی عَنْہُ کہ سب سے پہلے
 اللہ تعالیٰ کی رحمت، خوشنودی اور احسانیت صابر و دل کے ساتھ ہے
 الغرض! ذکر شکر، صبر و دعا و تعظیم شعار اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے
 اصول ہیں۔ ان میں سے ہر اصول اہم ہے۔ فرمایا یوں دلنوازی کے اختراعات
 کی پرانہ میں فَتَلَّحَظْ شَقِیْہُمْ وَخَشَعُوْا اَیْنَہُمْ سے خوف نہ
 رکھیں۔ بلکہ صرف میرا خوف دل میں رکھیں۔ ان کے باطن اعتراض پر صبر سے
 کام لیں۔ وَاصْبِرْ لِّمَا یُکَلِّفُکَ اللّٰہُ صَبْرًا اللہ تعالیٰ کی توفیق
 سے ہی حاصل ہو گا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّ ذَہَبَیْہُمْ وَوَسَّعَتْہُمْ اَلْکَرَمُ صَبْرًا
 کر دے گا اور تقویٰ کو اہ اختیار کر دے گا اِنَّ ذَہَبَیْہُمْ وَوَسَّعَتْہُمْ اَلْکَرَمُ صَبْرًا
 بات ہے۔ طلحہ نصیب ہو جائے گی جس شخص یا جماعت میں صبر کی روح پیدا
 ہو جائے گی۔ نماز یہ استقامت ہو جائے گی وہ شخص یا جماعت بھی شکست سے
 دوچار نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب دشمن سے ٹکرائے گا موقع آئے گا۔ تو
 حذر و جہاد کام آئے گا۔ اور اس موقع پر اگر وہ بھی ہلے گا تو انسان فنا نہیں
 ہوتا بلکہ اسے دائمی حیات نصیب ہو جاتی ہے۔ ان ان اس غفشتہ کی زندگی سے
 نکل کر بلند و زندگی میں داخل ہو جائے گا جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کے
 دین کی تقویت کے لیے مارا گیا، وہ شہید ہو گیا۔ اور کامیاب ہو گیا۔

شہادت
 بیل اللہ

اِسِیَہُ فَرِیَا وَکَلَّ فَعَلُوْا لِمَنْ یَّقْتُلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاَفْکَدَ اللّٰہُ

کے ماتے میں جان دینے والوں کو مشرقت کہتے ہیں۔ انھیں کوئی شک نہیں کہ ان کا تعلق ہر جسم اور مادی ہے۔ ان کی مادی حیات ختم ہو جاتی ہے۔ مگر شہید کو اگلے جہان میں اعلیٰ تر زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان میں بنیاد پر علیہم السلام جیسی اعلیٰ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی زندگی تو بہر حال ختم ہونے والی ہے۔ یہ تو مصائب و آلام کی زندگی ہے۔ اس کے مقابلے میں شہید کو جو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ وحیائیت فائق اور غنی تر ہوتی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ انسانی جسم گرجے، بطع فانی ہے۔ مگر بعض اوقات شہداء کے جسم بھی محفوظ رہتے ہیں۔ اور ان پر زمانے کے تغیر و تبدل اور مٹی کا اثر نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے متعلق تو واضح طور پر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر صراطِ مستقیم نہ دیا ہے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جہنوں کو کھا جائے۔ مگر بعض اوقات شہداء کے جسم بھی اللہ کے حکم سے محفوظ رہتے ہیں۔ چند سال پہلے تاتاریوں کے حلاقہ میں چھ سات سو سال پرانے شہداء کے جسم باکھن صبح و سہرے تک برقرار ہوئے ہیں۔ جو اس امت کی دلیل ہیں کہ اللہ جلت ہے۔ کہ شہداء کے اجسام کو بھی کچھ نہ آنے دے۔ تاہم یہ کئی اصولی نہیں ہے۔ البتہ عالمِ ہنر میں شہداء کو اعلیٰ درجے کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ ہنر کی زندگی تو ہر نیک و بہ اور مومن و کافر کو حاصل ہے۔ مگر شہداء کی زندگی نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ سورۃ آل عمران میں آتا ہے کہ شہداء کو عیش کے سامان نصیب ہوتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کی خوراک حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے انہیں مردہ مت کہو۔ انہیں اعلیٰ درجہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ مگر حیر مادی زندگی کے اعتبار سے انہیں مردہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اپنی اعلیٰ و ارفع اور دائمی زندگی کی بنا پر وہ زندہ جاوید ہیں۔

سورۃ انفان

فَرِیْئًا وَّلَیْسَکُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ سَے لوگو! تم شہداء کی زندگی کا شعور نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں جو دائمی زندگی حاصل ہوئی ہے وہ اس جہاں سے

اگ ایک دور جہان سے جو ہم سے فہم و ادراک سے بالا ہے۔ آپ اس جہان کی چیزوں سے واقف ہیں۔ اس کی کڑواہٹ آپ آنکھ سے دیکھ سکتے

ہیں کان سے سُن سکتے ہیں، عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر اگلے جہان کی چیزوں کو
مذہم دیکھ سکتے ہو، نہ تمہارے کان اس کی سماعت کی تاب لاسکتے ہیں اور نہ تمہاری
عقل انہیں سمجھنے کے قابل ہے اُس جہان کی چیزوں کو وہاں جا کر ہی دیکھو اور
پرکھا جاسکتا ہے۔

ہم غزالیؒ فرماتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ عذاب قبر سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ
یہ کچھ اس قابل نہیں ہے۔ کہ عالم ملکوت کی چیزوں کو دیکھ سکے۔ یہ تمام چیزیں
اگلے جہان میں موجود ہیں، مگر ہمیں نظر نہیں آتیں۔ اِن کا ادراک وہاں پہنچ کر ہی ہوگا
اب تو صرف آسمان نظر آتا ہے۔ مگر قیامت کے دن لوہے کی تمام اشیاء نظر آنے لگیں
گی، اور پھر کے تمام پوئے کھول دیے جائیں گے، عرش الہی نظر آجائے گا۔ جن اور
فرشتے بھی نظر آئیں گے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہاری مادی نظریں اور دماغ اگلے جہان کی
چیزوں کے ادراک کا شعور نہیں رکھتے۔

البقرة ۲

آیت ۱۵۵ تا ۱۵۹

سَيَقُولُ ۲

درین شصت (۶۰)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

ترجمہ: اور البتہ ہم ضرور تم کو آزمائش کے کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں، اور بچوں کے گم ہونے سے اور آپ صبر کرنے والوں کو آخری جزائیں (۱۵۵) دے دوں گا جب بخو کر لی مصیبت پہنچتی ہے۔ تورو کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ کے سایے میں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جاننا چاہتے ہیں (۱۵۶) یہی لوگ ہیں کہ ان پر عنایتیں ہیں۔۔۔۔۔ ان کے رب کی طرف سے اور مہربانی ہے۔ اور یہی لوگ ہیں۔۔۔۔۔ مہیستہ خانے

والے (۱۵۷)

ترقی کے لیے جن منزلوں کو طے کرنا پڑا ہے اس میں تہذیب اخلاق اور اس کے اصولوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے اللہ کے ذکر اور شکر کا ذکر ہے۔ اور پھر تیسرے بڑے اصول صبر کا بیان ہے۔ چوتھا اصول۔ دعا ہے جس کا ذکر انارشہ ونا کہہ رہے ہیں میں اجمالی طور پر کیا گیا ہے دراصل دعا و تضرع کا تعلق بھی اسی سلسلہ میں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صبر کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ اس کے بعد اللہ اور اس کے دین کی خاطر قتل ہونے والے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ

گزشتہ
سے
پیوستہ

صبر کی توت

اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر ہمیں اس کا شعور نہیں۔ یہ صبر کی عظمت ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں موت جیسی بڑی مصیبت کو بھی بخوبی برداشت کرنا سہجہ۔ تو یقین ہے کہ ایسے شخص کو حیات جاوداں نصیب ہو جاتی ہے۔ اور یہ بڑی رحمت ولی زندگی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شہید کے لواحقین بھی برصغیر برداشت کر گئے ہیں جس کے بدلے میں انہیں زندگی میں عزت حاصل ہوتی ہے اور وہ ترقی پزیر بن جاتے ہیں۔ گویا تہذیب الاخلاق کے ضمن میں صبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لہذا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق موت جیسی بڑی مصیبت کو برداشت کیا وہ تہذیب الاخلاق کا ایک بن گیا۔

میں اُن شخص سے
کیا اسے

موت جیسی بڑی مصیبت کے تذکرہ کے بعد یہ دس آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو بھی مصیبتوں کا ذکر فرمایا کہ ہم ان کے ذریعے بھی تمہیں آواز میں لے کر دیکھ سکتے ہیں کہ تم نہیں ضرور آزمائش کے اور یہ آزمائش حقیقتاً ہے لیکن چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ سو لوگ یہ تصور نہ کریں کہ وہ محض کلمہ پڑھ کر بغیر امتحان کے کامیابی حاصل کر لیں گے۔ بلکہ فرمایا ہم ضرور انہیں امتحان سے گذاریں گے۔ حضور علیہ السلام کا بھی ارشاد مبارک ہے۔ یُثَبِّتُ لِي كَرَجُلٍ بِقَدَرٍ دِينِهِ اَوْ مَيَّاسٍ كَالْاَمْحَانِ اس کے دین کے مرتبہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جس قدر اس کا دین مضبوط ہوگا اُس قدر اُس کی آزمائش بھی کڑی ہوگی۔ اور اگر دین کمزور ہے۔ تو آزمائش بھی کمزور ہوگی۔ مگر آزمائش سے خالی کرتی نہیں۔ بہر حال ایمان کا تقاضا ہے کہ آزمائش آئے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ کہ وہ کسی شخص کی آزمائش کس طریقہ سے کرنا ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

فَرِيَا وَكُنْتُ لَكَ بِشَيْءٍ اَم تَمِيں کسی چیز سے ضرور آزمائش
لے گا۔ اور وہ کون سی چیزیں اور کون سے ذرائع ہیں جن سے آزمائش ہوتی ہے
فرمایا مِنْ اَحْوَاتِ مَجْهَلِ اَنْ ذَرَا لَكَ کے ایک ذریعہ خوف ہے۔ یعنی تم بہ خوف

وجہ سے بعض اوقات وہ بھی مضطرب ہو جاتے ہیں۔ غزوہ خندق کے موقع پر خود عالم انبیین
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک کی وجہ سے کمر بیٹ پر پھتر یا نڈر سے صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں
کہ بھوک کی وجہ سے ہم نے حضور علیہ السلام کو بے چین ہوتے ہوئے بھی دیکھا بعض
اوقات بھوک کا اتنا غلبہ ہوتا کہ سیدھے بیٹھ بھی نہ سکتے بلکہ ٹیک لگاتے پڑتی۔ الغرض
چونکہ خوردگی ہر ذی جان کے لیے لازمی ہے۔ لہذا اس کے بغیر اس کا اضطراب بھی ضروری
ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بسا اوقات
ہم انسان و حیوان کی خوراک روک کر اور اسے بھوک میں مبتلا کر کے اسکی آزمائش کرتے ہیں
مفسرین کرامؓ فرماتے ہیں کہ بھوک دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اضطرابی اور دوسری
اختیاری۔ پانی اور خوراک کی قلت اضطرابی بھوک ہے، اور اس کا مظاہرہ دنیا میں ہوتا
رہتا ہے۔ قحط سالی کی وجہ سے خوردگی پیدا ہی نہیں ہوتی یا کوئی بیرونی آفت مثلاً
طوفان یا زلزلہ وغیرہ کے ذریعے اس کے ذخائر تباہ ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے
خوراک کا حصول ممکن نہیں رہتا اور لوگ آتش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قحطی زمانہ
میں بنگال کا مشہور قحط واقع ہوا آج سے تقریباً ۱۵ سال قبل اس قحط کی وجہ سے
نوسے لاکھ انسان قحط اجل بنے۔ چھوٹے چھوٹے سیلاب تو اکثر ساحلی علاقوں میں
آتے رہتے ہیں جس سے سینکڑوں اور ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں یہ اضطرابی
بھوک ہے اور آزمائش کے لیے وارد ہوتی ہے۔ بھوک کی دوسری صورت اختیار کی
جیسے اہل ایمان کے لیے ماہ رمضان میں روزوں کی فرضیت ایمان خود اس
بھوک کو اختیار کر کے آزمائش فداوندی پر پورا اترے ہیں۔

جان و مال
کا نقصان

فرمایا آزمائش کی تیسری صورت وَنَحْضِبُ مِنْ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ حَتَّى
مال و جان کا نقصان ہے۔ ان فی معیشت کا دار و دار امنی و در چیزوں پر ہے۔
انسان مال کے ساتھ کاروبار کرتا ہے۔ تجارت، حرفت یا زراعت کرتا ہے
اور یہ امور انجام دینے کے لیے افرادی قوت کی ضرورت ہے۔ لہذا اگر جان
یعنی افرادی قوت اور مال یعنی روپیہ پیسہ، گائے بیل، بھینس، اونٹ بجری وغیرہ

لہذا جب کسی مومن کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اتنا رنجیدہ نہ ہو کہ اس بات کا اقرار کرے کہ اسے
 کہ یہ مال و دولت اسی کا عطا کردہ ہے، وہ جب چاہے لے لے۔ لہذا وہ
 کسی قسم کے نقصان پر چیخ و پکار یا دوپلا نہیں کرتا، بلکہ صبر سے کام لیتا ہے۔ اور
 ایسے ہی صلہ بریں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے۔

مصیبت کے وقت رونہ پینا فوتہ کرنا، بالوں کو زچنا یا گالیں پیٹنا ہرگز
 ایمان کا جزو نہیں ہے حضور علیہ السلام نے غم رکھوں سے بیعت لیتے وقت عمر
 لیا تھا کہ رونہ پینا ناجائز ہے۔ فوتہ کرنا عزم ہے، ایسا ہرگز نہ کرنا، البتہ غم و اندوہ
 سے کسی کے آنسو نہ نکلیں تو یہ ایک فطری امر ہے اور درست ہے مگر چیخ و پکار
 کرنا خلاف طبع اور ناجائز ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

مصیبت کے وقت صبر کرنا اور اتنا رنجیدہ نہ ہونا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ
 پر رضا مندی کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو بھی پسند فرمایا ہے
 میں اس پر راضی ہوں۔ اگر اللہ ہم سے راضی ہو گیا، تو یہ جو ثواب کا باعث ہو گا۔
 اور دوزخ سے محفوظ رہے گا۔ تو ہم یقیناً تباہ و برباد ہو جائیں گے کیونکہ وہ کچھ بھی اسی کے
 پاس جاتا ہے اسی کی بارگاہ میں پیش ہوئے اس کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں
 چنانچہ صبر کا قانون بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جانا چاہیے
 حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں آسمان سے گر جاؤں، زمین پر جاؤں یا آؤں
 یہ بات میرے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ کے کسی فیصلے کے متعلق
 میں یوں کہوں کہ یہ مجھے پسند نہیں، بلکہ اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جانا چاہیے۔
 حدیث شریف میں آیا ہے، جو خدا کے فیصلے پر راضی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ بھی
 اُس سے راضی ہو گا۔ اور جو شخص خدا کے کسی فیصلے پر ناراض ہو گا، اللہ تعالیٰ بھی اُس سے
 ناراض ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص سے اللہ ناراض ہو گا، اُس کا شریک ہو گا۔
 اہم ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان آیات سے واضح ہے کہ رضا بالقض
 فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہو جانا چاہیے۔ اور صبر کا ذمہ نہیں

چھوڑنا چاہیے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ان آیات سے احکام مترشح ہوتے ہیں یعنی فرض اور نفل۔ اور تقاضے کے ہر فیصلے پر راضی ہو جائے فرض حکم ہے اور ہر مصیبت پر اِنَّ اللّٰهَ رَءِیُّنَا اَلْیَسِّرَ لَا یَجْعَلُوْنَ کُنْ اَنْفَلِ حکم ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ دعا کھائی اَللّٰهُمَّ اِجِبْنِیْ حَقِّ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلِفْنِیْ خُفَیَّ رَهْمَتُکَ۔ یعنی اے اللہ! مصیبت میں مجھے اجر عطا فرما اور اس کا مجھے ہستہ نہ عطا کر۔ یہ ایمان والوں کی نشانی ہے کہ وہ ہر مصیبت پر اس طرح کے کلمات کہہ کر راضی برضا ہو جاتے ہیں تکلیف خواہ چھری ہو یا بڑی اُمس پر صبر کرنا اور کلمات خیر کو ایمان کی نشانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے یا عطر گھر لگ جائے تو اس پر بھی اَللّٰہُ پڑھنا چاہیے تاکہ اللہ کی رضا پر راضی ہونے کی سزا حاصل ہو جائے۔

عشر

فرمایا صبر کرنے والے اور اللہ کی رضا پر راضی ہونے والے لوگوں کا صلہ یہ ہے اُولَئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوةٌ مِّنْ رَّبِّہُمْ وَرَحْمَةٌ جَیْلَہِمْ لَوْکَ ہِیْ جَنِّ بِرَبِّ لَعَلَّکَ لَی غَافِلٌ اور مرواتی ہے مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ سے مراد خاص رحمت اور مہربانی ہے۔ اور رحمت سے مراد عام مہربانیاں ہیں۔ شاہ مرفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ اللہ سے مراد وہ غائبات اور مہربانیاں ہیں جو ان لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کی رحمت سے پہنچتی ہیں۔ اور رحمت وہ مہربانی ہے جو ان لوگوں کو اللہ کے فضل سے پہنچتی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کے مطابق صلوٰۃ جیسی بلند پایہ رحمت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کا اتصال حکیمۃ القدس جیسے بلند پایہ مہر و مقام سے ہو جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی کمالی عظمت پڑتی ہے۔ اس طرح گوہر اس کا رابطہ خدا تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے اور اسے بڑی بلندی اور رفعت نصیب ہوتی ہے۔ اُولَئِکَ اَحْمَدُ الْمُہْتَدُوْنَ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ انہیں یہ مقام اسی لیے حاصل ہوتا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم کے راہی ہوتے ہیں۔ اور اسی سیدھے راستے پر چل کر علیٰ مقام حاصل کرتے ہیں۔

کو یہ نام نہیں گئے۔

تہذیب افلاق کا
پانچواں جہل
شعارِ اہل
تعلیم ہے۔

یہاں پر عصارہ کو شعائر اللہ کہا گیا ہے قرآن کریم کے دوسرے مقام پر شعائر اللہ کی عظمت کے بیان میں فرمایا کہ لَا تُشْرِكُوا شَيْئًا بِاللَّهِ یعنی اللہ کے شعائر کی یہ حرمت صحت کہہ دو۔ بلکہ ان کی تعظیم کرو۔ اس کو خمیر و سیتے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی زندگی علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ اس کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اللہ کی یادآوری کا ذریعہ ہیں ان کو بت پرستی یا شرک اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان چیزوں کی تعظیم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ہی تعظیم ہے۔ جن کو دیکھ کر اسکی عظمت اور یاد دہن میں آتی ہے۔ شعائر اللہ میں مکان کے علاوہ کئی قسم کے افعال بھی داخل ہیں مثلاً امام شاہ ولی دہلوی فرماتے ہیں کہ میں نے عظمتہ سنکد پیر اللہ چار چیزیں اللہ کے شعائر میں سے بڑی ہیں اور ان میں خانہ کعبہ حضور علیہ السلام کی دست مبارکہ نماز اور قرآن پاک شامل ہیں اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر سبزی نے یہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں عرفات بھی داخل ہے۔ جہاں فوجہ کجہ کو لوگ جمع ہوتے ہیں۔ یہاں کا رُفوف ہی حج کا کن اعلیٰ ہے۔ لوگ غروب آفتاب تک وہاں قیام کرتے ہیں۔ اور خوب گڑگڑاتا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگتے ہیں۔ اسی طرح المشاعر مجھے مزوانہ کہا جاتا ہے وہ بھی شعائر اللہ میں شامل ہے۔ منی میں رمی جہار بھی شعائر اللہ میں داخل ہے۔ صفحہ دوم وہ کا ذکر تو خود قرآن پاک نے کیا۔ علاوہ ان میں تمام مساجد و مہمان خانہ اور المشاعر اہرام و غیرت فیلے مہینے یعنی ربیع الثانی و ذی القعدہ و ذوالحجہ در محرم الحرام یہ سب شعائر اللہ میں۔ یہ سب واجب الاحترام مہینے ہیں۔ ورنہ ان میں گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔ ان میں عبادت کا اجر و ثواب بھی بڑھ جاتا ہے اور گناہ کا وزن بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ عید الفطر، عید الفطر، حجہ، ایام تشریف، اقامت، ختمہ

نماز باجماعت، اہل طواف، بڑی قربانی اور صفاءِ رو کی سعی سب شعائرِ اسلام میں داخل ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ **وَمَنْ يُعْطِرْهُ شِعْرًا زَكَوَاتٍ فَهُوَ مِنْكُمْ**۔ تقویٰ القلوب یعنی شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی بنا پر ہے جس کے دل میں خدا کا تقویٰ ہوگا، وہی شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا۔

تفسیر عزیزی

تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مشہور تفسیر ہے جو کہ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ آپ کے والد ماجد، ام شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا جس کا نام مستحرج الرحمن رکھا۔

اُس زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کی محرومت تھی۔ کابل سے سے کرہا تک سارا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھا۔ سرکاری زبان فارسی تھی۔ ساتھ ساتھ عربی کو بھی اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ اس وقت اردو زبان اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور محدود تھی۔ بہت مرہٹی اور تمل ناز زبانیں اپنے اپنے علاقوں میں مروج تھیں۔ ہندی کو بھی عام چہر چا تھا۔ تاہم ان دروہڑگوں کے فارسی زبان کو ذریعہ ابلاغ بنایا۔ ام شاہ ولی اللہ کی کتابیں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ آپ کی مشہور عالم تصنیف اصول تفسیر فارسی زبان میں ہے۔ از اللہ اعفای فارسی میں ہے موطا کی شرح ایک فارسی میں ہے اور ایک عربی میں بمقصد بہر مال ابدیٰ دن تھا جس میں آپ کے خاندان کو کاخِ کامیابی حاصل ہوئی۔

الغرض! آپ کے زمانہ میں کج الوقت زبان فارسی تھی۔ دفتری خط و کتابت بھی فارسی زبان میں ہوتی تھی جس طرح آج کل سکولوں، کالجوں، دفاتروں، دہیروں، ملک انگریزی زبان کا چہر چا ہے۔ اسی طرح اُس زمانے میں فارسی مروج تھی۔ لہذا آپ نے زیادہ فارسی سے ذریعہ ہی دین کی اشاعت کا کام کیا۔

شاہ ولی اللہ کا خاندان برصغیر پاک و ہند میں بڑا لوہافی خاندان گزرا ہے آپ تمام مسلمانوں کے پیرو مرشد اور مربی تھے۔ برصغیر میں دینی تعلیم کا بیڑا آپ نے ہی اٹھایا۔ آپ وقت کے فقہ تھے۔ ان لوگوں نے تعلیم کے مرکز اور مدارس

قائم کیجئے۔ شاہ ولی اللہ اپنے والد ماجد کے مدرسہ ربیعہ میں تعلیم و تدریس اور درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ حج کے لیے حجاز مقدس گئے تو وہاں دو سال تک قیام کیا اور وہاں کے محاسن علمی استفادہ کیا۔ واپس آکر پھر درس و تدریس کے سلسلہ میں تہمک ہو گئے۔

شاہ عبدالعزیز نے لمبی عمر پائی ہے۔ آپ ساری عمر تدریس کے کام میں مشغول رہے۔ فتویٰ بھی دیتے رہے۔ آپ نے سنت جہاد کو دوبارہ زندہ کیا اور بڑے بڑے مجاہد پیدا کئے۔ آپ کے زمانہ میں برصغیر میں انگریز کا مکمل دخل ہو چکا تھا۔ اسی زلزلے میں آپ نے یہ تفسیر عزیزی لکھی۔ تفسیر عزیزی کے آخری دو پارے یعنی پارہ ۲۹ اور ۳۰ در مختلف جلدوں میں ہیں۔ ابتداء میں سورۃ بقرہ کی نصف تک تفسیر لکھی تھی۔ کہ زندگی کے ساتھ نہ دیا اور یہ کام وہیں رہ گیا۔ یہ ضخیم تفسیر جگہ جگہ کے ساتھ لکھی گئی ہے جس میں اسلام کے حقائق کو خوب اجاگر کیا گیا ہے۔ حضرت ازہر شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ اگر تفسیر عزیزی مکمل ہو جاتی تو سمجھا جاتا کہ قرآن پاک کا حق اد ہو گیا ہے۔ اس وقت اس تفسیر کی صرف تین جلدیں موجود ہیں۔ تاہم یہ مکمل درجہ کی چیز ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے۔

اہم ابن جریر نے مفسر قرآن حضرت قتادہ سے روایت نقل کی ہے۔ کہ صفاء اور مروہ کے درمیان دریا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت ہے۔ حاکم نے متذکرہ کہ میں بیان کیا ہے کہ صفاء مروہ کی سعی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی میراث ہے۔ ان سے یہ چیز بطور وراثت نقل ہوئی جلی آ رہی ہے حضرت باجہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے صفاء مروہ کے درمیان سعی کی ائمہ منین حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پیرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ شریف کا طواف، صفاء مروہ کی سعی اور بیعت جنانہ اللہ کے ذکر کی اقامت کے لیے ہے۔ طواف توبہ کے خود نماز کی مانند ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے الطَّوْفُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ لَعَنَ بَيْتَ الْبَيْتِ

کے کرداروں کو غافلانہ کی شکل سے۔ فرق مزید۔ مناسب کہ نماز سب دو میں حشر کی قضا ہمارے نہیں جب کہ طواف کے دوران حسب ضرورت دستہ چھیننے کی جائیگی ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ کل مہرے اجتناب کر کے اور ان کے ذکر میں شمول ہے۔ بلکہ ان کی کے لیے مختلف کلمات موجود ہیں۔ حضرت راجوری کے بڑے فرزند مولانا حبیب اللہ ٹولٹ کے سارے بچوں میں پورا قرآن پڑھ کر لیتے تھے۔ اللہ نے اس قدر قوت نصیب کی تھی کہ آپ اپنے ہی عبادت گزار تھے۔ ٹولٹ میں دو تین گھنٹے صرف کرتے تھے۔ اور سہ ماہی میں بھی ٹولٹ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کے لیے آتے تو عفا و مرہ سے درمیان میں پکارتے ہوئے دوڑتے اور اللہ کی طرف سے بھی بیک تہی کی آواز آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا کہ تمہاری پکار میں بھی کوئی جواب دہی نہ تھی۔ یعنی دعا کی مشورہ دعا کہ یا اعف عنی و یا عفو عنک قلت لا اعف عنک و حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ بھی کہتے تھے۔ یعنی اللہ ہمارے اور ہم ذریعہ و رحمت والا اور ہم سے نرم والا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دعا میں طواف میں کہ لا اللہ الا اللہ ہے۔ اس کے علاوہ ایمان پہ آیت تہی کی دعا ہے۔ لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الخاسرین۔ اللہ! جس طرح تو نے ایمان اور اسلام کی غزیت پر اپنا فرما لیا ہے۔ میں تجھ سے لڑتا ہوں کہ ستم سے نہ چھیننا یہاں تک میری عمر نہ آجائے۔

مقام مرہ کی سعی کی حیثیت کے متعدد مختلف روایات ہیں۔ یہ سب کہ نام احمد کے نزدیک سعی سنت ہے۔ لہذا ہم تہی ستم سے کہتے ہیں۔ اگر حج میں سعی نہیں کی تو حج نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ سے صاحب سنت ہیں

اگر کسی نہ ہر کے تو دم دینا پڑے گا جس سے اس کی تلافی ہو جائے گی واجب بھی بہت بڑا درجہ ہے۔ فرض کے بعد اسی کا منہ ہے۔ حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: گرامی ہے۔ اَيْتُهَا النَّاسُ رُفِعُوْهُ لَكُمْ رُكْرُ. مضاف و مردہ کے درمیان سعی کرو اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمْ النَّحْيَ اللّٰهُ تَعَالٰی نے تم پر سعی کو ضروری قرار دیا ہے حضور علیہ السلام جبرہ سعی کے لیے تشریف لاتے تو فرماتے اَيْدِيَكُمْ سَابِكَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی میں عربی سے شروع کرنا ہوں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء فرمائی ہے یعنی مضاف سے کیونکہ آیت زیر درس میں اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فَرَاغَا گیا ہے گریا مضاف ابتداء کی گئی ہے۔ الغرض! حضور علیہ السلام سعی مضاف سے شروع کر کے مردہ پر ختم کر سکتے ہیں یہ سنت مبارکہ آج تک جاری ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسے محبوب محبت ہوتی ہے اسے اسے متعلقہ بھی محبت ہوتی ہے حج کے تمام شعائر میں اعراف اقربانی وغیرہ محبوب کے متعلقات ہیں۔ جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جاگنیں ہوتی ہے۔ تو پھر وہ اس کے شعائر سے بھی محبت کرے گا ان کی تعظیم کرے گا۔ صبر اور شکر ادا کرے گا، یہی چیزیں تہذیب نفس کے حصول کی علامتیں ہیں

چاہہ تو ہم نرم کے اجر کا واقعہ مشہور ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے آب و گیاہ چاہہ تو ہم نرم
 دینی میں حضرت سیدنا محمدؐ اور اسی عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ بتوری بہت کجوں میں
 درجہ چھٹا گل میں پانی تھا۔ جب پانی ختم ہو گیا تو مائے صاحبہ نے ابرہہؓ کو صریح پانی کی
 تلاش شروع کر دی آپؐ بھی مصغیرہ جاتیں اور وہاں سے مایوس ہو کر مدینہ پہنچے
 پر پہنچ جاتین کچھ پیاس سے تڑپ رہا تھا۔ جب آپؐ کی پریشانی انتہا کو پہنچی تو
 اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ اَمَر سے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے اللہ
 کے حکم سے اپنا پُر زمین پر مارا اور وہاں سے پانی جاری ہو گیا۔ یہ بڑا متبرک پانی ہے
 غازی نے تاریخِ مکہ میں روایت بیان کی ہے کہ یہ پانی کوثر اور سلیمانؑ سے زیادہ
 فضیلت رکھتا ہے۔ پانی کے اس چپڑے کو کسی کو لوٹنا نہ بھی آئے مگر بالآخر

اسے کنوں کی صورت حال ہو گئی۔ جاہلیت کے زمانہ میں یہ کبھی دفعہ نہ ہوا اور کبھی نہ گیا اب، اس کنواں سے ساری دنیا سیراب ہوتی ہے۔ زمانہ میں حرم خوب سیر ہو کر یہ پانی پیتے ہیں۔ اور جاتے وقت دنیا کے اکٹھے اطراف میں یہ تبرک کے طور پر بکھرتے ہیں۔ اُس وقت سے لے کر آج تک اسکی آبیاری جاری ہے۔ اور نشانہ اللہ اقیامت جاری ہو چکی۔ اس کا زمانہ بھی عام پانیوں سے مختلف ہے۔ یہ پانی سبک وقت روز اشفا اور خدا کا قدرتی مجموعہ ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ انسانی جسم کے لیے اس سے بہتر کوئی پانی دنیا بھر میں موجود نہیں ہے۔

صفا کی یہ دہی تاریخی پس منظر ہے۔ جس پر پناہ کہ حضور علیہ السلام نے قریش کو دھوکہ دینے میں یہ طریقہ رائج تھا۔ کہ کسی سخت خطرے کے وقت بلند جگہ پر چڑھ کر وصباحا کافرا کو دیکھتے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ دشمن آگیا ہے یا اور کوئی خطرہ ہے۔ لہذا سب لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ اور پھر ایسا ہی ہوتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفا پر چڑھ کر یہی قہر دکھایا۔ قوم کے لوگ اکٹھے ہو گئے کہ کوئی خطرہ کی بات ہوگی۔ جب سلسلے لوگ اکٹھے تو اپنے قریب اگر میں تم سے یوں کہوں کہ صبح کے وقت اس پہاڑ کے پیچھے سے تمہارا دشمن حملہ آور ہو رہا ہے تو کیا تم میری بات کو تسلیم کر لو گے۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا ہاں۔ **حَبْرًا عَلَيْنَا كَذَبًا** ہم نے کبھی آپ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ آپ ہمیشہ سچ فرماتے ہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا **فِي تَذْوِينَ لَكُمْ كَحُجَّسٍ لَّوْ كُو** میں تم کو اس بات سے ڈرانے کے لیے آیا ہوں۔ کہ تم پر سخت عذاب آنے والا ہے۔ اگر اس سے بچنا چاہتے ہو تو میری بات مان لو **فَلَوْ لَوْ كَانُوا يَلْقَوْنَ اللَّهَ كَلِمَةً** اگر وہ اس بات سے بڑے سے بڑے سچ یا ہوسے اور کہتا **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** یا **مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ** اس کے لیے بلا کر کہتے ہو **الْهَيْدَا جَمَعْتُمْ** لیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا۔ ہم تو سبھے تھے کہ کوئی خاص بات

صفا اور
دعوتِ ترجید

ہم، مگر تو نے یہی سی بات بنادی۔

فتح مکہ کے روز بھی آپ اسی صفا پر کھڑے ہوئے اور فرمایا الحمد للہ
 اللہ ہی، لَجَّزْ وَعْدَهُ وَلَکُمْ عِبَادَہُ وَکَذَہُ لَکُمْ حَبْرٌ وَحَدَّ
 یعنی اللہ کا لکھ لکھ کر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد میں
 اور اس وعدہ کا شریک نے کیلے ہی ان سب کو شکست دی۔ یہاں پر اللہ کے
 وعدے سے مراد وہی وعدہ ہے۔ جب مشرکین کے حضور علیہ السلام کو طرح طرح
 کی تکالیف پہنچاتے تھے۔ اور آپ کو مکہ میں سے نہیں بیتہ تھے۔ تو اللہ
 نے وعدہ فرمایا کہ ایک دن فتح ہوگا اور یہ سب کو مغلوب ہو جائیں گے۔

بیت
 شریف
 میں

بیت اللہ شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ وہی ابراہیم
 علیہ السلام جنوں نے بت خانے کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔
 مگر انیس کے نام نہاد پیر و کاروں جی مشرکین مکہ نے اسی کعبہ شریف میں
 جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے۔ خانہ کعبہ کے سامنے بت تھے۔ اس کی دیواروں
 پر بت تھے۔ چارہ زم زم کے پاس بت رکھے تھے۔ عفا درود پر بت موجود تھے۔
 طریفک مشرکین نے ہر چیز کو بگاڑ دیا تھا۔ اور اس طرح خود خانہ کعبہ میں شرک کے ترکیب
 ہو گئے تھے۔

مشہور روایت کے مطابق صفا اور مردود پر جو بت رکھے ہوئے تھے ان میں
 سے ساون۔ مرد کا بت تھا اور وہ صفا پٹاری پر تھی اور ناکو غریب کا بت تھا اور وہ
 مردود پر رکھا ہوا تھا۔ یہ مرد و زن مشرک تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں بڑی کاڑھ کا
 کیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے پتھر کی صورت میں منج کر دیا۔ لوگوں نے
 ان پتھروں کو اٹھا کر باہر رکھ دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں کہ بڑی کا بیج کیا ہوتا ہے
 وقت گزرتے گئے ساتھ ان بتوں کی پوجا کرنے لگی اور یہ لوگوں کے معبود بن گئے پتھر لوگوں
 نے ان میں سے ایک کو صفا پر رکھ دیا اور دوسرے کو مردود پر۔

سعی
 قدیم
 سنت ہے

جب اسلام کا دور آیا تو مسلمانوں کو صفا و مردود کی سعی کو سنیں چھوڑ دیا

محسوس ہوئی۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ بھی شاید ان بتوں کی جڑیں ہیں۔ جس دور میں اس سے طبعی جلتی اور بھی مثالیں موجود تھیں مثلاً اوس اور غریب قبیلہ کے لوگ جب حج کے لیے آتے تھے۔ تو منات نامی بہت کے نام پر اہل علم و دین سے باز رہتے تھے یہ بہت کسی بزرگ کے نام سے موسوم تھا۔ اور سمندر کے کنارے مشعل کے مقام پر پورہ کھا ہوا تھا۔ یہ لوگ غنہ غنہ کا خواب تو کرتے تھے مگر صفا و سرور کی سعی نہیں کرتے تھے۔ اس قسم کے نظریات اُس وقت موجود تھے۔

مسلمانوں کے اس شک کو دور کرنے کے لیے قرآن پاک نے فرمایا رَسَّ النَّصَافَ وَالْمَسْرُورَ مِنْ شَعَرِ الْمَلِیْ عَصَا اِدْرِیْہِ لَوَالِدِہِ نَشَارِہِ جِس سے ہیں۔ اور یہ قدیم سلسلے سے منسلک ہیں۔ ان کے درمیان دو زبانوں کی تعظیم کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ چنانچہ ان بتوں کو دباؤں سے ہٹا دیا گیا۔ خطہ عرب کے تمام بتوں کو تہذیب گیا۔ ریت اللہ شریف کہ ان کی بنیاد سے پاک و صاف کر دیا۔ اور اس طرح مرکز اسلام سے ایک دفعہ پھر توحید کی صدا بلند ہوئے گی۔

اسی لیے فرمایا کہ منامرہ شعار اللہ میں سے ہیں۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوْ اعْتَمَرَ فَسَوَّیَ حُجَّتْہِ یَا عُمَرُوْہُ کَرِیْمٌ فَلَا حُجَّجَ عَلَیْہِ اِنْ ہُوَیْ حَرَمٌ فِیْہِ لَیَطُوْفٌ حَنِیْفٌ کہ ان دونوں کا خواب کئے ہی احکام حج میں سے ہے اور قدیم مذہب ہے۔

فَرِیْہَا وَمَنْ نَطُوْعَ حَیْزِہِ اَحْسَنَ غُوشِیْ سے نیکی کا نام کیا فَإِنَّ اللّٰہَ شَآکِرٌ عَلِیْمٌ تو اللہ تعالیٰ قدر دان اور جاننے والا ہے۔ یا وہ ہے کہ شک سے قائل کا صیغہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا معنی قدر دان ہو تا ہے یعنی اللہ تعالیٰ قدر دان ہے۔ اگر عمر کی سی نیکی خالص نیت سے کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر جس بہت سے بڑا اجر عطا کرے بہت و شہیم سے مراد یہ ہے کہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی نہ وہ انسان کی نیت اور باطنی ارادہ کو بھی جانتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا نَزَّلَ مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَهُمْ يَهْدِي مَنْ
 بَعْدَهُمَا بَيِّنَاتُ لَيْسَ فِي لِكْتِبِ ذُنُوبًا يَنْتَعِمُ اللَّهُ
 وَيَنْتَعِمُ اسْمُهُمْ (۱۵۹) إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَصَلَحُوا وَبَيَّنَّ
 فَأُولَئِكَ تَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَنَ التَّوْبُ الرَّحِيمُ (۱۶۰) إِنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَرَاءُ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ عَذَابُ اللَّهِ
 وَالسَّالِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۶۱) غُلِيدِينَ فِيهَا لَا يَخْفَى
 عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (۱۶۲) وَلَهُمْ فِيهَا وَجْهٌ
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (۱۶۳)

در آیت ۱۶۰

ترجمہ: وہ تحقیق وہ لوگ جو کچھ چھپاتے ہیں جس کو ہم نے واضح فرمایا ہے۔
 آیت کے ساتھ آتا ہے۔ بعد میں کہ ہم نے ان کو کچھ کچھ بیان کر
 دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور وہ شکر اٹھاتے نہیں
 بلکہ بھی لعنت کرتے ہیں (۱۵۹) مگر جو لوگ توبہ کر لی اور سچے توبہ کرنے
 اور انہوں نے بیان کیا۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں رحمت کرتا ہوں۔ اور میں سچ
 کہنے والا ہوں (۱۶۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا اور مر گئے۔ یہی
 حاشیہ: وہ لوگ جنہوں نے توبہ نہیں کی۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ فرشتوں نے
 لوگوں کی حالت کے بارے میں (۱۶۱) کہ یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے مذہب
 میں تسمیہ نہیں کی جائیگی۔ اور نہ ان کو دولت دی جائیگی (۱۶۲) ورنہ ان کے
 برحق ایک ہی معبود ہے۔ اس کے برکت میں نہیں۔ انہوں نے نہایت غم کر رہا ہے (۱۶۳)

کھن حق

گذشتہ آیات میں تہذیب ان اخلاق کے پانچ اصول بیان ہو چکے ہیں۔ سابقہ درس میں بعد ازاں کے تعظیم شانہ اللہ کا ذکر تھا۔ تہذیب نفس کے جملہ مسائل حیرت پر متضرع ہوتے ہیں، وہ مسئلہ توجیہ ہے۔ اس درس میں اسی مسئلہ کو بیان فرمایا گیا ہے اور اس سے پہلے مسئلہ کھن حق کا بیان ہے۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہودیوں میں کھن حق کی بیماری ہر جہ اقم و موجود تھی۔ پہلی آیات میں چکا ہے **وَتَكْفُرُوا بِالْحَقِّ وَأَنفُسُهُمْ فَكَلَمُونَ** یعنی اے اہل کتاب تم جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہو۔ اسی طرح تخیل قبلہ کے متعلق فرمایا **فَوَقَفُوا فَهُمْ كَمَا يَغِيثُ فُؤَادَ آبَائِهِمْ** یعنی یہ لوگ اس حقیقت کو اسی طرح پھینکتے ہیں جیسا کہ اپنی درود کرہ گزشتہ اس کے باوجود انکار کرتے ہیں۔ یوں کے کہناں حق کی وضع میں اس پر غلام لوگ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسے پیش گوئیوں کو چھپاتے تھے۔ اس کی بجائے لوگوں کے سامنے غلط باتیں بیان کرتے تھے تو رات میں رجم کا حکم موجود تھا۔ یہودیوں نے اسے چھپایا اس کی تفصیل سورۃ مائدہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا۔ **أَتَيْتُكُمْ بِكُلِّ آيَةٍ وَأَنزَلْتُ كِتَابِي فِيهِ** کہ تم لوگوں کے سامنے حقیقت حال کی پوری پوری وضاحت کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وضع فرمایا **فَتَجِدُوهُمْ وَآذَانَهُمْ مَّوَدَّهِمْ** ان لوگوں نے حقائق کو پس پشت ڈال دیا۔ **كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** مگر اگر وہ یا نکل نہیں جانتے۔

کھن حق
کی سزا

کھن حق کی بیماری صرف یہودیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عام قانون کے طور پر اعلان فرمایا **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَتْ مِنْ آيَاتِ الْكِتَابِ وَالْهُدَىٰ جَوَازُكُمُ بَعْدَ مَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ** ہیں **مِنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ** مَّا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ بعد اس کے کہ ہم نے اسے کتاب میں وضاحت سے بیان کر دیا۔ **أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُوهُمْ** لَعَنُوا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہے۔ اور یہی لعنت ہے

والوں کی بھی لعنت ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اگلی ذمہ میں تمام لوگ شامل ہیں جو اس
 آیت کے مصداق ہیں خواہ وہ کسی سابقہ امت سے ہوں، الٰہی سحر الزمان کی موجودہ
 امت سے متعلق ہوں۔ ہر وہ شخص جس سے یہ گریہ کا شہ نہ ہے۔ جو حق بات کو
 چھپاتا ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے مَنْ سَتَرَ عِلْمًا
 جَسَ مِنْهُ كُفْرًا کَیْ بَاتٍ پُورے گئی جسے وہ جانتا ہے۔ مثلاً کسی عقیدہ سے متعلق
 سوال ہے یا حلال و حرام کی وضاحت طلب کی گئی ہے فَکَتَمَهُ تَوَصَّاهُ
 علم شخص نے اسے چھپا دیا۔ معاذ اللہ ظاہر نہ کیا۔ یا اس کی کما حقہ وضاحت نہ کی، وجہ
 خواہ کچھ بھی ہو اسے کوئی نقصان کا خطرہ تھا یا اس کی مالی منفعت متاثر ہوتی تھی یا کوئی
 عذر یا مقصد نہ تھا جس کی وجہ سے اس نے حق کو چھپا دیا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا
 اَلْجَحِیْمُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ یَطْجَأُ مِنْ شَاہِدٍ قِیَاسُہٗ دِنُہٗ اُسے آگ کی
 لگام پٹائی جائے گی۔ چونکہ دنیا میں اس شخص نے اپنی زبان سے حق کو ظاہر نہیں کیا تھا۔
 اس لیے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔ اسی لعنت مردی
 جاہلی کی اس نے حق کو چھپایا تھا۔

مولانا عبید اللہ ندوی

حضرت مولانا عبید اللہ ندویؒ ہمارے دور کے عظیم معسر قرآن ہونے میں آپ
 نعیم یافتہ لوگوں کو چھوہ میں قرآن پاک سے کما حقہ واقف کرا دیتے تھے، اللہ تعالیٰ
 نے آپ کو ایسا ملکہ عطا کیا تھا۔ حضرت مولانا لاہوریؒ، مولانا سلطان محمودؒ کو ٹیپے لے
 حکیم فضل الرحمنؒ وغیرہ نے آپ ہی سے قرآن پاک پڑھا تھا۔ آپ شیخ الحدیث حضرت
 مولانا محمود الحسنؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور ان میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ انگریز
 آپ سے بہت خوفزدہ تھا۔ ہندوستان میں آپ کا داخلہ بند کر دیا تھا بلکہ محنت
 سزا بھی تھی۔ لہذا آپ نے ۲۵ سال کا عرصہ جلاوطنی میں بسر کیا۔ آپ اپنے استاد
 محترم کا شاہد پاکر کابل ہجرت کر گئے۔ اور کابل کو انگریزوں کے پنجے سے آزاد کرایا۔ آخر
 انگریزوں نے وہاں بھی آپ کو جینے نہیں دیا۔ اور آپ کو روس جلاوطن کر دیا۔ وہاں پر صرف
 ایک سال کا عرصہ گزارا۔ اس کے بعد آپ ترک چلے گئے اور چار سال وہاں

قیام کیا۔ آپ نے ترکوں کو خوب غفلت سے چمکایا اور انہیں یاد کر لیا کہ تم بے دینی کی آغوش میں جا رہے ہو۔ قرآن پاک کی چند سورتوں کا مذهب سمجھ لو تو بے دینی سے بچ جاؤ گے۔ مگر ان لوگوں نے آپ کی دعوت کا خاطر خواہ جواب نہ دیا، لہذا آپ ترکی سے حجاز مقدس پہنچے گئے۔ آپ بارہ سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ انگریز آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہاں بھی آپ کی جاسوسی کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ طواف کے دوران آپ نے دیکھا کہ جاسوس آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے آپ نے اسے پہچان لیا اور محنت ڈالت ڈالت فریاد تمہیں نہیں آتی، کیا یہ بھی میرا بیچا کر رہے ہو۔

خدا کا خوف کرو، کم از کم حرم پاک کا ہی احترام کرو۔ آپ زبردست انقلابی ذہن کے مالک تھے اسی لیے توانگریز آپ سے ڈرتا تھا۔ آپ نے قیام پاکستان سے تین سال قبل وفات پائی۔ آپ نے زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا کہ میں نے انگریزوں جڑوں کو ہندوستان سے اکھڑا دیا ہے اگر یہ چند سال کے اندر اندر اس ملک سے نہ بھاگا تو میری قبر پر اکھڑات مارنا اور کہنا کہ عبید اللہ نے جھوٹ بولا۔ چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی حیرت بکثرت پوری ہوئی۔ اور انگریز تین سال کے اندر اندر ہندوستان کو خیر باد لگا دیں۔

کسی زمانہ میں برطانیہ، برطانوی عظمیٰ کہلاتا تھا۔ یہ اتنی بڑی سلطنت تھی کہ اس پر کبھی سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ مقصد یہ کہ اس سلطنت کا رقبہ اتنا وسیع تھا کہ کسی نہ کسی حصے پر سورج موجود ہوتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ، روس، جرمنی وغیرہ سب کمزور تھے۔ مگر اس کے ظلم کی وجہ سے اللہ نے اتنی بڑی حکومت چھین لی اور اب یہ اپنے اصل ملک میں محصور ہو کر رہ گیا ہے۔ تو یہی وہ انگریز تھا جس سے مولانا عبید اللہ مدد صحیحی کہ جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔

مولانا دینی طبع پر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست دان بھی تھے آپ خود فرماتے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد ہم نے اٹھارہ سال ہر شے اللہ مولانا محمد حسن کی خدمت میں رکھ کر سیاست بھی سیکھی ہے اور دین بھی حاصل کیا ہے۔ آپ

امام شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کے بڑے ماہر تھے۔ نہایت نیک سیرت انسان تھے۔
 دوسلم ہو کر، تینا شور حاصل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ جھاکشی کا یہ عالم تھا کہ
 آٹھ دس میل کا سفر پیدل طے کر کے غار مجھ کیلئے آتے تھے جب کڑیر نہیں ہوتا
 تھا پیدل ہی چل جیتے۔ ایک دفعہ ملتان کے لیے سفر شروع کیا مطلقاً گڑھ کے ریلوے
 سٹیشن پہنچے تو پاس صرف اتنے ہی پیسے تھے۔ جس سے ملتان کے لیے ٹکٹ
 خریدا گیا۔ ستنے میں ایک اور مسافر نے سوال کیا کہ سخت لاچار ہوں، ملتان جانا ہے
 مگر ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ آپ نے خریدا ہوا ٹکٹ اس سائل کو دیا اور
 خود پیدل ہی ملتان کے لیے چل بیٹے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ آخر میں اشتراک ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ غلط ہے
 البتہ آپ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف تھے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں اشتراکیت کے
 سخت خلاف لکھا ہے۔ کیونکہ اس دور میں اسلامی نظام سے ٹکرا لینے والا اشتراک
 نظام ہی تھا آپ نے فرمایا تھا کہ اشتراک نظام کے پاس کوئی پروگرام نہیں ہے۔
 ایک اذیت مند آدمی گاہ جب انہیں قرآنی پروگرام کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔
 اسلامی پروگرام سے بہتر کوئی پروگرام نہیں ملے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو بھی قوم قرآنی
 پروگرام سے اعراض کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔ نہ دینی اعتبار سے کامیاب
 ہو سکتی ہے اور نہ ہی دنیوی لحاظ سے درجہ کمال حاصل کر سکتی ہے۔

تعلیم کی
 اہمیت

یہی مولانا عبید اللہ سندھویؒ ہیں۔ جنہوں نے آیات ذیہ دروس کے مطابق
 فرمایا کہ میں ان آیات سے یہ اصول اخذ کرتا ہوں کہ تعلیم جبری ہونی چاہیئے
 تاکہ تعلیم حاصل کر کے ترقی کی منزل طے کی جاسکے۔ یورپی ممالک میں جہاں دنیوی
 تعلیم جبری ہے۔ وہاں مرد و زن کسی کو تعلیم سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاتا۔ سب
 کو لازماً تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اقوام دنیوی اعتبار سے ترقی
 یافتہ ہیں مگر ہمارے ہاں تعلیم پندرہ بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ دینی تعلیم
 تو ایسے ہی بالکل کمزور ہے۔ صرف ایک در فیصد لوگ ہی دینی تعلیم حاصل

کرتے ہیں، اور نئی طور پر بھی ہمارے پاس ایسے لوگ گنتی تک نہیں جانتے۔ مرد و بچہ
بڑھنا نہیں جانتے اور نہ ہی حساب کے کچھ واقفیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت
عثمانؓ کے زمانے تک مشکلان حصول تعلیم کے اصول پر عمل پیرا تھے، اور ترقی کی منازل
بھی طے کرتے تھے۔ ہذا لازم ہے کہ کسی مرد اور عورت کو ضروریات دین کی تعلیم
سے بے بہرہ نہیں رہنا چاہیئے۔

اس مقام پر کتمان حق کے متعلق یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ بچہ جس قوم کے
پاس باوجود تک پہنچانے والی تعلیم موجود ہو، وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش
کرے گی، بجائے اسے چھپائے گا یا شخص لعنت کا مستحق نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔
اس وقت دنیا جہنم کہہ رہی ہوئی ہے۔ جہنم کی بھر مار ہو رہی ہے۔ اور ہم خاموش
بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس وہ تعلیم اور وہ پردہ کرام موجود ہے۔ جس سے جہنم کی
ترجیح گنی ہو سکتی ہے۔

ذہنی ترقی ہو سکتی ہے اور جس سے تہذیب الاخلاق پیدا ہو سکتا ہے مگر ہم اس تعلیم
کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے تیار نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ
لعنت ضرورت کے باوجود جب اس تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا تو اس کا دباؤ
لعنت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اسی لیے مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ
ضروریات دین میں سے سب سے پہلا نمبر تعلیم کا ہے۔ اسے جبری طور پر نافذ کرنا چاہیئے۔

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل یعنی بیانات اور ہدایت کا ذکر
کر کے فرمایا کہ جو لوگ ان درجہ ذیل کو چھپاتے ہیں، وہ اللہ اور لوگوں کی لعنت
کے سزاوار ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بیانات سے مراد وہ واضح باتیں ہیں جو
معمولی توجہ سے سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی نعمتوں کا شکریہ
اور صبر وغیرہ شامل ہیں اور ہدایت سے مراد ایسی باتیں ہیں جن کو سمجھنے کے لیے
اساتذہ کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی چیزیں آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں
ان میں شکر اللہ کی تعظیم بھی شامل ہے۔ لہذا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان تمام

بیانات اور
ہدایت

چیزوں کو ہم نے کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص انہیں چھپانے کی کوشش کرے گا، تو وہ حنت کا مستحق ٹھہرے گا۔

مکناں حق کی بیماری مسلمانوں کے لیے بھی ویسی ہی خطرناک ہے جس طرح یونہی نصاریٰ کے لیے مُہاک ہے۔ اہل کتاب نے کتاب اللہ سے اعراض کیا، اور دیگر خرافات میں لگ گئے، لہذا ناکام ہوئے۔ بادھنچی سی مال ہے مسلمانوں نے قرآن پاک کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور لوگوں، بدعات اور شرک پر گرا رہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارا انجام بھی اہل کتاب سے مختلف نہیں ہو سکتا۔

فرمایا: عننت کی اس تعزیر سے وہی بچ سکیں گے اَلَّذِیْنَ لَا یَسْتَأْذِنُوا جنہوں نے توہر کر لی، وَأَصْلَحُوا اپنے آپ کی اصلاح کر لی۔ یعنی خود کو سنوار لیا۔ سابقہ فرائض و حقوق ادا کئے اور آئندہ کے لیے مستعد ہونے کا عہد کیا وَبَشِّرُوا اور جس چیز کو چاہیے تھے اُسے واضح طور پر بیان کر دیا۔ مستربا یا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَیْهِمْ میں ایسے ہی لوگوں پر رجوع کرتا ہوں۔ وَأَنَا أَتُوبُ إِلَیْكَ اور میں رجوع کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ جب کوئی شخص سابقہ کوتاہیوں اور غلطیوں سے تائب ہو کر راہِ راست پر آجائے تو میں اس کی تمام سابقہ لغزشیں معاف کر دیتا ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر معاف کرنے والا رحیم و کریم اور مہربان نہیں۔ حتیٰ کہ میں کفر و شرک جیسے کجراکی کو بھی معاف کر دیتا ہوں۔

فرمایا: اس کے برخلاف اَلَّذِیْنَ کَفَرُوا جنہوں نے حق کو تسلیم نہ کرنے کی بجائے اس کا انکار کر دیا۔ اور پھر اسی حالت میں وَمَا قُتِلُوا ان کو موت آگئی وَهُمْ کُفَّارٌ اور وہ کافر ہی رہے۔ أُولَٰئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ جَمِیعٌ۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ خَالِدِیْنَ فِیْہَا اس لعنت میں وہ ہمیشہ گرفتار رہیں گے لَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ الْعَذَابُ ان کے لیے تخفیف عذاب کا بھی کوئی

لعنت کے مستحقین

امکان نہیں ولاھم یَنْظُرُونَ اور نہ ہی انہیں کوئی نعمت ملیگی۔ مقصد یہ کہ جو لوگ کفر کی حالت میں ہی مر جائیں گے وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ نہ تو ان کے عذاب میں کچھ کمی کی جائے گی اور نہ ہی اس عذاب کو کچھ دیر کے لیے مؤخر کر کے انہیں نعمت دی جائے گی۔ لعنت کا عذاب اس قدر سخت ہوگا۔

مسئلہ لعنت کے متعلق مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی پر لعنت نہیں کرنی چاہیے سوائے اس کے کہ یہ ثابت ہو جائے۔ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔ کسی کا فر پر بھی اس کی زندگی میں لعنت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مورت پہلے ناپ ہو جائے۔ ابلیس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کا کفر معلوم ہے۔ اس کے علاوہ بدعت پر لعنت درست ہے جیسا کہ صحابہ کرام کو میرا بھلا کرنے والوں کے متعلق فرمایا لعنة اللہ علیٰ مشوٰکھم مہمانے شر پر خدا کی لعنت یا مثلاً بڑا کام کیے پر لعنت ہے لعن اللہ۔ لشارق یعنی چور پر اللہ کی لعنت ہو۔ یا لعن اللہ۔ من سبک وایذیہ اپنے اہل باپ کو گالی دینے پر خدا کی لعنت ہو۔ اسی طرح فرمایا لعن اللہ من عکبر منار، اکثر من مشرک زمین کے نشانات مثلاً کے لیے پر اللہ کی لعنت ہو۔ لعن اللہ من ذلح یخیر اللہ غیر اللہ کے تقریب کے لیے ذبح کرے تو اسے پر اللہ کی لعنت ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا حقیقت یہ ہے کہ وہ لفظ اللہ کا جحد تھا ہر معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ کوئی اور معبود حق نہیں ہے۔ لہذا عبادت صرف اسی کی کرد، کفر و شرک سے باز آجاؤ۔ لفظ اللہ میں محبت کا معنہ بھی پایا جاتا ہے اور اس کا حتیٰ فریفتہ ہونا بھی ہے۔ اس سے اللہ کا معنی دلربا بھی کیا جاتا ہے۔ شاہ فضل الرحمن راجہ مراد آبادی نے اس کا ہندی ترجمہ عین مومن بھی کیا ہے۔ بغرض کہ لفظ اللہ میں محبت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور محبوب حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔ لہذا اس کی وحدانیت پر ایمان لانا چاہیے۔ در خالص اسی کی عبادت کرنی چاہیے اس کے ساتھ کسی چیز کو شرک نہیں بنانا

معبود صرف
ایک ہے

جاسیے۔ یہ تمام مسائل کی بنیاد سب سے اگلی تہذیب اخلاق اس بنیاد پر قائم ہوگا اور دست
ہوگا اور نہ نہیں۔ نہ خدا معبود وہ ہو سکتا ہے۔ جو مختار کل، قادر مطلق، عالم و خیر نافع اور
خار ہر۔ جو مشکل کشائی کر نوالہ ہر۔ ہمہ میں، ہمہ دان اور ہمہ توان ہر، وہ جو چاہے
کرے۔ لَا رَآیَ لَکُمْ کُتُبًا اور جس کے حکم کو کوئی نال نہ سکے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور وہ ایسا معبود ہے الَّذِیْ حَنَّ الْمَرْجِسُو
جو رجس اور رجیم ہے۔ رجمن سے مراد بے حد مہربان ہے اس کا بڑا فیضان ہے
اور رجیم سے مراد خصوصی رحمت کرنے والا ہے، اہل ایمان کے یہ خصوصی رحمت
کا اظہار قیامت کے روز ہوگا۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ رجمن اور رجیم کا تعلق تجلی عظیم سے ہے۔ بیسے
الْكَحْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى یعنی رُکن کی تجلی عرش پر پڑتی ہے۔ اور
جس شخص کا تعلق اس تجلی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ وہ کامیابی کی منزل پا لیتا ہے۔
اسی سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تہذیب اخلاق یا تعظیم شعار اللہ کا واحد
مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اور رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جائے۔

یہ بڑی اہم آیت ہے حضور عید السلام کا فرمان ہے کہ اِنْ دَرَأْتُمْ
مِنْ اَمِّ عَظَمَہ یعنی طافہ اللہ فی جلدہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ
الْجَبَّارُ اور اَللّٰہُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اَمِّ عَظَمَہ
اللہ جل جلالہ کا وہ اسم پاک ہے جس کی غایت یہ ہے کہ جب اس نام کے
ساتھ اسے پکارا جائے تو وہ بندے کی دعا کو مستجاب کرے اور اسے قبول کرے۔

النَّفْسَ ۝

آیت ۶۴

سَبْقُورِل ۲

در مثل شصت و دوم (۶۴)

رَّنْ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ النِّيلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ
اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِينَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَتْلُوهُ إِلَّا قَوْمٌ يَعْقِلُونَ ﴿٦٤﴾

قرن چہدہ و بیسک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات اور دن کے
اختلاف میں، اور کشتیوں میں جو ایک طہی ہیں، یا میں لوگوں کو نافعہ کی چیزیں اور ہوائی
اللہ تعالیٰ سے آسمان کی طرف سے آنا ہے، جیسے زمین کے پانی کے خشک ہو جانے کے بعد
وہ بار بار زندہ کیا ہے، اور اس زمین میں بہت سے درخت ہیں، اور جوڑوں کے
پھیرنے میں، اور ہول جو آسمان و زمین کے درمیان سفر کیے جاتے ہیں ان سب چیزوں
میں ختم ہونے والے ہیں۔ ﴿۶۴﴾

پہلے قارئین کے مکرر ہدایت اور قبلہ ہونے کا بیان ہوا، اس کے بعد ہمت
اسووم کے اہم ترین اصول یعنی فکر الہی، فکر انہی، خبر بر فی علمہ، شائد لہذا ذکر ہو چکا
کتاب اللہ کی تعلیم اور اس کی ضرورت، اور ہمیت بیان کر رہے ہوتے، ان لوگوں
پر وبال کا ذکر کیا، جو تعلیم کو چھپاتے ہیں، اور پھر آخر میں ان تمام چیزوں کی بنیاد
نوریدہ رالف کھو اللہ تعالیٰ کا بیان ہوا، اور پھر آگے توہید کے دلائل کے
طور پر دس چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

گذشتہ
پیر کو

تہذیب لاغلاف کے بعد سوسائٹی کا دوسرا اہم مسئلہ کسبِ حاشیہ ہے۔
یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ ہر شخص کو اس سے واسطہ پڑتا ہے، مگر نہ دانات

کسبِ حاشیہ

کے لیے معاش کا کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا ہی پڑتا ہے، اس سے کوئی انسان لاتعلقی نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں اپنا ٹھکانہ مقرر کیا۔ اور تمہارے لیے معیشت کے مختلف سامان پیدا کیے، حضور علیہ السلام کی حدیث پاک میں بھی ایسا ہے کہ رزق حلال کی طلب فیہ بضعة من بعد انفسنا فیض اللہ کے مقرر کردہ فرائض کے بعد یہ بھی ایک فریضہ ہے اور چونکہ وسائل معاش اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ رزق حلال کی تلاش کے ساتھ ساتھ عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کرے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الزَّيْطَ الزَّيْتُ اللہ کے پاس تلاش کرو کیونکہ اس کے بغیر کوئی رزاق ہے اور نہ کوئی معبود ہے۔ آیت زیر در کس میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمات کا ذکر کیا ہے جنہیں اللہ نے وسائل معاش بنایا ہے۔ اور انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ جب اللہ جل جلالہ نے تم پر اتنے بڑے بڑے انعامات کیے ہیں کہ جن کے بغیر تمہاری گزراوقات ہی ممکن نہیں بلکہ زندگی کا دار و مدار ہی ان چیزوں پر ہے تو پھر تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو کیسے معبود بناتے ہو وسائل معاش کے ان نعمات میں تمہارے لیے توحید الہی کے واضح دلائل موجود ہیں

رس آیت میں بیان کر رہا ہے احسانات میں سے اللہ تعالیٰ نے سب آسمانی کسے سے پہلے تخلیق آسمان کا ذکر فرمایا اِنْ فِي تَخْلُقِ السَّمٰوٰتِ مِثْقٰلَ ذَرَّةٍ مِّنْ شَيْءٍ لَّا يَخْلُقُهَا اِلَّا فِيْ سِتْرٍ میں صاحب عقل لوگوں کے لیے واضح نشانات موجود ہیں۔ تخلیق آسمانی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام احسانات بتلائے ہیں جو آسمان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان میں وہ تمام کسے سے شامل ہیں جو آسمان کی فضاؤں میں موجود ہیں اور باقاعدہ گردش کر رہے ہیں۔ پورا نظام شمسی جس سے کہہ ارض نے مستفید ہو رہا ہے۔ آسمانی نظام کا ایک حصہ ہے۔ آسمانی کروں میں سورج، چاند اور زمین بڑے اہم کسے ہیں لیکن پر انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

نہ صرف نہیں پیدا کیا ہے۔ بلکہ انہیں ایک خاص رفتار سے گردش میں رکھ کر انسانی
کی تمام ضروریات زندگی فراہم کر رہی ہیں۔ فروع انسانی کے لیے روشنی اور حرارت
سورج کی سرخون منت ہے۔ اگر انسان کو یہ چیزیں میسر نہ ہوں۔ تو نہ کوئی کام ہو
سکے اور نہ خود ک مکے لیے غلہ، سبزیاں اور پھل پک سکیں۔ اور پھر یہ ہے کہ سورج
۲۶۵ دن میں ایک خاص رفتار سے اپنا چکر پڑا کر رہتا ہے۔ جس سے مومنوں کا
غیر تبدیل پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان گناہ، سزا، بہار اور خزاں ہر موسم سے مستفید
ہوتا ہے۔ پورے چوبیس گھنٹے کا چکر بھی دن اور رات کی تخلیق کا باعث ہے
جسکی وجہ سے انسان کی روزمرہ زندگی میں باقاعدگی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ موجودہ
زمانے کی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ سورج اور چاند زمین کے گرد چر نہیں لگاتے بلکہ زمین ان کے گرد چکر
لگاتی ہے اور خود بھی اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ تاہم جس طریقہ سے بھی ہے
آسمانی مخلوق کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر انسان پر احسان عظیم کیا ہے۔ کیونکہ
انسانی زندگی کا انحصار اس نظام کے ساتھ وابستہ ہے۔

زمین کے بعد چاند اپنی مشرل ۲۸ یا ۲۹ دن میں پوری کرتا ہے۔ بعض سیارے
دو سال میں اپنا چکر پورا کرتے ہیں۔ مابین فلکیات کا کہنا ہے۔ کہ ثوابت میسے
ایسے ہیں جو اپنا چکر ۲۵ تا ۳۶ ہزار سال میں مکمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورج
کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ یہ ضیا ہے۔ اسی طرح چاند کی ویسی روشنی کے
ذریعے اللہ تعالیٰ پہلوں میں رس پیدا فرماتے ہیں۔ اسی طرح سمندر کے درجہ سبز
کے تحقق بھی چاند کے بخشنے گھٹنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے
تخلیق آسمانی کا ذکر کر کے اس سے وابستہ نظام اور اس سے انسانی مفاد
بیان فرمایا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فِي اللَّهِ تَعَالَىٰ سَنَ جَس دُرُ كَرِ اَمَلَان
کا ذکر کیا ہے وہ تخلیق زمین ہے۔ زمین کے ساتھ انسانی زندگی کی تمام
وابستہ ہے۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ انسانی ضرورتوں کی ہر چیز زمین سے پیدا

ہوتی ہے۔ غلہ، بنی، پھل، پتہ، ہر چیز کا منبع زمین ہے۔ انسانی زندگی کی اہم ترین چیز پانی بھی زمین کے کھوٹے سے نکل آتا ہے۔ اس کے علاوہ معدنیات کے وسیع ذخائر مثلاً سونا، چاندی، کوئلہ، تانبہ، نمک، گندھک، تیل وغیرہ سب زمین کی پیڑاؤں ہیں۔ لوہے کا لکڑی کے لئے خاص طور پر قرآن پاک میں تذکرہ کیا ہے

وَنَزَّلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ لَهُمْ فِيهِ مَخْرُجٌ مِّنَ صَدْرِهِ ذَلَّا
لوہ پیدا کیا۔ اس میں لوگوں کے لیے بڑے بڑے فائدے رکھے ہیں۔ اس زمانے کو لوہے کا زمانہ (IRON-AGE) بھی کہا جاتا ہے۔ دیکھ لیجیے آج کی دنیا میں لوہا کتنا اہم عنصر ہے۔ ریل، موٹر، جہاز، بحری ہواباز، چھوٹے چھوٹے اوزار سے لے کر بڑی بڑی مشینیں تک تمام کے تمام لوہے کے معلق ہیں۔ اور پھر لکڑی کے لئے اس کے ذخائر بھی زمین ہی میں رکھے ہیں۔ اس کو کام میں لانے کے لیے نئے نئے نرم کرنا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کے لیے ایندھن بھی کوئلے کی صورت میں زمین ہی سے پیدا کیا ہے۔

قرآن پاک میں پہاڑوں کا ذکر بار بار آتا ہے۔ پہاڑوں کے ساتھ ہی انسانی زندگی کے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔ جن میں پتھر، چٹان، جڑی بوٹیاں اور معدنیات شامل ہیں۔ اور یہ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہی پیدا کیے ہیں۔ کہیں مشرباً

جَبَّكُنَّ فِيهَا مَنَاسِكٌ مِّنْ دُونِ الْمَسْجِدِ الْمَكِّيِّ أَلَمْ يَعْلَم بِمِصْرَ آدَمَ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْمِ الْأَرْضَ كُلَّهَا فَرَدَّتْ

زمین ہی کا حصہ ہیں اور زمین ہی سے تمام ضروریات زندگی وابستہ ہیں اور بالآخر مرنے کے بعد زمین ہی سے اپنی آغوش میں مٹی ہے۔

زندہ اور
دن کا تغیر

شب و روز کے تغیر و تبدل کے متعلق فرمایا۔ وَخَلَقْنَا مِنَ الْمَاءِ حَيًّا وَنَجَّاهُ مِنَ الْغَرَجِ

ہیں۔ مغلطہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دن رات کی تبدیلی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے کس قدر منہمت رکھی ہے۔ دن کے وقت انسان کام کاج کر کے اپنی

دروزی پیکر تاسہ ہے۔ اور پھر جب دن بھر کے کام سے تھک جاتا ہے تو آرام کی عمر و صحت محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے آرام کے لیے راست بنا دیا تاکہ وہ آرام لکھن جامل کر کے لگے دن کی مشقت کے لیے پھر سے کمر بستہ ہو جائے اگر ہمیشہ دن ہی رہتا یا ہمیشہ رات ہی چھپاتی رہتی تو گذر وقات میں کس قدر مشکلات آئیں۔ سورۃ قصص میں فرمایا: وَلَقَدْ تَوَسَّىٰ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ اَلْیُسْرَی سَرَّھْدَ اِلَی یٰوْمِ الْعِیْکَہُمْ مِّنْ اِلٰہِ عَزِیْزٍ اللّٰہِ یَاۡرِیۡتَکُمْ لَیۡسَ بِکُمْ اِلٰہٌ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی قِیَمَتِ ہٰکِ کے لیے رات کو ہی قائم رکھتا تو کون سیہ اللہ کے ساتھ ختم ہونے پر اس دشمنی کے مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں تفاوت پیدا کر کے انسان پر احسان عظیم کیا ہے

بحری جہاز

اس کے بعد فرمایا: الَّتِیْ تَحْبِسِیْ فِی الْاَبْحَرِ دَرِیَا اَبْرَمَہْدِیْنِ چٹنے والی کشتیاں اور جہاز جِصَا یَنْفَعُ اسٹاس جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن میں نقل و شمعہ رکھنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ دریائی اور سمندری راستے زمانہ قدیم سے نقل و حمل کے معروف راستے ہیں۔ جوں جوں دنیا نے ترقی کی ہے۔ ان ذرائع میں خاطر خواہ ترقی ہوئی ہے۔ باوربانی کشتیاں کی جگہ بڑھنے والے مال بوجہ جہاز معرین و محروم آئے ہیں۔ جن کے ذریعے لاکھوں ٹن مال ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ خشکی و دریاؤں ذرائع کی نسبت بحری ذرائع سے نقل و حمل آج بھی سستی بہت۔ یہ وجہ ہے کہ دنیا کے کسی ایکس کو نہ میں پیدا ہونے والی چیز دنیا کے کسی ایکس کو نہ تک باسانی پہنچ رہی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس وقت تک قہر پاک میں کوئی قرح کا ذکر نہ کر سکے۔ اسے ہمیشہ کے لیے غور نہاد و بہت لاکھ ٹن دروئی بحری جہاز جہیزینا و جی ار علا یمنی کے بحرینت میں عثمان غفران کی توفیق ایجاد دراصل حضرت ادریس علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی انکو غورخ لکھا گیا ہے تفسیر رک والے نے لکھا ہے کہ قلم کے ساتھ لکھنے کا سلسلہ یعنی سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام سے شروع ہوا۔ پھر اسے سینے کا ہنر اور مشینری بھی ان کے ہاتھوں سے لکھا ہوئی۔

ستاروں سے متعلق معلومات طرہ حساب ورنہ آپ تول کے ازلان بھی نہیں
سے رائج کیے شہادت موقوف پر استغناء ہوتے تو اس طرح بھی حتمیت اور پس منظر
کے باحوال سے ظہور میں آیا۔

پان کانزول

انشاءت قدرت ہی کے بیان میں فرمایا: وَمَا أَفْزَلَ لَكَ مِنْ أَنْ تَكُونَ
مِنْ كَهَآءِ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے آسمان سے پانی
نازل کیا ہے فَأَنْجَبَا إِلَيْهِ الْأَمْهَاجَ كَهَ مَقْوُحَهَا جس کے ذریعے
مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ انسان اور جانوروں کے لیے خوراک کی پیداوار کا
انحصار پانی پر ہے۔ مگر پانی نہ ہو تو کوئی چیز پیدا نہ ہو۔ آسمان سے نازل آب سے
مراہ پر شش ہے۔ قرآن پاک میں بار بار آئے کہ رکھو ہم کس طرح بارانوں کو ایک
جگہ سے دوسری جگہ چڑھاتے ہیں اور پھر اُن کے ذریعے خشک زمین پر بارش پہنچاتے
ہیں۔ جس کے ذریعے ہم کھیتیاں اُٹھاتے ہیں جو تمناست اور نعمات جانوروں کے
لیے خوراک بنتی ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اللہ ہے کہ کھیتی باڑی کا ہم جدید عمر
پر ہونے لگا ہے۔ اُنات زرعت میں ترقی ہوئی ہے۔ ذرائع آبپاشی کی برکتیں
میں سزا ہیں۔ نسی قسم کی کھادیں دریافت ہوئی ہیں جن سے چاروں میں اضافہ ہوا
ہے۔ یہ تمام چیزیں ان فی معیشت سے خلق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نعمات
ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ان میں عقلمند ہوں گے۔ اسی لیے واضح نشانات ہیں۔

بارزوں کی
نسل کشی

نزل آب کے بعد فرمایا: وَبِكَ فَيُحْيَا مِنْ كَثْرٍ ذَبَّ ذَبَّ اللہ تعالیٰ
کے وضع دلائل میں سے ہے کہ اُس نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے۔ زراعت فرمائی
کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے سنتے جانور پیدا فرمائے ہیں جن کا شمار
زمین کی جانداروں میں ہے۔ انسانی زندگی کا جانوروں کے ساتھ گرا تعلق ہے خصوصاً وہ مویشی
جن کا گوشت، دودھ، کھان اور بڑیاں رنگ استعمال کرتے ہیں انہیں انسانی معیشت میں
بڑا عمل دخل ہے اور ان کے لئے، اینٹیں، بھیر، بھریاں، نہ صرف دودھ میا کرتے ہیں۔
بلکہ انسانی خوراک کا بھی حصہ ہیں۔ اسی طرح گھوڑے، اونٹ اور گائے وغیرہ بار بار لائی

اور ساری کے کام آتے ہیں۔ مرغ، بیڑا، اور مچھلی خوراک کا خصر ہیں۔ مرغی کے اڈے انسانی خوراک کا اہم جز ہیں۔ شکاری جانور بھی انسان کے لیے خوراک مہیا کرتے ہیں۔ بہ ترصیر الجوانات ایک متقل سلسلہ اور ہمیشہ بن گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں باب معاش میں داخل ہیں اور اللہ نے انہیں نشانات قدرت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

ہوائوں کی گردش

اللہ شیخ ہوائوں کی گردش بھی صاحب عقل لوگوں کے لیے نشان زد ہے۔ ہر ذی جان کے لیے ہوا اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان و حیوان چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، ہوا ہمیشہ گردش کرتی رہتی ہے، کبھی مشرق سے مغرب کی طرف اور کبھی مغرب سے مشرق کی طرف چلتی ہے۔ کبھی اس کا رخ شمالاً جنوباً ہوتا ہے۔ جزائرس اور جانوروں کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے۔ جب ہوا کی گردش ٹرک جاتی ہے۔ تو لوگ گرمی میں تڑپ جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں ہوا کے ذریعے بادبانی کشتیاں چلتی تھیں، اسی کے ذریعے لوگ بحیرے سے غمہ علیحدہ کرتے تھے۔ ہوا ہی بادوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا باعث بنتی ہے۔ وہ دور و دراز تک بادش ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تسخیر ہوا کا قانون بھی انسان کو سکھایا۔ پانی سے بھاپ اُٹھتی ہے جس سے دھواں گڑیاں چلتی ہیں اور کمروں میں بڑے بڑے کام سے جاتے ہیں۔ بڑی سے بڑی مشینری حرکت میں آتی ہے جس کے ذریعے انسانی مفاد کی بے شمار چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ دغالی جہاز بھی بھاپ سے چلتے ہیں۔ یہ سب تسخیر ہوا کے کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تیز ہوا یعنی آندھی کے وقت کے لیے دعا کی کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا اَوْحَیْتَ مَا فِیْہَا لَیْسَ فِیْہِ الْغُیْبُ ہوا اور جو کچھ اس کے اندر موجود ہے۔ اس کی خیر نیت ہوں۔ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا دَسَّخَتْ مَا فِیْہَا اور میں تیرے شر سے

اپنی مثال کے مطابق مختلف قسم کے کام لیتا ہے

یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ یہ تمام چیزیں ممکنات میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ اللہ کے سوا ان کو پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں اپنے جسم، مفاد، اغراض اور اپنی خود مختار ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ثبوت ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسباب معنی بھی بھیجا دیے۔ یہ تمام چیزیں اس کی قدرت کے نشان ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو عدم حسب عقل ہیں درسوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہیں۔ مگر جو لوگ غیر فکر کی اہلیت سے محروم ہیں۔ انہیں قدرت کے یہ بڑے بڑے نشان بھی کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ **يَكُونُ كَالْأَكْمَانِ** اور **هُمْ عَنْهَا مُعْمَوْنَ** کہ لوگ اللہ کی نشانوں سے گمراہ جانتے ہیں مگر وہ ان سے غافل رہتے ہیں۔ قدرت کی ذیلیں ان پر کچھ اثر نہیں کرتیں۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے **الْمُهَيَّجَاتِ** کو **الْقَادِرِ** پر مبنی دس دلائل بیان فرمائے ہیں اور ساتھ یہ بات بھی سمجھا دی کہ تمہیں رب الخلق کے بعد دوسرا مسئلہ کہ یہ پرہیزگار کا آقا ہے۔ درمیان کے تمام اسباب خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں لہذا عبادت بھی صرف اُنہی کی کرنی چاہیے۔

وَمِنَ لِّتَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُغْتَبَوْنَ بِهِمْ
كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۖ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ
ظَنُّوا أَنَّهُمْ لَا ضَرَرَّ فِيهِ عَذَابٌ ۙ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۙ وَأَنَّ
اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ (۱۶۵) اذ تَبَرَّأ الَّذِينَ تَبِعُوا مِنَ الَّذِينَ
اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ (۱۶۶)
وَقَالَ الَّذِينَ تَبِعُوا لَوْ أَن لَنَا كُوَّةٌ فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا
تَبَرَّأَ وَإِنَّا لَمِنَ الْكَافِرِينَ ۖ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ
عَلَيْهِمْ ۖ وَفَهُمْ يُخْرِجُونَ مِنَ النَّارِ ۝ (۱۶۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدا کا شریک بناتے
ہیں۔ ان سے ایسے ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے اور جو
ایمان دار ہیں وہ اللہ کے لیے محبت میں زیادہ شدید ہیں اور اگر دیکھیں وہ لوگ
جنہوں نے ظلم کیا جب کہ وہ عذاب کو دیکھیں گے کہ بیشک ساری قوت شری
کے لیے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب سے (۱۶۵) جب کہ بیزار ہو جائیں گے
وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی وہ وہ عذاب
کو دیکھیں گے اور ان کے ابواب منقطع ہو جائیں گے (۱۶۶) اور وہ لوگ
..... جنہوں نے پیروی کی کہیں گے کہ کاش اگر چاہتے
ہیں دنیا میں پلٹنا ممکن ہو تو ہم بھی تائب لڑائی کا اعلان کریں۔ جیسا کہ راجہ سے
بیزار ہو گئے ہیں۔ یہی طرہ اللہ تعالیٰ دیکھ دے گا ان کو ان کے اعمال خیرات
دوانے کے لیے اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں ہوں گے (۱۶۷)

گذشتہ آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اِن نعمات کا ذکر فرمایا جو اسباب
معیشت کی صورت میں بنی نوع انسان پر کیے۔ اس حسان کا تقاضا یہ تھا کہ
لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتے درخالص اسی کی عبادت کر سکتے۔ مگر
ایہ نہیں ہو سکا۔ وَمِنْ الشَّاسِ مَنْ يَخْذُ عَنْ دُونِ اللَّهِ مَنَاجِدًا
بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو تہذیبی مد مقابل بناتے ہیں۔
دوسرے لفظوں میں اللہ کا شریک ٹھہرتے ہیں۔ نہ کی مدت میں پیسے بھی آپ کا
سہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ
اللہ تعالیٰ کے مد مقابل اور شریک نہ بناؤ۔ کیونکہ تم بخوبی جانتے ہو کہ خالق، مالک
اور رازق صرف وہی ہے۔ جبب الاسباب بھی وہی ذرات سے۔ لہذا
دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

فرمایا جب لوگ غیروں کو اللہ کا مد مقابل تسلیم کر لیتے ہیں۔ تو پھر کہتے
ہے کہ يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ اُن سے اُس درجہ سہ کی محبت کرتے
ہیں جس درجہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیے۔ اور یہی خرابی کی جڑ ہے
یہیں سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے۔ جب غیر اللہ کی محبت اللہ کی محبت سے
ستجاذ کہ جاتی ہے۔ یا اُس کے برابر آجاتی ہے تو پھر تمام وہ صفات غیر اللہ میں
بھی تسلیم کر لی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور پھر غیر اللہ سے بھی
اُسی طرح حاجت روائی اور مشکل کشائی کا مطالبہ ہوتا ہے جو اللہ جل جلالہ سے
ہونا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا کہ بعض بد بخت ایسے بھی ہیں۔ جو اللہ کا شریک ٹھہرتے
ہیں۔ اور پھر اُن سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ کی ذات
پاک سے ہونی چاہیے۔

فرمایا شرک کی اس ستجاست کے برخلاف وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ
حُبِّ اللہ اہل ایمان کا گروہ کیا بھی ہے۔ جن کے دل میں شدید ترین محبت صرف
اللہ ہی کی ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو مد مقابل ٹھہرا کر اُن کو اللہ کی محبت

میں برابر کا شریک نہیں بناتے۔
 قیامت قرا بھی دُور کی بات ہے۔ قرآن پاک شہ ہے کہ مشرکین بعض اوقات
 دنیا میں ہی اپنے جہود و دل کی محبت کو ترک کر دیتے ہیں، جب ان کی کشتی
 یونان میں پہنچ جاتی ہے، تو قرآن پاک کہتا ہے ”دَعَوُا لِلّٰهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“
 تو جعلی جہود و دل کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہوئے ہیں۔ اور پھر آخرت میں
 تو میری کا اعلان کر دیا ہی دیں گے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ اس کے برعکس
 اہل ایمان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ انہیں خواہ
 تنگی ہو یا راحت خوشحال ہوں یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوں، تندرست ہوں یا بیمار
 دین کی محبت الہی کسی حالت میں بھی زائل نہیں ہوتی۔ باقی رہی انبیاء، اولیاء اور پیغمبران
 دین کی محبت تو ایسی محبت اللہ ہی کے حکم سے ہے۔ ہوتی ہے، ان
 ہستیوں سے محبت بالذات نہیں ہوتی بلکہ محبت بالذات صرف خدا تعالیٰ
 سے ہی ہوتی ہے۔

محبت کی مختلف قسمیں ہیں جیسے طبعی محبت، عقلی محبت اور شرعی محبت وغیرہ۔ محبت کا مقام
 طبعی محبت کی مثال ایسی ہے۔ جیسے عاشق اپنے معشوق کیلئے محبت کرتا ہے
 یا خاوند کو زہری سے اور والدین کو اولاد اور دیگر اقرباء سے محبت ہوتی ہے۔
 عقلی اور شرعی محبت کی مثال حضور علیہ السلام کی دعا ہے ”لَا تُفَسِّرُوا
 إِلَيَّ تَسْلُكُ جُنَاكَ وَحُبُّكَ مِنْ جُنَاتِكَ وَحُبُّكَ عَمَلُ قَبُولِ مَعُونَةِ اللَّهِ“
 یعنی اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کر اور اس کی محبت عطا کر جو مجھ سے محبت کرتا
 ہے اور میرے عمل کی محبت عطا کر جو مجھے تیری محبت قریب کرے۔ اور آخر میں یہ بھی
 آتا ہے ”وَجَعَلَ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ هَيْبَتِي وَأَهْلِي وَمَالِي“
 ”وَمِنْ الْمَاءِ الْبَارِدِ“ اے اللہ! اپنی محبت کو میرے نفس میرے اہل،
 میرے مال اور میرے پانی سے زیادہ محبوب بنا دے یہاں یہ مفہوم ہے
 کہ اگر وہ خاص ذکر فرما، اللہ تعالیٰ کی محبت ایک عظیم عظیم ہونے کے ساتھ ساتھ دین کی محبت

حاصل کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں لشکر اس کے رسول کی محبت باقی تمام چیزوں سے زیادہ ہو گئی، جس کا بیان کامل ہو گیا لیکن قرآن پاک نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ لشکر اور رسول کی محبت کے مختلف مراتب ہیں اللہ کی محبت اصالت اور بالذات ہے اور رسول کی محبت اللہ ہی کے حکم سے ہوئی ہے۔ نبی کے ساتھ ہستی کی محبت کو نبی کے ساتھ مشروط نہ ہو گیا ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں جب حواریوں سے معیت لینے کا ذکر آتا ہے تو ان سے عہد کیا کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔ چوری اور زنا کا ارتکاب نہیں کریں گی اور اگر کو قتل نہیں کریں گی۔ بہت سی باتیں ہیں کہ نبی کی فَلَایَعْبُدُنَّ فِی صُفُوٰی رُبِّکِ کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی اور بعض مقامات پر خلق رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دے دیا جیسے مَنْ یُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے گویا اللہ ہی کی اطاعت کی۔ دوسری جگہ فَلَایُطِيعُوا اللَّهَ وَیُطِيعُوا الرَّسُولَ لشکر اور رسول کی اطاعت کرو۔ تاہم اطاعت اور عبادت میں فرق ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے۔ اور اطاعت رسول کی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی فرض ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اَحْبَبُوا اللَّهَ نِمَا یَعْلَمُ مِنْ قَوْمٍ وَکُمْ! اس شرط محبت کہ وہ اُس سے تمہیں نعمتیں عطا کی ہیں۔ وہ منعم جانتی ہے۔ تمہارا پیدا وجود اور اس کے علاوہ جتنی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ بھی محبت کرو۔ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کو ارستہ اور اس کو پیغمبر پہنچایا ہے۔ اس کا کلام اور اس کی شریعت تم کو دی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ میری وجہ سے میرے اہل بیت کے ساتھ بھی محبت کرو۔ کسی کے ساتھ محبت کرنے کی ایک وجوہات ہیں مثلاً محمد کو نبی عباد

محبت کی
مختلف وجوہات

کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جمیل بالذات ہے لہذا اصلی اور ذاتی محبت انہی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ حسن و جمال خود خدا کی صفات میں سے ہے۔ اس لیے اس کا تقاضا یہی ہے کہ اصلی محبت انہی سے ہو۔ محبت کی ایک وجہ کمال بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کمال بالذات ہے۔ اور باقی چیزوں میں کمال اللہ تعالیٰ کا حق گنہگار ہے۔ لہذا اس لحاظ سے بھی محبت کے لائق ذات خداوندی ہی ہے اسی طرح محبت کی وجہ احسان بھی ہے جس کے ساتھ احسان کرو، وہ محبت کرتا ہے اور سب سے بڑا محسن خود خدا تعالیٰ ہے۔ لہذا مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اپنے محسن کے ساتھ محبت نہکے۔

بعض اوقات محبت کا معیار نفع اور نقصان ہوتا ہے کسی نے نفع پہنچایا ہے یا نفع کی توقع ہے تو اس سے محبت پیدا ہوگئی۔ کسی سے اس لیے بھی محبت کی جاتی ہے کہ اس کے بغیر نقصان کا خطرہ ہے۔ حقیقی نفع اور ضار تو اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہونی چاہیے۔

محبت کا ایک اور معیار ضروریات زندگی کی تکمیل بھی ہے۔ انسان کا مال و منافع، گھر بار، زن و اولاد سب ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ لہذا ان سے بھی محبت کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ محبت بھی محبت بالذات نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ نے محض ذریعہ پیدا کیے ہیں۔ امیر ہو یا حاکم، رسیق ہو یا دوست، برادری ہو کر کوئی ادارہ، یہ تو محض اسباب ہیں، درنہ ضروریات کا حقیقی بہم پہنچانے والا اللہ واحد لا شریک ہے۔ لہذا محبت بالذات اسی کو سزاوار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اعتبار کی محبت کو ایک سطح پر رکھ گئے گا۔ تو شرک کا مرتکب قرار پائے گا۔

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ہی محبوب حقیقی ہے اس کے ساتھ محبت باقی تمام مخلوق کی محبت سے زیادہ ہونی چاہیے۔ غیر اللہ کی محبت کہ اللہ کی محبت کے مساوی بھی درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ *وَمَنْ يُؤْتِ مِثْلَهُ لِحُبِّ اللَّهِ*

محبت کی
کسوٹی

کی زد میں آجائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص شہداء کے لئے جہاد میں
 اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کا دعوایہ برنوس کی جانچ کے سینے کوئی کسبوتی
 ہے کہ اس کو دعوت درست ثابت ہو جائے۔ تو مفسرین کے لئے فرماتے ہیں
 کسی کی محبت کی کوئی اعانت ہے۔ جب اعانت کا وقت آئے گا تو پتہ
 چلے گا کہ محبت کا دعویہ درست ہے یا نہیں۔ طاعت کو تاہم ہے، ایک ہی مرد کی
 طاعت کو جس شہید کی طاعت کرنا اس کی جیسے ترین جہاد میں ہوگی۔
 مثال کے طور پر ایک طرف خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور دوسری طرف ولید بن
 اسنادہ کا حکم ہے۔ تو ان میں سے وہ کس کو ترجیح دیتا ہے۔ اس مقام پر بشری
 محبت کا تقاضا یہ ہے۔ وہ اپنے شہید کی طاعت کرے۔ اس کے ساتھ شہید
 ترین محبت کے دعوے کو سچ کر دکھائے۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم
 کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے حکم کو ترجیح دی۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا محبوب تہمتی کے
 ساتھ محبت کا دعویٰ باطل قرار پائے گا۔ اور اس کی شہید ترین محبت اسی کے ساتھ
 اہمیت ہوگی۔ جس کی اس نے طاعت کی۔ لہذا حکم کے مقابلہ میں جو کوئی بھی
 ملک آباد یا بدو یا بدوئی کے بعد دروغ کی پیروی کرے گا، شرک ہو جائے گا۔
 بعض لوگ کہتے ہیں: دین، مادہ یا روح کی محبت کو نہ کی محبت کے برقرار
 دیتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت کہیں جیسی نہ اہل سے محبت ہوتی ہے
 اسی لیے نزد نیاز، قربانی پیش کر کے ہیں یا یا نہ ہندی بکا دیتے ہیں۔ یا
 ان کی یاد کا۔ جاتے ہیں تو اپنے لوگ بھی شریک میں خوش ہو جاتے ہیں۔ غیر اللہ
 کے ساتھ محبت کرنے کی عادت سے گھرا ہوا محبت جو شہداء کے
 حکم کے مطابق ہو، اور اس کی محبت سے کھڑے نہیں ہو۔ محبت دراصل ایک
 میلان، تعلق اور خواہش کا نام ہے۔ طبعی محبت میں دنیاوی غرضیں ہوتی ہیں،
 مگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عبادت، عبادت اور
 اس کی رضا کے لیے ہو۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرے، وہ اُس کے محبوبوں کے ساتھ بھی محبت رکھے گا۔ اور اس کے دشمنوں سے نفرت کرے گا۔ محبت کی دوسری علامت یہ ہے کہ محبوب کو اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے میں مدد کا کامل نشاط حاصل ہوگا۔ وہ خوشی کے ساتھ عبادت الہی میں نہک ہوگا اور معصیت سے گریز کرے گا۔ اسی طرح وہ خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر جان و مال کی بازی لگانے میں بھی دریغ نہیں کریگا۔ اب دیکھ لیجئے کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ کس طرح غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ عیسائی مذہب نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں بڑی خوش خدا کے بیٹے، کنواری ماں اور روح القدس کی محبت میں مبتلا ہیں۔ یہی مشرکانہ محبت ہے۔ ہندو مت نے بھی محبوب حقیقی کی بجائے جنہیں وہ پرستایا بشور سکتے ہیں، درگا دیوی اور شمشی مائا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ سادھو اور شیوہوں سے محبت کی پیشگیس بڑھا رہے ہیں۔ اُن کے نام کی نذر دنیا زبیتے ہیں۔ اسی طرح کلہر گوشتان بھی غیر اللہ کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ یا علی مدد اور یا غوث عظم کے نعرے لگاتے جا رہے ہیں۔ کبھی پیر بابا کو مدد کے لیے پکارا جا رہا ہے اور کبھی خواجہ سرمد دہلوی کی جا رہی ہے۔ یہ لوگ تو اللہ کے پہلے، محبوب اور صالح لوگ ہیں۔ ان کو اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے۔ یہی چیزیں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ ان لوگوں نے عزیزوں کی محبت کو اللہ کی محبت کے مساوی قرار دے لیا ہے اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے **فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** خالصتاً اللہ ہی کو پکارو کہ وہی حاضر و ناظر ملک و مختار اور مدد کرنے والا ہے۔ مگر بار لوگ غیر اللہ کو بھی اللہ ہی کے ہم پلہ بنا کر شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اللہ والوں کا یہ طریقہ قطعاً نہیں ہے۔

غیر اللہ کی محبت

اہل ایمان کا طریقہ

اہل ایمان کا ہمیشہ رہا ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** کہ انہیں سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی ہے۔ وہ کسی غیر اللہ

کی محبت کو اللہ کی محبت سے برابر نہیں جاسکتا۔ یہاں تک کہ نبی کی محبت کا تعلق
 سب سے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ نہ کہ حکم دینے والی محبت کرنا کی نسبت ہی کی
 عزت میں غم ہے اور عزت و عبادت نہیں ہوتی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
 اَكْبَرُ مَا اَحَاكَوْا سُنَّهَ بَعَثَ فِيهِمْ حَقَّ حُرِّ او كَرِهَ مِنْ تَهْمَا بَعَثَ فِيهِمْ حَقَّ حُرِّ او كَرِهَ مِنْ تَهْمَا
 عبادت صرف رب کی کرد و عبادتِ رب کے لئے آج تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 اور اس کی محبت کے عقیدہ بھی ہیں۔ مگر باوجود ان سبب غیر اللہ کو بھی مدد کے لئے
 پکار رہے ہیں۔ حالانکہ زبان سے اقرار کرتے ہیں اِيَّاكَ لَعَبْدُ وَدَائِكَ
 لَمُسْتَقِيْمٌ وَيُسْرِعُ اِلَيْكَ خَلْقٌ سَبَّحَ اس کے خلاف ہے۔ انبیاء سمیت ساری کی ساری مخلوق
 محتاج اور عاجز ہے۔ قادر مطلق صرف اللہ کی ذات ہے۔ لہذا اہل ایمان کا طریقہ
 یہ ہے کہ انہیں شدید ترین محبت محبوبِ حق تعالیٰ یعنی خداوند تعالیٰ کی دوستی ہو جاتی ہے
 فرمایا وَلَوْ لَا نَفْسِي اَشْدَّ مِنْ ظَمْئِي اور اگر ظالم ہوگے تو انہیں سگے اور پیمبران
 اَعْدَابُ جب کہ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اَنْ تَقُوْا لِلّٰهِ حَبِيْبًا
 تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ساری طاقت تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ وَادَّ لِلّٰهِ
 شَدِيْدًا اَعْدَابُ اور اللہ سخت گزشتہ کا بھی مالک ہے۔ یہ سب یہ کہ غمروں کی
 محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے ہم درجہ کرنے والوں پر یہ از قیامت سے دن تک
 گا کہ وہ غلطی میں مبتلا تھے۔ جب یہ غلط اپنی آنکھوں سے دوزخ کے عذاب کو دیکھ
 لیں گے۔ کہ آج اللہ کے سوا کسی دوسرے کی محبت کا ہم نہیں، لکن آج تو ساری
 طاقتیں و تمام اقتدار اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، آج وہی قادر مطلق ہے، اسی کا حکم
 چلتا ہے۔ ہمیں کہ ہم نے دنیا میں اسی کی محبت کو اولیت دی ہوئی اور غیر اس کی
 محبت کو اس کے برابر نہ سمجھا ہوتا آج ہمیں شدید عذاب دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔
 فرمایا اِذْ تَسُبُّوا الَّذِيْنَ اسْتَبَعُوْا مِنْ اَلَّذِيْنَ اسْتَبَعُوْا قِيَامَتِ كَيْفَ
 اس بولناک وقت کو یاد کرو جب مشرک (جن کی پیروی کی گئی) اپنے پیروں کو
 سے بیزار ہو جائیں گے۔ جی وہ لوگ جو دنیا میں ملے جانے جاتے تھے۔ ان کے

اللہ تعالیٰ
 مطلق ہے

تابع اور
 مشرک

ان کا بیزاری کا اعلان کچھ کاہنہ نہ ہے گا۔ بلکہ ان کے غریبوں: اضافہ ہی ہو گا و مّا
 مَسْحُوحٍ خَيْرٌ حِينَئِذٍ لِّشَارِئِ كَيْسٍ لِّیْلَةٍ جَنَّمَ مَعَهُ مَلَائِكَةً كُوفَى صَوْرَتُهُ
 ہو گی، وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔ و جبر بین جو چکی ہے کہ انوں نے غیر ہند
 کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر قرار دیا، شرک ہیں مبتلا ہوئے، دریا مسلسل
 پرست لوگوں کا اتباع کیا۔

سَيَقُولُ

الْبَقَرَةُ

درس شصت و پنج (۶۵)

آیت ۱۶۹ تا ۷

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَلًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٩﴾
 ثُمَّ يَأْمُرُكُمْ بِالنُّسُوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَإِنْ تَقُوءُوا عَلَى اللَّهِ
 مَا لَا تَنْسَمُونَ ﴿١٧٠﴾ وَذَقُوا قَيْلَ لَهُمْ شَبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ
 قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْمَيْنَا عَلَيْهِ أَبَاءُ نَا ۚ وَلَوْ كُنَّا أَبَاؤُهُمْ
 لَا يَقْفِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧١﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ
 كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ لَا دُعَاءَ
 وَلَئِن سَأَلَ ط صَرَاحُكُمْ عَمِّي فَهَلْ لَا يَقْفِلُونَ ﴿١٧٢﴾

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ، اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بیشک وہ تمہارے لیے سرک اور گمراہ دشمن ہے۔ ﴿۱۶۹﴾
 پھر تمک شیطان تم کو برائی اور بے حیائی کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ چیزیں کہو جو تمہیں نہیں جانتے۔ ﴿۱۷۰﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اس چیز کی پیروی کرو جس کو اللہ نے اقرار ہے۔ تو کہتے ہیں: بلکہ ہم اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ و امی کو پایا ہے۔ اگرچہ ان سے باپ و امی کسی چیز کو سمجھتے ہوں اور وہ سب احمی رہے ہوں۔ ﴿۱۷۱﴾ اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کسریا اس شخص کی سی ہے، جو آواز دیتا ہے۔ اس سے کہ وہ نہیں سنا سکتا۔ ﴿۱۷۲﴾

اور پکارا اور ہرے ہیں کہ گئے ہیں اندھے ہیں وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے ﴿۱۷۱﴾

گمراہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل اور شریک کا رد تھا اور یہ

بتنایا تھا۔ کہ جو لوگ دوسروں کے ساتھ ایسی محبت کرستے ہیں جیسی اللہ کے ساتھ
 کہہ کرنا چاہیئے، وہ لوگ کفر اور شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عزت اور عذاب
 کے مستحق بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لوگوں کے جڑ سے بچا ہے خبردار کیا سب سے
 اور بتلایا ہے کہ ان کے بدل ان کے لیے حسرت کا باعث بنیں گے۔ قیامت
 کے دن اپنے لوگ افسوس کا اظہار کریں گے مگر وہ افسوس ان کے لیے کچھ مفید نہیں
 ہوگا اور نہ وہ کبھی دوزخ کی آگ سے باہر نکل سکیں گے۔

تافون کی
 پابندی

قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے۔ کہ موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے کبھی
 خطاب عام ہوتا ہے۔ جیسے يَا أَيُّهَا النَّاسُ یعنی لوگو! اسے بنی نوع انسان اور
 کبھی خطاب خاص ہوتا ہے۔ جیسے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یا اے مومن
الْبَشَرِ وغیرہ وغیرہ۔ آیت زیر در کس میں خطاب عام ہے۔ اور تمام بنی نوع
 انسان کے لیے حکم دیا جا رہا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ
حُلِيِّكُمْ اے لوگو! تمہاری ہاتھوں کی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانڈو اور نہ تَبْغُوا
الشَّيْءَ طِينًا اور شیطان کے نقشہ تدبیر سے متاثر نہ ہو، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ
حَبِيبٌ۔ وہ تمہارا عزیز ترین دشمن ہے۔

در اصل یہاں پر حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانڈنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی
 نوع انسان کو قانون کی پابندی کا درس دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال قرار
 دی ہیں صرف انہیں استعمال کرو اور تمام خرمی سے بچ جاؤ اگر تم اللہ کے قائم
 کردہ اس قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔ دراصل تم سے بہک کر شیطان کے
 نقشہ تدبیر میں پھنسے ہو گے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمہاری زندگی کے تمام خیرات اللہ کے
 میں پہنچنے کی بجائے ظلمت کی آفتاب گہرے غول میں پہنچ جائے گی۔

اہم مشاہدہ: اللہ دلوں میں جتنے اثرات لگاتی ہیں اس سے غور و فکر سے
 کہہ سکتے ہیں کہ ان کی حکمت ہے۔ اور حکمت سے مراد قانون
 کی پابندی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت میں حکمت

اور بہت دوتوں ماتے رکھے ہیں اور ان دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان قانون کی پابندی کرے۔ اور گمروہ ایہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے حکم میں ناکامی اور محرومی کے سو کچھ نہیں آئے گا۔

نسل انسانی متھان نسل بہت۔ ور یہ دنیا ست، قصبول اور شہروں میں مل میں کہہ رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کی قانون کی پابندی اس وقت تک نتیجہ خیر ثابت نہیں ہو سکتی جب تک وہ اجتماعی صورت میں نہ ہو۔ قانون پر عمل نہ بھی اسی حالت میں ممکن ہے جب کہ لوگوں کو قانون سے واقفیت ہو۔ اس کے لیے قانون کی تعلیم کا عام ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ہر شخص کا اپنی فرد قانون کے جاننے سے بہرہ مند ہو جائے۔ شب یہ بحث یورپی موبہ سے کی تو پھر قانون شکنی کرنے والے کے خلاف کاروائی بھی لازم ہو جائیگی، تاکہ ہر شخص اس قسم کے فساد سے محفوظ رہ سکے۔ قانون شکن کو فی فرد مدد ہو جائیگا خست وہ قانون کی مسترد کردہ لغزیر کی نہ میں ضرور آئے گا۔ اور اگر کوئی دوسری بہر کی مباحثت قانون کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کریگی تو اس کے خلاف عدلیہ جنگ کرنا ہو گا۔ تاکہ فتنہ و فساد کا دوروزہ فرو بند کیا جاسکے۔

ماد چیر و بہت، جسے لفظ عالی نے اپنے انبار عیسلم اسلام کے ذریعے شرعاً حلال قرار فرمایا ہے، اور پاکیزہ و دھیر ہے جو بذاتہ اندیشی ہو کہ چونکہ بہرہ دہ چیز کو کوئی شخص کہنا پسند نہیں کرے گا، خواہ شریعت کے نزدیک وہ حلال ہو۔ کسی چیز کی پاکیزگی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہ ہو۔ اگلی آیات میں حلال و حرام کی حکمت اور ان شئیاء کی تفصیل آ رہی ہے مثلاً بھکی حلال ہے۔ مگر خنزیر نہ حرام ہے۔ یہی طرح اونٹ حلال ہے مگر شیر حرام ہے، بکری اور اونٹ وغیرہ کی حکمت کے باوجود اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ شرعی طریقے سے مذکور نہ ہو۔ ورنہ ایسے جانور کا گوشت استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں حکم موجود ہے کہ کھانے کے

حلال و حرام کی تیسرے

صَلَّوْا لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهِ سَلَامٌ یعنی پھر اللہ کا نام نہ لیا گیا جو اسے عزت
کھاتا، وہ حرام ہے۔ اس طرح جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔
سرد بھی حرام ہے۔ ایسی چیزوں کا استعمال جسمانی یا روحانی صحت کے لیے ضروری ہوگا
کیونکہ جن چیزوں کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، ان میں کوئی نہ کوئی ضروری
ضرور ہوگی۔

حِلَّ لَكُمْ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فِي مَكْتَبِ الْاُكْلِ آیتوں میں آرہی ہے جو چیز غیر حلال
کے نام پر دی جاتی ہے، خواہ وہ تھالی، بر یا فروٹ، یا دل ہو، گوشت، ان
میں بھاپ کر کوئی غرابی نظر نہیں آتی۔ مگر اس میں روحانی نجاست پانی جاتی ہے، جو
روح کو پید کر دیتی ہے۔ لہذا ایسی چیز روحانی طور پر مضر ہوگی، قرآن ہی شریف میں ہے
کہ لافنی یعنی ایسی مچھلی جو خود مکرہ پانی کے لیے تیرنے لگتی ہے۔ یہ مکرہ وہ ہے اس
میں قسمت یہ ہے کہ وہ جسمانی صحت کے لیے مضر ہے۔ جو کوئی کھائے گا بیمار ہو
جائے گا۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ ایک شخص نے ایسی مچھلی کا گوشت کھایا اور
وہ چوبیس گھنٹے کے اندر ہلاک ہو گیا۔ یہ گوشت اتنا زہر آلود تھا کہ اس کا سار
خون پیپ۔ میں بند ہوا۔ ایسے ہی حادثے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے
جن چیزوں سے منع کیا، وہ کسی نہ کسی طور انسانی جسم کے لیے مضر ہیں۔ اسی سلسلے
فرمایا کہ ملال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔

حرمت کی ایک اور صورت دوسرے کی حق تلفی بھی جہان ہوئی ہے۔ ایک
شخص چوری کی جگہ ہی لاکر ذبح کرنا ہے۔ وہ حلال جانور ہے۔ اس پر اللہ کا نام
بھی پڑ گیا ہے۔ مگر چوری کے فعل نے اس میں نجاست کو جنم دے دیا ہے۔ کہ
وہ کسی دوسرے شخص کا حق تھا۔ جو ضائع ہو گیا۔ اس لیے اس کا کھانا حرام
بھڑا۔ رشوت اور سود کا مال بھی اسی زمرہ میں آتا ہے کہ ایسا مال طیب نہیں رہتا
بلکہ خبیث ہو جاتا ہے۔ اس لیے حرام ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی نورج لان کو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ قانون

کی پابندی کرنا چاہیئے۔ جن چیزوں کو اللہ نے حلال اور پاکیزہ کہہ ہے نہیں کھنا چاہیئے اور حرام چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنائے یعنی اللہ میری ہر دعا کو قبول فرمائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رٹا و فرمایا اے سعد! حَبِّ مَطْعَمَاتِ اپنی خوراک کو پاک بنانا۔ یعنی طیب غذا استعمال کرو تَنْ مَسْجَدِ الْمَسْجِدِ مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ فرمایا اس ذلت پاک کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کبھی شخص حرام کا ایک لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے۔ تو چالیس دن تک اس کی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کے قانون کی پابندی لازمی ہے اس کے برخلاف کمرنا شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔

شیطان کا
نقش قدم

حضرت مسروقؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے رشتہ دار اور شاگرد ہیں۔ آپ تابعین میں سے ہیں، کسی نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ اگر کسی نے بچے کو ذبح کر نیکی منت مانی ہو، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے فرمایا بچے کی بچا بچہ ذبح کر دے تو اس کی نذر پوری ہو جائیگی کیونکہ بچے کو ذبح کرنا شیطان کے نقش قدم پر چلنے والی بات ہے اور شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اور قیامت تک اپنی دشمنی کا اظہار کرتا رہے گا۔ اس کے عزائم مانع ہیں اِنْصَابِ دَعْوَى حَبِيبَةٍ لِّبِكُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِيْدِ وہ اپنے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ کہ وہ اس کے گروہ میں شامل ہو کر جہنم میں داخل ہو جائیں۔ ابلیس کا۔ لوگوں کے متعلق گمان تھا۔ کہ یہ اندر سے کھوکھلے ہیں، میں ان کو ہر طریقے سے اپنے دلم میں پھنسانے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ لوگوں کی اکثریت اس کے تابع ہو گئی اِنْ فَلَکُمْ مَوْلَا فَاَتَّبِعُوْنِیْ ایک چھوٹی بجمعت کے جنہوں نے شیطان کا اتباع نہ کیا۔ بلکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے قانون کی پابندی کی۔ وہ شیطان کے فریب سے محفوظ رہے۔

فرمایا شیطان کا کام یہ ہے کہ اٹھ کر آیا مٹ کر جائے۔ اور تمہیں بُری باتوں اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ بُری باتوں سے مراد فسق و فجور اور گناہ کے کام ہیں اور فسق سے مراد شہوتِ رانی کی باتیں ہیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ اس قسم کی لغو باتیں میں پڑے رہیں۔ اور غیب سے عزوجل کے قانون کی طرف نہ اٹکیں وہ یہ بھی چاہتا ہے۔ **وَإِنْ تَقُولُوا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ** کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں کہو، جو تم نہیں جانتے۔ یعنی بغیر جاننے پر جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی باتیں منسوب کر دی جائیں جو اس کی شان کے شایان نہیں۔ چنانچہ کچھ نیچے یہ منکر اور بدعتی لوگ اپنی تمام غرافات اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ کہ یہ افعال اس کے حکمت سے کہے ہیں۔ حالانکہ ایسا سب نہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اس کے حق کی ذلت پر افترا باندھنا ہے۔ ایک نمونہ ایسا بھی آیا تھا۔ کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف باہل برہنہ حالت میں کرتے تھے۔ اُن کی توجیہ بھی یہی تھی واللہ اعرفنا۔ پھر یعنی اللہ نے ہمیں ایسا حکم دیا ہے عاراً کہ: **لَا يَأْتِيَنَّكَ بِالْفَحْشَاءِ** اللہ تعالیٰ بے حیائی کا سبب گناہ نہیں دیتا۔ شیطان نے اُن کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جن کپڑوں کے ساتھ ہم گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، اُن کے ساتھ حُرمت نہیں کرنا چاہیئے۔ لہذا انہوں نے ماوراءِ دو سٹے طواف شروع کر دیا۔ سورۃ اعراف میں بھی آیت: **تَقُولُونَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ** کیا تم اللہ کے ساتھ ایسی باتیں منسوب کرتے ہو، جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔

آبادِ جدو
کا اتباع

اپنی لوگوں کے متعلق فرمایا: **فَقِيلَ لَهُمْ تَبِعُوا مَا آتَاكُمُ اللّٰهُ وَرَبِّ اَنْ سَمِعْتُمْ** کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیزوں کی اتباع کرو مینی اللہ تعالیٰ کے نافذ کردہ قانون پر چروھا **لَا تَتَّبِعُوا** کہ تم نے ہم کو پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کہتے تھے ہم تو اپنے بڑوں کے راستے کو نہیں چھوڑیں گے۔ محمد اُن کے عقیدے اور رسم و رواج کی پابندی کریں گے۔

وہ جی تو آخر عقل و شعور رکھتے تھے، کوئی بیوقوف تو نہ تھے اگر ان لوگوں کے باوجود
وہ قلعی سمجھ بوجھ کے مالک ہوتے تو ان کے راستے پر چلنا نہ کی بات تھی جس قدر
یوسف علیہ السلام نے بھی تو کہا تھا۔ وَلَقَدْ كَفَرَ يٰۤاٰدٰیؑ بِآٰیٰتِیْہِیْ فَاَنۢزَلۡنَاۤ اِلَیۡہِۤیۡۤ اِلۡجَادَہٗ
کی نیت پر ہوں۔ یعنی میں اپنے باپ دارا ابراہیم اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے
طریقے پر ہوں۔ جو کہ صحیح راستے پر تھے۔ اس کے برعکس اگر باوجود عقل و
دست پر پل ہے ہوں تو پھر ان کی پیروی کرنا کس قدر حماقت اور بیوقوفی کی بات
ہوگی۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ لَّکُمْ لَفِیۡہِۡۤ اٰیٰتٍ لِّمَنۡ یَّعۡقِلُ لَقَدْ کَفَرَ یٰۤاٰدٰیؑ بِآٰیٰتِیْہِیْ فَاَنۢزَلۡنَاۤ اِلَیۡہِۤیۡۤ اِلۡجَادَہٗ
یٰٰدؑ کہ اگر ان کے باوجود نہ تو عقلمند ہوں اور نہ وہ ہدایت یافتہ
ہوں تو کیا کچھ بھی انہی کے سستے پیچھے گئے۔ مقصد یہ کہ معرفت میں تو کسی کی
پیروی کی جا سکتی ہے۔ مگر منکرست میں ایسا کہ کسی طرح بھی روا نہیں ہے۔

بعض چیزیں ہماری سوسائٹی کہہ رہے ہیں ملی ہیں مگر یہ خدا کے قانون اور مقرر
ہیہ اسلام کے طریقے کے خلاف ہیں۔ محرم کے میٹھے میں بعض لوگ پانی نہیں
کھاتے۔ مگر خراب کس نہیں پہنتے۔ کاد بکاس پہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ
میرے سب شیطان طریقہ اور آباء اجداد کے رستے پر چلنے والی بات ہے بعض
لوگ حضرت فاطمہؑ کے نام کی نیازی تھیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کوئی مرد اس میں سے
نہ کھائے۔ اسی طرح ۲۲ درجہ صبر کو حضرت امام جعفر صادقؑ کے نام کی نیاز
تھیتے ہیں جسے کوہ صبر کا نام دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نیازی کا کھانا گھر سے
باہر نہیں لے جاسکتا۔ اور یہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پینا کہنا لینا پابند ہے
اس قسم کے تمام مفروضات پر عمل درآمد باوجود پیروی کے بہتر نہ ہوتا ہے
اس کا حقیقت اس کے کوئی حلق نہیں ہے۔ سی طرح شاہ عبدالحقؒ کا گوشہ صوا
ہوتا ہے مگر غلہ پینے والے پر گوشہ نہیں کیا جاتا۔ پیر اہل ہدیٰ سے۔ برحق عقائد
کی نیازیوں میں پکاں باقی ہے۔ حیدر کے مومق پر لوگ اس کی بھی پابندی کرتے
اصحاب کائنات کی نیاز گوشہ رولی کی ضرورتوں میں باقی ہے۔ اس سے بغیر

نیا زاد ہی نہیں ہوتی۔

اسی طرح پیرن پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی پیاز کے بیج یا بیج بوی تریخ کی پابندی کی جاتی ہے۔ یہاں پر یہ غلط عقیدہ راسخ ہو چکا ہے کہ مقررہ سترہ ہجریہ میں نزدیکی کو مال میں نقصان ہو جاتا ہے یا بھینس کا دودھ کم ہو جاتا ہے اس قسم کی تمام چیزیں کُفْلُکُوا عَلٰی نَفْسِکُمْ لَعْنَةُ مُؤْمِنٍ کی آیت میں آتی ہیں۔ مَکَّ اَسْوَکَ اَللّٰہِ فِیْہِ تَوْحِیْدٌ یہ ہے کہ موانعت کے لیے دُعا کرو، اُن کے لیے یہ یہاں ثواب کی رو سے علت بڑی کمی کا حصول ہے۔ ان کے لیے صدقہ اور استغفار کرو۔ اس میں کوئی پابندی نہیں، جب چاہو، جہالت ہے۔ مگر ہمت سے ہوں ایسی چیزوں پر طرح طرح کی پابندیوں لگا کر اسے بدعقائد شامل کر دیتے ہیں۔ وہی صدقہ کے بہت سے خود ساختہ طریقے لگ چکے ہوں گے۔ ایک پابندیاں عذر ہو چکی ہیں۔ کہتے ہیں کہ صدقہ کے لیے کالے نذر کی بھری ہوئی چلبیٹے، اس کے بغیر صدقہ دار نہیں ہوتا۔ جھنور علیہ السلام کا تو واضح ارشاد ہے تَصَدَّقْ بِمَا مَلَکَ یَدُکَ مِنْ نَّعْمَۃِ رَبِّکَ اِنَّکَ لَیَّکَ فِیْہِ زَکٰوۃٌ اور درجہ ہمت سے درجہ پاس دینا کی گنجائش ہے وہ دینار صدقہ کہ جسے مقصد ہے کہ جو چیز بھی مقرر سے سن میں صدقہ دیا جاسکتا ہے متذکرہ اس جہاں بکھوڑیں اکبر کا کتاب وغیرہ ہر چیز صدقہ میں دی جاسکتی ہے۔ اگر شہادت اور مروت کی کوئی پابندی نہیں۔ یہ تو شیعیان شریعت ہے۔

حضرت ابو علیہ جھنور علیہ السلام کی خدمت اللہ میں حاضر ہونے پر عرض کیا جھنور: میری بہترین بارگاہ ہے، میں اسے صدقہ نہ مانچ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے قریب بہت داروں ہیں جو غریب و گھوٹ نہیں تھکتے کہ دودھ چنانچہ انہوں نے یہ ہی کیا۔ اس طرح آپ نے حضرت سعدؓ کو صدقہ میں گناہں مل گئیں کہ انہوں نے کچھ دیا۔ سچ بھی صدقہ کے طور پر بلکہ یا تو بویل کو دیا جاسکتا ہے۔ مسجد کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ دین کی تبلیغ پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ نادار و غائب غلوں کی تعلیم کے

صدقہ کا طریقہ

یہ صدقہ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے۔ پریشان حال مسافر کی مدد کی جاسکتی ہے۔ ایسی ہی بہت سی مصلحتیں ہیں جن پر صدقہ کا مال خرچ ہو سکتا ہے۔ مگر لوگوں نے کلمے جانوروں کی کافی برتری کو ہی صدقہ سمجھ لیا ہے۔ اس غفلت سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ سنا فرمایا کہ جو بشر بعیت اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔ اس کا اتباع کرو، باپ دادا کے غلط اقدام کی اتباع مت کرو۔ کتنی بیوقوفی کی بات ہے۔ کہ بے عقل اندھے بہت زیادہ اجزاء کے نقش قدم کو اصل دین سمجھ لیا گیا ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے نقش قدم پر چلنے والے کفار کی مثال کافروں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الْإِنْفِيقِ بَيْنَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ط کافروں کی مثال اُس چرواہے کی ہے۔ جو اپنے جانوروں کو آواز دیتا ہے۔ جو اس کی چیخ اور بکار کو سننے تو ہیں مگر سمجھ نہیں سکتے اسی طرح کافر بھی اللہ کے نبی کی آواز نہ سننے ہیں مگر جانوروں کی طرح اُنہی سمجھ میں سمجھ نہیں آتے۔ فرمایا مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الْإِنْفِيقِ لَا يَعْقِلُونَ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، یہ لوگ عقل و شعور سے بھی عاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین بڑی نعمتیں عطا کی ہیں یعنی قوت کا سماعت، قوت گوئی اور قوت ہمارے مگر لوگ ہیں کہ ان قوتوں کو استعمال نہیں کرتے اور گونگے، بہرے اور اندھے بنے ہوئے ہیں یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نہ تو حق بات سننے کی تاب لاسکتے ہیں نہ حقیقت کو دیکھ کر پرہیز کرتے ہیں۔ اور نہ حق کی بات پوچھنے کے لیے بولتے ہیں۔ یہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔

التَّبَسُّمُ

آیت ۲۲: ۲۶

سَيَفْقَهُ ۲

درس نمائش (۶۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَ
اشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَشْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَلَظْمَ وَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ
لِغَيْرِ اللَّهِ فَمِمَّنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ
عَلَيْهِ إِنْ أَلَّاهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۷﴾

تمہ مجھو یہ اے ایمان والو! اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تم کو روزی دی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم اسے تہنیت دے ہو ﴿۲۶﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیا ہے، مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکا گیا ہو، پس جو شخص مجبور ہو گیا اس حال میں کہ وہ نافرمانی کرنے والا نہیں ہے اور نہ زیادتی کرنے والا ہے، پس اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنش کرنے والا مہربان ہے ﴿۲۷﴾

گذشتہ آیات میں **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** کو کہہ پڑی تھی لہٰذا اب کو خطاب کیا گیا تھا۔ اب ان آیات میں خاص طور پر مومنوں سے خطاب ہے۔ رشاد ہوا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** **كُلُوا** **مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** اے ایمان والو! پاک چیزیں کھاؤ، جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کل عدل کا یہ وہی حکم اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دیا ہے، جو اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو دیا ہے۔ یعنی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** **كُلُوا** **مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** اور یہی حکم اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی جماعت پاک چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ نہ خشکے تمام، بنیاد اور اہل ایمان کو پاک چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا

اکل حلال

کر دیل میں یہ اعتقاد رکھے کہ مستحق تعظیم صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے ساتھ جس کا کوئی شریک نہیں ہے ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جنوں اور انسانوں کی ایک حالت یہ بھی ہے کہ اَحْمَدٌ وَ يُحِبُّ دُعَايَیْ پیدا میں کرتا ہوں اور عبادت و تضرع کی کرتے ہیں۔ ان کے نام کی مذکور کیا جیتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا اَرْشَدٌ وَ یُحِبُّ کُرْعَايَی رُحَی میں دیتا ہوں، وہ زمی میں پہنچاتا ہوں مگر غمگین درگسروں کا داکر سٹے میں۔ اس مضمون کو امام اہل بیتؑ اور بعض دیگر مفسرین نے بھی نقل کیا ہے۔

اکل حلال کا قانون بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر جو احکامات اربعہ
یعنی یادِ حرم چیزوں کا تذکرہ کیا جن کا استعمال انسان کے لیے قطعاً جائز نہیں رہا
لَا تَأْكُلُوا مِمَّا عَلَيْهِمُ الرِّيَاسَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخَازِنِ وَمَا
أَهْلَ بِهِ لَهُ يَزِيدُ فِي كِبَرِهِ بِمَا كَانَتْ تَرْتَابُ عَنْهُ خَوْنٌ خَشْرٌ يَكُونُ كَوْنُ
اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی غیر کا نام پکارا گیا ہو

محرمات میں پہلا نمبر مردار کا ہے۔ اس سے وہ جانور مراد ہے جو حلال ہو اور ذبح کرنے کے قابل ہو، مگر بغیر ذبح کیے مر جائے۔ ایب جانور حرام کی نہرت میں آجائے گا، اس کا کھنا قطعاً ناجائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ وہاں پر بھی مذکورہ بالا پانچ محرمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ محرمات میں مردار کی صورتیں بھی شامل ہیں وَلَمْ يَخْشَ فِئْتَةً وَلَمْ يَكُنْ ذِيَةً وَالنَّطِيجَةُ وَمَا أَجَلَ السَّيِّئِ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُكِّجَ عَلَى النَّصِيبِ وَلَنْ يَسْتَنْفِثَ مِنْ دُونِ أُولَئِكَ عَنِ ذِكْرِهِمْ يَعْنِي وَهَذَا حلال جانور جو کھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلند سے گر کر کھا کر مر ا ہو یا جسے کسی درندے نے بھاڑا ہو۔ سوائے اس کے کہ جسے تم نے زندہ پاکر ذبح کر لیا۔ یا جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو، یا یہ کہ پانسوں کے ذریعے اپنی قیمت معلوم کرے۔ ایسی چیزوں کا کھنا مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ مردار کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے

کہ اس کے گوشت کھانے سے انسان کی کسمپرسی دور کوتلی میں ہو جاتی ہے کسی عباد
اور یہی سکے کا ہمیں نشانہ مل نہیں ہو

یہاں پھر جن خون کو غلام قرار دیا گیا ہے۔ وہ بہتا ہوا خون ہے۔ جو لوگوں میں
چلتا ہے اور ذبح کرتے وقت بہا جاتا ہے۔ سورۃ انف میں سے یہاں لکھا ہوا
یہ ذبیحہ ہوا خون کھا گیا ہے۔ یہ قطعی حوالہ ہے۔ اور اس کا استعمال جائز نہیں۔ البتہ
لوگوں کو خون بہ جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔ وہ حلال نہیں ہے
مگر گوشت بغیر دھوسے بھی چاکر کھا یا دھوسے تو وہ پاک ہے۔ تاہم لفظ ذبح کا تقاضا
ہے کہ اسے دھویا جائے۔ لہذا اس کی حالت میں کوئی شے نہیں۔ البتہ جس جانور کو شرعی
طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو۔ اس کو ذبح کرنا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اسے اس طرح
کا انہستہ مرزخمی کر دینا بھی کافی ہے۔ بھالک جاسے فٹے جانور کو گستر جلتے وقت
یا نیزہ بجا کر وغیرہ اسے وقت لے کر کھانے سے یا جسے زور دیا جائے کہ لال ہوگا۔ خواہ
اسے زخم جسم کے کسی بھی حصہ پہ لیا ہو۔

حضرت مولانا شیخ الحدیث لکھتے ہیں کہ مردار جانور ہے جو خود بخود مر جائے۔
یعنی جس پر لندہ کا مرنہ لیا جائے۔ سورۃ انف میں مذکور ہے ذٰلَکَ اَکْثَرُ
مِمَّا اَسْلَمَ کِبْرًا سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُونَ یہ لندہ کا مرنہ لیا گیا ہو۔ اس کو
مست کہہ کر۔ جس جس جانور کو ذبح کر سکتے وقت لندہ کا مرنہ لیا جائے گا۔ وہ اس
امر کی ہیکت سے پاک ہو جائے گا۔ اور جس جانور کو شرعی طریقہ کے خلاف شکار یا
ذبح کیا جائے وہ بھی مرزخم تصور ہوگا۔ مثلاً کسی جانور کو زخم کر کے اسے بچانے اس کا
گلہ ٹھونٹ دیا جائے یا زخم جانور کا کوئی عضو کاٹ یا جائے تو یہ بے گوشت
کا کھنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ ہَا اَیُّنَ مِنْ اَشْخٰیظٍ
مَسْنُۃٌ زَمْرُوۃٌ جَاوِرَہَا کُوۡفٰی حَصۃٌ عَلَیْہَا کُرُوۡیَا جُثۃٌ تَوَدُّہَا مَرَدَّرَہَا تَصَوِّرَہَا یُوۡکَا۔
اسی طرح لکھتی ہیں غیل یہ ہندوؤں سے مار جائے اور ذبح کر لیا جائے۔ تو وہ مردار ہوگا
کیونکہ مرقع پر ہونا مردی صاحب نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوؤں کا شکار بغیر ذبح

کیے ہوئے جائز ہے، حالانکہ تمام فقہائے کرام اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، تاہم بعد میں انہوں نے جرح کر دیا صحیحین اور فی الشریعت کی روایت کے مطابق صرف وہ جانور بغیر ذبح کے حلال ہے۔ جو تیر کے نوکڑے سے زخمی ہو۔ اور اگر پیسے ہی تیر کی چوٹ سے مر جائے تو ایسا جانور موقوفہ شام ہوگا اور حلال نہیں ہوگا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی عام چوٹ اور قسم کھادی پختہ وغیرہ کے لگنے سے موت واقع ہو جائے۔ بدوق کی گولی بھی محسوس ہوتی ہے۔ نوکڑے چیز نہیں ہوتی، اس لیے بدوق کے ساتھ شکار کیا ہوا جانور بغیر ذبح کیے حلال نہیں ہوتا۔

لَفِي ذِكْرِ اسْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُوحًا نَوْرًا سَمِعَ كَا۔ جس پر بوقت ذبح قصد اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ ہاں اگر ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا بھول جائے۔ تو وہ مردار نہیں ہوگا، اس کا کھانا جائز ہوگا۔ اگر قصد شکار کو ترک کیا ہے۔ تو ایسا جانور مردار تصور ہوگا۔ البتہ حدیث شریف کے مطابق دو جانور اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور ان کا کھانا جائز ہے۔ فرمایا حَلَلْتُ لَكُمْ هَيْئَتِ اِنْ هُمَا سَمِعَا يَسْمَعُ رَدْمُ رَدْمِ الْحَالِ فِي الْمَسْعُورِ وَالْجَعْدُ يَعْنِي مَجْلِي اَوْ مَرِي۔ ان کا شکار کر کے بغیر ذبح کیے کھایا جاسکتا ہے۔ حضور نے انہیں جائز قرار دیا ہے۔

نَحْنُ كَالْكَتْمِ لَبَنِي جَاهِلِيٍّ اَوْ خُونٍ هِيَ شَرِيعَتُنَا سَمِعَ حَلَالٌ قَرَبَ دِيَا سَمِعَ۔ فرمایا اَحَلَلْتُ لَكُمْ دِمَاسًا هِيَ سَمِعُ دُوحًا حَلَالٌ هِيَ اَنْكَبَدٌ وَالْحَيَّاتُ يَعْنِي جُحَّةٌ اَوْ قَبْلِي۔ یہ دونوں، عضاء بنجھند خون ہیں مگر حلال ہیں۔ دیم سفوح یعنی رگوں سے نکلنے والے خون کی حرمت کی حکمت یہ ہے۔ کہ سٹے استعمال کرنے والے آدمی میں درندگی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شیر اور کچھ دیگر جانور کا خون پی جاتے ہیں۔

اس لیے ان میں درندگی کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی انسان بھی ایسا ہی خون استعمال کرے گا۔ تو اس میں بھی ایسی خصلتیں پیدا ہو جائیں گی۔ لہذا دیم سفوح کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ ہر چیز کا خاصہ ہوتا ہے جو شخص سورج نکلنے تک

سوار ہو گا وہ دن بھر خبیث النفس ارکسلان یعنی سست رہے گا۔ محمد بن کلام فرماتے ہیں کہ یہ شہنشاہی کے کاموں میں بے حد سست ہو گا مگر بُرائی کے کاموں میں بڑا جست ہو گا۔ یہ زیادہ سونے کا نمونہ ہے۔ فرمایا اسی طرح مردار کھانے کا خاصہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو چھائی کے کاموں میں نشاط نہیں ملے گی۔

حلال و حرام جانوروں کی حکمت: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بیہیمۃ الارحام میں سے جو مویشی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے حلال قرار دیے ہیں، وہ انسان کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتے ہیں، انسان کے قریب ہوتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، اللہ ان کا گوشت اور دودھ بھی انسانی طبیعت کے موافق ہے۔ جیسے بڑی، گائے، بیسن اور نٹ وغیرہ، ان کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے انسان میں اچھی خصلت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، مثلاً شیر، پرت، بندر وغیرہ انسان سے مناسبت نہیں رکھتے، لہذا ان کا گوشت کھانے سے ان جیسی خصلتیں پیدا ہوں گی۔ نبی امیرؐ کہتے — جانوروں کا گوشت کھانے سے انسان میں ویسی ہی صفات پیدا ہو جائیں گی، مذاشرعیت نے ان سے منع فرمایا ہے۔

فرمایا: وَلْتَحْصُوا الْخَنَازِيرَ خنزیر کا گوشت بھی قسمی حرام ہے خنزیر کا گوشت یہاں پر ذکر صرف گوشت کا کیا ہے۔ مگر مراد یہ ہے کہ جب اس کا گوشت حرام ہے تو اس کی ہر چیز کا استعمال حرام ہے اس کی ڈیریاں، بال، پیرنی، انب و غیرہ دوسرے اقسام میں خنزیر کے متعلق آتے ہیں، جس کی بالکل ناپاک ہے۔ اس کا استعمال بالکل حرام ہے حدیث شریف میں آتے ہیں کہ قریب قیامت جب مسیح علیہ السلامؑ آئے گا تو آپ صلیب کوڑیوں کے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ ان دونوں کاموں سے عیب یوں کی تذلیل مقصود ہے۔ مسیح علیہ السلام صلیب کو توڑ کر یہ ثابت کر دیں گے کہ ان کے نام بناد پیر و کاروں کا یہ عقیدہ باطل تھا کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو سوں پر لٹکا دیا ہے۔ اسی طرح عیسائی خنزیر کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں، خنزیر کو قتل کرنے کا مقصد بھی عیسائیوں کی اس بدعت پر تذلیل ہے کہ وہ خنزیر کے گوشت کو بڑی کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔

کھاتے ہے۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خنزیرہ کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس جانور میں ایسی خصلتیں پائی جاتی ہیں جو ان فی فطرت کے خلاف ہیں۔ دل بہ گندگی کھانے والا جانور ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جلالت جانور یعنی گندگی کھانے والا جانور کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ حتیٰ کہ اگر حلال جانور مثلاً گائے، بھینس، اونٹ، بکری وغیرہ بھی گندگی کھانے لگ جائے تو اسے باندھ کر دس دن تک گناہ کھدو کر اس کا دودھ اور گوشت مکروہ ہوگا۔ بعض اوقات گندگی کھانے کی وجہ سے جانور میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس کی وجہ سے جانور کا ذوق بھی بگڑ جاتا ہے۔ چونکہ خنزیرہ گندگی کھاتا ہے۔ لہذا اس کا اثر اس کے گوشت، ہڈی، ہر عضو میں برسریت کر جاتا ہے اس واسطے اس کا کھانا تطہی حرام ہے۔

خنزیرہ میں ایک اور قبیح خصلت بھی پائی جاتی ہے، جو کسی اور جانور میں نہیں ملتی یہ اس قدر بے غیرت جانور ہے کہ اس کے مقدّر فریبک وقت ایک ماہ سے ملے ہیں۔ اس کے علاوہ کرنی اور جانور نہیں ہے۔ جو دوسرے بڑے کی موجودگی میں مردہ سے چھٹی کرے۔ اگر کوئی دوسرا موجود ہوگا تو جب تک اسے بھگتا نہیں ملے گا، نفیٰ خواہش پوری نہیں کرے گا۔ مگر خنزیرہ ہی ایک ایسا جانور ہے۔ جس کو دوسرے جانور کی موجودگی قطعاً مانگور نہیں گذرتی اور یہ سب غیرت کی انتہا ہے۔ چنانچہ اس جانور کا گوشت کھانے والی اقوام میں بھی اس شخصیت کو پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اسے انگریز اور سکھ خنزیرہ کا گوشت کھاتے ہیں، دیکھ لیجئے دونوں قومیں اس قسم کی بے غیرتی کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیرہ کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

اگرچہ خنزیرہ کی ہر چیز حرام ہے۔ تاہم اس مقام پر صرف گوشت کی حرمت دروجہ کی بنا پر بیان کی گئی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے چونکہ یہاں پر ذکر کھانے کا ہو رہا ہے۔ کہ اسے مؤمنو! حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ، ترک کھانے کی مناسبت سے گوشت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس جانور کی باقی اشیاء یعنی ٹہریاں، چھڑا، چربی

خنزیرہ طرب تو ہیں مگر کھانے کے کام نہیں آتیں بلکہ بعض درد سے طریقوں سے انسانی استعمال میں آتی ہیں۔ گوشت کے ذائقہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا گوشت ہر حالت میں حلال ہے۔ خود وہ شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ حلال جانور کی حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے۔ جب کہ وہ خود گیا ہو یا شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو۔ خنزیرہ کی حرمت ہر صورت میں قائم رہی خواہ اسے شرعی طریقہ سے پرہیز کیوں نہ ذبح کیا گیا ہو جس طرح باقہ ذبح کرنے سے کتے کا گوشت جائز نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح خنزیرہ کا گوشت بھی حلال نہیں خواہ اسے شرعی طریقہ سے ہی کیوں نہ ذبح کیا گیا ہو۔ اس کا گوشت ہر صورت میں حلال ہی ہے۔ اسی لیے اسے شخص العین کہتے ہیں۔

ہر جانور کا قانونی بہت کم ہر جانور کی کھانے کیلئے کھانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے خواہ وہ جانور حلال یا حرام ہو یا جانور ہی سر سے سر سے علم ہو۔ سوئے خنزیرہ کی کھانے سے کرہ و باغشت سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ یہی انسان کی کھانے، تو وہ استعمال میں نہیں لائی جاتی مگر و باغشت سے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔ نہ ضمیمہ خنزیرہ لیا جائے۔ ہے۔ جس کی کوئی چیز بھی کسی حالت میں بھی قابل استعمال نہیں ہوتی۔ انسانی اخلاق پر اس کی غذا کا اثر ہوتا ہے۔ انسان جس قسم کی غذا استعمال کرے گا، اس کے خلق کی تعمیر اس کے مطابق ہوگی۔ اگر کوئی شخص خنزیرہ یا کئی دوسری جانور چیر استعمال کرتا ہے۔ تو اس کا اثر اس کے اخلاقیات میں طہارت، نجاست، سماعت اور صداقت پر پڑے گا اور وہ شخص اپنے مقام کو تو نہیں رکھ سکیگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے غلت و حرمت کا قانون نافذ کر کے انسانی اخلاقیات کی تعمیر کی ہے۔

مَيِّقُولُ ۲

لَبَقْرَةُ ۲

دریں بحث ہفت (۷)

آیت ۱۴۲ تا ۱۴۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ
اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۴۲ اِنَّمَا حَرَّمَ
عَيْنُكُمْ اَلْيَسِيْنَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخٰنِزِيْرِ وَمَا اَمِلَ عَلَيْهِ
لِغَيْرِ اللّٰهِ ۝۱۴۳ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا تُجْنَمُ عَلَيْهِ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۴

ترجمہ: اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو تمہیں روزی دی ہیں اور اللہ کا
شکر ادا کرو اگر تم خاص اُمی کی عبادت کرنے والے ہو (۱۴۲) بے شک اللہ نے تم
پر حرام کیسے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیزیں جن کے سوا کسی اور کا نام نکالا
گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبور ہو گیا اس حال میں کہ وہ باغی یا عادی نہ ہو اور نہ باغی
کے لئے والا، پس اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (۱۴۳)

گذشتہ درس میں حلال و حرام کی بحث اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزوں کو
حلال قرار دیا ہے اور انہیں کھانے کی اجازت دی ہے۔ اور حرام چیزوں سے منع فرمایا۔
حلال اشیاء کی تفصیل قدرے بیان ہو چکی ہے۔ اسی سلسلے میں حضور عید السلام کا یہ شادی
طیبت ہا اکل الوجہ من کسبہ پاکیزہ چیز وہ ہے۔ جو انسان اپنے ہاتھ
سے کما کر کھاتا ہے۔ یعنی جو چیز محنت کر کے حاصل کی جائے۔ وہ پاکیزہ ہے۔
انسان کی اولاد کے متعلق فرمایا اَنَّهُ مِنْ کَسْبِهِ یعنی اولاد بھی انسان کی کمائی کا ایک
حصہ ہے۔ لہذا ماں باپ کے لیے اولاد کی کمائی سے کھانا، بالکل درست اور جائز ہے
حرم اشیاء میں سے مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کا ذکر ہو چکا ہے اور ان
کی دفعات بھی گذشتہ درس میں ہو چکی ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

گذشتہ سے
پوچھا

انسان کے کسی عضو کو دوائی کے طور پر بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔
 انسان کا خون اگرچہ اعضا کی مانند تو نہیں ہے۔ مگر اعضا کی طرح محترم ضرور ہے
 لہذا اس کا استعمال بھی درست سے اعضا کے استعمال کی طرح ناجائز ہے۔ اور عام حادثات
 میں ایک شخص کا خون دوسرے کے جسم میں منتقل کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں ایک طبیطاری
 حالت ایسی ہے۔ جس میں وقتی طور پر حرام چیز بھی جائز ہو جاتی ہے۔ اس کا ذکر آیت
 کے اگلے حصے میں آ رہا ہے۔ چونکہ انسانی اور حیوانی جسم و روح کا تعلق خون کے واسطے
 سے قائم رہتا ہے۔ اس لیے جب جسم میں خون کی مقدار اس قدر کم ہو جائے کہ
 جان بچانے کا شکل نظر آئے تو ایسی مجبوری کی حالت میں انتقال خون کی اجازت ہو گی۔
 اور وہ بھی اس مقدار تک کہ اس سے کم پر جان کو خطرہ ہو۔ بلکہ جب کہ کسی بوقل خون کھائے
 جائے تو نہیں ہوگا۔ لہذا اس معاملہ میں فہمی احتیاط کی ضرورت ہے۔ انتقال خون
 دوائی سے بڑھ کر خود اک کی حد میں دخل نہیں ہوتا چاہیے۔

خنزیر کی حرمت کا بیان بھی گذشتہ درس میں آچکا ہے۔ یہ جانور کھلی ماری
 سڑن میں حرام رہا ہے۔ مگر کس قدر انہوس کا مقدمہ ہے۔ کہ عیسائیوں نے طے
 بھیٹر بکری کی طرح استعمال کیا حالانکہ قرأت کے سفر لاجبار میں عات موجود
 ہے۔ کہ خنزیر یہ ختم ہو جائے کہ اسے۔ اند نہ ہی اس کا پاؤں پہن ہو اسے اند یہ قطعی
 حرام ہے یہ فقیر استثناء میں بھی خنزیر کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

محرمات اربعہ میں سے پہلے تین کا بیان گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ سب ان
 پر چوتھے حرم کا بیان آئے گا۔ اور وہ ہے وَهْمٌ مُّحِلٌّ لِّبِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ۔ یعنی
 تمہارے لیے وہ چیز بھی حرام ہے جس پر اللہ کے مابغیر کا نام پکارا جائے۔ یعنی
 الیہ جانور یا موتی وغیرہ چیز جسے غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل
 کرنے کے لیے نامزد کیا جائے ایسی چیزیں مردار سے بھی زیادہ خباثت اور
 کر جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ فقہائے کرام فرماتے
 ہیں کہ اَجْمَعٌ اَحْلَمَ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ لَوْ فَصَلَا

غیر شے کے
 نام پر

بَعْدَ تَحْفَافٍ اَلْبَقَرَةِ اَلِیَّ عَلَیْہِ اَللّٰہُ یُخَوِّصُ غَیْرَہُ سَکَ تَقَرُّبٌ لِّہٖ خُشْعُنُو دِی سَکَ
 لے جانور ذبح کر کے صَکَّارَہُ سَکَّارَہُ اَو مَرَّتَہُ ہو جائے گا۔ اور اس کا مذبح بھی
 مرد کی طرح حرام ہوگا مثلاً کسی بُت لے کر، غرضی کے نام پر ذبح کیا ہے یا فرشتوں
 جنوں، انبیاء، بزرگ، پیر، فقیروں کے نام پر ذبح کیا ہے، سب حرام ہوگا۔ اس میں جو کی
 بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی لگ سکے نام پر تقرب حاصل کرتے ہیں۔

ذبح کے بارے میں مسلم شریف کی روایت موجود ہے۔ اَنَّہُ لَیْسَ مِنْ ذَبْحِ
 اَلْغَنَیِّ اَللّٰہُ حَوا لَہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ
 ہے۔ فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حاکم کی کہہ کر اس کی عظیم
 کے طور پر جانور ذبح کرے گا، تو وہ اَھَسُّ بَہُ لَیْسَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ اَللّٰہُ سَکَ
 ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اگر وقت ذبح بسم اللہ اللہ کبر بھی کر دیا، تو وہ حلال
 نہیں ہوگا ایک موزہ ہی ہے گا، وہ یہی ہے کہ اگر کسی نے ایک جانور کی جان حاکم
 کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے دی ہے۔ حاکم جان کا لینا صرف
 امتداد ہی کے نام پر ہو سکتا ہے۔ اور اگر جانور ذبح کرنے سے مقصود حاکم کی حیثیت
 کرنا ہو، تو پھر یہ جائز ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تقرب و رضیافت میں
 تقرب کی کرنا آسان ہے۔ کسی شخص سے کہا جائے کہ بھائی یہ جانور سنت ذبح کر کے بلکہ
 اس کی بھینٹے تھی ہی مقدار میں گوشت سے کر پکا کر درمیان کی مہمان نوازی کر دو۔
 اور اگر وہ شخص مان جائے تو رضیافت ہوگی۔ اور اگر وہ کہے کہ میں تو جانور ہی ذبح
 کر دوں گا تو اس کی نیت رضیافت کی نہ ہوگی بلکہ تقرب کی ہوگی اور یہ چیز حرام ہے
 مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ذبح کرتے وقت جو بسم اللہ اللہ اللہ لکھا جاتا ہے
 اس میں اللہ اکبر کی بالکل وہی حیثیت ہے، جو نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کی
 ہے اگر نماز میں ریاکاری کا مادہ ہوگا، تو وہ نماز حرام ہوگی، اسی طرح وقت ذبح اگر
 نیت تقرب غیر امتداد کی ہوگی، تو وہ ذبح بھی مرد کی طرح حرام ہوگا۔ جان اگر نفس
 نہ، تقرب اللہ کے لیے لگے اور اس کا جواب کسی دوسرے کو ایسا

کر سکتے تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ذبح تقرب انی اللہ کے لیے کرے اور اس کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچا دے تو اس کی ممانعت نہیں۔

مَا أَهْلًا بِهٖ خَيْرٌ لِّكَ كَمَا مَسْئَلُهُ اِہْمُ سَلَّیْہِ رَتَّہٗ عِبْدُ الْعَزِیْزِ مُحَمَّدٌ رَہْمَہٗ
 و طہوہٗ اور سو ڈانا لائق توئی نے اس کو رضا حسرت سے بیان فرمایا ہے اس مسئلہ میں لکھا
 ناز توئی کا ایک مکتوب بھی موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ ذبح حج کے حلال ہونے کی علت
 وہ نیت ہے جو فاعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہو، اور اس کے حرام ہونے
 کی علت وہ نیت ہے جو غیر اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ نہ مانہ جاہلیت کے مشرک
 نیت سے بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے ورنہ ذبح کو کھاتے وقت نام بھی غیر اللہ
 کا لیتے تھے۔ مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ وہ نیت سے بھی تقرب انی چاہتے
 ہیں اور بوقت ذبح بھی اللہ اکبر کہتے ہیں۔ البتہ اس رد میں مبتدعین کا ایک تیسرا گروہ
 پیدا ہوا ہے۔ جو ذبح کرنے وقت تو اللہ ہی کا نام سہیتے ہیں مگر نیت غیر اللہ کی خوشنودی
 کی ہوتی ہے۔ یہ شرک اور لفاق ہے۔ راجا صاحب کی نیاز کے طرز پر ذبح کیے گئے جانور
 پر اگر اللہ اکبر بھی کہ دیا جائے گا، تو وہ حلال نہیں ہوگا کیونکہ یاں پر نیت میں مستور ہے
 یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص خنزیر کو کھسک کر ذبح کرے، یا یہی
 عمل کتے پر دہرائے، تو وہ حرام ہی رہے گا۔ ہاں کوئی شخص غیر اللہ کی نیاز سے تو بہ کرے،
 اور پھر اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے، تو جو در حلال ہوگا۔ کیونکہ عمل کا درود مذہبیت پر ہوتا ہے
 بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل غیر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بوقت ذبح غیر اللہ
 کا نام لیا جائے، تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے اور اگر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے تو
 ذبح حلال ہے۔ یہ غلطی ہے۔ بلکہ اس کا معنی آواز کہ بلند کرنا یا شریعت دینا ہے اسی
 لیے چاند نظر آجائے گا، اعلان سکتے ہیں۔

اہل کا مفہوم

اب اگر کسی جانور یا چیز کے متعلق شریعت دینا ہے کہ یہ چیز پیران پیر یا
 فرشتوں یا بعض کی نیاز ہے تو یہ اہل غیر اللہ ہیں۔ ان پر کہ شرک کا ارتکاب ہوا
 اور چیز حرام ہو گئی۔

تاجین کے زمانہ میں ایک مسئلہ پیدا ہوا تھا، جسے امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے
مسئلہ یہ تھا کہ بچوں نے کھیل کھیل میں گڑیا اور گٹھے کی شادی طے کی، دوسری خوتنی میں
اونٹ ذبح کیا، تو اس اونٹ کا کیا حکم ہے، وہ جائز ہو گا یا ناجائز۔ امام حسن نصریؒ فرماتے
ہیں کہ یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ اونٹ گڑیا گٹھے کے مجھے کے نام پر ذبح کیا گیا ہے
جو حبت کی مثال ہے۔ ہاں اگر یہی ذبح کسی مرد و عورت کے، صلہ نکاح کے سبیلے
ہوتا تو درست تھا۔

اسی طرح حضرت علیؓ کریم اللہ وجہہ کے دور میں طعام متباہین کا مسئلہ پیدا ہوا۔
دوسروں میں اس بات پر مقابلہ ہو گیا کہ ان میں سے کون کھانا کھائے۔ ایک
سردار نے مہ لوں کے لیے دس اونٹ ذبح کیے تو دوسرے نے بیس کر دیے، پہلے
نے سو اونٹ ذبح کیے تو دوسرے نے چار سو ذبح کر دیے، اسی طرح ایک سردار
نے مہمان نوازی کے لیے دس من آٹا گوندھا تو دوسرے نے بیس من گوندھ دیا۔ پھر پہلے
نے حوض بھر آٹا گوندھا تو دوسرے نے اتنی زیادہ مہمانی میں آٹا گوندھا کہ جب اس میں
گھوڑا دوڑایا گیا تو وہ پھنس گیا۔ حضرت علیؓ کی خدمت میں مسئلہ پیش ہوا کہ آیا اس قسم کا
کھانا جائز ہے یا نہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سب کچھ۔ یا کاری کی بنا پر ہوتا ہے۔ لہذا
ایسا کھانا حرام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا تقرب مطلوب نہیں بلکہ غیر اللہ کی خوشنودی
مقصود ہے۔

بعض مرگ مکان بناتے وقت اس کی بنیادوں میں جانور کا خون ڈالتے ہیں اس
ذبح سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ جنات کے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ بھی شرک ہے، ہاں
اگر اللہ تعالیٰ کی نیابت کے طور پر جانور ذبح کر کے فقرا کو کھلایا جائے تو درست ہے۔

حالات مضطر

چار محرمات کو بیان فرمایا کہ یہ سب انسان کے لیے حرام ہیں البتہ — ایک
صورت ایسی بھی ہے کہ یہ حرام مباح ہو جاتے ہیں قصہ اَضْعَفُ عِلْمٍ بَابِغ
وَلَدَعَا فَلَمَّا اَشْفَوْا عَلَيْهِ اَبُو كُرَيْبٍ اضْطَرَّ اِلَى مَا لَمْ يَحِلُّ لَهُ مِنْهُ
مَرَّةً وَاحِدَةً اور صرف محرمات میں سے کوئی چیز یہ ہے۔ تو ایسی صورت میں جان

بجائے کی خطر ان اشیدار کا کھانا و دست ہو گا۔ فرمایا یہ اس حد تک ہی جائز ہے کہ
 نہ کوئی حالت پر لڑائی ہے اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے والا ہے۔ نام
 کو غنیفہ فرماتے ہیں کہ بارغ سے مراد یہ ہے کہ اضطرابی حالت میں مباح چیز سے
 نہ لذت طلب کرے اور اس کو حلال سمجھے۔ اور تعدی سے مراد یہ ہے کہ کسی کوئی
 چیز کم از کم مقدار میں استعمال کرے جس سے اس کی جھوک دور ہو سکتی ہو اور ضرورت
 سے زیادہ کھائے گا، تو عادی میں داخل ہو جائے گا۔ بعض دو سکرانہ فرماتے ہیں کہ
 بارغ سے مراد بغاوت کرنے والا ہے اور عادی سے مراد معصیت کرنے والا ہے
 مثلاً ایک شخص چوری کی نیت سے جا رہا ہے اور اس پر اضطرابی حالت وارد ہو
 گئی تو ایسے شخص کے لیے مباح نہیں ہو گا۔ وہ گناہ میں مبتلا ہے۔ اور ایسی حالت
 میں اگر اس کی موت بھی واقع ہو جائے تو کوئی پورا نہیں۔ بہر حال فقہائے کرام نے
 فرمایا ہے کہ اضطراب تین حالتوں میں ثابت ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی حالت وارد
 ہو جائے، تو حرام کا کھانا مباح ہو جائیگا، اور جان بچانے کی حد تک جائز ہو گا۔ شدید جھوک
 لگ رہی ہو یا سخت بیماری ہو اور حرام کردہ چیز استعمال کرنے کے علاوہ کوئی اور صورت
 باقی نہ ہو۔ تیسری حالت اضطراب یہ ہے کہ کوئی غالب مغلوب کو ایسی چیز کھائے پر مجبور
 کر دے، اور عدم تعمیل کی صورت میں جان کا خطر ہو، تو ایسی حالت میں بھی حرام چیز مباح
 ہوگی۔ فرمایا مجبوری کی حالت میں حرام کو استعمال کرنے پر کوئی مؤخر نہ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ
 الکھیت صحیح۔ لیکن اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے وہ کسی مخلوق پر اس کی طاقت
 سے زیادہ بوجہ نہیں ڈالتا۔

اس آیت میں صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے جنی مردار، خون، خنزیر
 کا گوشت اور غیر ان کے نام پر نامزد کی ہوئی چیز، حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے
 جاوہر مثلاً گناہی، رسیچہ، بندر، منگور، گدھا، کوا، چھپکلی، کینرے، مکوڑے وغیرہ حرام
 ہیں۔ شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ صرف چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کا مقصد
 یہ نہیں ہے کہ ان چار کے علاوہ باقی تمام چیزیں حلال ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ

بیکہ شہید اور
 اس کا ازالہ

صورت اُن چیزوں کا نام لیا گیا ہے، جو عام طور پر متعالیٰ میں آتی ہیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ ان چیزوں کو کبھی حلال نہ جانا، یہ قطعی حرام ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ بہت سی دوسری چیزیں بھی حرام ہیں جن کا ذکر قرآن پاک کے دوسرے مقامات پر آتا ہے۔ حدیث پاک میں بھی بعض استشادات کی حرمت بیان ہوئی ہے۔ لہذا ان چار کے علاوہ باقی سب چیزوں کو حلال سمجھنا درست نہیں۔

صورت چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ شرک لوگ چار حلال چیزوں کو حرام سمجھتے تھے۔ ان کا ذکر سورہ مائدہ میں موجود ہے۔ کہ وہ لوگ بیکھر، سائبہ، وحیئہ اور عام کو حرام سمجھتے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تو ان چیزوں کو حرام نہیں کیا، تم نے ان کی حرمت کس شریعت سے نکالی ہے۔ ان چار حلال چیزوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ چار چیزیں قطعی حرام ہیں۔

سَيَقُولُ ۲

أَبْقَرُ ۳

مدنی شصت و ہشت (۶۸)

آیت ۱۷۳ تا ۱۷۸

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتُرُونَ
 بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا
 النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۳﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ
 بِالْهَدٰى وَلَعَذَابُ الْمُنْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى
 النَّارِ ﴿۱۷۴﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ لِكِتَابٍ بِالْحَقِّ طَوَّلًا لِّذِينَ
 اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۵﴾

وَالَّذِينَ
 كَفَرُوا
 بِآيَاتِ
 اللَّهِ
 وَرَسُولِهِ
 وَأُولَٰئِكَ
 هُمُ
 الْمُنْفِرُونَ
 ۖ وَلَهُمْ
 عَذَابٌ
 أَلِيمٌ

ترجمہ: جسے وہ لوگ جو ان کو چھپاتے ہیں اس کو اللہ نے کتاب میں نازل
 کیا ہے اور اس کے بدلے نفوزی قیمت خریدتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو نہیں کھاتے
 (جھرتے) اپنے پیٹوں میں مگر آگ۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ قیامت کے دن
 بات نہیں کرے گا۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے بدلے درناک عذاب ہوگا ﴿۱۷۳﴾
 یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے ٹھہری کو اور مغفرت کے بدلے عذاب کو
 خریدا ہے۔ یہ لوگ روزِ قیامت کی آگ پر کس قدر صبر کرنے لگے ہیں ﴿۱۷۴﴾ یہ اس وجہ سے
 کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور بیشک وہ لوگ
 جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا، البتہ وہ جہنم میں مدعا پڑھتے ہیں۔ ﴿۱۷۵﴾

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے طیبات اور غیرات کا قانون بیان کیا ہے
 مشرکین کا رو یا ہے۔ اور توحید کے دلائل بیان فرمانے میں مزید برآں اللہ تعالیٰ
 نے پہلے نہ کہ کردہ قانون کی پابندی کا حکم دیا ہے اس سے پہلے

مذمت پروردگار

ملت ابراہیمی کے اہم اصول ذکر ہو چکا۔ صبر
نما، توحید، بہترین ورثہ اللہ کی تعظیم کا بیان بھی یہاں ہے۔ ذرائع معاش کا بھی تذکرہ ہوا
کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح زمین و آسمان کے دریاں مختلف ذرائع معاش پیدا فرمائے ہیں
درائشیں اللہ تعالیٰ نے توحید پر بطور دلیل پیش کی ہیں۔ اور گناہ تشریف دہندوں میں
خلال و عوام پر بھی کافی ننگ لگوا چکا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا لَكُمْ يُعْنِي بَغْيِي نَازِلٍ كَرِهَ اللَّهُ
لِعَمَلِهِمْ تَقَاتُلَهُمْ

کتمان حق پر
حقیر مفاد

ایمانت نہ پڑنے میں ایمان حق کا رد بارہ بیان آ رہا ہے۔ اور پھر اس سے حاصل
ہونے والے حقیر مفاد کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ
مَا أَنزَلْنَا اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ سُبُكُوهُ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يُعْلَمُونَ
میں نازل کردہ احکام کو چھپاتے ہیں وَ يَسْتَفْتُونَ بِهِ قُلُوبًا مَّا لَمْ يَكُنْ
اس کے بدلے دنیا کا حقیر مال مشہور کرتے ہیں۔ اُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ
فِي بَطْؤِهِمْ ذَٰلِكَ الشَّارِبُ ایسے لوگ اپنے بیٹوں میں آگ بکے سوا کچھ نہیں بھرتے۔
یہود و نصاریٰ کی طرف سے کتمان حق کے متعلق پہلے پارہ میں بھی بیان ہو

چکا ہے وہ دنیا کے حقیر مفاد کی خاطر خدا تعالیٰ کے احکام کو چھپاتے ہیں
کتمان حق ایک ایسا سنگین جرم ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ بنکار بیان فرماتے ہیں اس
منکر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے۔ کہ یہ بیماری اہل کتاب تک
ہی محدود نہیں رہی بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہی بیماری مسلمانوں میں بھی سریت کر چکی ہے۔
معمولی دشمنی افغ کی خاطر عاقبت کو برباد کر لینے میں اب مسلمان بھی شریک ہو چکے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں عقائد کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا
ہے۔ دُرُكْرَقَامِ پَرَاكْسَبْ تَذِيكَا عَلِيكَ الْكِتَابَ رَبِّكَ فَإِيكُلْ شَيْءًا مِّنْ
ہم نے ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے
حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہم دین ہیں جس کی اکثر
عذر درست رستی ہے۔ اور پھر ان باتوں کی تفصیل کو تشریح اللہ تعالیٰ نے بنی علیہ السلام

آج دنیا قرآنی تعلیم کے بغیر ہلک ہو رہی ہے۔ محکمہ عدسے غلام رائے عام کر سنے کی بجائے طے چھپا ہے ہیں اور اس کے برعکس میں بے جا جہد کی کڑی ہے ہیں۔ مسائل سے پیسے لے کر غلط غلط فتوے جاری کر رہے ہیں، کہیں نذرانہ اور شکرانہ وصول کیا جا رہا ہے کہیں رسومات باطلہ کو رواج دیا جا رہا ہے۔ مژدوں کو خوشنہ کی غیس وصول کی جاتی ہے۔ تبرکات کے نام پر لٹا جا رہا ہے، کہیں ہشتی دروازہ بنا دیا ہے کہ یہاں سے گزرنے والا سیدھا جنت میں جائیگا، کہیں مشہور پرستی ہو رہی ہے۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے اور وصول کیے جاتے ہیں، کہیں گیارہویں منائی جا رہی ہے، کہیں عرس ہو رہا ہے اور کہیں میلہ منایا جا رہا ہے۔ کہیں تیسرے اور دسویں کا ختم اور کہیں چالیسویں کا ختم ہے۔ لوٹنے کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو جاری ہے دین کے ابتدائی اصول کہاں کھو گئے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا درس کون دے گا، عام رسالت کو کون بیان کرے گا، حلال و حرام کی تمیز کون بتائے گا، علماء نے ان بنیادی چیزوں کو چھپا لیا ہے اور خرافات کی تعلیم ہو رہی ہے۔ یہ کتنا حق نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیزوں کو چھپاتے ہیں۔
 اور اس سے حقیر و خوار حاصل کرنے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ مَا يَأْكُلُونَ
 فِي بُطُونِهِمْ حُورًا لَتَأْتَهُمُ الْبُسُوفُ إِنَّهُمْ لَا يَفْقَهُونَ مَا يَكْفُرُونَ
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ وکرامی ہے کہ جو شخص سوتے چاندی کے برتن ہیں
 پانی پیتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ میں زہرِ کج کی آگ ڈال رہا ہے۔ مسلم شریف کے
 الفاظ ہیں۔ اَضَاعُوا جَبْرَ جَنَّةٍ بِجَهَنَّمَ۔ اسی طرح یتیموں کا مال
 ناحق کھانے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں آگ ڈال رہے
 ہیں۔ لہذا باطل رسوم کے ذریعہ لوگوں کا مال کھانا، شرک اور بدعت کا اجزیو سب
 پیٹ میں آگ بھرنے والی بات ہے۔

فرمایا ایسے لوگوں پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوئے گی۔

ان کی طرف مہربانی کے ساتھ توجہ کرنا تو درکنار وہ یُحِبُّهُمْ اللہُ یَوْمُ
نَفْتَمَسُ اللہُ تعالیٰ ان کے ساتھ کلام کہ باہمی پسند نہیں کریں گے، بلکہ ان کی طرف
عظمت و غضب کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یُزَيِّرُكُمْ اللہُ
ان کا تزکیہ بھی نہیں کریں گے۔ یہ تہذیبی فرما تے ہیں کہ ان انس و جن و ملائکہ
فیہا اذکی و جدنیت پر ایمان رکھنے والے دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔
گنہگار ہونے کی صورت میں دوزخ میں جائیں گے۔ مگر تزکیہ کے لیے۔ جب
اپنے گناہوں کی سزا جگت لیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو پاک کر دیں گے اور وہ دوزخ
سے نکال لیے جائیں گے۔ مگر یہاں یہ کیا تان حتیٰ کر لے والوں کے متعلق نہ رہا
کہ اللہ تعالیٰ انہیں کبھی پاک نہیں کرے گا، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ہیں
گئے وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور وہاں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

خوار خوار

فرمایا: اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ لِشَکْلِکَ بِالْیَہْدٰی وَتَعْدَبَ
بِالْمَغْفِرَةِ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے
بدلے عذاب خرید لیا ہے۔ اگر یہ لوگ حق کو چھپانے کی بجائے اُسے ظاہر کرتے۔
خود بھی حق پر عمل کرتے اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی عمل پیرا ہوتے۔ تو
اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال ہوتی، ان کو گناہوں کی معافی ملتی اور یہ قیامت
کے دن سرخرو ہوتے۔ مگر یہ لوگ تو خود دوزخ کو اختیار کر رہے ہیں۔ فَمَا أَصْبَحُ
عَنِ النَّارِ دوزخ کی آگ پر کس قدر حیرت منے لے رہے ہیں۔ ان کا بڑا حوصلہ ہے جو
دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ سَمِعَ الْكُفْرَ بِأَخِي يَا اسحق ^ع اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حق کے ساتھ ازل فرمائی ہے۔ مگر ان لوگوں نے اُسے چھپایا ہے۔ حق کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وَأَنَّا بَلَدْنَاهُ فِي الْكِتَابِ اور جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا۔ یعنی اپنی مرضی کا مطلب بیان کیا، جیسا کہ یهودیوں کا شیورہ ہے۔ کہ وہ مطلب بھی غلط بیان کرتے ہیں اور تشریح بھی غلط کرتے

ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنْفِیْ سَیِّئًاۙ اِنَّیْۤ اَبْغَضُہٗ وَہ ضد میں دور جا پڑے ہیں
 سیالے لوگوں کے وہ بدست پر آنت کی کوئی توقع باقی نہیں رہی، وہ سزا کے
 مستحق ہیں۔ یہ حکم بھی یاد دہانہ فرماتا۔ اس کے قوانین آگے نہیں آئیں گے۔

سَيَقُولُ

لَبِقَاءُ

در شخصیت و نہ ۹۱

«بِت»

لَيْسَ بَشَرًا لَّنْ تَلُوْا وَجُوهَكُمْ قَبْلَ الشَّرْقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاسْتَكْبَرَ
وَالْتَبَتِ وَيَٰٓاَيُّهَا لَمَّا عَلٰى حَبْلٍ ذَوٰى الْقُرْبٰى وَيَٰٓاَيُّهَا
وَالسَّكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّابِقِيْنَ وَفِي الرُّقَابِ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَآتٰى الزَّكٰوةَ وَاتَّقٰوْنَ بَعْدَ هٰذَا عَهْدُوهٗ
وَالصَّابِرِيْنَ فِيْ لُبَآءٍ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ لُبَآءٍ اُولَٰئِكَ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿٩١﴾

ترجمہ: جو یہ کہیں سب سے پہلے چہروں کو مشرق و مغرب کی طرف تہہ نہ
بکھرنے کی اس شخص کی ہے۔ جو ایمان لیا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اللہ کے
فرشتوں پر اور سب کمال پر اور اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبروں پر اور دنیا میں سب سے
اچھے کی محبت پر قربت و دل کو پیغمبروں کی پیروی کو اور محبتوں کو اور
اور مردانوں کے چہرے میں اور اس نے نماز کی درگاہ کو اور ذکر و دعا اور اپنے
وعدوں کو پورا کرنے میں جب کہ وعدہ کرے ہیں اور سچی اور پختہ میں سہرے
دائے میں درگاہ کے وقت بھی یہی لوگ ہیں اور یہی اللہ متقی ہیں ﴿۹۱﴾

بنا اسرائیل کی غریبیاں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم
علیہ السلام کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ساتھ کعبہ کی تعمیر کا بیان تھا۔ اور اس کو قبلہ مقرر کیے جانے
کی وجہ بیان فرمائی تھی۔ اس پر اہل کتاب کے اعتراض کا بھی ذکر ہوا۔ اس کے
بعد اللہ تعالیٰ نے طہستان ابراہیمی کے بہترین اعموں بیان فرمائے جن پر ہر شخص کا
کار بند ہونا ضروری ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، شکر، عہد، تعظیم، شغائر اللہ

کلمہ ہے
یہ کلمہ

شامل ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ترجیح کا ذکر فرمایا، اور مشرکین کا رد فرمایا، حلال و
 حرام کا قانون بیان فرمایا۔ پہلے پوری نسل انسانی کو تعین فرمائی، اس کے بعد اہل ایمان کو
 خصوصی طور پر حلال و حرام کے قوانین اور محرکات کی تفصیل بیان فرمائی، اور پھر اللہ جل جلالہ
 نے اس باب کا بھی تذکرہ کیا، کہ اہل کتاب نے تحویل قبلہ کی سخت مخالفت کی تھی۔
 کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرانے کا
 کیوں حکم دیا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعے بتلا دیں۔

استقبال قبلہ
 فرمائی مسئلہ

اہل کتاب نے تحویل قبلہ کے خلاف سخت پراسید کیا، وہ کہتے تھے کہ
 بیت المقدس کی طرف رخ کرنا ہی اصل نیکی ہے۔ اور اگر اس طرف رخ نہ کیا جائے
 تو کوئی شی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ اُن کے مطالبات جب مسلمانوں نے قبلہ تبدیل
 کر لیا تو اُن کی ساری نیکیاں ضائع ہو گئیں۔ اہل کتاب نے قبلہ کو اس قدر اہمیت
 دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اہل کتاب کے اس زعم کی تردید فرمائی ہے۔ اور واضح
 کیا ہے کہ استقبال قبلہ کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ایک فرعی مسئلہ ہے۔
 جسے اہل کتاب ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ
 کا حکم بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا تھا، اُدھر کرتے رہے۔ اور جب اُس نے
 پند فرمایا تو رخ بیت اللہ شریف کی طرف کر لیا۔ اس میں ایسی پہچنے کی کوئی سی بات ہے
 اس آیت پاک میں اسی چیز کو واضح کیا گیا ہے، ارشاد ہوا ہے۔ لَيْسَ الْبَيْتُ

نیکو کیا ہے

اَنْ تَوَلَّوْا وَّجْهَكُمْ فَبِالْمَشْرِقِ وَلَمَّا غَرَبَ يَمِينُكَ يَشْرِقُ
 یا مغرب کی طرف رخ کر لیا جائے وَلَكِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي بَلَّغَ اَصْلُ نَبِيِّ اُمِّي كِي هُوَ
 جو ایمان لایا اللہ پر قیامت پر فرشتوں پر اکابر بنی پر اور نبیوں پر، اور اُسے نبی کی
 دوسری باتیں بھی بیان کی ہیں۔ مفسر قرآن امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ بیت قرآنی
 پاک کی جامع ترین بیت ہے۔ کیونکہ اس ایک آیت میں کئی ایک مسائل آگئے
 ہیں۔ دینی مسائل کا زیادہ تر متعلق اصلاح عقیدہ، اخلاق یا تہذیب نفس سے ہے
 اور یہ سارے مسائل اس آیت میں موجود ہیں۔ گویا یہ آیت تمام دینی مسائل کا خلاصہ ہے۔

ان میں سب سے اہم مسئلہ ایمانیت کا ہے۔ جب تک عقیدہ درست نہیں ہوگا، کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ یہودی نصرانی اور عرب کے مترکبیں صحیح عقیدے سے محروم ہیں ان کا عقیدہ مشرکانہ ہو سکتا ہے یا یہ باطل ہے۔ لہذا یہ سب نیکی سے محروم ہیں، محکمہ عقیدہ کے مسئلہ پر جھگڑا کرتے ہیں۔

ایمان بالشرع تو فرمایا نیکی ہے۔ کہ مَنْ مَنِ بِاللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی ذات اور اُسکی صفات پر ایمان لانا نیکی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان ضروری ہے اسی طرح اُسکی صفات کو ماننا بھی لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار بھی کسی طرح کفر ہے جس طرح اُس کی ذات کا انکار دہریت ہے۔ مثلاً مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات ہے۔ لہذا تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہوا۔ اس کے بغیر انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی شخص حدیث اللہ تعالیٰ کے بارہ لفظ خاصے کی راہ میں سوا خرچ کرتا ہے مگر تقدیر پر ایمان نہیں لانا تو اس کی تہی بڑی غیبت بھی مقبول نہیں۔

ایمان باللہ کے بعد فرمایا نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لایا و اٰتٰیوٰم و اخرت کے دن پر قیامت کے دن پر ایمان لانا جزو ایمان ہے۔ اس کے بغیر انسان دہریہ یا کافر ہوگا۔ اہم بیض دینی فرماتے ہیں کہ ایمان بالآخرت میں وہ تمام چیزیں آجاتی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ یہ نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا، احباب کتاب کا مصفق ہونا ایسی ہی کاتیا، پل صراط سے گزرتا، دوزخ، جنت وغیرہ یہ سب چیزیں ایمان بالآخرت میں داخل ہیں۔ لہذا نیکی جس شخص کی ہے جو ان سب چیزوں پر ایمان لے۔

ایمان باللہ مگر جتنی فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کہ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ یہ اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی مخلوق ہے جسے اللہ جل شانہ نے زمین و آسمان اور اس کے ممالک کی مخلوق سے لاکھوں سال پہلے پیدا فرمایا۔ اور یہ بھی ذریعہ انسانی کی مصلحت کی خاطر اہتمام فرمایا۔ فرشتوں کی آگے بتائیں ہیں۔

پہلی قسم دارا علیؑ کے فرشتوں کی ہے۔ جو طریقہ اقدس میں ہیں۔ اور دوسرے دارا علیؑ کے
 سے ہیں، جو وہ دارا علیؑ والوں کے معاون ہیں یہ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم پر کھڑے
 پرستہ ہوتے ہیں اور کائنات تک فیضِ ناپہنچنے کو ذریعہ ہوتے ہیں چنانچہ
 ایمان بالمددِ الٰہی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

ایمان کا حصہ

ایمان کے چوتھے جزو کے طور پر فرمایا کہ کتب یعنی کتاب پر ایمان نہ بھی مکمل
 ایمان کا ایک حصہ ہے۔ ایمان کتاب سے مراد جن کتاب ہے درحقیقت یہ ہوگا کہ اللہ
 تعالیٰ نے جن بھی کتابیں نازل فرمائی ہیں سب پر ایمان لانا ضروری ہے، اَلْهٰتُ بَکَ
 اَلْحَقُّ اَللّٰهُ عَلٰی کِتَابِہِجِنِ اللّٰہِ تَعَالٰی سے نازل کی ہوئی اور نہ نہیں اس کے
 لیے جو کتاب بھی نازل ہے، اس پر ایمان ایمان ہے، کہ وہ برحق ہے، اور پھر کتب
 ساری کے سلسلہ کی آخری کتاب قرآن حکیم پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے۔ پہلی
 کتابوں پر صرف ایمان لانا ضروری ہے ان پر عمل کرنا ضروری نہیں کیونکہ ان میں سے
 بعض حکام منسوخ ہو چکے ہیں، البتہ آخری کتاب قرآن پاک پر ایمان بھی ضروری ہے
 اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ اس کے احکام قیامت تک کے لیے
 نافذ العمل ہیں۔ وَ اَنصَبْتَ اور اللہ تعالیٰ کے سببیوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

ایمان بالنبی

دوسرا جزو ایمان کا حصہ نبی علیہ السلام پر ایمان لانا بھی ضروری ہے حضرت
 آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی رسول اور نبی
 مبعوث ہوئے ہیں سب پر ایمان لانا ضروری ہے اس لحاظ سے کہ تفسیر
 کَبِیْلٍ حَکْمٌ مِّنْ ذٰلِکَ کہ کسی رسول میں فرق نہیں کرتے۔

مغرض ایمان کی تمام جزئیات کا زبانون سے قرار کرنا اور دلی سے تصدیق
 کرنا لازم ہے، زبانون سے کسی چیز کا انکار یا کسی چیز میں شک کرنا گنہگار کے مترادف
 اس کے بعد رہی کہ باقی جزا کا بیان ہے، جن کو عقل تہذیب نفس سے
 ہے ایمان کے ساتھ ہے یا انسان کے ہر سے ہے۔

ایمان کی بات

فرمایا کہ ایمان سے یہ ہے کہ تُو اَللّٰہُ عَلٰی حُبِّہِ کوئی شخص

مال کے ساتھ محبت ہونے کے باوجود اسے خرچ کرے۔ انسان کی مال کے ساتھ محبت ایک فطری امر ہے۔ دوسرے تمام پر خود قرآن پاک نے بیان کیا اِسْتَنْدِ بِالْحُبِّ الْمَالِ لَكَ دِينُ الْاِنْسَانِ مال کی محبت ہی سنت ہو تا ہے مگر اس کے باوجود اگر مال صرف کرنا ہے۔ تو یہ نیکی کا کام ہے۔ اس سے انسانی ہمدردی اور اجتماعیت کا سبق ملتا ہے علی حُبِّهِ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی بنا پر اس کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا ہے۔ تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مال کو کس جگہ خرچ کرنا ہے۔ تو فرمایا ذِی الْقُرْبٰی اپنے قریب و دُوروں پر خرچ کرنا ہے۔ اَلْفَاقِ فِی سَبِيلِ اِیْمَانِ کے اولین دسے پہنچنے عزیزوں پر خرچ کرنے پر دوسرا اجر ملتا ہے۔ ایک اجر صلہ رحمی کا حاصل ہوتا ہے اور دوسرا صدقہ کا۔ قریب و دُور اگرچہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ مستحق ہے۔ تو اس پر خرچ کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے۔

خرچ کی دوسری دس کے متعلق فرمایا اَلْیَتَمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ یتیموں و مسکینوں کی حاجت براری بھی نیکی ہے۔ بالائی کی حالت میں ہو اور باپ فوت ہو گیا ہے۔ کہنے والا کوئی نہیں رہا۔ یتیم ہو گیا ہے۔ اس کی سرپرستی ضروری ہے۔ اس پر مال خرچ کرنا چاہیے اور مسکین وہ ہے۔ جو محنت مزدوری کرنا ہے۔ مگر دسٹش کے باوجود اس کی بنیادی ضروریات پر ہی نہیں بوقتیں، وہ بھی حق ہے ایسے شخص کی ان مانت یقیناً نیکی کا کام ہے۔ فرمایا اِنَّ السَّیِّئِلِ اور وہ مسافر بھی اور اس کے مستحق ہیں۔ جو دورانِ سفر محتاج ہو جائیں، زائرِ راہِ قہم ہو گیا ہے۔ یا چوری ہو گئی ہے یا کسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تو ایسے شخص پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے۔ خرچ کرنے والا ثواب کا مستحق ہو گا۔ فرمایا اِنَّ السَّائِلِیْنَ محتاج بھی اعانت کے مستحق ہیں۔ ان پر مال خرچ کرنا بھی نیکی کا کام ہے۔ سائل کے لفظی معنی مانگنے والے کے ہیں مگر مراد محتاج ہیں کہ چونکہ سوال ہونے سوال درست نہیں ہے۔ جب تک کہ سائل

واقعی مستحق نہ ہو۔ بلاغیر دست برآل کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اور پیشہ دارانہ گزری
کو عظامِ عشرہ ریگاہت۔ شرعی سائل وہ ہے۔ جو برکتِ طے سے محتاج ہو۔ اور اس پیشہ
سوال کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہ ہے۔ ایسے شخص کو سول کرنا جائز ہوگا۔ اور
اس سوال کو پورا کرنا بھی کا کام ہوگا۔

انفاق کی ایک اور مدنی الترفیہ یعنی گردنوں کا آزاد کرنا ہے اسس کا
عمومی مضموم غلاموں کی آزادی ہے۔ غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے یا کسی مکان تب
کا زرع کاتیت اور اگر کسی سے آزادی دلائی جائے۔ اس کی ایک اور بہت سی بھی
ہے۔ کہ کسی مقروض کا قرض معاف کر کے یا اس کا قرض اور اگر کسی اس کی گردن
چھڑائی جائے۔ اس آیت پاک کے مطابق یہاں کرنا بھی سکی ہے اور باعثِ جہود
قرب ہے۔ فرمایا

صرف مشرق یا مغرب کی طرف نہ کر لینا ہی نہیں بلکہ اصل میں ایمان اور اتفاق میں ہے
پھر فرمایا کہ میں اس شخص کی سہ سے جس نے وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ نماز کے فیلے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ
درست ہو رہا ہے۔ اور اسکی توجہ قطیۃ القدر کی طرف ہو جاتی ہے۔ گریاف و زو
فلاح کا اہم ترین ذریعہ نماز ہے۔ جو کہ بانی عبادت ہے۔ اور بہت بڑی نعمت کی
بات ہے۔

زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ اور یہ فیضان میں شامل ہے حضور علیہ السلام کا
ارشاد گرامی ہے رَأَى فِي الْمَالِ حَقَّ سَوَى الزَّكَاةِ یعنی مال میں زکوٰۃ
کے علاوہ بھی حق ہے۔ صرف زکوٰۃ کے ادا کر لینے سے مال کا مکمل حق ادا
نہیں ہو جاتا۔ یہ تو فرض ہے اور صاحبِ نصاب ہر سال ادا کرتا ہے جب
کوئی شخص نصاب کو نہیں پہنچ پاتا تو زکوٰۃ فرض نہیں رہتی۔ البتہ سال کے دیگر حقوق
باقی رہتے ہیں جیسے فرمایا۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ حَقٌّ لِّأَهْلِ الْبَيْتِ وَالْمَحْسُورِمْ یعنی اس میں
سائل اور غنائ کا بھی حق ہے۔ اس میں اہل و عیال اور قیامت داروں کا حق ہے۔

وایدین کا حق سب ۔

اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو کٹھاپیان فرمایا ہے ۔ ایک ہائی تباہی پہنچے ہو
دوسری مالی عبادت سب ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تیس امر تہ اقبس والصلوة
والزکوٰۃ کا کٹھ ذکر فرمایا ہے یہ اتنے ہم فرائض ہیں جن کے ذریعے یک
طرف اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے دوسری طرف مخلوق خدا کے سب
روابط برقرار رہتے ہیں ۔ انہی دونوں امور کو نیکی میں شامل فرمایا کہ نبی اس شخص کی سب
ہو نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے ۔

ایک سے دوسرے

نبی کی ایک رقم ہے والموفقون بعقبتہ ہواذ عہدہ ۔ یعنی
نیکی ان لوگوں کی ہے کہ جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں ۔ انہی سے
عہد حق اور حق معاشرہ ہے ۔ ایک دنیاوی اصول ہے اللہ تعالیٰ نے دیکھ
مقام پر فرمایا ۔ اَوْفُوا بِالْعُقُوبِ اپنے وعدے کو پورا کیا کرو ۔ نیز تہیب کے انداز میں
فرمایا اَوْفُوا بِالْعَمَلِ لوگرا اپنے وعدوں کی یاد کرو ان العہد کا مسمول
قیامت کے دن اس کی باز پرس ہوگی ۔ وعدہ خواہ اللہ تعالیٰ سے ہو یا اس کی مخلوق
سے اس کی وفا لازم ہے ۔ جب کوئی شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ
سے وعدہ کرتا ہے ۔ تیسرے احکام کی تعمیل کر دینا مگر پھر جب اس وعدے کو پورا
نہیں کرتا تو اس میں غفلت کی علامت پائی جاتی ہے ۔ اسی طرح کسی مخلوق سے وعدہ خلافی
بھی غفلت کی علامت ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی ان لوگوں کی سب
جو اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں ۔

سب کی غفلت

اس کے بعد فرمایا نیکی میں وعدہ گو بھی شامل ہیں وَالصّٰبِرِیْنَ فِیْ الْمُبٰلَغٰتِ
وَالضّٰحِیِّیْنَ جو تہمتی اور شکیف ہیں صبر کرتے ہیں ۔ مبالغہ اس تکلیف کو سہتے ہیں
جو انسان پر بامہر سے وارد ہو ۔ مثلاً کوئی مالی یا جانی نقصان ہو جائے ۔ زلزلہ یا طوفان آجائے
اور غمناک و تکلیف دہ جو انسانی جسم کے اندر پیدا ہو ۔ جیسے بیمار ہو گیا ۔ پورا جسم
کے کسی حصے میں درد محسوس نہ کیا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ لغرض فرمایا کہ نبی ان لوگوں کی سب

بڑا اندرونی یا بیرونی پریشانی میں مبتلا ہو کر صبر کرتے ہیں۔ وَحِبَّانَ لِبَاسِیْ اور وہ لوگ بھی نیکی سے ہیں کہ یہ ان جہاد میں پہنچنے والی تکلیف کو کھوٹی برداشت کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان کی بازی لگا بیٹھنے میں اگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے صبر کی یہ تین مختلف صورتیں بیان کیا ہیں۔ اور صبرِ شکی ہے: اے دین کی بنیادی اصول ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ اَسْتَعِیْظُ بِالْصَّبْرِ وَالْمُصَلٰوةِ یعنی صبر اور نماز کے ساتھ اور عاجل کرو۔ کہ یہاں پر صبر کا بیان بھی آگیا۔

فرمایا جن لوگوں میں مذکورہ اوصاف پائے جائیں، نیکی ان لوگوں کی ہے۔ - پچھلے لوگ اُولَئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوا یہی سچے لوگ ہیں۔ وہ ایمان کی درست سے ماہر ہیں۔ وہ فدا میں خرچ کرتے ہیں۔ غنا قائم کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ایسے عہد ان کا ستیوہ ہے اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتے۔ حریمِ اصل نیکی کے کام کو تہریر میں مگر یہود و نصاریٰ نے قبلہ کے مسئلہ کو جھگڑائے کا سبب بنا۔ صاحبِ اصل نیکی کے کام کرنے والے ہی فائزِ لزم ہوں گے۔ ان کی نیکی کی وجہ سے ان کے بیگانے ہی اپنے بن جائیں گے۔ وراگراں کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ ماں کی محبت میں مبتلا ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز سے عادی ہیں، تو وہ سچے کیسے ہو سکتے ہیں۔ ثروت اور موردِ غرہ کیسے سچا ہو سکتا ہے۔ وہ تو ذرائع آمدن میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ قربتِ دلوں، محبتوں اور غریبوں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ وہ نیکی کے راستے پر گامزن نہیں ہے۔

وَلَا یُؤْتِیْکُمْ ہُمْ اَلْمُتَّقِیْنَ اور یہی لوگ متقی ہیں۔ جو کفر اور شرک سے پاک ہیں۔ معنی سے بچتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں گزر چکا ہے۔ کہ یہ کتاب ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی تقویٰ پکڑنے والوں کے لیے ہدایت ہے اور متقیں وہی لوگ ہیں جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں اور لمبے چوڑے عرصے کے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑ نہیں کر سکتے۔ جن کو رکازِ اخلاق چھپے زور زور سے تہذیب نفس کا مال کی محبت میں حصے بڑھتے نہیں ایسا تعلق بالذات نہیں ہے حقوق و فرائض ادا نہیں کھتے وہ متقی کیسے بن سکتے ہیں۔

سَبَّحُوهُ

الْبَقَرَةِ

درس ہفتاد (۷۰)

آیت ۷۸ تا ۱۷۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۚ الْحُرُّ
 بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ۚ وَلَا تُؤْتُوا يَتِيمًا بِأَمْوَالِهِمْ حَتَّىٰ يَصِلُوا
 إِلَىٰ حُلُمِهِمْ ۚ شَيْءٌ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَتَامَىٰ فَظَاهِرٌ يَّاكُفِّرُ بِنَفْسِهِ
 ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ وَلَا تُؤْتُوا سَفَرًا مِّنْ أَمْوَالِكُمْ
 حَتَّىٰ تَصِلَ إِلَىٰ حُلُمِهِمْ ۚ وَلِكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ
 يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! قتل کے اور یہ قصاص فرض قرار دیا گیا ہے۔ مقتولوں میں آزاد
 کے ہرے میں آزاد آدمی، غلام کے ہرے میں غلام، عورت کے ہرے میں عورت
 ہیں جس کی معرفت کیا گیا اس کے بھائی کی طرف سے کچھ پیسہ دستور کے مطابق پیچھے
 لگنا ہے۔ اور اس کی طرف سے بچے کے ساتھ ذکر نہ ہے۔

یہ تمنا ہے کہ ہر کی طرف سے پیچھے اور صبر و استقامت
 ہیں جس شخص نے اس کے بعد تعمیری کی۔ اس کے لیے عذاب الیم ہے ﴿۷۸﴾ اور

یہ قصاص میں ترمیم ہے۔ اے تھیں مندو! اگر تم متقی بن جاؤ۔ ﴿۷۹﴾

لذاتہ آیت میں تین قواعد بیان کی گئی تھیں کہ پہلی یہ ہے۔ اور یہ نہیں ہے
 کسی دوسرے کے متعلق کہ یہ تھا کہ یہی لوگ چپکے اور متقی ہیں۔ سب ان کی بات میں
 بعض تقویٰ والی باتوں کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ایک مقتول کے معذور ہیں
 مسادات ہے اور دوسرا مال کا قاتل ہے۔ اور پھر اس کے بعد ذکر ہوا کہ قاتل کی
 بیان ہوگا۔ ان سب کا تعلق تقویٰ سے ہے۔ یا تو زیر نہ کسی میں اللہ تعالیٰ نے
 اس کا قیاسی قاتل نہ بیان فرمایا ہے۔ جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسانی جان

اسوہ
 فہرست کی جان

ایک محترم چیز ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے اور اگر نہ انجوسے کوئی جان تلف ہو جائے تو اس کے لیے قصاص کا قانون بتلایا گیا ہے۔ جس کا اجراء اور پھر اس کی پابندی لازم ہے۔ اگر قصاص نہ ہو سکے، تو پھر خون بہا کا مسئلہ آئیگا۔ جسے دیت کہا جاتا ہے۔ اس مالی معاوضہ کی لڑائی بھی ضروری ہے۔

اسلام کا قانون
مقابلہ قانون جاہلیت

زمانہ جاہلیت میں قصاص کے معاملہ میں عدم مساوات اور انصافی پائی جاتی تھی۔ اولیٰ اور اعلیٰ خاندان کے مقتول کا قصاص بھی مختلف تھا۔ اگر کوئی گھروں اور اولیٰ خاندان کا آدمی اعلیٰ خاندان کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو مقتول کے دو تار دوہرا قصاص طلب کرتے ایک مقتول کے بدلے میں دو افراد قتل کر سکتے یا عورت کے ثمن میں مرد کا قصص لینے یا غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتے حضرت مولانا شیخ الحدیث نے اس تمام پر بھی تقریر کی ہے فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب کا دستور تھا کہ عورت کے ثمن میں مرد کو غلام کے بدلے میں آزاد کر۔ اور ایک آزاد کے قصاص میں دو کو قتل کیا جاتا، یہ نہایتی اور ظلم تھا۔ جو نہ بدست نہ بدستوں پر رواں لگتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے اور کچھ، نیچ، شریعت اور مذہل غلام اور آزاد اور عورت اور مرد کو قصاص کے معاملہ میں برابری قرار دیا۔ اسلام نے امیر اور غریب کے درمیان حائل دی لڑکے کو لڑکے اور قصاص کے معاملہ میں مساوات کا درس دیا، اسلام نے عالم اور جاہل، بیکسے، جوان اور بوڑھے، تندرست اور بیمار صحیح الاعضاء اور لنگھٹے، اپانچ اور اندھے کے امتیاز کو یکسر ختم کر دیا اور سب میں مساوات قائم کر دی۔ اسلام نے انہیں بتلایا کہ قصاص کا معنی ہی برابری ہے۔ لہذا قصاص کے معاملہ میں کسی انسان سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا، بلکہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو گا۔ یہ قانون قانون قصاص کہلاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَتْلُ
فِي لَفْتِ سِتْرٍ اے ایمان! تمہارے اور پر مقتولوں کے معاملہ میں قصاص، یعنی
 برابری کو فرض کیا گیا ہے۔ قصاص کا معنی ہی برابری ہے اور قتلی مقتول کی جمع ہے
 مطلب یہ کہ ایک آزاد مقتول کے بدلے میں ایک ہی آزاد کو قتل کیا جائے گا۔

ایک کے ہنسے میں دو کو تخریبِ مشق نہیں بنایا جائے گا۔ اسی طرح غلام کے عوض میں غلام کو عورت کے ہنسے میں عورت کو مرد کے ہنسے میں مرد ہی قتل ہوگا۔ قصاص میں کے معامد میں کسی قسم کی عدم مساوات روا نہیں رکھی جائے گی۔ قرآن پاک کے الفاظ میں الْقَتْلُ بِالْحَسْبِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَلَا نَفْسٌ بِأَلَا نَفْسٍ فرمایا گیا ہے۔

قتل کو قتل نام

حدیث اور فقہ کی کتب میں قتل کی تفصیلات موجود ہیں۔ قتل کی جن قسمیں ہیں یعنی قتل عمد، شہر عمد، قتل خطا، قتل عمد ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو قتل کیا تھا اور تاہم قتل کے مشابہہ بندوق یا پستول سے فائر کر دے، پھر یا نیزہ مار دے یا کوئی اور ایسا کہ احتمال کرے جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قتل کی یہ واحد صورت ہے جس میں قصاص ہے۔ باقی درصورتوں یعنی قتل شہر عمد، قتل خطا میں خون بہانے سے قصاص نہیں۔ پھر قصاص میں بھی بعض استثناء ہیں۔ مثلاً باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کو قتل کر دے تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ معاوضہ اور تعزیر ہوگی۔ جس میں سزائے قید بھی ہو سکتی ہے اسی طرح اگر مال اپنے بیٹے یا بیٹی کو یا پستول سے زخمی کر دے تو قصاص نہیں ہوگا۔ برعکس اس کے اگر بیٹا یا باپ کو قتل کر دے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

قتل شہر عمد یہ ہے کہ کوئی شخص قتل تو ارادہ کرتا ہے مگر ایسے آگے کے ساتھ جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً لاشی، یا بھڑیا کوئی اور ایسی چیز مار دی جس سے قتل واقع ہو گیا۔ تو ایسی صورت میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے عوض غول بہا یا دیت ہوگی۔

قتل کی تیسری صورت قتل خطا ہے جس میں ارادہ قتل نہیں ہوتا بلکہ قاتل کی سو سے کوئی شخص قتل ہو جاتا ہے۔ مثلاً شکاری نے شکار کرتے ہوئے یا اگر وہ کسی آدمی کو گھبراہٹ میں قتل واقع ہو گیا۔ یہ قتل خطا ہے اور اس کا فصل بیان آگے قرآن پاک میں آئے گا۔

قتل کی تین اقسام ہیں سے پہلی قسم یعنی قتل عمد میں قصاص یعنی جان کا بدلہ جان ہے

سزائے قتل

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کرے گا، تو اس کے ہمسے میں وہ بھی قتل کیا جائے گا۔
 آتی در صورتوں میں قتل ثبوتی اور قتل خطا میں دیت بہت قصاص نہیں۔ ب قصاص
 لینے میں بعض پابندیاں ہیں مثال کے طور پر مقتول کے چار ورثے ہیں۔ و قصاص
 لینا ان کا حق ہے نہ کہ حکومت کا حکومت کا کام تو صرف حق و زیادہ ہے۔ اس کے
 لینے انتظام کرنا ہے۔ اصل حق تو وراثت کا حق ہے۔ یہ کہ حکومت دلائل کی روشنی میں
 قتل جَعْلَتَ لَوِ الْيَتٰمَ سُلٰطٰنًا ہُمْ مَقْتُوْلَ کے ولی کے لیے حق رکھتا ہے
 برخلاف اس کے اتھرنیزی قانون میں سنیٹ حکومت ہوتی ہے۔ اور پھر عرصہ کی رقم
 بھی سپن تزانہ میں داخل کرتی ہے۔ اسلامی قانون میں معاوضہ حاصل کرنے کا حق صرف
 وارثوں کو پہنچتا ہے۔

اسلامی قانون قتل میں یہ ایک اہم شق ہے کہ قصاص صرف اسی صورت میں
 لیا جائے گا جب کہ تمام وارثان مقتول اس پر رضامند ہوں۔ چار بیٹوں میں سے اگر ایک
 نے بھی قصاص سے دست برداری اختیار کی۔ تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور قاتل کو دیت
 دینا ہوگی۔ اور اگر مقتول کے ورثہ نہ قصاص نہیں اور نہ دیت طلب کریں بلکہ
 بالکل ہی معاف کر دیں تو بات ختم ہوگئی۔ اس کی جز نہیں آخرت میں ملے گی۔ اور اگر
 وارثان قصاص کی بجائے خون بہائیں یا نہیں۔ تو قتل عمد کی صورت میں قاتل کو پورے معاوضہ
 ادا کرنا ہوگا۔ اس کی بزدلی پر کوئی تادیب نہیں ہوگا۔ البتہ قتل ثبوتی اور قتل خطا میں جب
 دیت ادا کرنا ہوگی۔ تو قاتل کی ساری بزدلی اور بے رحمی کی ذمہ داری ہوگی۔ اگر کسی سبب سے بزدلی
 لازم سے یہ بالفعل سرزد ہو گیا ہے۔ تو اس کے معاوضہ کی ادائیگی جس کے دفتر کے
 یا محکمہ کے کریں گے۔ اسے دیت علی اعاقہ کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
 کہ دیت عاقہ ہوتی ہے اور یہ تین سال کے اندر اندر قسطوں میں دیت ادا ہونا
 ہے۔ اس میں سائے متعینیں شریک ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنے حصے کی قسط ادا کرنا
 پابند ہوتا ہے۔ قاتل کی بزدلی کو تادیب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقین
 کی تربیت اس طرح کریں کہ اس طرح کے ناخوشگوار واقعات پیدا ہونے کی نوبت نہ آئے۔

معانی کی روشنی

فرمایا قصاص کا قانون تو یہی ہے البتہ فَمَنْ عَفَا عَنْكَ مِنْهُ فَمِنْ رَحْمَةِ رَبِّكَ يُنْفِقُ جَانِئًا
 بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا بمقتول کے ورثہ خیال کریں کہ قاتل بھی ہمارا ہی بھائی
 ہے۔ اس کی وجہ سے قتل تو ہو گیا۔ مگر بزرگ تعلقات ختم نہیں ہونے چاہئیں۔ البتہ
 اگر ورثہ میں سے کسی ایک نے بھی معاف کر دیا تو مقتول پر قصاص موقوف ہو جائے گا۔
 اور اس کے بدلے میں کیا ہو گا فَاِنْ تَبَايَعَا بِالْمَعْرُوفِ فَمِنْ رَحْمَةِ رَبِّكَ يُنْفِقُ جَانِئًا
 کے مطابق کہ لڑ بھائی معاوضہ کر دے اور وَاَذَا اُنَّ اَيْضًا بِالْحَسَنِ اور قاتل کو نیکی کے
 ساتھ ادا کرنا چاہیئے معاوضہ ادا کرنا ہی ہے۔ تو لڑ بھائی کو کہہ دیجئے کہ تم نے مجھے قتل کیا ہے
 ساتھ دستور کے مطابق ادا کرنا چاہیئے۔ ورثہ کا بھیجنا کرنا چاہیئے کہ صحیح طریقے
 سے ادا ہو جائے۔ اس میں کوئی مزید غرائب پیدا نہ ہونے پائے۔ اس طریقہ سے شریعت
 نے جانوں کی حفاظت کا قانون مقرر فرمایا ہے۔

فَرَأَى اِنَّكَ تَخْشِفُ عَنْكَ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَرَحِمْتَ لَعْنَتِي اِنَّ اِسْمِي قَتْلُكَ رَجُلًا
 طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ مطلب یہ کہ پہلے مقتول میں قتل کا بدلہ صرف قتل
 تھا ویت کا قانون موجود نہیں تھا۔ مگر نبی آخر الزمان علیہ السلام کی موت کے لیے
 اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی فرمائی۔ اور قاتل کی سزا میں تخفیف کر کے قصاص کے
 ساتھ ساتھ ویت کا قانون بھی نازل فرمایا۔ چنانچہ شریعت محمدیہ میں تین صورتیں مقرر
 کی گئی ہیں، مقتول کے ورثہ پر قصاص طلب کر لیں یا مالی معاوضہ قبول کر لیں یا
 بالکل ہی معاف کر دیں، یہ ان کی خواہش پر منحصر ہے۔ بہر حال یہ تخفیف اور رحمت کی طرف ہے۔

ویت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویت کی مقدار ایک سو اونٹ مقرر فرمائی ہے
 اگر دشمنوں کا تبادلہ نہ ہو سکے تو پھر دس ہزار درہم جو چاندی کا سکے ہے یا ایک ہزار
 دینار جو سونے کا سکے ہے اس کا بدلہ ہو گا۔ اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا جا
 سکتا۔ البتہ اگر فریقین اجناس یا کپڑے کے لین دین پر متنازع ہو جائیں تو مقررہ
 مقدار سے زیادہ بھی لے سکتے ہیں۔ یہ خونِ مبارک کا قانون ہے۔ اس کے بعد
 فَصْنِ اعْتَدَى بِعَدُوِّكَ يَوْمَئِذٍ يُبَادِلُكَ كَمَنْ تَحِبُّهُ عَنِ مَالٍ وَرَحْمَةٍ

طے کہ کے وہ بھی سے لیا اور پھر بعد میں قتل بھی کر دیا تو ایسی صورت میں قتلہ عذاب
الیم ترایا کر سنے والا دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس سے مراد قرعہ نعت کا
عذاب ہے جسور علیہ السلام نے، رشا و فحشا کیا کہ اس قسم کی زیادتی کمنے نے کے لیے
کوئی معافی نہیں ہوگی، بلکہ اس سے قصاص ہی لیا جائے گا اس دنیا میں جیسی اسے سزا
ملے گی اور سنگے جہان میں جیسی وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔

قد ہیں میں
زندگی ہے

میاں پر، لہذا قتلے نے قصاص کے فلسفہ بھی بیان فرمایا وَلَکُمْ فِیْ قُتُلِکُمْ نَفْسًا
مِّنْکُمْ لَئِیْکُمْ تَتَّقُوا۔ یعنی اسے صاحبِ عقل و غرور قصاص میں تمنا سے کیلے
زندگی کا رزق پوشیدہ ہے۔ غاسر یہ ہے کہ ایک آدمی قتل ہو گیا اور جب قصاص
میں قاتل کو بھی قتل کر دیا گیا تو ایک اور جان ضائع ہو گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زندگی
سے تعمیر فرماتے ہیں، مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ قصاص کی عدم موجودگی میں لوگ
بلا خوف و خطر قتل کے مرتکب ہوں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ چلوٹی موٹی سزا
مہلت لیں گے، جان تو بچ ہی جائے گی۔ بدخلوات اس کے جب قصاص کا قانون
موجود ہو گا۔ اور لوگوں کو علم ہو گا کہ قتل کے پے میں قاتل بھی قتل کیا جائے گا، تو وہ
قتل پیدا بڑا حسرت کرے وقت سو فیصد سوچے گا اور ایسے اقدام سے
بازر آ جائے گا۔ انگریز کے بنائے ہوئے قانون میں یہی غامی ہے۔ ہر روز کہتے
قتل ہو رہے ہیں۔ مگر چونکہ قاتل کو قرار واقعی سزا نہیں ملتی، ایک قتل کے بعد
اسے مزید شہ ملتی ہے۔ درود بلا خوف و خسر و رراتیں کرنا چلا جاتا ہے۔ چونکہ ابھی
یہی حال ہے اگر لوگوں کو حد جاری ہوئے کا یقین ہو، تو پھر چوری کرنا اتنا آسان نہ
ہو۔ سعودی عرب میں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ وہاں حدود اللہ
جاری ہیں۔ قاتل اور چور بلند صحرے جرم نہیں کر سکتے جب سے خاندان ابن سعود نے
حدود نافذ کیں ہیں، چوری کی کتنی سزائیں ہوئی ہیں۔ گنہ گشتہ پچاس سال میں ایک
سور لوگوں کے ہاتھ بھی نہیں سکے ہوں گے۔ سزا کی بدست ہی ایسی ہے کہ سزا
سونا پھر برائیاں کی لہری نہ تھی، کوئی ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔ یہ اسلامی قانون

سَيَقُولُ ۲

درس ہفت دیک (۱۱)

الْبَقَرَةِ ۲

تیسرا ۱۸۰، ۱۸۱

كُذِّبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ لِيُتْرِكَ خَيْرٌ مِّنْ
 الْوَصِيَّةِ الْتَوَالِدِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى
 الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنشَأَ ثَمَّةً
 عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ
 خَافَ مِنْ مُّوَصٍّ جَنَفًا أَوْ رُثْمًا فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا
 إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

۱۸۱

ترجمہ: فرض کی گئی ہے تمہارے اور جس وقت کہ اس کے تم میں سے کسی کے
 پاس موت آگیا اس لئے مال چھوڑا ہے، تو وصیت والہین کے حق میں اور قرابت داروں
 کے حق میں دستور کے مطابق یہ لازم ہے پر یہ کارول پر ۱۸۰ پس جس
 شخص نے اس وصیت کو تبدیل کیا اسے سننے کے بعد ایک اس کا گناہ
 ان لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے
 والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۸۱ پس جس نے خوف محسوس کیا۔ وصیت
 کھنسنے کی طرف سے اس طرف اہل ہونے کا یا گناہ، پس اس سے ان کے
 درمیان صلح کر دئی، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ
 بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ۱۸۲

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ قصاص کا قانون تقویٰ کا ایک
 جزو ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون جاری فرمایا کہ اگر انسانی جان کی قتل
 فرمائی ہے، اس کے بغیر انسانی جان کا ضیاع ایک معمولی چیز تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ
 نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ اگر عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھو گے اور بائیں

حضرت جان
 کا قانون

اہم گزشتے ہیں۔ آپ نے "مواقفات" نامی کتاب بھی لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسلام کا سارا قانون حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی کوئی شے حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قانون میں بڑی طبیی باریکیاں اور حکیمانہ مصلحتیں رکھی ہیں۔ بھرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی ایک ایک آیت میں ایسی قدر حکمتیں، مصلحتیں اور باریکیاں موجود ہیں کہ دنیا کے تمام انسان مل کر سوچیں، تو اس کے برابر نہیں سوچ سکتے۔ آپ "فیوض الکریمین" میں لکھتے ہیں کہ بعض اوقات جب میں بعض آیات پر غور کرتا ہوں تو ان کی تہ میں مجھ پر کچھ پیراں جیسے وسیع افک فاست ہوتے ہیں۔ جو عالم انفس کی سوچ و بچاؤ سے باہر ہوتے ہیں۔

اسلام نے جہاں دیگر تحفظات کیے ہیں، وہاں تحفظ نفس کی بھی ضمانت دی ہے۔ نسب بالکل محفوظ ہونا چاہیے۔ اس میں — غصہ ظالمین ہونا چاہیے۔ برکت اس کے غیر اقوام میں تحفظ نسب کی کوئی گارنٹی نہیں۔ ڈاکٹر اسپنسر گزشتہ صدی کا بہت بڑا فلاسفر ہوا ہے۔ اس کو لبرلزم کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ اس وقت صرف چالیس پتالیس لاکھ آدمی وہ کتاب لکھ رہے ہیں۔ پانی قانون پر منت تو بنتا لیکن ان کے یٹین کے ساتھ دنیا لیس آدمی بھی حلال کے نہیں نکالے جاسکتے۔ یہاں کا قانون یہ گندہ ہے۔ مگر اسلام نسب کی حفاظت کرنا ہے۔ قرآن و سنت میں اس کے متعلق بہت سے قانون موجود ہیں۔ اسی طرح دین کی حفاظت کا قانون بھی اسلام میں موجود ہے۔ اگلی آیات آ رہی ہیں انعام، روزہ، الحج، زکوٰۃ وغیرہ دین کی حفاظت کے ہی قوانین تو ہیں۔ اہم شاہد یہی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کے تحفظ کا قانون بھی عطا کیا۔ شراب جیسی قبیح چیز کو حرام قرار دیکر اسلام نے عقل کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے۔ شراب ایسی نشہ آور چیز ہے عقل و ضرر کیسے قائم رکھ سکتی ہے۔

الغرض اسلام نے تو بہترین حکیمانہ تدابیر عطا کی ہیں۔ مگر یہ خود ہماری ناسمجھی سے کہ ہم ان سے مستفید نہیں ہونا چاہتے۔ ان منہری اصولوں کو چھوڑ کر ہم غیروں کے گندے قوانین تلاش کر رہے ہیں۔ کبھی امریکہ کی طرف جاتے ہیں، کبھی یورپ

کی طرف دیکھتے ہیں، کبھی ایشیا کا رخ کرتے ہیں۔ کہہ سکتے ہیں۔ اچھا دستور مل جائے
 کہ وہ اچھا فوجی نظام حاصل ہو جائے یا کوئی اقتصادی نظام ہی مستر آجائے مگر وہاں
 پر مشن کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ قرآن و سنت جیسے اعلیٰ دائرے تو انہیں کہیں سے
 نہیں ملیں گے۔

مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں۔ کہ جس دور میں اسلامی تحریک کے خلاف
 سب سے بڑھ کر روسی مذہب کا کام کر رہا ہے۔ اس وقت اسلام کی مخالفت میں سب سے
 زیادہ اشتراکی نظام کا فرم رہے۔ مگر ایک وقت آئے گا جب یہ نظام بھی مجبور ہو کہ
 قرآنی قوانین کے سامنے ہتھیار ڈال دیگا۔ اُن کے پاس محض دعوے سے، عملی طور
 پر کچھ نہیں اس لیے بالآخر انہیں اسلام کے سامنے ٹھٹھکتے پڑیں گے۔

تحفظ مال

اسلام نے مال کا مکمل تحفظ عطا کیا ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی خرابی موجود ہے
 تو اسے درست کرنے کا قانون بھی موجود ہے۔ اسلام نے مال کو ضائع کرنے
 سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اس میں احسن طریقے سے خرچ کرنے کے اصول بتلائے ہیں
 اس کے متعلق مختلف قوانین گزر چکے ہیں۔ "قَالَ لِمَالٍ عَلَى حَبْلٍ" یعنی مال و محبت
 کے باوجود اسے خرچ کر دو۔ زکوٰۃ کا مکمل قانون موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی ذمہ دار
 زَكَوٰةً مِّنْ مَّوَالِیْہِمْ ہمارے لیے ہوتے مال سے خرچ کر دو۔ اس سلسلے
 میں مکتب غلاموں کی آزادی کا قانون دیا ہے۔ سورۃ نور میں آتا ہے "وَالَّذِہُمْ
 قِنَ مَالِ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتَاکُمْ ہِیَ مَالُ اللّٰہِ کَا رِیَآءِہِمْ" اس نے ایسے ذرائع پیدا
 کر دیے ہیں۔ کہ تمہیں مال پہنچا رہا ہے۔ محنت کوئی کرنا ہے۔ مگر تمہیں وراثت
 میں سے نیچے بٹھائے مل جاتا ہے۔ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دو۔ ہر انسان
 فطری طور پر آزاد ہے اسے غلامی کے پھندے سے چھڑ دو۔ ان پر اللہ کے لیے
 جو کچھ مال میں سے خرچ کر دو۔ یہ نہ سمجھو کہ اس مال کے حقیقی مالک تم ہو۔ اصلی
 مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے تم پر ہر بانی کی اور ایسے وسائل تمہارے سپرد
 کیے۔ جن کے ذریعے مال تم تک پہنچتا ہے۔ پھر اس میں تصرف بھی رو کر جس کی

اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اگر اس کی مرضی کے خلاف خرچ کر دو گے، تو جہنم رکسید ہو گے۔

قانونِ وصیت

ان آیات میں وصیت کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **کُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحْضَرْتُمْ أَحَدًا كَمَا أَلَمْتُ أَنْ تَتْرَكُوهُ خَيْرٌ لَّكُمْ وَلَوْ سَبَيْتُمْ شَوَاقِدَ بَنِيكُمْ بِأَنَّهُ مَعْرُوفٌ** یعنی جب کسی کی موت کا وقت قریب ہو اور وہ مال چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ تو اس پر لازم ہے کہ وہ والدین اور قرابت داروں کے حق میں وصیت کر جائے۔ اور یہ وصیت ہو بھی بالمعروف یعنی دستور کے موافق۔ فرمایا ایسا کرنا حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِينَ یعنی متقیوں کے لیے ضروری ہے۔

وصیت کا مکمل قانون قرآن پاک کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔ یہ آیات اس قانون کی ابتدائی آیات ہیں، جنہیں سورۃ نساء کی آیات نے منسوخ کر دیا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے در ثار کے حصے مقرر نہیں کیے تھے، آیات زیر درس کے ذریعے وارثوں کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا تھا۔ تاکہ انہیں بھی وصیت کے ترکہ میں سے حصہ مل سکے۔ مگر سورۃ نساء کی آیات نازل ہونے سے در ثار کے حصے مقرر ہو گئے اس لیے ان کے لیے وصیت کا قانون منسوخ ہو گیا۔ اب در ثار کے لیے وصیت نہیں ہے۔ البتہ غیر ورثاء کے لیے یہ ایک تہائی مال تک وصیت کر سکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے در ثار یعنی مال باپ، بیوی، خاوند، والدہ وغیرہ کے متعلق فرمایا۔ **بِأَنَّ اللَّهَ عَظَمَى كُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ** یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب لَا وَصِيَّةَ لِطَوَارِثَ کسی در ثار کے لیے وصیت روا نہیں ہے۔ انہیں ورثہ سے مقرر حصہ خود بخود مل جائے گا۔ بعض علماء نے کلام فرماتے ہیں کہ در ثار کے لیے وصیت والی یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ والدین کے لیے وصیت کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

مومن اور انبیاء و ائمہؑ فرماتے ہیں کہ خود ان کے ساتھ ایسا معاملہ پیش کیا کہ انہیں
 ان کے حق میں وصیت کرنے کے خیال پر مجبور نہ کیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ حق پرست
 مسخوخ نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات دربار کے لیے بھی وصیت ضروری ہو جاتی ہے
 آپ خرد و مسلم تھے۔ آپ کی داندہ، سڑک پر چلنے نہ سب پر قادر ہی۔ فرماتے ہیں کہ
 ایک دفعہ میں یہ ہو گیا۔ مجھے خیال آیا کہ موت کی صورت میں میری ماں کو میرے ترکہ
 سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ غیر مسلم تھی اور مومن دربار کے درمیان وراثت
 نہیں چلتی۔ تو اس وقت میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ان کے حق میں وصیت کر دینا
 بہر حال یہی صورت میں ہونا چاہیے کہ ماں غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وراثت کی حقدار
 نہ تھی۔ کہونکہ لَا یَرِثُ الْمُشْکِکُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْکَافِرَ
 مسلمان کا وراثت سے۔ اور نہ مسلمان کا فر کا وراثت سے۔ ایسی صورت میں وصیت
 ہی کے ذریعے ترکہ تقسیم ہو سکتا ہے۔

نبی کی وصیت

قرن پاک میں وصیت کا قانون کی جگہ بیان ہوا ہے۔ جہاں بھی دربار کے
 حصص کا بیان آتا ہے۔ تو یاد ہوتا ہے کہ فلاں فلاں رشتہ دار کے حصے اتنا
 حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ مگر ہن بَعْدُ وَصِیَّةٌ لِّوَصُوْدٍ لِّہٖ کَاوُی دُیْنُ۔
 یہ ترکہ وصیت شدہ ماں اور فرزند، باقی تقسیم ہوگا۔ منجملہ وصیت کی دیگر قسط
 کے انبیاء علیہ السلام بھی وصیت ہوتا ہے۔ مگر وہ ماں کے متعلق نہیں ہوتی۔
 پوچھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کرنے میں کہ کیا حضور علیہ السلام سے کوئی وصیت
 کی ہے۔ صحابی جواب دیتے ہیں کہ اپنے ماں سے متعلق کوئی وصیت نہیں فرمائی
 کیونکہ آپ کا ارشاد ہے مَا شَرَّکَ صَدَقَہٗ یعنی نبی جو چیز چھوڑا کرتا
 ہے۔ اس کے متعلق وصیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا ترکہ صدقہ
 ہوتا ہے۔ اسے وراثت میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔

فرمایا، ابتر نبی علیہ السلام وصیت ضرور فرمائی ہے۔ اور ان قسوں پر عمل
 کرنے کے غلاموں کے متعلق حسن سلوک کی وصیت کی ہے۔ نہ تو یہ بعد وصیت اور

شُرک سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ لِلّٰهِ لِيَوْمِ ذٰلِكَ نَظْرًا
یورود نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے انبیاء کی مقبروں کو کھدوا دیا
آپ نے امت کو تعلیم دی کہ تم میری قبر کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو یورود نصاریٰ
نے اپنے انبیاء کی مقبروں کے ساتھ کیا۔ مگر آج کل قبروں کے ساتھ جو کچھ مسلمان
ہو رہا ہے، وہ جہاں سے سامنے ہے۔ میری رونگٹاں سے سننے والے ہر مرد و عورت
سب سے پہلے جناح صاحب کی قبر پر چادر چڑھا رہے۔ حضرت علی بن ابی طالب کی قبر
کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ کوئی ریشمی چادر چڑھا رہا ہے۔ کوئی پھولوں کی
چادر لے کر رہا ہے۔ کوئی بکری پکائی ہوئی پیش کر رہا ہے۔ کوئی بکرا، چھتر اندر
کر رہا ہے۔ کوئی مسجد کر رہا ہے۔ کوئی حاجت روائی کا عذاب ہے۔ کوئی شکل
کٹائی کے لیے دعائیں کر رہا ہے۔ یہ سب شریعہ میں جہنم صلی اللہ علیہ وسلم
نے امت کو ڈرایا ہے۔ اِنَّكُمْ لَمِنْ صٰغِرٰتٍ اِیَّیْہِ کَامِ مَمْتٍ کُنْہِ اَمْرٍ حَمَلٍ اَبْلٍ
سہے ہیں۔

وصیت کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ منجملہ ان کے مباح یا مستحب و وصیت
کا ذکر حدیث میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔ حضور نے
فرمایا کہ جس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے متعلق وہ وصیت کرنا چاہتا ہو
تو اسے چاہیے کہ وہ دو راتیں بھی نہ گزارے مگر وصیت اس کے سر ہانے کے نیچے
لکھی ہوئی موجود ہوئی چاہیے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تک میں نے حضور علیہ السلام
کی زبان مبارک سے یہ بات سنی ہے۔ اس وقت سے میں نے وصیت لکھ
کر سر ہانے کے نیچے رکھ لی ہے۔ وصیت کی یہ مستحب قسم ہے۔

بعض اوقات وصیت فرض ہو جاتی ہے۔ کسی شخص کو ایسی ہے کہ اس کی
زندگی کے آخری ایام آ پہنچے ہیں اور اب اس کے بچنے کے کوئی آثار دکھائی
نہیں دیتے۔ نیز اس کے ذمے ایک دو سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ تو ایسی
صورت میں اس کے لیے وصیت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے مال سے

وصیت کی
انعام

زکوٰۃ کی ادائیگی کی وصیت کر جائے۔ اگر نہ عدم ادائیگی کی صورت میں فرض کا تارک ہو کر گنگا روں کی صف میں گھڑا ہو گا۔ اسی طرح کسی کی مانت موجود ہے۔ یا کسی کا قرض ادا کرنا ہے۔ تو اس کے لیے لازم ہے۔ کہ مرنے سے پہلے وصیت کرے جیسے کہ غلام فلاں چیز کی ادائیگی کہ دینا اگر ایسا نہیں کرے گا۔ تو اس کا مال تو درنا ہضم کر جائیگا، اور وہ خود دوسروں کا مقروض رہ جائے گا۔ اسی لیے اس نے مرنے والے کے متعلق یہ قانون وضع کر دیا کہ سب سے پہلے مرنے والے کے مال میں سے اس نے کفن و دفن کا انتظام کیا جائے۔ یہ بنیادی ضروریات میں داخل ہے اس کے بعد اگر مرنے والے کے ذمہ قرض ہے۔ تو وہ ادا کیا جائے۔ پھر اگر کوئی وصیت ہے۔ تو کل مال سے ایک تہائی تک اسے پورا کیا جائے۔ اس سے بعد بقیہ مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ مگر اس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ لوگ ان ضروری امور کی طرٹ تو قریب نہیں کرتے۔ اس کی بجائے مرنے کے تعلق، تیمم، ساتل، دیوال اور چاروں کے چکر میں پھنس کر مرنے والے کا مال ضائع کرتے ہیں۔ جو کہ بالکل ناجائز ہے۔ اور اگر مرنے والے کے مال کی بجائے وراثت میں مال سے خرچ کئے ہیں، تو بھی محض رسومات کی خاطر ایسا، فضول ہو گا کیونکہ شریعت میں اس کا کوئی ثروت نہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ ایسی رسومات پر شیعوں کا مال صرف ہو رہا ہے تو یہ قطعاً حرام ہے کہ مرنے والے حرام کھا سے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیے۔ ورنہ چیزوں کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ انہیں پورا کرنا چاہیے۔

دوسری بات، کیا ایک قسمہ ناجائز بھی ہے۔ اور مرنے والا اسی ناجائز کام کی وصیت کرے کہ ایسی وصیت ناجائز ہی کہلے مثلاً کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال میں فلاں قبر پر چادر چڑھا دینا یا فلاں مزار پر بکرا چڑھا دینا وغیرہ وغیرہ ناجائز وصیت ہوگی۔ اور ایسی وصیت پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کار خیر کے لیے ایک تہائی مال تک وصیت کرنے کی جائز ہے۔ تاکہ مرنے والے کو آخرت میں

اس کا حصہ تھا ہے مثلاً مسجد تعمیر کرنے سے اور سر بنوانے سے، اخیر ذرث، ازترہ و دوسرا مستحقین میں تقسیم کرنا بھی وصیت کرنا ہے تو یہ جائز اور درست ہے اور اگر کوئی شخص ایک مالی مال سے زیادہ کی وصیت کر جائے تو یہ درست ہے اگر اجازت ہو کہ اگر وہ سب ملحق ہو جائیں تو وصیت پر عمل ہو گا ورنہ صرف ایک تنہا ہی پر عمل کرنا ہو گا اگرچہ اس کے لیے بھی وَالثَّلَاثُ كِتَابُكَ کے الفاظ آتے ہیں مگر اس حد تک جائز ہے حضرت سعدؓ نے عرض کیا تھا کہ میرے پاس بہت سال سے اور خضر صرف ایک ہی بیٹی ہے۔ حضور! اگر اجازت دیں تو میں سارا مال صدقہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا ادا مال سے دوں اور یا نہیں انہوں نے تیسری دفعہ پوچھا کہ دو تنہا مال کی وصیت کر دوں آپ نے پھر بھی اجازت نہ دی جب آپ نے ایک تنہا مال کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بھی زیادہ ہے مگر اس کی اجازت ہے۔ یہ تصدیق کہ وارثوں کو نہ کہ سے زیادہ سے زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔

فرمایا مَنْ بَدَّلَ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ جس شخص نے اس وصیت کو تبدیل کیا اسے سننے کے بعد فَاتَّخَذَ اَمْلًا عَلَى الَّذِي يُبَدِّلُهَا تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل کر رہے ہیں بھلا یہ کہ اگر کوئی شخص وصیت کر کے فوت ہو جائے اور اس وصیت کو سننے والے یا جاننے والے اس پر عمل درآمد کرنے کی بجائے اسے تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ تو اس کا وبال وصیت میں سحر لٹ کر سننے والوں پر ہو گا کیونکہ وصیت کرنے والا تو اپنا فرض ادا کر گیا۔ اب اس پر عمل درآمد کے وقت بھی پیش کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

وصیت میں تبدیلی کی کوئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً مرنے والا کسی ایسے شخص کو کوئی حصہ دے گیا جسے وارث پسند نہیں کرتے۔ یا کسی کے کم حصے کو زیادہ یا زیادہ کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی طرف سے رد و بدل کرتے

وصیت میں تبدیلی گناہ ہے

ہیں۔ تو وہ لوگ گہجے۔ ہوں گے۔ کیونکہ جائز وصیت پر عمل نہیں کیا، وارثان کے حصص کی تقسیم وصیت اور قرعہ کی ایسی ہی کے بعد ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک نے بہ تصریح کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی وصیت کرنے والا وصیت صحیح طریقے سے نہیں کرتا۔ کسی کو حق سے زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو چڑھتی بھی نہیں دیتا اور اس طرح پامانگہ بین تہذیب پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اس نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے۔ فَمَنْ خَفَ مِنْ مِّثْقَلِ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَنَّمَا كَانَ ذَنْبًا مِّنْ خَيْرٍ۔ وصیت کرنے والے کے ایک طرف جھک جانے سے یا کسی گناہ کے ارتکاب سے فَأَصْلَحَ بَدَنَهُ پس اس شخص نے فریقین میں صلح کر لی فَلَا رَافِقَ عَلَيْهِ تو ایسے شخص پر دل کو نہیں بعض اوقات کوئی بیٹا نافرمان ہوتا ہے اور وصیت کرنے والا اسے جائزاد سے محروم کرتا ہے۔ تو یہ بات غلط ہے۔ در کبر و گناہ ہے۔ وارث بننا ایک خیر اختیار کی چیز ہے۔ اور جو حصہ اللہ نے دے گا وہ دے گا۔ وہ نیکی پر یا نافرمانی اور نافرمانی پر محروم نہیں ہے۔ اس کا اچھا یا بُرا صلہ کسی اور طریقے سے یہ جاسکتا ہے۔ مگر وارث سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ حق ہے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ یہی صورت میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص دہقان میں آکر صلح کرے۔ تو یہ چھی بارہ۔ اس سے دونوں کو فائدہ ہوگا۔ در مثال کو ان کا جائزہ حاصل کیا جائیگا اور وصیت کرنے والا بھی سرخرو ہوگا۔ یہی صورت میں گھر کو چھوٹی سونے کی لڑائی ہوئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ كَيْفَ تَسْرَٰنَ اللّٰهُ عَفْوٌ حَتّٰی تَرْضٰی سُوْیَ شَرِّ اللہ تعالیٰ بخشتے والا مہربان ہے۔

سَيَقُولُ

لَبَقْرَةً ۚ

اور میں نے تو دو روز (۷۳)

کرت ۱۸۳، ۱۸۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۷۳﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ
 فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ يَوْمٍ
 أُخِرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُصِيقُونَكَ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ
 فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَلَهُ خَيْرٌ لَكَ وَلَنْ تَصُومُوا خَيْرَ لَكُمْ
 إِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ مَوْنٌ ﴿۷۴﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ ان لوگوں پر فرض
 کیے گئے تھے، جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ تاکہ تم پر میسر لگدیں (۷۳) چند گئے
 ہوئے دن ہیں۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو پس دو سکر دنوں میں
 گنتی پوری کرنا ہے۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہیں ایک مسکین کا طعام فدیہ ہے
 پس جو شخص خوشی سے نیکی کرے گا۔ وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے
 رکھو لہذا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مجبور نہ ہو (۷۴)

ترجمہ پیرچند

اس سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کی حفاظت کا قانون بیان فرمایا۔ پھر
 ان کی حفاظت کا قانون بتلایا۔ اور مال کے بیجا تصرف سے منع فرمایا۔ یہ تعلق کی
 جائز قرار دیا اور بتایا کہ یہ بات تقویٰ کے خلاف ہے۔ ایمانیات کے ذکر کے
 بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کا قانون فرمایا، اور قصاص اور دیت کا تذکرہ
 کیا اور فرمایا یہ اصول بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اس پر عمل پیرا ہو کہ تقویٰ
 حاصل کرو۔

آیات شریفہ در کس ہیں اور ان اسلام میں سے ایک۔ ہم تم کو رکن روزہ کا بیان فرماتے ہیں

جس طرح اس سے پہلے اصولوں کو تشریح کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا اسی طرح روزہ رکھنے کی غرض و غایت بھی تحصیلِ فقریٰ ہی بیان کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ كِتَابٌ عَلَيْكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

روزہ فرض کیے گئے ہیں۔ کما کتب علی الذین من قبلکم

جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے۔ اور مقصد یہی ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

نا کہ تم پر بہتر کاری اختیار کرو۔

کتب کا لفظ فرضیت کے لیے آتا ہے۔ جیسے اس سے پہلے قصاص کے متعلق آیاتِ کتب علیکم القصاص یعنی تم پر قصص فرض کیا گیا ہے اسی طرح وصیت کے متعلق آیاتِ کتب علیکم ذاکم ذاکم احصوا حدکم المصیبات ان شرککم حین فی الوصیۃ اگر مال چھوڑا ہے تو تم پر وصیت کرنا لازم ہے۔ اسی طرح یہاں پر روزوں کے متعلق کتب علیکم البصیام یعنی تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

روزہ رکھنے کے لفظی معنی رک جانے کے ہیں۔ عربی زبان میں اس کے یہاں رک کا لفظ بھی آتا ہے۔ تاہم صوم کا لفظ بھی رک جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثال کے طور پر عرب کہتے ہیں۔

تَحْتَ الْعَجَاجِ وَحَيْلُ الْعَجَاجِ

کچھ ٹھوسے کے نیچے ہیں یعنی خاموش ہیں کچھ حرکت کر رہے ہیں اور کچھ گردوغبار کے نیچے ٹھہر چکے ہیں۔ شریعت میں روزہ کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

الْإِمْسَاكُ عَنِ الشَّيْءِ وَالشَّرْبِ وَتَجَاجِعِ مَنْ طَلَعَتِ الْفَجْرُ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ

طالع فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی سے اپنے آپ کو روک کر رکھنے کا نام روزہ ہے۔

روزہ نہادِ شرعی کے اندر مجتہد ہے۔ اور شرعی دین سے ملو پر پھر سٹنے سے سٹنے کے سوا راجح عذوب ہونے تک کا وقت ہے۔ اس درمیان کھانے پینے

اور نفسانی خواہشات سے باز رہنا اس نینف کے ساتھ کہ میرا روزہ ہے یہی
سوم ہے اور اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن ہے۔ ارکان اسلام میں توحید و
رسالت پر عقیدہ کے بعد نماز، پھر زکوٰۃ اور پھر روزہ کا نمبر ہے۔ چوتھا نمبر حج کا ہے
اسی ترتیب سے پانچواں رکن جب دست ہے۔ اور اس کا ذکر بھی بعد میں رہا ہے ان
تمام ارکان کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں اسی ترتیب سے آ رہا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد
گوئی ہے عَلَیْكُمْ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَازِعٌ لَّكُمْ روزہ کو لازم پکڑو کیونکہ
روزہ جیسی کوئی اور عبادت نہیں۔

سابقہ ائمہ
کے روزے

الفرغی۔ فرمایا اے ایمان والو! یہ روزے صرف تم پر ہی نہیں فرض
کیے گئے بلکہ تم سے پہلے گذرے والے لوگوں پر بھی اسی طرح فرض تھے۔ البتہ
ان روزوں کی مقدار اور تعداد مختلف امتوں کے لیے مختلف رہی ہے۔ چنانچہ
مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایام بیض یعنی ہر ماہ کی تیسرے چودہ پندرہ آرتی
کا روزہ رکھتے تھے۔ اور یہ روزے امت محمدیہ کے لیے مستحب کا درجہ رکھتے ہیں
حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرض تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی امت
کے لوگ بڑے سخت مزاج اور اکھڑے الٹے ہیسمیت کا غصہ زیادہ مقدار میں
پایا جاتا تھا اسے کم کرنے کے لیے اس امت کو سارا سال روزے رکھنے کا حکم تھا
حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے در دو سکر دن اظہار کرتے تھے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو دن روزہ رکھتے تھے۔ اور تیسرے دن اظہار کرتے تھے
اس امت آخر الزمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سال بھر میں ایک دن کے روزے
فرض کیے۔ ان کے متعلق فرمایا: یَا مَعْزُودَاتِ یُکْنِتِیْ کے چند دن ہیں۔
یعنی تین سو ساٹھ دن میں سے اسیس بائیس دن کے روزے فسخ ضرر قرار
دئے گئے ہیں۔

روزہ باطلی
عبادت ہے

امام عطاء دہلی اپنی کتاب مشکل الاثر میں فرماتے ہیں یہ کما امکان
ہے۔ صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں دیکارہ کی کوئی مسئلہ

نہیں۔ یہ باطنی عبادت ہے۔ اور اس کا تعلق ایک طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور دوسری طرف بندہ کے ساتھ۔ نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ ایسی عبادت ہیں۔ جنہیں دوسرے لوگ دیکھ سکتے ہیں، انہیں محسوس کر سکتے ہیں، اور زکوٰۃ سے استفادہ بھی ہو سکتے ہیں، مگر روزہ کے ساتھ ایسا معاملہ پیش نہیں آ سکتا۔ اس کا تعلق صرف روزہ دل کی ذات سے ہوتا ہے۔ دوسرے شخص نہ اسے دیکھ سکتا ہے اور نہ محسوس کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص عام لوگوں کے سامنے تو نہیں کھانا پیتا مگر درپردہ ایسا کر لیتا ہے۔ تو اس کا روزہ کمال ہو گا۔ وہ لاکھ اعلان کرنا پھرے کہ میں روزہ دار ہوں مگر اس کی حقیقت کو وہ خود جانتا ہے۔ یا اللہ رب العزت جانتا ہے کہ وہ روزے دار ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر عبادت کا بدلہ دیا جائیگا، مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے۔ جسکی جزا میں خاص طور پر خود عطا کروں گا۔ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں۔

اَلصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا جَزِيْئِيْ يَہ روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اسکی جزا دوں گا۔

روزہ کے روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے جسمانی فوائد بھی ہیں۔

صَوِّمُوا لَصِحَّتْ رُوزَہ رکھو تاکہ تمہاری صحت نصیب ہو۔ یورپ کے بہت سے نامور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسلام نے فاقہ کا جو طریقہ روزہ کی صورت میں مقرر کیا ہے، اس سے بہتر حفظانِ صحت کا کوئی اصول نہیں مختلف بیماریوں کے حملہ کی صورت میں بھی روزہ صحت مندی کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص بلغمی امراض کی زیادتی کا مریض ہو، تو روزہ رکھنے سے بالکل تندرست ہو جائے گا۔ فاقہ کرنے سے بلغمی اور کئی دوسری طوبتیں خشک ہو جاتی ہیں اور آدمی صحت یاب ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا کہ روزہ رکھو، صحت نصیب ہوگی اور سفر کرو غنیمت حاصل ہوگی۔ بسا اوقات اقامت میں آدمی کامیاب نہیں ہوا مگر سفر کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اسے وسائل پیدا کر دیتا ہے۔ جو اس کی کامیابی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور انسان تنگی سے نکل کر فراخی میں داخل ہو جاتا ہے۔

روزہ کے
جسمانی فوائد

روزہ اور قنوی
کی پابندی

فرضیت روزہ کے لیے خطاب اہل ایمان سے ہوا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**
اِتَّقُوا اللَّهَ رُزْهَ اِيْمَانِ کا تقاضا بھی ہے ہر شخص اپنا رُزْہ ہونے کا بخود پاس ہے۔ اُسے روزے
کی فرضیت پر ایمان لانا ہوگا۔ مرنے وہ اہل ایمان ہونے کا تقاضا پر نہیں کرتا۔ علمائے
کرام فرماتے ہیں روزہ کا ایک عہد یہ ہے کہ یہ قانون کی پابندی سکھاتا ہے
روزہ کے ذریعے انسان ایک مقررہ وقت کے لیے حلال اکل و شرب سے بھی رُک
جاتا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ انسان قانون کا پابند ہو جائے۔ جب وہ قانون
کی پابندی کے ذریعے حلال چیزوں سے رُک سکتا ہے، تو وہ حرام چیزوں سے
بھی رُک جائے گا۔ گھاسے پینے اور خضائی خواہش کی انگلیں سے انسان کا نفس
مزید پھٹا چھوٹتا ہے۔ اسے کمزور کرنے کے لیے اسلام نے روزہ کا قانون نافذ
کیا۔ اگر نفس انسانی کو ناقص کے ذریعے کمزور کیا جاسکے۔ **اَعْلَئِكُمْ تَمَلُّقُونَ**
کا یہی مطلب ہے کہ انسان میں تقویٰ جیسی اچھی خصلت پیدا ہو جائے۔

حضرت مولانا شیخ الہند فرماتے ہیں کہ روزے کے ذریعے جب نفس کو کمزور کیا
سے رکنے کی عادت پڑ جائیگی۔ تو پھر اُسے شرعاً حرام چیزوں سے رُکنا آسان ہونے
جائے گا۔ جب روزہ کی وجہ سے نفس اور شہوات میں ضوعت آئیگا۔ تو تم متعلق
بن جاؤ گے۔ روزہ میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ کہ اس سے سرکش
نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور شریعت کے حکام پر پابندی ہونے لگتی ہے۔

موسمی عاید السرم کی شریعت میں تو چالیس روزے رکھنے کا ذکر آتا ہے۔ اور نصابی
پر ایک ماہ کے روزے فرض تھے۔ مگر انہوں نے اس حکم میں تبدیلی پیدا کر لی۔

طہرانی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ عیسائیوں کا کوئی بادشاہ بیمار ہو گیا۔ مگر جس کے
روزے تھے۔ اس کے کہہ کر کہ اگر اللہ تعالیٰ سے تندرستی دی، تو ہم تیریس کی
جگہ چالیس روزے رکھیں گے۔ اسی طرح ایک اور بادشاہ بیمار ہوا تو اس نے
کہا کہ تندرست ہو کر مزید سات روزے رکھوں گا۔ اس طرح انہوں نے روزوں کی تعداد
سینتالیس تک پہنچا دی۔ اس کے بعد عیسائی علماء کا اجتماع ہوا۔ اور انہوں نے

فیصلہ کیا کہ سینڈائلس کی بجائے پورے سپاس روزے صفر کو رکھنے چاہئیں۔ البتہ موسم گرما کی بجائے موسم بہار میں رکھ دیا کریں گے۔ تو اس طرح انہوں نے اپنی مرضی سے روزوں کی تعداد اور موسم میں تغیر و تبدل کر دیا۔

مولانا شیخ الزہرہ فرماتے ہیں۔ کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ روزوں میں تبدیلی نہ کرنا بلکہ ہر سال ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا خواہ وہ گرمی میں آئیں یا سردی میں۔ بیماریں آئیں یا خرابی میں۔ چنانچہ قمری سال کے مطابق رمضان المبارک مختلف مہینوں میں آتا رہتا ہے۔ متقی بننے کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نفس اس کے تابع ہو جائے اور احکام شریعت پر عمل آسان ہو جائے۔ فرمایا اَيُّهَا صَغِيرُ ذُو ذِيئِہ گنتی سے دن ہیں یعنی پورے سال میں اٹھیس یا تیس دن کے روزے ہیں۔ ان کو احکام انبی جانتے ہوئے خوشی خوشی سے پورا کر دے اور اپنے اندر تنہائی جیسی عظیم نصبت پیدا کر دے۔

فرمایا وہ رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا حکم تدریست اند معتم کے لیے ہے، جسے روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت نہ برداشت کرنی پڑے۔ البتہ سب کے لوگوں کے لیے روزے کو ترک بھی کیے جاسکتے ہیں۔ جو مقررہ ماہ میں روزہ رکھنے کے قابل نہ ہوں۔ قَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا پس جو کوئی تم میں سے بیمار ہو۔ أَوْ عَکَلَى سَفَرٍ یا مسافر ہو فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ تو یہ گنتی دیکر نہ توں میں پوری کرے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کو بخار آتا ہے ظاہر ہے کہ اس حالت میں غماص طور پر گرمی کے موسم میں وہ زیادہ دیر تک بھوک پیاس برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر روزہ رکھنے کی کوشش کرے گا تو بیماری میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اسے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ بلکہ رمضان کے بعد چھوٹ جائے۔ وائے روزوں کے بدلے روزے رکھوے۔

اسی طرح مسافر کو بھی روزے ٹوٹنے کی وجہ سے سزا دی جائے گی۔ مسافر اگر بیمار ہو جائے تو اسے روزہ نہ رکھنا پڑے گا۔

جانور کی ساری مہیا پھر لے کر رہا ہے۔ اگر اُس کا جی نہیں چاہتا تو اسے اجازت ہے کہ روزہ قضا کرے۔ اُس پر کوئی عوج نہیں۔ رمضان کے بعد روزے رکھ سکتا ہے تاہم پرگنتی پوری کرنی پڑے گی۔ اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ ایک قسم کا نصاب ہے جسے ہر حالت میں مکمل کرنا ہوگا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی طالب علم کسی امتحان میں مشربک ہو تا ہے۔ مگر کسی ایک یا دو پرچے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ یا سہ سے دو پرچے دیتا ہی نہیں۔ تو اسے وہ نصاب تسلیم کرنی امتحان کی صورت میں پورے کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر سسٹے ڈگری نہیں مل سکتی۔ اسی طرح جب تک چھوٹے ہوئے روزے پورے نہیں کئے گا، اس فرض سے عمدہ بنا نہیں ہو سکتا۔ اسے تقویٰ کی سند نہیں مل سکتی۔

روزہ کے بارے میں

فَرِیَاقٌ عَلَى الَّذِينَ يُطِيعُونَكَ فَإِنَّهُ طَعَامٌ مُسْكِنٌ اور جو لوگ اس کی طاعت رکھتے ہیں۔ ان پر ایک سکین کا کھانا فدیہ ہے۔ مفسرین کو اس نے اس حصہ آیت کی مختلف تفاسیر کی ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ حکم روزوں کا حکم آنے کے بعد بتائی ایک دو سال کے لیے تھا جب تک لوگ اس کیفیت سے ابھی مانوس نہیں ہوئے تھے۔ اُس زمانے میں اجازت تھی کہ جو کوئی روزہ نہ رکھے اور وہ اس قابل ہو کہ ایک روزہ کے بارے میں ایک سکین کو دوں رات کا کھانا کھلائے، فردہ ای کر سکتا تھا۔ جس سے اُس کا روزہ ادا ہو جاتا تھا، اس کے بعد جب انکی آیت نازل ہوئی، تو مریض اور مسافر کے سوا روزہ رکھنا لازم قرار دے دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے فدیہ بھی بھیج دیے گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ اس آیت یَطِيعُونَكَ سے پہلے لفظ لاَ تُخْرِفُونَ ہے اور مراد یہ ہے کہ فدیہ ادا کرنے کی رعایت ان لوگوں کے لیے ہے۔ لَا يُطِيعُونَكَ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں دو قسم کے لوگ آتے ہیں، اولادہ لوگ جو بہت بڑھے ہوئے ہوں۔ شیخ فانی یا عجزہ فانیہ معنی بہت بڑھا ہوا ہے۔ یا بہت بڑھی ہوئی ہے

دو بار کھنٹے بھی بغیر کھائے چپٹے نہیں رہ سکتے تو سب سے لگن کے لیے حکم ہے کہ
گھر و ماں نہ رہیں تو روزہ رکھنا بہت آسان ہے ایک سیکر کو کھانا کھا دیں ۔

تایا سیکے یا روگ جو سی یا رہی میں مبتلا ہیں ۔ تندرست ہونے کی چندان زیادہ نہیں کہ تندرست
ہو کر روزہ قضا کریں گے تو ایسے روگ بھی روزہ رکھ سکے ہرے میں جس کا فائدہ کر سکتے

ہیں ۔ البتہ اگر بعد میں تندرست ہو جائیں تو انہیں روزہ رکھنا ہوگا اس کے بغیر ان
کی فرضیت از نہیں ہوگی ۔ ہجرت اور شہر فہر کا انہیں عذر تو اس جمل ہوگا ۔ اسی طرح

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو بھی یہ رعایت حاصل ہے کہ وہ روزہ رکھ سکے
میں فہر اور کمرے ۔ حدیث شریف میں کہتے ہیں کہ اس حالت میں روزہ رکھنے واجب

کہ بیٹھ میں بچہ رہے ۔ یہ دو سو پینے شے کے نیچے کی زندگی شہر میں ہے ۔ بہت عرصہ
شہر رات میں تندرست ہو کر تندرست بن جائیں گے تو روزہ رکھیں گے کہ ایسی عورتوں کو روزہ

سحاونہ نہیں ہوگا ۔ جب ان کی عادت ڈال دی جائے تو روزہ رکھنا کرنا ہوگا ۔
بعض مشرین کہہ فرماتے ہیں ۔ یُطَيِّقُونَكَ خُفَاةً قَلْبًا سست اور

یا ہمبہ انحال سست ہے ۔ اس کا حقیقت ہو کہ روزہ کی طاقت نہیں کھینچتے ۔
یعنی روزہ سے سست ہوں نہیں ہیں اس کے معنی نہیں ہیں ۔ روزہ سے سست

ہونے فہر ہے ۔
حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کی دوسری تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں

پر فہر سست ہونا نہ قدر ہے ۔ جزا صاحب استقامت و شہادت پر واجب ہے ۔ اور
یہ روزہ کی کفارت ہے ۔ اس میں وہ بھی کہی ایک تعلق میں ہے ۔ بہر حال سست

عذر فہر یہ محمول کیا گیا ہے ۔ جس کی حد تک کہ سست ہونے کا یہ وقت کا کہنا ہے
یا روزہ سے بہت دور سیر گزریا اس کی قیامت ان کے گزرنے کی بہت دور

باجمہ وغیرہ ہے ۔ تو ایک سال یعنی چار سیر اور گزرا ہوگا اور کہہ سکتے ہو ۔
صحت یعنی وہ سیر ۔

فرمایا فَمَنْ فُطِقَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ دَرَجَةً نَوِيَّةً
مذہب کھانا
بہتر ہے

کہہ دیا، تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ یعنی اگر شرعی غدر کے باوجود روزہ رکھتا ہے تو یہ بہتر ہے۔ بات یہ ہے اور روزہ رکھنے والے کے لیے بہتر ہے۔ وَلَوْ
تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی اگر تم روزہ رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ روزہ رکھنے میں بہت سے فوائد حاصل
 ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعے نفس کا صلح ہوتی ہے۔ قانون کی پابندی کرنے کی عادت
 پڑتی ہے۔ جس کی وجہ سے شریعت کے جملہ احکام کی تعمیل آسان ہوتی ہے۔ اور
 انسان کیلئے بندگی و حریت کا ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم سمجھ لو تو
 یہ کہتے ہو کہ تمہارے لیے روزہ چھوٹنے کی بجائے روزہ رکھنا ہی بہتر اور افضل ہے۔

سَيَقُولُ ۲

وہ کہتے ہیں (۷۳)

الْبَقَرَةِ ۲

آیت ۱۸۵

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتَكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا
هَدَاكُمُ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ :- رمضان کا مہینہ وہ ہے جس کے اندر قرآن نازل کیا گیا ہے۔ وہ قرآن جو
لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہر امت کی واضح اور روشن دلیل ہے اور فصلہ کھننے
والی بات ہے۔ پس تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو جائے پس اس کو اس کا
روزہ رکھنا چاہیے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو، پس دو سکرہ دنوں میں گنتی پوری
کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور تمہارے ساتھ
دشواری کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور تاکہ تم گنتی پوری کرو۔ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان
کرو۔ جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔

اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ﴿۱۸۵﴾

انسان کے متقی بننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اصول بیان
فرمائے ہیں۔ پہلا قانون قصاص کی پابندی ہے اور دوسرا اصول مال کے معاملہ
میں عدم زیادتی ہے۔ تاکہ کسی شخص کی حق تلفی نہ ہو۔ تقویٰ کا تیسرا اصول متفرقہ ارتقا
میں روزہ رکھنا ہے۔ یہ سب ایسے افعال ہیں، جن کی اورنگی سے ایک مسلمان
میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

لکھنؤ پریس

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کی فرضیت بیان فرمائی کہ ایمان والوں پر ایک ماہ کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ یہ چند گئے سوئے دن ہیں۔ پھر پورے ماہ میں انیس یا تیس دن میں اور جن میں روزہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے غائزہ کا روزہ عرض تھا۔ یہ روزہ حضور نبی علیہ السلام نے بھی رکھا اور دوسرے لوگوں سے بھی رکھوایا، مگر پہلے بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو غائزہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ البتہ غائزہ کے دو روزے رکھنے کی اس بڑی بڑی فرضیت ہے۔ وہ یہ بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ یہ روزہ بھی بڑے ثواب کا حامل ہے۔ مگر فرض نہیں ہے۔ اسی طرح ایہ فرض یعنی سرماہ کے روزے یا فی تین روزے مستحب ہیں۔ رمضان کے چاروں شوال کے چھ روزے بہت بڑے اجر کا موجب ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چار روزے تو اس سے مایوس نہ ہو۔ شخص ایسا ہے۔ جیسے پورے ماہ کا روزہ درجہ اولیٰ تاہم فرضیت صرف رمضان کے روزوں کی ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اب آیت زیر در کس میں ماہ رمضان کے دن گننے پنے دنوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي فِيهِ مِائَةُ يَوْمٍ مِّنَ الشَّهْرِ۔ شہر رمضان کے مہینہ میں سو دن ہیں۔ یہ بڑی بڑی بات ہے۔ اور سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ نزول قرآن کے لمحہ میں مغرب کے بعد سے فجر تک۔ یہ سب کچھ ان کے یہ ہے۔ کہ اس ماہ میں قرآن کو یہ کہ نقل کر کے لوں حضور سے بیعت اعراسہ میں رکھا گیا جو کہ آسمان دنیا یعنی

ماہ رمضان
در کس میں

سیلے، مان پر واقع ہے۔ اور جو حضرت صادق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے دو نعمتیں بہت بڑی ہیں۔ ایک حضور علیہ السلام کا وجود مبارک اور دوسرا

قرآن پاک، کتابیں نور دنیا میں ہزاروں نکھڑیں ہیں مگر قرآن چمک کر فی ادری چیز ہے۔
 میں کتاب نیست، چیز — دیگر نیست

ہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کا حکم دوسرے کلاموں عیا نہیں ہے
 دیگر کا مقولہ ہے کلام الملوک ملوک، کلام بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے
 مگر یہ کلام تو کلام الملک کا ہے۔ جو کہ شہنشاہ و مطلق ہے، اس کا کلام کس قدر قدر و
 منزلت کا حامل ہو گا۔ لہذا یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے ہرست
 بڑا انعام ہے۔

انسان بڑا ہی ناشکر گزرتا ہے جس نے قرآن پاک جیسی بڑی نعمت کی قدر
 نہیں کی جس قوم کے پاس یہ کلام ہو، وہ بھی بھٹکتی پھرتی تو کتنی افسوس کی بات
 ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص کے پاس قرآن پاک جیسی نعمت
 موجود ہو، وہ اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، خدا تعالیٰ کے ہاں وہ بڑی عزت والا ہے
 مگر افسوس کہ حامل قرآن نے اس حق فاسد اور غفلت کی جس پر اس کی کوئی قدر
 نہیں کی، خود تو اس کے مستغنی نہیں ہوتے ہیں۔ باقی دنیا کو بھی محروم رکھا ہو
 ہے۔ مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی انی بڑی رحمت موجود ہے۔ مگر پھر بھی یہ
 ناشکر گزرتے ہیں۔

شہر کہتے ہیں مہینہ کے ہیں اور اس کو جمع شہروں کی کہتے ہیں۔ رمضان کا
 معنی پیش ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ فرستہ است۔ مرنوں کے زمانہ میں گرنی کے موسم
 میں رمضان کو مہینہ آیا تھا۔ اس واسطے کہ رمضان یعنی گرمی یا پیش دن مید کہتے
 ہیں۔ جب سے سردی آتی ہے۔ دال یعنی محکم مہینہ ہے۔ جمادی الاول و ثانیہ کی آگ
 سردی کے موسم کے مہینے تھے۔ جب کہ یعنی منجھ بونیا جیم جاتا ہے۔ اسی طرح شہان
 کا معنی پرانہ ہوتا ہے۔ اس موسم میں قبائل دھڑا دھڑ پانگڑہ بوجتے تھے
 ذی قعدہ، قعدہ یعنی بیٹھنے کے معنی میں آتا ہے۔ ذی الحج کا یہ نام اس لیے ہے
 کہ اس مہینہ میں حج روکیا جاتا ہے۔ محرم سے مارا عزت والا مہینہ ہے۔ صفر

مختص مہینوں
 کی وجہ سے

سنتِ نبویؐ کی طرف سے ریح بہار کو کہتے ہیں۔ ریحِ الاول اور آخری
مناسبت سے نام ہیں۔

الغرض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ رمضان کو یہ نام پیش کی وجہ سے ملا ہے۔ جب ہر چیز گرم ہو کر پگھلنے لگتی ہے، یہیں پگھلنے اور پگھلنے کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ روزے رکھنے سے مسلمان کو جسمانی طور پر تکلیف پہنچتی ہے، جب وہ اس تکلیف کو برداشت کرتا ہے تو اس کے گناہ پگھلنے لگتے ہیں۔ گویا یہ مہینہ گناہوں کو پگھلانے والا مہینہ ہے۔

ایک زمانہ میں سلسلہ خلقِ قرآن پیدا ہو رہا تھا۔ بعض گمراہ لوگوں نے قرآن پاک سے کلام اللہ سمیٹنے کا انکار کیا۔ اس کے بجائے قرآن کو مخلوق کہا گیا۔ اور یہ فتنہ دو تین صدیوں تک قائم رہا۔ البتہ اور کئی قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اس زمانے میں اسی مسئلہ کی وجہ سے اللہ والوں نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ کئی علماء اسی مسئلہ کی وجہ سے سولی پر لٹک گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے چند محمولوں کا زمانہ اسی ابتداء میں گزارا۔ جن پر مسلسل ظلم و ستم کے پہاڑے توڑے گئے۔ ان سے قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر آپؐ نے ہمیشہ انکار کیا۔ فرماتے تھے۔ میرے پاس اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت ہے تم کوئی اور چیز لے کر آئے ہو، تاکہ میں اس کے مطابق بات کر دوں۔ آپؐ نے ہزاروں مسائل پر برداشت کئے مگر قرآن و سنت کے خلاف فتویٰ نہ دیا۔

قرآن پاک کے رمضان المبارک میں نزول کے متعلق حضرت سیدہ النذین عجمیہ
سعید بن جبیرؓ اور امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو
ماہ رمضان کی ایک رات لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے بیت العزت میں ۲۴
اور پندرہاں سے پندرہ تیس برس میں منقول و امتحان کر کے حضور خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ نزول قرآن کی اس رات کے متعلق غرور رب العزت
نے فرمایا لَیْلَةُ الْقَدْرِ حَقٌّ مَعْتُ شَهْنِیْہِ تو ایک ہزار مہینوں سے

نیز در قرآن

بھی زیادہ بہتر ہے۔ اگر یہ میسر آجائے تو اس ایک رات کی عبادت قریباً سال کی عبادت سے زیادہ افضل ہے۔ یہ بڑی فضیلت والی رات ہے۔

دیگر آسمانی کتابوں کی فضیلت کے متعلق بھی بہت سی روایات آئی ہیں۔ مثلاً طبرانی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے۔ تو رات چھ رمضان کو اور انجیل ۱۲ رمضان کو نازل ہوئی۔ قرآن پاک چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ یہ تفسیری روایات سے علوم ہوا ہے۔ بہر حال رمضان المبارک کو قرآن پاک کے ساتھ خصوصی تعلق ہے یہ وہ ماہ مبارک ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت بڑی نعمت عطا فرمائی۔

تیسرے قرآن

اس ماہ مبارک کو قرآن پاک کے ساتھ بطور یادگار خصوصی نگاہ ہے۔ اسی سبب حکم ہے کہ اس مہینہ میں قرآن پاک کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے اگرچہ محض تلاوت مفتائے مختصروندیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے نصیحت پکڑ لی جائے اس کے بتلائے ہوئے اصولوں کی پیروی کی جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ اسی سے شاہِ دینی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ”مصدقہ از نزول قرآن محض نقطہ نیست“ اگرچہ اس زمانہ میں محض تلاوت بھی عظمت ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ قرآن پاک کا ایک، ایک حرف پڑھنے سے کس کس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ فرمایا جب کوئی شخص خلوص دل کے ساتھ تین حرف التوحید پڑھتا ہے۔ تو تین نیکیوں کا مستحق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی اس قدر برکت ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ باقی جو بھی کلام یا ادب میں، اس میں بغیر سمجھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ صرف کلام پاک ہی ایک ایسا کلام ہے۔ جسے سمجھ کر یا بے سمجھے ہر حالت میں پڑھنے سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اس کے لیے صرف ایمان اور نیتِ نیک کی ضرورت ہے۔

قرآن کیا ہے ہمدردی و مہربانی اس یہ لوگوں کے لیے ہدایت کا ستارہ ہے

قرآن درجہ ہدایت ہے

یہ ایسی بات ہے جو ان کے لیے سب سے ضروری چیز ہے آپ نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں **رَبِّهِمْ ذَا الْعَرْشِ الْعَظِيمِ**۔ منہ لہذا ہم کو سچے راستے پر چلاؤ اور ہمیں سیدھا راستہ دکھاؤ۔ تو یہ ہمارا سزا دہی ہے جو قرآن پاک کو کھانا ہے یعنی اس طرح اعتقاد رکھو اس طرح عمل کرو اس طرح کے اخلاق پیدا کر دینے میں شریعت اور عقلی مسائل کو طرح حل کرنا۔ قرآن پاک متن ہے جس کو علم اللہ کی حدیث اس کی شرح ہے جو قرآن پاک کو کھانا ہے۔ قرآن پاک میں شافعی، مالکی، حنفی، شیعہ اور مولانا رشیدیہ احمد رضا کی فرمائش ہے کہ ہر شخص حدیث قرآن پاک کی شرح ہے۔ صحیح احادیث کے بغیر قرآن پاک کو سمجھنا ناممکن نہیں ہے۔ دینی اور دنیوی امور میں اس حدیث کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی منافی تفسیریں کر سکیں۔ اس طرح کرنا گمراہی کا دروازہ کھولتا ہے۔ کیونکہ احادیث کے بغیر انسان قرآن کی منزل کو نہیں پاسکتا۔ ہذا جب بھی دشواری پیش آئے قرآن پاک کی طرف رجوع کرو۔ **هَلْ مِنْ شَيْءٍ كَبُرَ كُنْ** ہے جو اس سے نصیحت پکڑ لے۔ خود بخود نہ بن جائے تو بل علم کے پاس جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قسم اٹھا کر کہا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کا کوئی شریک نہیں۔ حضور علیہ السلام کے بعد اپنے اس دور میں اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ قرآن کریم جانتا والا ہے۔ تو میں سواری پر سوار ہو کر اس کے پاس جاؤں۔ خواہ مجھے کتنا ہی لمبا سفر کرنا پڑے۔ صحابہ کرامؓ نے ایک ایک حدیث کی خاطر دو دو ماہ کا سفر کیا۔ ایک ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لیے لوہے کی سفر کی معورتیں برداشت کیں۔ مگر اس مقصد سے مہلت کر کوئی دوسرا مفاد حاصل نہیں کیا۔ حتیٰ کہ وہاں سے کتنا تک نہیں کیا۔ ہر شے تک نہیں کیا۔ اور حصول مقصد کے بعد فوراً واپس لوٹ گئے۔ ڈر تھا کہ ایسا کرنے سے کہیں پھانسی پر نہیں لٹ جائے۔ وہ لوگ اتنے حق پرست تھے۔ خراسان سے جو نہ یا حجاز سے نہ سامان تک بڑا بڑا میل کی مسافت محض کسی حدیث کی تشریح معلوم کرنے کے لیے طے کرتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کو مولوی محمد رفیع قندھاریؒ کے نام سے معنون کیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ مولوی صاحب کے قرآن پاک کی چند آیات کی تفسیر سمجھنے کے لیے قندھار سے لکھی تمک کا سفر اختیار کیا۔ انہوں نے مولانا کے پرچے لٹالہ میں بعض آیات کی تفسیر پڑھی، تو کچھ شبہ پیدا ہوا جسے دور کرنے کے لیے آپ نے اتنا طویل سفر کیا۔ مولانا ان دنوں رانچی میں نظر بند تھے۔ اُس شخص نے اپنا مسئلہ حل کرنے کے بعد مسجد میں نماز ادا کی اور چلتا ہوا۔ مولانا نے ہر چند کوشش کی کہ اس کی کچھ خاطر برداشت کی جائے۔ اُسے دلہی کے لیے کہہ کر یہی فراہم کیا جاتے مگر اس شخص کا کوئی پتہ نہ چلا۔ مولانا اس کے تعوی سے اس قدر متاثر ہو گئے۔ کہ اپنی تفسیر کو ان کے نام سے معنون کیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن پاک لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے۔ جو چاہے اس سے مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

وضوح و فیضان
دلائل

فرمایا قرآن پاک سامانِ ہدایت ہی نہیں، بلکہ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْكَوْنَانِ اس میں ہدایت کے واضح دلائل موجود ہیں اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن بات بھی ہے۔ یہ کسی معاملہ کو اوصاف نہیں سمجھتا، بلکہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے۔ ہر بے شک مِّنْ هَٰذِهِ عَن تَبَيُّنَةٍ بَّكَرًا جیسے ہلاک ہونا ہے وہ واضح بات کے بعد ہلاک ہو کر جیتا مِّنْ حَيٍّ عَنْ اَبْتَيْنِہِ اور جو زندہ ہے۔ وہ واضح بات کے بعد زندہ ہے یعنی کسی انسان کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنا چاہیے۔ کہ حق و باطل کی پہچان نہیں ہو سکی۔ قرآن پاک ہر چیز کی خوب خوب وضاحت کرتا ہے گویا قرآن پاک ہدایت بھی ہے اور فرقان بھی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان المبارک میں تلواریج، راکا جائیں جن کے دوران قرآن پاک کی تلاوت ہو۔ اور پچیسے رمضان میں ہر شیئان کے کان سے گم نہ گم ایک دفعہ قرآن پاک گزرد جائے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کا پروردگار ہے۔ ہر گھر میں پڑھا جانا چاہیے۔ اس کی اشاعت اور تعلیم عام ہو، تاکہ کوئی شخص اس سے محروم نہ رہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبدک ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے

سبے رمضان کے روزے فرض کیے اور میں نے تمہارے لیے تراویح کو سنت قرار دیا۔ اس میں قرآن پاک کی زیادہ سے زیادہ تلاوت، بہت چاہیے۔

روزہ لازم ہے

فرمایا قَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جو کوئی تم میں سے ماہ رمضان المبارک کو پاس نہ کرے، تو اسے روزہ رکھنا چاہیے۔ گو یا اس آیت کے ذریعے روزہ و دم فراموشی دیا گیا۔ اور اس سے پہلے روزہ اس کے غرض میں فدیہ کی جو رعایت دی گئی تھی، اود ختم ہو گئی۔ اب سوائے قدر شریعی ہر عاقل بالغ کے لیے روزہ ضروری ہو گیا۔ قدر شریعی میں سینا اور مسافر آتے ہیں۔ اور شریعی سفر میں دن کی مسافت سب سے جو کہ ۴ میل بنتا ہے۔ اہم ابو حنیفہ کے نزدیک گھر سے کہ اس قدر سفر کرنا ہو تو روزہ قضا کر سکتا ہے۔ بعض علماء سے کہ کم از کم مسافت ۱۴ میل بتائی ہے۔ البتہ ابو داؤد شریف کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: مَنْ حَكَّكَ لَكَ حَمُولَةً جَسَدِکَ پاس سفر کے لیے سواری موجود ہو، اس کے لیے بہتر ہے کہ سفر میں بھی روزہ رکھے اور اگر نہیں رکھ سکے۔ تو بعد میں قضا بہ حال لازم ہے۔

روزہ کا تقاضا

فرمایا وَقَدْ كَانَ مِنْ يَصُومُ أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَصَدَّقَتْ بِإِيمَانِهِمْ جو کوئی بیمار ہو، سفر پر ہو، تو روزہ کے روزوں میں گنتی پوری کر لے۔ سال بھر میں ۲۹ یا ۳۰ دن کی گنتی پوری کرنا انسان کے اندر تقریباً در روحانیت پر یہ کر سنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بغیر تقوی کا ڈھیر نہیں ملے گا۔ اس کی مثال ایسے ہیں جیسے کسی طالب علم کو سندھائی صورت میں ملتی ہے جب وہ امتحان میں پاس ہو جاتا ہے۔ نذا حصول تقوی کے لیے روزوں کی گنتی پوری کرنا لازم ہے۔ چونکہ یہ رمضان کے بعد ہی کرنی پڑے۔ اہم شافعی فرماتے ہیں مگر اگر کسی شخص کے رمضان کے بعض روزے رہ جائیں اور وہ آئندہ رمضان تک ان کی قضا نہ کر سکے۔ تو پھر ہر قضا روزہ کے ساتھ اسے درمغیر بطور ناول بھی دکرنا ہو گا۔ اہم ابو حنیفہ کا فرمان ہے کہ اگر ان ضروری نہیں ہے۔ اسے روزوں کی قضا کرنی پڑے گی۔ خواہ آئندہ رمضان کے بعد ہی یوں نہ ہو۔

۱۔ **اللہ آسانی** فرماتا ہے **لَا يُبْدِيْكَ لِلْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ بِعِنْدِ رَبِّكَ اَنْتَ اَعْلَمُ** اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا بارادہ کرتا ہے۔ **وَلَا يُبْدِيْكَ اِلَیْهِمْ اَنْتَ اَعْلَمُ** تمہاری دشواری منظر نہیں۔ اس نے تمہاری آسانی کی خاطر تمہیں سوائتیں اور رخصتیں بھی دی ہیں۔ جیسا کہ حاملہ اور مرغوبہ کو ہوسٹ حاصل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ **وَلَا تَكْسِبُ الْاَلْحَادَ اَنْتَ اَعْلَمُ** تم گنہ گری کر لو اور اس کے اثرات تمہارے اندر تقویٰ کی صورت میں ظاہر ہوں **وَلَا تَكْسِبُ الْاَلْحَادَ اَنْتَ اَعْلَمُ** اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تم اللہ کی بڑائی بیان کر دے جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے وہ بچیں مراد ہیں۔ جو رمضان المبارک کے اختتام پر نماز عید پر پڑھی جاتی ہیں۔ **وَلَا تَكْسِبُ الْاَلْحَادَ اَنْتَ اَعْلَمُ** اور تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کر سکو۔ ابو داؤد شریف کی روایت میں ہے۔ **لَا تَكْسِبُ الْاَلْحَادَ اَنْتَ اَعْلَمُ** ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے **وَلَا تَكْسِبُ الْاَلْحَادَ اَنْتَ اَعْلَمُ** الجسد الصلوٰۃ اور جسم کی زکوٰۃ روزہ رکھنے سے آتا ہوتا ہے۔ اور اس طرح انسان اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس نے اس فریضہ کو پورا کیا۔ اور اس طرح تقویٰ اور روحانیت کو اپنایا اور اس سے فائدہ اٹھایا۔

سَبَقُولُ ۲

رومن بقا و جہ (۷۶)

اَبَقْرَةُ ۲

آیت ۷۷

وَإِذَا كُنَّكَ عَبْدِي عَنِ فَإِنِّي قَرِيبٌ أَحْيَبُ دَعْوَةَ اللَّهِ
إِذَا عَنِ فَيَسْتَجِيبُو لِي وَلِيُؤْمِنُوا لِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: اور جب میرے بہت آہستہ بہت ہاتھ میں لپیٹتے ہیں پس میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس چاہیے کہ یہ لوگ میرے حکم میں رہ چاہیے کہ یہ مجھ پر یقین رکھیں۔ تاکہ یہ ٹھیک راہ پائیں (۷۷)

آیت زیر بر کس سے ماقبل اور البعد آیت روزہ سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت میں معذور لوگوں کو مہل ہونے والی رعایت کا ذکر تھا۔ اور بعد والی آیت میں روزے کے انکار ہیں۔ اس درمیانی آیت میں اُس دعا کا ذکر ہے۔ جو بندہ اپنے رب کے حضور کرتا ہے کہ شہ آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کا بیان تھا۔ اس ضمن میں بعض حضرات نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح پکارنا چاہیے؟ کیا وہ انسان کے قریب ہے۔ جیہ اگر قریب ہے تو اس کے ساتھ سرکوشی سے مناجات کریں۔ اور اگر وہ دور ہے تو دُور سے پکاریں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَسَبِّحْ بِمِزْمِ رَبِّكَ اسے میں آپ کے سوال کریں: فَإِنِّي قَرِيبٌ تو میں ان کے بالکل قریب ہوں۔ أَحْيَبُ دَعْوَةَ اللہ تعالیٰ دعا کرتا ہے۔ دعا کرنے والے کی دعا کو سُنتا ہوں۔ جب وہ دعا کرتا ہے اللہ مجھے پکارتا ہے۔

رعایت کے لحاظ سے رمضان کا مہینہ ایسا ہی ہے۔ جیسے سال بھر کے مہینوں میں موسم بہار جو تپتا ہے۔ جب ہر چیز اپنے جوہن پر موقوف ہے۔ ہر چیز

رمضان نور
قبولیت کا

کھان شریف میں دوسرے مہینوں کی نسبت نیچا کی قدر قیمت اور وقت کی گنت
 ہوتی ہے۔ یہ تصور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نفل فرض کے برابر ہو جائے۔ اور
 ایک فرض ستر فرضوں کے برابر ہو جائے۔ تیسری شریف میں امام زہری کا
 قول ہے فرماتے ہیں تسبیحہ فی رمضان خیر من اللہ تسبیحہ فیما
 سوا رمضان المبارک میں انکسار کے ساتھ کہ گئی ایک تسبیح غیر رمضان کی ایک
 ہزار تسبیح سے بڑھ جاتی ہے۔ مگر یہ روایت کیسے رداعانت کے لیے مؤتم ہمارا
 درجہ رکھتا ہے۔ لہذا قبولیت دعا کے لیے بھی یہ مبارک مہینہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے
 دعا کی قبولیت میں زمان اور مکان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لحاظ سے
 رمضان کا نہایت اہم و مبارک مہینہ ہے۔ جس میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔
 زمان کے لحاظ سے حضور نے حیوۃ السیل لاخیر یعنی رات کے آخری
 نصف کا بکرہ یا قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے جمعہ المبارک سے متعلق بھی فرق
 کہ اس روز ایک ایسی گھنٹری ہوتی ہے۔ جس میں دعا ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ مکان
 کے وقت سے الگ بہت سے مقامات میں جہاں کی گنتی دعا میں لازمی قبول ہوتی ہیں
 جیسے مقامات مقدسہ منی، عرفات، مزدلفہ، حفا و مردہ۔ بیت اللہ شریف، مکتبہ
 عظیم وغیرہ۔

ایک حدیث میں یوں آئے کہ ہر شخص رمضان المبارک میں ملکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
 اس کو ناکام نہیں کرتا۔ دعا ہر وقت قبول ہوتی ہے۔ عبادت کا ایک اہم اصول ہے
 الدعاء وهو العبادة دعا عبادت ہی ہے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے۔ قرآن پاک
 میں آئے ہیں الذین یستکبرون عن عبادتی تو ان کو میرے سامنے
 دعا کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ وہ ذہل ہو کر دوزخ میں داخل ہونگے۔ تندرک
 حاکم کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں الدعاء نور الصلوة من صلاح المؤمن،
 نور الصلوة والادب من عماد الدین یعنی دعا مؤمن کا نور ہے۔ مؤمن کا
 ہتھیار ہے۔ نہیں دامن کو نور اور نبی کو ستون ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر آہستہ آواز سے کرنا چاہیئے۔ یا بلند آواز سے اس کے بیان کو کرنا چاہیئے۔ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہر بندے سے۔ ہر باکل قریب ہوں۔ ایک سو قح پر سفر کی حالت تھی۔ عی بر کرم حضرت علیہ السلام کے ہم کرباب تھے۔ اور غیب کو ان سے نہ کہ الہی یعنی تجسیم و تلبس پر یہ وقت تھے آپسے ارشاد فرمایا اِنْ لَقِیْتُمْ عَلٰی اَفْئِکَہِ لَرُکَہِ اِیْنِیْ جَانُوں پر نرمی اختیار کرو۔ تم جس ذات کو پکار رہے ہو۔ وہ بعد نہیں ہے۔ وہ تو قریب ہے۔ لہذا بلند آواز سے چیخ و پکار نہ کرو۔ نرمی و شریفیت کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سوزی کی گدوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور قرآن کریم میں یہ بھی موجود ہے وَتَحْزَنُ الْفُؤَادُ الْیَسْرَ مِنْ حَظِّ الْفُؤَادِ یَسْرَ ہم توان کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ لہذا اسے آہستگی سے پکارو اور اس کے سامنے آہستہ اور خاموشی سے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَدْعُوا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْیَةً اِنِّہٖ سَمِیعٌ لِّمَنْ یُّدْعِیْہِ

اللہ او بچی آواز سے دعا کرو بھی جائز ہے لیکن بلند آواز میں جہر پر ہوں جہاں کسی کو تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ آواز بلند کر سنے سے اگر کسی کی نماز میں خلل واقع ہو آہستہ آواز سے دعا کرنا بہتر ہے۔ دعا کرنے سے دعا کرنے کا بھی حکم رہا ہے۔ لہذا آہستہ آواز سے پکارنا ہی بہتر ہے اگرچہ آواز بلند بھی رہے حضرت ذکریا علیہ السلام کے بیان میں خود قرآن پاک کا ارشاد ہے اِذْ دَعَا رَبَّہٗ بِسَآءِ خَفِیٍّ جَبَّ کہ وہ چپکے چپکے اپنے رب کے سامنے دعا کر رہے تھے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی ہے۔ خَیْلُ الذِّکْرِ مَا یُخْفِیْ بہتر ذکر وہ ہے جو مخفی ہو دوسری جگہ فرمایا خَیْلُ الذِّکْرِ الْحَقِیُّ وَخَیْلُ الرِّقِّ مَا اِیْکُنْہِ بہترین ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو اور بہترین رزنی وہ ہے جو کفایت کر جائے۔

غریب مخفی ذکر میں ایک تو دوسرے کی ایذا رسانی نہیں ہوتی اور دوسرے

ریا کاری سے بچ جاتا ہے۔ لوگ بندہ آدمی سے ذکر واذکار کرتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ لادوڈیہ کھوں کہ اہل محلہ بیادوں اور دیگر عبادت گاہوں کے لیے ایذا رسانی کا باعث بنتے ہیں۔ دوسروں کی عبادت میں خلل انداز دیتے ہیں۔ یہ اچھی علامت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کی عبادت اللہ کی بارگاہ میں باعث گناہ ہو سکتی ہے۔

بہر حال ماہ رمضان سے متعلق در آیات کے درمیان دعا کا ذکر اس لیے ہوا۔ کہ اس ماہ مبارک میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ میرے بندے جب بھی مجھے پکاریں، میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا سننا ہوں اور اسے مستجاب کر دیتا ہوں مگر دوسرا لفظ کے ساتھ ایک یہ کہ دعا کرنے والا میرے حکم کو ماننے اور دوسری یہ کہ وہ ایمان رکھتا ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کا خاندان برصغیر پاک و ہند کا مشہور خاندان ہے۔ اس خاندان کے علمی کارنامے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا شاہ عبدالرحیم بریلوی سے پاسٹہ کے بزرگ تھے۔ آپ ان پانچ سو عہد کی مجلس کے رکن تھے جنہیں اورنگ زیب عالمگیر نے فتوحی عالمگیری مرتب کرنے کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ سارے علماء بادشاہ سے تنخواہ پاتے تھے۔ مگر شاہ عبدالرحیم کو یہ چیز کھشکی تھی۔ ان کا ضمیر تنخواہ لینا پسند نہیں کرتا تھا۔ جب عالمگیر نے آپ کا نام اس مجلس سے خارج کر دیا۔ تو آپ نے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کہ اس نے انہیں اس معاملے سے بچا یا جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے اس کے بعد آپ نے مدرسہ قائم کر کے درس و تدریس کا کام شروع کر دیا آپ اہم مجدد الف ثانی کے مریدوں کے مرید تھے۔

خاندان
شاہ ولی اللہ

شاہ ولی اللہ بابر جویں محدثی مجدد تھے۔ آپ نے دین اور علم کی تہذیب کی آپ نے سب سے پہلے فارسی زبان میں فتح احمد جیل فی ترجمہ، القرآن کے نام سے

سے قرآن پاک کا ترجمہ لکھا۔ اس وقت فارسی ہی دفتری زبان تھی۔ ہندوستان میں بستیغادہ کا زیادہ امکان تھا۔ اس وقت اردو زبان بھی ترقی کے ابتدائی مراحل میں تھی۔ تاہم آپ کے فرزند ارجمند شاہ رفیع الدین نے اردو زبان میں قرآن پاک کا سب سے پہلا ترجمہ کیا۔ اگرچہ آج وہ زبان پرانی ہو چکی ہے۔ تاہم یہ فغلی ترجمہ محل درجے کا ہے۔ آپ قرآن پاک کی تفسیر تشریح کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ اور کتب کے ایک شاگرد نے آپ کے ارشاد نثر کر کے سورۃ بقرہ کا حصہ شائع بھی کیا۔

شاہ عبدالغنیؒ کی تفسیر عزیزی بھی اپنی نوعیت کی بہترین تفاسیر میں سے ہے۔ تفسیر شاہ نے اپنے ہاتھ سے نہیں لکھی، آپ نے نابینا ہو چکے تھے۔ اس لیے یہ خدمت آپ کے شاگردوں نے انجام دی۔ آپ نے زبانی تفسیر بیان کرتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن وعظ بھی کرتے تھے۔ جس میں ہزاروں لوگ شریک ہو کر فیضیاب ہوتے تھے۔ بعض اوقات غیر مسلم بھی اس پاکیزہ مجلس میں شریک ہوتے اور ایمان کی دولت سے ڈالال ہو کر جاتے۔ وعظ اتنا مؤثر ہوتا تھا کہ اپنا محاورہ درست کرتے کے لیے شعر کو بھی مجلس وعظ میں بیٹھ جاتے۔ اس زمانے میں مومن خاں توتوں بڑا مشہور شاعر ہوا ہے صحیح العقیدہ آدمی تھا۔ شاہ صاحب کی محفل میں شریک تھا، کسی نے پوچھا آپ کو وعظ وغیرہ کے شائق نہیں ہیں، آپ یکے کے تشریب لاسے۔ تو وہ کہنے لگا کہ شاہ صاحب کی زبان کی شہرتی حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہوں۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہم لوگ محاورہ میں استعمال کر کے اپنی شاعری کو چمکاتے ہیں۔

مولانا اور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو لکھا جا سکتا تھا۔ کہ امت نے قرآن پاک کا حق ادا کر دیا ہے۔ غرضیکہ یہ تفسیر پرمغز، بامحاورہ اور حکمت امیز تفسیر ہے۔ یہ تفسیر قرآن پاک کے آخری دو پاروں اور دو سکر پاروں کیتب علیہ السلام تک ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب وفات پا گئے اور یہ سلسلہ یہیں رک گیا۔ بہر حال جتنا حصہ بھی میسر ہے، یہاں تفسیر کے لحاظ سے بہترین تفسیر ہے۔

شاہ عبدالقادر نے بھی قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا۔ جسے حضرت مولانا احمد علی دہلویؒ نے مزید سلیس کیا ہے۔ مولانا شیخ الشہد کا ترجمہ جو میرے سامنے ہے، وہ شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی آسان صورت ہے۔ آپ نے ایڈورڈ ڈیڈوئی کی اگلی سجدہ میں بارہ سال تک احتکاف کیا اور یہ ترجمہ لکھا۔ جو کہ بالکل بامحاورہ اور سلیس ترین ہے۔ قاری کچھنی اور دیکھنے والوں نے اس کے پیشمار ایڈیشن شائع کیے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے بھی آج سے اسی برس قبل قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر لکھی۔ آپ نے ترجمہ قرآن کو اور زیادہ آسان کرنے کی کوشش کی۔ اپنی نوعیت کی یہ بھی کمال جسے کی کوشش ہے۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے حضرات نے قرآن پاک کے تراجم کیے ہیں۔

اختر فیض الہیہ فیض الدینؒ تفسیر فیضی میں فِائِی قَبُولِیَّتِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قریب خداوندی کی کئی ایک سورتیں ہیں مثلاً خدا تعالیٰ باعتبار ذات قریب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات میں کوئی ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جس کا قیام اور بقا خدا تعالیٰ کے وجود کے بغیر حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ کی قدرت قیومیت کی وجہ سے ہر چیز کو وجود حاصل ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے۔

قریب خداوندی

علم اور قدرت کے لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔ کیونکہ اُس کے علم، ارادے اور تاثیر کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ محبت اور حمایت کے اعتبار سے بھی قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے اعتبار سے بھی قریب ہے، جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں یاد کرے، تو اُدھر سے تعالیٰ پُرانی ہے اسی طرح عبودیت کے رابطہ کے اعتبار سے بھی خداوند تعالیٰ قریب ہے انبیاء علیہم السلام کو باگاہ خداوندی کے ساتھ براہِ راست رابطہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ رابطہ وحی کی صورت میں ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کو انبیاء کے کرام کے بتلانے سے قریب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اور عام لوگوں کو رابطہ بندگی کے ذریعہ اللہ کا قریب حاصل ہوتا ہے

غافل ہے اور وہ عجب میں مشغول ہے۔ اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔ نیز یہ بھی ہے کہ دعا جب پڑھے یعنی کے ساتھ کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے۔ حضرت یحییٰ معذرازی بڑے پابے کے بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا کَیْفَ کَدَعَاكَ وَکَانَ اِثْمٌ یعنی پروردگار۔ میں تجھ سے کیسے دعا کروں۔ کیونکہ میں تو گنہگار ہوں۔ پھر علیہی سے فرمایا کَیْفَ کَدَعَاكَ وَکَانَ اِثْمٌ میں تیرے مسئلے کس طرح نہ دعا کروں حالانکہ تو گنہگار ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار سے دعا کرتا ہے۔ جب اس کا بندہ دعا کے لیے دعا اٹھاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بندے کے ہاتھ خالی رہتا ہے لہذا اس کی دعا ضرور قبول کر لیتا ہے اور حدیث شریف میں ایسی دعا سے پناہ مانگی گئی ہے جو قبول نہ ہو۔

دُعائی قبولیت کا معنی بھی سمجھ لیا چاہیے۔ قبولیت دعا صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ انسان جو مانگے فوراً مل جائے بلکہ کسی چیز کا حاصل ہونا تو حکمت خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ زمین یا سنی پکڑوں والی حرکات کر بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی چیز طلب کرتا ہے جو اس کی حکمت کے مطابق انسان کے لیے بہتر نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ ایسی چیز اس کے مقدر میں نہیں کرتا۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ ————— حالانکہ اس چیز کا نہ ملنا ہی اس کی خیر خواہی میں ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ناچھ بچہ اصرار کرے کہ آگ کا انگارہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے مگر کون عقلمند ہو گا جو نیچے کی یہ خواہش پوری کرے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کی دعا قبول ضرور کرتا ہے مگر اپنی مصلحت کے مطابق۔ حضور علیہ السلام نے قبولیت دعا کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جب دعا مصلحت خداوندی کے مطابق ہوتی ہے اور وہ فوراً قبول کر لی جاتی ہے۔ اور بندہ کو اسکی مطلوب چیز ملے دی جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مطلوبہ شے توبہ کو نہیں ملتی مگر اس دعا کی برکت سے بندہ پر نازل ہونے

وہاں کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب بندہ کی دعا مانگتی ہے تو وہ آسمان کے راہی مصیبت کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ اور وہ آسمان سے نیچے نہیں آئے دیتی جتنی کہ عوارض و فیل ہیونگہ جائے۔ فرمایا دعا کی قبولیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اُسے دعا کرنے والے کے لیے ذخیرہ آخرت بنا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ ثبات کے دن دعا کو پتہ چلے گا کہ دعاؤں کے کتنے ذخیرے اس کے لیے موجود ہیں۔ اُس دن بندہ خواہش کرے گا کہ کاش کہ دنیا میں اُس کی کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی اور وہ سب کی سب اُس کے لیے آخرت کا ذخیرہ ہی بن جاتی۔

فرمایا جب میرے بندے آپ کے میرے مطلق سوال کریں تو میں تو قریب ہوں میں ہر پکائے لئے کی پکار کو قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرنا ہے۔
فَلْيَسْتَدْعِ بِنُحَايِ پس پلہیتے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کریں۔ وَلْيُؤْمَرْهُنَا اور پلہیتے کہ یہ مجھ پر یقین رکھیں مجھ پر ایمان کامل رکھیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ وہ راہیں یعنی انہیں نیک راہ اُس وقت نصیب ہوگی جب وہ تعمیل حکم کریں گے اور ایمان لائیں گے۔

سَيَقُولُ ۲

درس ہفتاد و پنج (۴۵)

الْبَشَرِ ۲

آیت ۱۸۴

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لَبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلُونَهُمْ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوهُمْ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَسْبَغَ نَعْمٌ لَكُمْ لَخِيطَ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخِيطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ أَتَمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُمْ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٤﴾

ترجمہ ۱۸۴۔ حلال قرار دیا گیا ہے تمہارے لیے روزہ کی راتوں میں اپنی عورتوں کے ساتھ بے پردہ ہونا۔ وہ تمہارے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں۔ اور تم ان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنی عورتوں کے ساتھ نیا نت کرتے تھے پس اللہ نے تمہارے اوپر رجوع فرمایا ہے عوامانی کے ساتھ، اور تم کو معاف کر دیا ہے۔ پس اب جو عورتوں سے اور تلاش کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے کھج دینی اور کھاؤ اور پو پیاں تاکہ کہ عاف ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید و سیاہ کا یاد دہانگے سے فجر سے۔ پھر پھر کرو روزہ کو رات تک۔ اور نہ جو عورتوں سے نہ حال میں کہ تم مسجدوں میں بیٹھنا نہ بیٹھنے والے ہو۔ یہ اللہ کی قسم کردہ حدیں ہیں پس ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو ان کے لیے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ متقی بن جائیں۔ (۱۸۴)

حصوں تقویٰ سے کئی ایک ذرائع ہیں۔ مثلاً ان کے روزہ بھی ایک ہے۔
اس سے پہلے روزہ کی فریضیت و رکعت کے لیے دنوں کے تعین کا بیان ہو چکا ہے اس کے بعد صرفہ
ظہر کا مسئلہ اور رمضان المبارک کی فضیلت کا بیان ہوا پھر قرآن کریم کے نزول کا ذکر اور رمضان کے
مسائل کا تذکرہ ہوا اللہ تعالیٰ کی تکمیل بیان کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کا حکم ہوا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے بعض دیگر مسائل بیان فرمائے ہیں۔
فریضیت رمضان سے پہلے یہود و نصاریٰ چوبیس (۳۴) گھنٹے کا روزہ رکھتے تھے اور بحری
نہیں کرتے تھے۔ جب معاملوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَتَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكَلَةٌ
الَّتِي هِيَ لِيَوْمِ نَزَلَتْ فِيهِ آيَةُ الْفُرْقَانِ اور اہل کتاب کے روزے میں بحری کھانے کا
فرق ہے۔ فریضیت رمضان کے ابتدائی عرصہ میں ہماری شریعت میں بھی یہ قانون تھا
کہ رات کو نماز عشاء کے بعد یا ایک دفعہ سو جانے کے بعد کھانا پینا اور مباشرت
منع تھی۔ عشاء کی نماز یا سونے سے پہلے کھانا پینا و مباشرت جائز تھی۔
بخاری شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی قیس بن
صرمہ نصاریٰ کا شرت کھا رہے تھے۔ دن بھر کی مشقت کے بعد گھر آئے تو بیوی
سے کھانا طلب کیا۔ عورت نے خود روزہ رکھا ہو تھا، گھر میں کھانا نہیں تھا۔
وہ اپنے پیٹ و کس پیرشتہ دروں کے ہاں کھانا لینے چلی گئی۔ واپس آئی تو شوہر
نیلند کے غلبہ کی وجہ سے سو گیا تھا۔ اُسے سخت افسوس ہوا کہ سونے کے بعد کھانا
کھا کر اب کھانا کھانا جائز نہیں۔ لہذا صبحی رسول کے اگلے دن کا روزہ بغیر کھانے
سپتے رکھنا پڑا۔ دو پہر تک صحابی رسول پر غشی طاری ہو گئی۔ سخت موسم اور مسلسل دور روز
کے روزہ کی وجہ سے مذحال ہو چکے تھے۔ بعض مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس
واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں سنی پیدا کر دی گئی اور رات کے
وقت کھانا پینا اور عورت سے مباشرت جائز قرار دے دی گئی
بعض روایات میں آتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ کے ساتھ اس قسم کا

واقعہ پیش آیا تھا کہ اپنی بیوی سے مباشرت کر لی اور تصور ظہیر اسلام کے سامنے اس غلطی کا اعتراف کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اس قسم کے واقعات پیش آئے پر اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی درج کر کے اہل اسلام کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ سب رات کے وقت اعتقاد صحیح تک کے لیے یہ پابندی ہٹائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اُحْسِنُوا لَكُمْ بَيْنَكُمْ الْيَتَامَىٰ الْمَرْفُوعَ رِزْقًا ذِكًا صَحْہٗ عدل قرار دیا گیا ہے۔ تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے ساتھ یہ پردہ ہونا۔ رشتہ کا معنی عربی اور سبے حجابی کی بات کرنا ہے۔ درمیان عورت مت بنا، اس سے مباشرت کرنا ہے۔

فلسفہ لباس

آگے عورتوں کو ہنزلہ لباس قرار دیکر لباس کی حکمت اور فلسفہ بھی بیان کر دیا هُنْزَلُ لِبَاسٍ لِّلْمَرْءِ يَشْتَرِي بِهِ تَمَاسًا بَيْنَ لِبَاسَيْنِ۔ نزدیک و آگے لِبَاسٌ سَنِيٌّ اور تم ان کے لیے ہنزلہ لباس کے جو گویا ان درجہ جملوں میں پوری اور دیکھ بھی زندگی کا فلسفہ بیان کر رہے ہیں۔ لباس انسان کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح انسانی جسم اور لباس کے درمیان کوئی پردہ عامل نہیں ہوتا۔ اسی طرح میاں بیوی کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ لہذا تم بھی عورتوں سے متصفیہ ہو سکتے ہو۔ لباس کا درمیان فائدہ دیتا ہے۔ کہ اس سے انسان کو زینت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو سکھر مقام پر لباس کی حکمت اور فلسفہ خود بیان فرمایا ہے۔ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْحَقْلَ لِبَاسًا يُؤْتِي سَوَآءَ دَرَجَاتٍ۔ اسی جہ سے تمہارے لیے لباس پیدا کیا۔ اس کے دونوں حصے ہیں۔ ایک تو یہ ستر و پوش کرنا ہے۔ جو فطری چیز ہے کہ اس کے بغیر انسان اور حیوان میں امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اور دوسرا سکھر یہ زینت کا باعث بھی ہے۔ لَتَسُوَّاتِلِبَاسُ الْوُجُوهِ اس کے سب کے ساتھ ہی چھتے ہیں۔ لباس کے بغیر کوئی زینت نہیں۔ چنانچہ عورت مرد کے لیے زیب و زینت کی بنیاد ہے۔ اس سے عورت و لباس کے ساتھ

مشابہت دی۔ اس کے علاوہ ایک تفسیر اخلاقی میں لکھی ہے۔ عورت اس لحاظ سے
بہتر ہے کہ یہ انسان کے یقین کو بچانے کا ذریعہ ہے۔ انسان کو خبریں ملنے
مفید ہوں کیسے قدرتی حیثیت حاصل ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت آئیں جس نکاح
کرنے کے بعد اپنے فطری جذبہ کو پرکھتے ہیں۔ اس سے عورت اور مرد کو ایک
دوسرے کے بارے میں تشبیہ دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی سادہ غرضوں کی کئی مثالیں دی ہیں۔ فَرِيَا عَنَسُو
مَلَا تَحْكُمُ كَسَمْتُمْ خُفَّتْ لَوْنُ كَفَسَكُمْ اللہ جانتا ہے کہ تم اپنی باتوں
میں سے متوجہ نہ کرتے تھے۔ یعنی تم میں سے بعض لوگ سمنے کے بعد یہ جہ
نہ نماز عشاء پڑھنے کی باتیں کرتے تھے۔ جو کہ ممنوع تھا فَلَا تَبْ عَيْنُكُمْ
پس اللہ تعالیٰ نے ہر بانی کے ساتھ قرآن مجید جو فرمایا ہے۔ ثَابِتٌ كَالْعَنِي قَرَبٌ بھی
ہوتا ہے اور جرح کا کہنا بھی۔ جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو وہ بُرائی یا غرض سے
واپس چمٹ جاتا ہے اور جب یہ لفظ مترقی کے لیے بوجھ جائے تو مطلب
یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بانی کے ساتھ جرح فرماتا ہے۔ اس مقام پر عجیب مندرجہ
کہ اللہ تعالیٰ تمام ہی غرضیں کر جانتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہا ہر بانی سے قرآن مجید
فرمایا ہے وَعَفَا عَنكُمْ اور تمہیں معاف کر دیا ہے نیز أَمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کے لیے
جانتے تھے دی ہے فَلَا تَبْ عَيْنُكُمْ تاکہ بے غور لوگوں سے ہر گز نہ
یعنی ان سے مباشرت نہ کیے۔

یہ بات مت یمنے کے بعد ایک جملے کا اضافہ کیا گیا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ کہ تم
لَمْ تَعْلَمُوا جو کچھ اللہ نے تمہارے سامنے لکھ دیا ہے تمہیں تو اس کو نہ مقلد
کہ مباشرت سے معاف غرض نہیں کی گئی بلکہ یہ نہیں کہ حضرت علیؓ کے بارے
جو اللہ نے تمہارے ساتھ کر دی۔ اور نکاح کو عمل مقصد بھی ہے۔ کہ اس
انسانی قلم جسے چاہے کہ جس میں انسان کی بقا مقصود نہیں ہوتی اس سے
کہ مباشرت نہیں دی گئی۔ موزنا محرق سمجھنا تو فرماتے ہیں کہ اللہ سے انسان

منقطع ہوتی ہے۔ کیونکہ متعہ کے درجہ پیدا ہونے والی ولادت سرور کی ولادت ہی تصور نہیں ہوتی
 نہ اس سے نسب ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ مولود کو ولادت میں حصہ ملتا ہے۔ لہذا یہ غلط کام
 ہے نہ صرف انسانی حقوق تلف ہوتے ہیں بلکہ یہ لڑائی و جدت کی ترویج ہے۔ لہذا
 نکاح کا مقصد نسل انسانی کی بقا ہونا چاہیے

حکیم دعو

فرمانِ وحیؑ ادا شدہ ہو رات کو کچھ نہ ہو اس کی اجازت ہے۔ اب کوئی
 پابندی باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ کبھی تکبیر کے حکمِ اَحْضَبُ اَلْاَیْمِیْنِ
 مِنْ اَلْاَحْضَبِ اَنْ تَسُوْرَ بِیَا تیک کہ عداوت ظاہر ہو جائے سفیر دھاکا پر درجست
 سے بعض روایات میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس معاملہ میں غلطی لگی اور انہوں نے
 دھاکا سے عام فہم کی طور پر مراہبہ عدی بن جعفرؑ کا ذکر جنسِ ثمن میں خاص طور پر کیا
 ہے۔ انہوں نے پیشے پاس سفیر سیاہ رنگ کی دوریاں رکھیں تاکہ کن کی شناخت
 تک کہانی کہیں جب امیر بست کا ذکر حضورؐ علیہ السلام سے کیا تو آپؐ کہہ گئے۔
 'فَرَفِیْا اِذَا وَسَّاتِ نَاکَ عِزْرُ ذُوْیْکَ تَمَّ اَمْرُکَیْہِ تُوْبَتْ لِمَا عَرَّاسَتْ کَر اَسِیْر لَیْلَتِ
 وِردان کو سپید رکھا ہے۔

مفسرین کا یہ فرماتے ہیں کہ جب اس قسم کی غلط فہمی پید ہوئی تو انہوں نے
 نے اگلے الفاظِ مِنْ اَلْاَحْضَبِ اِذَا کہ معاملہ کو مکمل و صحیح قرار دیا کہ راجد کے ساتھ مرد
 عام روری نہیں بلکہ اس سے مراد جمیع کی سفیدی اور رات کو سیاہی ہے۔ جب رات
 کی سیاہی ختم ہو کر صبح کی سفیدی ظاہر ہو جائے اور رات تک ٹھہرے ہو اور اپنی بیویوں
 سے مباشرت بھی کر سکتے ہو گویا روز کے امتداد صبح صادق سے پہلے۔

لَمْ اَکْشُرْ اَلْاَصْبَحَ اِلَّا اَلْاَیْلَیْ پھر رات تک روز صبح کو پورا کر یعنی
 طلوع فجر سے لے کر رات کی آمد تک روزہ رکھو۔ رات سے مراد مطلق غروب
 آفتاب ہے نہ کہ شرجی یا سفیدی کا زائل ہونا جو حتی سورج غروب گیا رات ہو گئی۔
 روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ مزید کسی چیز کا انتظار نہیں کرنا چاہیے

اس سے یہ بھی افادہ کیا گیا ہے کہ عام لوگ صوم و محال نہ کریں یعنی مٹا دینی کوئی

سبحان ربک

سے نہیں مل سکتے۔ اگر عزت و کثرت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے بھی ادد خارج ہو گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ یہاں پر مسجد کے ذکر سے یہ مراد نہیں کہ گھر وں میں اعتکاف کی حالت میں ایسا کر سکتے ہو۔ بلکہ لَا اَعْرِضُكَتَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ مسجد کے بغیر کہ مراد کا اعتکاف ہوتا ہی نہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ مسجد بھی ایسی ہونی چاہیے جہاں شیخ کا زمانہ باجماعت کا انتظام ہو۔ تاکہ نماز کے لیے کئی کئی جگہ نہ جانا پڑے۔ البتہ اعتکاف کے لیے جامع مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اعتکاف کو نماز کے بعد کے لیے دوسری مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔ ایسی صورت میں نماز بعد کے بعد اسے فوراً دسپس اپنی اعتکاف والی جگہ میں آ جانا چاہیے۔

عورتوں کا
انصاف

عورتوں کے اعتکاف کے متعلق فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
 ۱۔ ایک کا مسلک یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی مسجد میں اعتکاف کریں
 مگر اہم شافعی فرماتے ہیں۔ چونکہ عورت اور ملازم پر نماز باجماعت اور جمعہ فرض نہیں
 ہے۔ اس لیے وہ جہاں بھی اعتکاف بیٹھنا چاہیں ایسا کر سکتی ہیں۔ ان کے لیے پتے
 گھر میں اعتکاف بیٹھنا بھی روا ہے۔ اہم ابوحنیفہ اور ان کے شاگردن اہم ابو یوسف
 اور اہم محمد اور اہم زفر فرماتے ہیں کہ عورت کو اپنے گھر میں ایسی جگہ اعتکاف بیٹھنا چاہیے
 جو اس نے نماز کے لیے منتخب کر رکھی ہے۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے حضور
 علیہ السلام کا ارشاد ہے لَا تَجْعَلُوا أَمَاةَ اللَّهِ فَمَا حَاةَ اللَّهِ ائِمَّةَ كُنْبِیْنَ كُومِیْنَ
 میں جانے سے مراد رکوع و یسوع و قنوع و کوع و یسوع و قنوع و کوع و یسوع کے گھرانے کے
 سے زیادہ بہتر ہیں۔ عورت کی گھر میں نماز مسجد کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتی ہے
 لہذا عورت کو اعتکاف بھی گھر میں ہی بیٹھنا چاہیئے۔ ان کے مسجد پر اس پر ہولناکیاں
 عورتوں کے اعتکاف بیٹھنے کا عقول انشاء میں جو تو مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے
 حضور علیہ السلام کی اندراج طہارت مسجد میں اعتکاف کیا کرتی تھیں۔

یہ مسائل بیان کرنے کے بعد فرمایا: اِنَّكَ عِندَ وُدِّ اللّٰهِ بِمَشْرِئِكُمْ مِّنْ

کو توڑنے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ مؤمن کی شان تو یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ظاہر ہے۔ کہ اگر اہل حدود کو توڑ دے تو تقویٰ سے محروم ہو جائے گا۔ تقویٰ رُک جائے گی اور خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لہذا ان حدود کے قریب بھی نہ جائو ان کی نگہبانی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جبکہ جگہ پر قانون بتلادیا ہے۔ فرمایا۔ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ اسی طریقے سے اپنے احکام اور آیات لوگوں کو کھول کر بیان کر رہا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔ تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ برائیوں سے کہ رکھ کر ہر متقی بن جائیں۔ ہمدان میں روزے کا مضمحل بھی یہی بتایا تھا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر مالِ حقوق کے متعلق بھی فرمایا حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ اور یہاں بھی آخر میں تقویٰ ہی کو بنیاد بنایا لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ۔

البقرة ۲

آیت ۱۸۸

درس چھٹا (۶۶)

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى
الْعُكَاامِ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ وَمِنْ عَمَلِهِمْ
تَعْلَمُونَ (۱۸۸)

۱۸۸

ترجمہ: اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال باطل اور ناحق کے ساتھ اور
نہ پہنچاؤ مالوں کو حاکموں تک تاکہ تم لوگوں کے مالوں سے ایک حصہ لگاؤ گے
ساتھ کھاؤ۔ اور تم جانتے ہو (۱۸۸)

اس سے پہلے استیفاء کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ اعتکاف کی حالت
میں عورتوں سے مقاربت جائز نہیں۔ حدود اللہ کی حفاظت کا مسئلہ بھی بیان ہوا۔
تاکہ انسان کے اندر تقویٰ کی روح پیدا ہو جائے۔ روزہ کی مدت کا تذکرہ بھی آگیا کہ
روزہ طلوع فجر سے لے کر غروب شمس تک کے لیے ہے۔ رات کو کھانے
پینے اور عورتوں سے ملنے کی اجازت دسے دی۔ الغرض اس پورے رکوع میں
روزہ ہی کا بیان ہے۔ جس میں صدقہ فطر، نزول قرآن، دعا، بکری کھانے اور
اعتکاف کے مسائل شامل ہیں۔

گزشتہ پیرتہ

اس رکوع کے بعد اگلے رکوع میں حج کا ذکر ہے۔ یَسْتَأْذِنُكَ عَنْ
الْأَهْلِ۔ لَیْلَةٍ سے شروع کر کے مناسک حج کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔ اس
کے بعد جامد کا مسئلہ ہے۔ مفسرین کرام کے لیے اشکال پیدا ہو سکتے ہیں کہ درمیان
میں مال کا تذکرہ کیونکر آیا ہے۔ جب کہ ایک طرف روزے کا بیان ہے اور
دوسری طرف جہاد کا مسئلہ ہے۔ نظام یہ مضامین آپس میں غیر مربوط معلوم ہوتے
ہیں۔ مگر حقیقت میں سابقہ مضمون کے ساتھ اس کا گہرا ربط ہے۔

ربط آیات

حضرت مولانا شیخ الحدیث نے اس کی تشریح یوں بیان کی ہے کہ روزہ

مقصود ہمارا متبرک نفس اور طاعت بن سنا۔ اسبہ اس آیت میں مانا ذکر سے سے
مرد مال کی طاعت سے۔ اس وقت تک مسلمان کا فرائض نہیں ہو سکتا جب تک ہیکل درج
و جسم کے علاوہ اس کا مال بھی پاک نہ ہو اس آیت میں حرام مال کھانے سے منع لیا گیا
ہے۔ اور اس میں یہ طبیعت نہ تھی پر کشیدہ ہے کہ روزہ کی حالت میں تو حلال چیز بھی
اُتے وقت کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ مگر حرام مال تو مدت العمر یعنی ہمیشہ کے لیے
حرام ہے۔ گویا ایک مسلمان حرام مال کی طرف سے ساری عمر کے لیے روزے سے دار
ہے۔ وہ اس کے قریب کیے جاسکتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر درس کو مسائل روزے
کے ساتقرین منہنت ہے۔

شیخ الشیخہ کا
ترجمہ قرآن

شیخ الشیخہ حضرت مولانا محمد اسحاق کونلم اسلام میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ یہ
میرے سامنے آپ ہی کا ترجمہ قرآن پاک ہے۔ آپ حضرات کے پاس جو ترجمہ
ہے۔ یہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا ہے۔ یہ دونوں ترجمہ دراصل شاہ
عبد القادر کے ترجمہ کی آسان صورت ہے جو ان حضرات کے ہاتھوں انجام دی۔
برصغیر میں سب سے پہلا جامع اردو ترجمہ شاہ عبداللہ تہذیب کا ہی ہے۔ تاہم اس میں کج
سے درحالیٰ سو سال پُرانی اردو استعمال کی گئی تھی اور اس میں ہندی اور بعض دوسری زبانوں
کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو بھل کی اردو میں استعمال نہیں ہوتے۔ مثلاً
کے طبر پر شاہ صاحب نے اللہ الصمد کا ترجمہ مراد حار کیا ہے جو کہ خالص ہندی
یا سندھیت زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح وَاجِبٌ تَبَسُّوْا لَیْسَ عَزْمٌ تَبَسُّوْا طاعت
کا ترجمہ ہر دنگا کیا ہے۔

مولانا شیخہ
عزیز گل

مولانا شیخہ لکھنے پر ترجمہ مالک کی تیل میں قید کے دوران کیا تھا آپ اور
آپ کے پانچ ساتھیوں پر بغاوت کا مقدمہ چلا تھا۔ اگرچہ آپ سرے موت سے
بچ گئے تاہم قید و بند کی صعوبتیں برداشت نہ کرنا پڑیں۔ آپ نے اس تہائی سے یہ
فائدہ اٹھایا کہ قرآن پاک کا ترجمہ آسانی اور درمیان پیش کر دیا۔ آپ کے پانچ ساتھیوں میں
سے اس وقت سے مراد حضرت مولانا سید عزیز گل فاضل دیوبند مذہب ہیں۔ مولانا شیخہ لکھنے

کی فری آپ کے نکاح میں تھی۔ اس کے طرہ سندھ کے انگریز محکمہ کی بیٹی مسلمان ہو کر
 آپ کے نکاح میں آئی اور تیس سال کی وفات کے بعد فوت ہوئی۔ مورخ عزیز گل
 ایک تاریخ نگار ہیں۔ سخاکوٹ انیسویں میں ان کی بیٹی زمین ہے۔ یہیں آپ کی پائنت
 ہے کافی روٹھے ہو چکے ہیں۔ آہم پائنت زمانے میں بڑے بار بار درویشی تھے
 مولانا شیخ احمد کے ساتھیوں میں مورخ سید حسین احمد مدنی کے بھتیجے مولانا
 رحیم احمد مدنی بھی تھے۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا حکیم تھانوی حضرت حسین صاحب
 بھی آپ کے ساتھ مالٹا میں قید تھے۔ اور وہیں فوت ہوئے۔ انگریزوں نے ان کے
 ساتھ بڑے ظلم کیے۔ ان کی وفات کے بعد مولانا شیخ احمد نے بڑی کوشش کی کہ ان کے
 کو دفن کرنے سے پہلے مسنون طریقے سے غسل دیا جاسکے۔ مگر انگریزوں نے اسی اہانت
 زدی کر رکھا کہ ان کی طرف سے دیا گیا غسل کال ہے۔ بہر حال آپ نے تمہ کہ اس کے جنازہ
 پڑھا اور ان کو دفن کیا۔

مولانا شیخ احمد

حضرت شیخ احمد انگریز کے سخت مخالفت تھے۔ مگر کوئی انگریز کے متعلق
 مسئلہ دریافت کرتا، تو فرماتے ابھی کسی اورہ لم سے پوچھ لو، شاید میں مباغہ کرے ہوں
 کیونکہ مجھے انگریزوں سے سخت نفرت ہے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ انگریز نے
 اسلام کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ نہ تو ان کی عظمت کو انگریز نے ہی درہم برہم
 کیا۔ مولویوں کی قلم اور زبان سے تو ان کی غفلت پر کفر کا ست توی لگوا دیا۔ درانیوں
 بنا رکھا۔

شخصی طور پر انگریز بڑی بااخلاق قوم ہے۔ آپ ان سے تجلست کریں۔
 کوئی اور لین دین کا معاملہ ہو، بڑے اچھے طریقے سے پیش آئیں گے اسی لیے
 انگریز بڑا چال باز ہے۔ گزشتہ زمانے میں تجربہ کار لوگوں میں یہ عادی مشغل تھا
 کہ اگر جو بہن ختم ہو جائے، تو دنیا سے مشینری ختم ہو جائے، کیونکہ جرمنی وک مشین ذہن
 کے لوگ ہیں۔ ہندی سنہ بڑی مشینری۔ بجاو کی ہے۔ حتیٰ کہ سوانی مشین بھی انہی کی یاد
 ہے۔ تو یہ عادی مشغل کیا جاتا تھا۔ اگر دنیا سے انگریز قوم ختم ہو جائے تو چال باز ختم

انگریز کی
 چال بازی

جو ملے۔ اس قوم نے بڑی مادی ترقی کی ہے اور بڑے بڑے عرصہ تک دنیا میں محروم
 کی ہے۔ اس کا تادم چھ سو سال تک ہام عروج پر رہا، امریکہ اور روس تو، ٹھیکہ زسٹے
 بچے ہیں۔ جس طرح کسی زمانے میں رزمیوں کا دنیا میں بوجب و دایب تھا، اسی طرح
 ماضی قریب میں انگریزوں کو عروج حاصل ہوا۔ ان میں بڑے بڑے فدا سفر، سائنس دان، انجینئر
 اور قانون دان پیدا ہوئے ہیں۔ تاہم عیسائی ہونے کے ناطے اسلام کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔
 شیخ سعدیؒ کا زمانہ ساتویں صدی ہجری ہے۔ آپ کی گھٹان پڑوسیہ معظم
 ہوتا ہے۔ کہ انگریزوں نے شیخ صاحب کو بھی قید کر ڈالا تھا۔ آپ کے ساتھ یہودی قیدی
 تھے۔ کہتے ہیں کہ میں خندق کی تعمیر کے سلسلے میں گارہ اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔ طلب
 کا کوئی رئیس آپ کا واقف تھا۔ اُدھر سے گزرا تو آپ کو پہچان لیا۔ پوچھا کیا
 بات ہے شیخ سعدیؒ نے کہا کہ میں تو لوگوں سے تنگ آکر باہر جھگڑ میں نکل
 گیا تھا تاکہ بچوئی سے اٹھارہ لاکھ روپے ہونے لگے کہ قید فرنگ میں مبتلا ہو گیا
 اُس رئیس نے انگریزوں کو مذہب سے کہ شیخ صاحب کو رہائی دلا دی۔

شیخ صاحب اپنے زمانے کے بہت بڑے شاعر تھے۔ فارسی کی مثال گئی
 میں آپ کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی کتابیں گھٹان اور پرستان بڑی مقبول ہوئیں۔
 یہ ابتدائی جماعتوں کو اُسی زمانہ سے پڑھائی جا رہی ہیں۔ آپ نے پاکیزہ زبان استعمال
 کر کے فصاحت آموز باتیں کی ہیں۔ جن میں مراء کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے
 اس بات پر اعتراض کیا کہ آپ نے کتاب میں ہنسی مذاق کو بھی جگہ نہ دی ہے تو آپ
 نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اس میں ظرافت اور خوش طبعی کو اس لیے جگہ نہ دی
 ہے تاکہ لوگ اسے آسانی سے قبول کر لیں۔ بعض اوقات کڑوی گولی چینی میں بند کر کے
 کھلاتی پڑتی ہے تاکہ اس سے مرہض کو شفا ہو۔ اسی اصول کے تحت میں نے فصاحت
 باتیں ہنسی مذاق کے خول میں بند کر کے دی ہیں تاکہ یہ لوگوں کے ذہن میں اتر سکیں۔
 گھٹان کے بارے میں انگریزوں کا قول ہے کہ یہ کسی ایک شخص کی تحریر
 معلوم نہیں ہوتی، بلکہ یہ کسی کی بھی یا کچھ شخص کا کام ہے۔ اس میں تنہا ہر ایک نصیحتیں

میں جو ایک آدمی کا کوہ معلوم نہیں ہوتا۔

بہر حال شیخ سعدی کی قید و بند سے واضح ہو گیا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں بھی
انگریز مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں تھیں
مگر وہ باہر درج ہر تھے۔ فرانس اور سپین نے اس وقت بالکل تیسرے تھیں تھے۔ انگریزوں نے
ترکوں کے لئے یہ سلیقہ بھی نہیں آتا۔ پشت یہ پھر ابا مذمت تھے۔ انگریزوں نے اس
وقت بالکل پہچان نہ تھا۔ انہیں مسلمانوں کی جڑ سے ترقی نصیب ہوں افس میں بھی
مسلمانوں کا طریقہ بولتا تھا۔ انگریزوں نے پندرہویں صدی میں جا کر تھیں ہوئے ہیں انہوں نے
سائنس میں ترقی کی اور پھر نہیں غلبہ حاصل ہوا۔

ترک ملت

اس زمانے میں مسلمانوں کی ایک سلطنت کہ جو عروج حاصل تھا ترکوں نے
پندرہ سال تک، عیسائی سلطنتوں کے ساتھ لڑی۔ انگریز، جرمن، فرانسیسی، روسی
سب اسلام کے اڑی دشمن تھے۔ ترکوں نے ہر ایک کے ساتھ خوب محو کے سر کے
بڑے بہادر لوگ تھے۔ حقیقی ملک کے راسخ، عقیدہ مسلمان تھے۔ علم کی طرف
سے زیادہ تر تشنہ ہی ہے۔ مگر اسلام کا جذبہ باوجود تھا۔ تاہم کمال ات ترک جس
کا آج کل کے منیا جا رہا ہے اس کے اسلام کو نقصان بھی پہنچا ہے۔ اس نے
ملازمت کو ختم کر دیا۔ مسلمانوں کے زوال کا باعث بنا مگر اس نے ترکی کو بڑی
قاتلوں سے ایک کر کے اسے سازشوں سے بچا دیا۔ اس نے عربی زبان کو ملک
سے بالکل نکال باہر کیا حتیٰ کہ عربی زبان بھی بند کرادی۔ اس نے غلطیاں بھی بہت
کی ہیں مگر ترکی حکومت کا زوال ہر جوں کی جسب سے آیا۔ یہ غدار نکلے۔ انگریزوں کے
ساتھ مل کر ان کے آلہ کار بن گئے۔ اردن کے موجودہ فرارو کاؤڈ شریفین
سید ہنے کے باوجود انگریزوں کا چٹو تھا، اس نے ترکوں کو بہت نقصان پہنچایا
انگریز نے ان کو وقاداری کی بنا پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں دے دیں۔ ایک کو عراق
میں جگہ دی۔ ایک کو اردن میں اور ایک پروردہ کو فلسطین میں بٹھا دیا پھر اس
نے شاہ سعود کے ساتھ سازش کی۔ اس کی پوریشن بدوؤں ولی حقی، یہ مستقل مزاج

رہا، اہم شخصہ کے تحت ہی رہا۔ اب امریکہ کے زیر اثر ہے۔ اسی کی پامی پر لائن ہے۔
جب انگریز زوال پذیر ہوا، تو امریکہ کو عروج حاصل ہونے لگا۔ دنیا میں اس کی جاودہ
تائید ہو گئی۔ دوسری طرف روس نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اب یہ دو طاقتیں دنیا کی مختار
قوتیں ہیں۔ یہ آپس کی سرد جنگ میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے باقی ممالک دونوں میں سے
کسی نہ کسی گروپ میں شامل ہو کر ان کے دستِ نگر ہیں۔ اب یہ ستر طاقتیں سازشوں
میں مصروف ہیں۔ ان کی نگاہیں مشرق وسطیٰ اور اسلام کی ممالک پر ہیں کہ ان کو کس طرح تقسیم
کیا جائے۔ امریکہ کا ہر آنے والا صدر سابقہ پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے اسرائیل کی
پشتیبانی کرتا ہے اور اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ناسور کی جھوٹا اختیار کر گیا ہے۔ یہ امریکہ
برطانیہ اور فرانس کا مشترکہ پیرودہ ہے۔ جس کی دس طاقت سے مسلمانوں کو ذلیل و برباد
کیا جا رہا ہے۔

پیرودہ

حضرت مرزا، انور شاہ کشمیریؒ ہمارے اس آخری دور کے بہت بڑے
محدث ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ آپ ہمارے دور کے
جید ترین محدث ہیں جبکہ مشائخ نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمالِ قلم کا حافظہ دیا تھا
کہ جب کوئی کتاب ایک دفعہ دیکھ لی تو پوری زندگی یاد رہی، بھولتے نہیں تھے۔ بخاری
شریعت، پوری کی پوری یاد تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی کتاب دنیا سے ناپید
ہو جائے تو میں اسے دوبارہ لکھ سکتا ہوں۔ مگر دو کتابیں ایسی ہیں جن کو دوبارہ لکھنے پر میں
 قادر نہیں ہوں، ان میں سے ایک ہدایہ ہے اور دوسری شیخ سعدیؒ کی گستاخ ہے
اس کے آٹھ باب ہیں اور تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہدایہ فقہ کی بلند پایہ کتاب ہے۔
صاحبِ ہدایہ نے سنی علماء سے سخت کر کے چار جلدوں میں محفوظ کر دیا ہے
امام محمدؒ کی جامع صغیر اور ابوالحسنؒ کی قدیری ہدایہ کی اصل میں یہ بہت اچھی شرح ہے
انسان کا کوئی کام حتمی نہیں ہوتا، غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ سو سے پاک تو اللہ تعالیٰ کی ذات
ہے۔ بہر حال صاحبِ ہدایہ نے یہ گراں قدر خدمت انجام دی ہے اور علامہ نور شاہ
کشمیریؒ نے شیخ سعدیؒ کی گستاخ کو اس کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

مولانا شیخ الحداد فرمایا کرتے تھے کہ وسیع مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کے دو اسباب ہیں۔ قرآن سے دوری اور فرقہ بندی۔ اسی سببے شاہ ولی اللہ دہلوی، اُن کے زمان اور حضرت شیخ الحداد نے قرآن پاک کی تعلیم دینے میں زندگیاں گنبا دیں۔ مولانا جلیل الدین دہلوی نے حضرت ہجوڑی کو قرآن پاک کی تعلیم سے آگے نہ کر کے فرمایا تھا، احمد علی پنی پوری زندگی قرآن کی تعلیم کے لیے وقف کر دو، اور پھر اپنے اس نصیحت پر پورا اُٹھ کر عمل کیا۔ ساری عمر لوگوں کو قرآن پاک پڑھاتے رہے۔ پائیس برس میں آپ نے پانچ ستر علماء کو قرآن کی تعلیم دی۔ آپ دوسری کتابیں عام طور پر نہیں پڑھاتے تھے۔ کبھی کبھی مشکوٰۃ شریف یا جہتہ اللہ الباقیہ کا کس سے دے دیتے تھے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی ہے۔ یہ بھی کمال جیسے کا مفصل ترجمہ ہے۔ آپ سمجھتے تھے کہ لوگ قرآن سے دور ہو گئے ہیں۔ انہیں قریب کرنے کی کوشش میں آپ نے ترجمہ اور تفسیر لکھی۔

حضرت شیخ الحداد فرقہ بندی کو بہت بڑی لعنت سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پارٹی بازی مسلمانوں کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ وہ اگر سب دور نہ کیا گیا تو مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ وہ ہمیشہ اُفق و اتحادی دعوت دیتے تھے۔ انہوں نے علی گڑھ والوں کو قریب کرنے کی کوشش بھی کی۔ آپ نے مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کو قریب کیا اور پھر علی گڑھ پارٹی کو ساتھ ملا دیا۔ تاکہ سب مل کر مسلمان قوم کی خدمت کر سکیں اور اس سلسلہ میں متحدہ پروگرام پر عمل پیرا ہو سکیں۔ حضرت مولانا محمد حسین کو شیخ الحداد کا خطاب مولانا محمد علی جوہر نے ہی دیا تھا جسے برصغیر کے تمام لوگوں نے تسلیم کیا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ مولانا محمود حسن نہایت نیک متدین اور صالح آدمی تھے۔ خاموش رہ کر بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی جڑوں کو انہوں نے ہی کھنکھلا دیا۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے ذریعے دور دورہ کام جانتے سمجھتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ غالب پاشا اور الزمر شاہ بھی سمجھتے تھے کہ آپ

مسلمانوں کے بہت بڑے پیر اور پھر درویش۔ ہمیشہ آپ رابطہ رکھتے تھے۔

شکر و شکر

۱۹۱۵ء میں لڑائی کے دوران کٹر ایک پہلی - یہ یکم مئی ۱۹۱۵ء کو شہر کے قریب
 کی گزشتہ شہر کے قریب کسی طرح انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا باہر کیا جائے۔ اس وقت
 برصغیر کی آبادی چالیس کروڑ تھی، مگر پانچ فیصد لاکھ انگریز حکومت کے سب سے قریبی
 ان کے ہاتھ میں تھی۔ مگر مسلمانوں کی غلامی کی وجہ سے یہ کٹر ایک تھی کہ یہ اب نہ ہو
 سکی اس کا یہ قبل از وقت خاتمہ ہو گیا تھا۔ مقصد یہ کہ برصغیر کی آزادی کے سلسلے
 میں علماء کی جدوجہد و پرتال ہے۔ اس وقت ہندوؤں کو تو خواب بھی نہیں آیا تھا کہ انگریزوں
 کو یہاں سے نکال دیا جائے اور مسلم لیگ جس کی پیروی ہے۔ اس زمانے میں اس کی بھی
 کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس میں وہ بقیہ کے لوگ شامل تھے۔ آخر میں جب لوگ
 انگریزوں اور ہندوؤں سے تھک چکے تھے تو مسلمان مسٹر جناح کی قیادت میں یکجا ہو
 گئے اور بات بن گئی۔ ان کی جدوجہد تو صرف پانچ سات سال کی ہے۔ جب کہ
 علمائے کرام کی کٹر ایک عمریت ڈیڑھ صدی یہ فیصلہ ہے۔

مکمل

بہر حال بات حضرت شیخ الحداد کے ترجمہ قرآن کی بوری ہی تھی۔ آپ نے سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کا حاشیہ بھی لکھا۔ باقی حاشیہ آپ کے شاگرد رشید مولانا بشیر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ تو مولانا محمود احسنؒ نے مختصر الفاظ میں بہت بڑی بات سمجھا دی کہ اس آیت میں لہذا ت مال کا بیان ہے۔ جب کہ اس سے پہلے آیات میں روزہ کا بیان تھا جس سے مقصود کفۃکم متفقون یعنی نفس اور جسم کی خدمت تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کا اس وقت تک مکمل ترکہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کا مال بھی پاک نہ ہو۔ تو اس آیت زید درہم میں ماں کی پاکیزگی کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو عدل اور پاکیزہ مال کھانے اور عدل دینی سے متنع ہونے سے صرف روزے کے دوران منع کیا گیا ہے۔ مگر حرام سے ملے جو شر کے لیے منع کر دیا گیا ہے۔ وہ ساری عمر ایسے ماں کے پیسے قریب جا سکتا ہے۔ یہ تو ذرا کبیر کے اصول کے منافی ہے۔

اگر کسی نے ناجائز طریقے سے جاگیر حاصل کر رکھی ہے۔ تو پھر وہ معاوضے کا قضا
 حقدار نہیں۔ وہ حقدار کو ملتی چاہیے۔ اور اگر کوئی جائیداد وراثت میں ملی ہے یا جائیداد
 ذرا قسے خریدی گئی ہے۔ تو پھر اس کا پورا پورا معاوضہ ملنا چاہیے۔ ورنہ بھی اس
 صورت میں کہ اسلامی ریاست اس جائیداد کو حاصل کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ کسی جائیداد
 پر زبردستی قبضہ ہو یا ناجائز بیع کے ذریعے حصول جائیداد بالکل درست نہیں
 یہ حرام ہے۔

اگر فرمایا ثَدْلُ بَهْكَالِی الْحُكَّامِ اور۔ اے ان حکاموں تک
 نہ پہنچاؤ۔ مقصد یہ کہ کوئی جائیداد کوئی مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کے لیے
 حکام و رقت کی مدد حاصل نہ کر ورنہ ان کو رشوت پیش کر و اور نہ ان کے پاس مخارش
 لیکر جاؤ۔ اب تو حکام کے علاوہ یہ علماء ان کی بیگمات تک وسیع ہو گیا ہے۔
 مسٹانی اور خروٹ کی گزیریاں پیش کی جاتی ہیں۔ کپڑے اور زیورات کے
 تحائف دیے جاتے ہیں۔ تاکہ کسی دوسرے کے مال پر غاصبانہ قبضہ کیا جاسکے
 یہ سب حرام ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ال حاصل کرنے کے لیے جھوٹا دھوی
 دائر کرنا یا کسی ایسے معاملہ میں جھوٹی گواہی دینا بھی ایسی قبیح ہے۔ اور حرم کھانے
 کے مزاد ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ لَيْسَ أَكْلُ قُرْبِیِّهِمْ۔ مَسْئَلِ
الْبَاسِ بِالْزَّكَاةِ حکام کے پاس اس غرض سے مت جاؤ کہ لوگوں کا مال غلط
 طریقے سے کھاؤ۔ وَأَنْتُمْ تَقْلَعُونَ حالانکہ تم جائیداد ناجائز کو اچھے طرح
 جانتے بھی ہو، پھر غلط کام کرتے ہو۔ یہ قطعاً حرام ہے اس سے بچو۔

سَيَقُولُ ۲

درجہ مساوی و غفلت (۱۸۹)

الْبَقَرَةِ ۲

آیت ۱۸۹

يَسْتَوُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَيَاحِ
وَلَيْسَ لِبَرٍّ اَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ
مِنْ الْاَلْفِ وَانْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ۔ لوگ کہتے ہیں کہ اہل کے پاس سے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے یہ اوقات
ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے۔ وہ یہ کہتے ہیں جیسا ہے کہ تم گھر میں بیٹھتے
کی طرف سے آؤ۔ لیکن نبی قرآن شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، لوگ گھروں
میں آئیں گے دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اگر تم فوج پہاڑ
قبل انہیں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کے احکام بیان فرمائے۔
اور اس کے بعد مال کے متعلقہ سائل بیان ہوئے۔ اب اس آیت میں سنئے
چاند کے متعلق سوال اور اس کا جواب دیا گیا ہے۔

بظاہر یہ دو مختلف چیزیں معلوم ہوتی ہیں مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چاند
کے گھٹنے بڑھنے کا رمضان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ نیا چاند نکلنے پر ہی روزہ
شروع کیا جاتا ہے۔ اور نکل چاند نظر آنے پر ماہ رمضان ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف
میں آتا ہے۔ اَفْطَرُوا الْيَوْمَ يَوْمَ تَمَّ وَصُومُوا لِرُغْبَتِهِ چاند دیکھ کر روزہ
رکھو اور دیکھ کر افطار کر دو۔ اس لیے دونوں مسائل کو یکے بعد دیگرے بیان کیا
گیا ہے کہ ان دونوں میں باہمی ربط ہے۔

نہان نندل
در اصل یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے، جو حضور علیہ السلام کی خدمت
میں پیش کیا گیا۔ اس کردار میں کے لیے روشنی کے دھڑے ذرا آئے ہیں یعنی سورج

ورچنا۔ اب سورج ہمیشہ ایک ہی کیفیت میں رہتا ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی
 بر خلاف اس کے چاند ہمیشہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے سوال
 کیا تھا۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْفَلَاحِ لوگ آپ کے چاند کے متعلق سوال کرتے
 ہیں، کہ یہ کیا چیز ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بِشَرِّ الصَّلَاةِ
وَالسَّامِ فَلْيَأْكُلْ آپ کھیں، یعنی ان کے سوال کا جواب یہ دیکھئے هِيَ مَكْرُوهَةٌ
بِأَسْسَرِ وَأَحْيَ طَيِّبَاتِ أَوْقَاتِ ہیں لوگوں کے لیے بدترین اور سب سے زیادہ نیک اور

اس مسئلہ پر اہم میناموینی نے اپنی تفسیر میں بحث کی ہے۔ مینامو ایرانی کے
 ایک مقام کا نام ہے جس سے نسبت کی بنا پر آپ کو میناموی کہا جاتا ہے۔
 آپ بہت

بڑے فاضل در صرح بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کی تفسیر میناموی عربی کی مشکل تفسیر
 میں شمار ہوتی ہے۔ علم اصول میں بھی آپ کی ایک کتاب موجود ہے۔ تاہم تفسیر میں
 آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں صرف، نحو، علم کلام، اور علم ادب
 غرضیکہ تمام علوم کی روشنی میں قرآن کریم کا مقصد اور منشا بیان کیا ہے۔
 آپ تاحی کے غور سے پڑھنا چاہئے، پیر و مرشد شیخ محمد کاشانی

کے حکم پر یہ سہرا چھوڑ دیا تھا۔ اور تحصیل علم میں لگ گئے۔ ان کے کہنے پر ہی آپ نے قرآن
 پاک کی تفسیر کی، اس کو تحریر بھی صورت میں پیش کیا اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دی۔ یہ زمانہ
 مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا، اور علم ترقی کے منازل طے کر رہا تھا۔

اہم صاحب فرماتے ہیں، کہ سوال تو یہ تھا، کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔
 جب کہ سورج کی جہاں میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ میں کون سی حکمت کا فرما
 ہے۔ مگر جواب یہ دیا گیا کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات کا نظام ہے
 مفسرین کو یہ بیاں فرماتے ہیں کہ اس قسم کا جواب علی طریق اسلوب حکیم کد آئے ہے
 اور ختم ہو گیا ہے۔ وہ موقع اور ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی مثال حدیث
 نہایت میں موجود ہے کہ یہودیوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو لٹائیوں

جلال کہتے ہیں۔ وَمَا أَهْلُ بَيْتِهِ لَكَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ يَوْمَ ذِئْبِ فَتُلُوكَ لَلْأُفْئِدِ الْفُؤَادِ لَكِ الْغَايَةِ۔
 کہ جب کسی چیز کی نامزدگی غیر اللہ کے نام پر ہوتی ہے۔ تو اس میں بھی آواز بلند ہوتی
 ہے۔ کہ یہ چیز فلاح بزرگ کے نام کی ہے۔ لہذا یہ شرک میں داخل ہو جاتا ہے۔
 عرض یہ کہ رہا تھا کہ پہلے دن کا چاند جلال کہلاتا ہے، اور پھر جب بڑھنے لگتا ہے
 تو اس کا نام قمر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب چودھویں تاریخ کو مکمل پورا ہو جاتا ہے
 تو اسے بدر کہتے ہیں۔ پھر آخر میں جب ڈوب جاتا ہے تو اسے حاق کہتے ہیں۔
 اس کے بعد دوبار ایک دن نظر نہیں آتا۔ در آخر پھر سے نیا چاند بن کر سامنے آتا ہے
 جس کا مطلب یہ کہ گذشتہ مہینہ ختم ہوا اور نئے مہینہ کی پہلی تاریخ ہو گئی۔ اس صمدیہ
 ایک مکمل سال پر سے بارہ ماہ میں پورا ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ قمر میں بیان
 فرمایا ہے۔ اِنَّ عَذَّةَ النَّفْثِ وَالْعَفْوِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔
 یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ گویا جب
 اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، چاند سورج و مریخ پر انتظام فرمایا تو مہینوں کی
 تعداد بارہ قمر فرمائی۔

حرمت
مہینے

پھر فرمایا کہ ان بارہ مہینوں میں چھ مہینے آس بکھڑے ہیں۔ چار مہینے
 حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں میں کوئی گناہ نہ کرنا اور سکر مہینوں کی نسبت زیادہ بڑا
 صدمہ ہے۔ ان مہینوں میں لڑائی کی ابتداء نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ چار ماہ اللہ کے
 ہاں بڑے باحزنت مہینے ہیں۔ اگر غیر مسلم خود مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کریں تو
 پھر انہیں بھی جانت ہے کہ اپنا دفاع کریں ایسی صورت میں ان پر کوئی گناہ
 لازم نہیں آئے گا۔ ان چار مہینوں میں فحشی قعدہ، ذی الحج اور محرم اکٹھے ہیں۔ اور
 جب کا مہینہ ذوالحجہ ہے۔ یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔

اوقات
تعیین

الطریق! فرمایا کہ چاند کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے مختلف امور کی ڈیڑھی
 کے لیے اور خاص طور پر حج کے لیے اوقات کا تعین ہوتا ہے۔ انسان کوئی
 مزدوری کرنا ہے، کسی چیز کے کرے کا معاملہ ملے کرنا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس

کے یہ اوقات کا تعین ہوگا۔ اسی طرح عبادت کو سنہ میں نماز کی ادائیگی کے لیے اوقات مقرر ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنی ہو تو سال کا قیام کرنا ہوگا، روزہ کے لیے چاند کے اوقات کی ضرورت پڑے گی کہ اس کی ابتداء اور انتہا چاند کے نکلنے پر ہی منحصر ہے۔ اہل پھر اگر ان مسلمان میں سے حج چرتھا۔ کن ہے۔ یہ بھی مقررہ مہینہ کے مقررہ ایام میں ہی ادا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کی عدت کے تعین کے لیے بھی چاند کا حساب ہی لینا پڑا ہے اسی لیے فرمایا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں تمہارے لیے بہت سے فوائد ہیں۔

چاند کی تقویم

اہم بات کی طرح ہم ابو بکر جصاص رازمی بھی بڑے پاستے کے عالم اور فہم قرآن ہوئے ہیں۔ آپ کا زمانہ چرعتی صدی تیسرہ ہے۔ آپ امیر خلیفہ کے پیر و مولانا میں سے تھے۔ انہوں نے احکام القرآن کے نام سے غیر ملکی ہے۔ تفسیر و تفسیر اہم فرماتے ہیں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ تقویم چاند کے حساب سے رکھیں اگر مسلمان اس حساب کو ترک کریں گے تو گنہگار ہوں گے، بیشک حج کی تقویم بھی رکھیں، اس میں ممانعت نہیں ہے بلکہ چاند کے حساب کو بھی غور و اپنے روزہ کے امور میں جاری رکھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند کا حساب رکھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یوں کرتے ہیں کہ لوگو! آپ سے مہینوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ ان کا حساب چاند سے رکھا جائے گا یا سورج سے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ چاند کے ذریعے حساب رکھنا مستقیم، بہتر اور فطری ہے۔ چاند کے حساب سے ماہ و سال کا تعین تو ان پڑھ و بیاقی بھی کر سکتا ہے۔ جب کہ سورج کی تقویم کو یاد رکھنا مشکل کام ہے۔ سورج تو ہر روز یکساں طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ مہینہ کی ابتداء اور انتہا کا تعین ایک آدمی کے لیے مشکل ہے بلکہ چاند کا حساب بالکل واضح ہے۔ جس مہینہ نیا چاند نکلے گا تو مہینہ کی ابتداء ہو جائے گی۔ لہذا چاند کی تقویم آسان ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عبادت کے معاملہ میں چاند کی جتنی کوحت ہو،

اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ بقرہ جامع سورۃ ہے۔ اس میں تمام عبادت کا ذکر آگیا
یعنی اصلاح عقیدہ کے بعد نماز کا بیان آیا، پھر زکوٰۃ کا بیان ہوا، اس کے بعد روزہ
کے احکام آئے اور اب اس آیت میں حج کا بیان بھی آگیا ہے۔ تو گویا تمام عبادت
کا تعلق قرہی تقویم سے ہے۔ اور ایک مسلمان کے لیے اس کے بغیر چار نہیں۔
اس آیت میں حج کا اشارہ مذکور کیا ہے۔ آگے تفصیل آئے گی۔ **الْحَجُّ**
مَعْلُومٌ معنی حج کے متعلق معلوم ہیں۔ اور ان کا تعین بلاشبہ چاند سے
ہی ہوتا ہے۔ حج ایک فرض عبادت ہے۔ ہر صاحب استطاعت پر عمر بھر
میں ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ معنی دفعہ حج کرے گا، اجر و
ثواب کا مستحق ہوگا۔ نماز ہر روز پانچ دفعہ اور اگر نی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ سال میں ایک
دفعہ فرض ہے۔ اور روزے بارہ مہینوں میں ایک ماہ کے فرض ہیں۔ اور کان
اسلام میں سے حج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مالی اغراض کے
علاوہ جسمانی مشقت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ لہذا جب کوئی مسلمان جب استطاعت
ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کو حج کرنے کی ترغیب عطا فرمائے تو پھر اسے چاہیے کہ
ویرہ کرے بلکہ فوری طور پر ایسی جگہ کی کوشش کرے جہاں تک ممکن ہو
اُسے علم نہیں کہ آگے کس قسم کے حالات پیش آئے ہیں۔ لہذا اسے اس
فرض سے جلد سبکدوش ہو جانا چاہیے۔ کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ انسان بیمار
ہو سکتا ہے۔ مال ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ لہذا انسان کو حج کے معاملہ
میں دیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اولین فرصت میں مخرج پر روانہ ہو جانا چاہیے۔ اور پھر
اس فرض کی دائیگی میں سستی کرنے والوں کے لیے وعید بھی بڑی سخت آئی ہے
حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس کی دائیگی میں کوئی امر
انہی نہیں ہے اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا تو ایسا شخص یہودی ہو کہ
میرے یا نصرانی ہو کہ ہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

اسلام کا پانچواں ارکان چہاد ہے۔ یہ حج سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ اس میں

حج کے لیے
جلدی

جان بیتی پر کھنکھان پڑا ہے۔ اور اس کے ساتھ مال بھی طرح کرنا ہوتا ہے
کیونکہ اس میں یہ دونوں عمل شامل ہیں۔ وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
یعنی مال اور جان دونوں چیزوں کے ساتھ جہاد کرو۔

رسول یا صلہ

حج کا ذکر آیا تو اس میں بعض رسومات باطلہ کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت
میں عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی سفر پر نکلتے، خواہ وہ حج کا سفر ہی کیوں نہ ہو
اور گھر میں کوئی چیز بھول جاتے تو پھر واپس آکر مکان کے دروازے سے داخل نہیں
ہوتے تھے۔ بلکہ اس کے پیچھے سے آتے تھے، خواہ انہیں دیوار توڑنی پڑے
یا پھٹا لگنی پڑے۔ الْمَلَأَ تَعْلَى نے ایسی چیز سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا وَلَيْسَ
الْبَدَنُ اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے بَلْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ضَهْرِهَا کہ تم اپنے
گھروں میں بیعت کی طرف سے آؤ۔ بلکہ اگر واپس آنے کی ضرورت پیش ہی جائے
تو وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَوْبَانِهَا تو دروازے کے راستے سے اندر داخل ہونا
چاہئے۔ فرمایا کہ یہ نیکی ہے کہ تم دیوار پھٹا لگتے پھر دو۔ وَلَكِنَّ الْبَدَنَ
الْبَدَنُ بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا اپنے اندر خوف خدا
پیدا کر کے اس کے احکام کی پیروی کرو۔ یہی اصل نیکی ہے۔ جاہلیت کی رسوم باطلہ
کو ترک کر دو۔ مغسّرین کو کٹم فرماتے ہیں کہ یہاں پہلے رسومات باطلہ کی تردید کرنے کے
اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا اصول بیان فرمادیا ہے کہ اصل نیکی تو تقویٰ ہے۔ جب
تقویٰ پیدا ہو جائے گا تو تمام معاملات درست ہو جائیں گے۔ رسومات باطلہ خود بخود
ختم ہو جائیں گی۔ شرک، بدعت اور دیگر رسوم پر عمل کرنے سے نیکی نہیں آسکتی۔ نیکی تو تقویٰ
کو اختیار کرنے سے آئیگی، لہذا اس کے لیے کوشش کرو۔

طریقہ مستقیم

حصول نیکی کے متعلق ایک مسئلہ اصول یہ ہے کہ شریعت کے اصول پر
چل کر ہی آدمی کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس کو مستقیم وہی ہے۔ جو شریعت سے قائم
کیا ہے۔ لہذا اس راستہ کو اختیار نہیں کرو گے تو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ کام کوئی
بھی ہو، خواہ اس کا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے، ٹرسٹ سے ہو یا نظام حکومت

سے ہر شے میں کامیابی کا از حد طریق مستقیم پر چلنے میں مختصر ہے۔ رتیر کا شاہد ہے کہ مسلمان اس اہم قانون کی خلاف ورزی کے اکام ہوئے۔ انفرادی حیثیت سے لے کر نظام حکومت تک سب کی روئے قرآن و سنت کا راستہ اختیار کرنے پر پھر ہے۔ اسلام کے نفاذ کے لیے جیسے جسک اسلام کا بنایا ہوا طریقہ اختیار نہیں کیا جا گا کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پورے نظام حکومت کی تبدیلی محض بیوروکریسی کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اسلام کا بنایا ہوا صراط مستقیم اختیار کرنا پڑے گا۔

فرمایا ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کا قانون قرآن پاک میں بار بار بیان ہوا ہے۔ کہیں فرمایا لَا تَقْبَلُوا یعنی یہ ہدایت متعین کے لیے ہے۔ اگر یہ تقویٰ اختیار کر سگے تو فوز و فلاح کے دروازے کھلیں گے۔ لَا تَقْبَلُوا۔ لَا تَقْبَلُوا۔ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ کامیاب ہو جاؤ۔

سَيَقُولُ ۲

اَبَقَرَّةٌ ۲

ترجمہ: ہمارے دوست (۱۹)

تہمت ۹: ۲۳۰

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَفْكُرُونَ كُفْرًا وَلَا تَقْتُلُوا
 اَنْفُسَكُمْ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ ① وَقَاتِلُوهُمْ حَيْثُ
 تَقِفْتُمُوهُمْ وَاَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجَوْكُمْ
 وَاَفْسَنْتُمْ اَشْدَّ مِنْ اُقْتُلُوا وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
 الْحَرَامِ حَتَّى يُفْتَتِحُكُمْ فِيهِ ۚ فَاِنْ قَتَلْتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ
 كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ② فَاِنْ نَتَّبَعُوْا فَاِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ رَّحِيمٌ
 ③ وَقَتِّلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ لِلَّذِيْنَ
 يَنْهَوْنَ عَنْ اَنْتَهَوْا اَعْدَاؤُنْ رَدًّا عَلَى الصَّالِحِيْنَ ④

ترجمہ: ۱۔ اور اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی
 کرو بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ① اور نہیں یہاں
 بھی یاد قتل کرو اور ان کو نکال دیاں سے منبروں کے قتل گاہیں نکال دیاں۔ اور قتل گاہوں
 سے زیادہ سخت ہے۔ اور مسجد حرام کے پاس اُن سے سخت تر وہ یہاں تک کہ وہ
 ختم سے اُس میں لڑیں۔ اور اگر وہ انہیں تم سے پس ماند اُن کو۔ اس طرح ہر جے
 کفر کے قتل گاہوں کا ② اور اگر وہ بدکار ہیں۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ
 بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے ③ اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ
 نذر باقی نہ رہے۔ اور ان کا ہمتی کے جیسے جو بائیں۔ پس اگر یہ بدکار ہیں
 میں زیادتی کرو اُن لوگوں پر جو ظلم کرنے والے ہیں ④

اسلام کے پہلے چار اداکار کا بیان: اچھا دوسری میں اپنا ہے۔ اسی میں سے
 جاد کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ ان کا جاد ایک عام لفظ ہے اور یہ وسیع ترجمانی میں

جاد کی قسمیں

استغفار ہوتا ہے۔ اور قاتل غاص ہے۔ جس سے مرد جنگ ہے۔ جہاد ظاہری اور باطنی طاقت کو دشمن کے مقابلے میں بقائے امن اور امانت دہن کے لیے خرچ کرنے کا نام ہے۔ حضور علیہ السلام نے جہاد کی کئی شکلیں بیان فرمائی ہیں۔ **فِرَیْجَاجُہُ وَ لُشْرُکِیْنِ بِأَمْوَالِکُمْ وَ أَنْفُسِکُمْ وَ لِبَنَاتِکُمْ** یعنی مشرکوں کے خلاف اپنے مال جان اور زبان کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ صحیح حدیث منہ احمد اور ابوداؤد شریفین میں موجود ہے۔ جان و مال کے ساتھ جہاد کی صورت تو واضح ہے۔ کہ کلمہ توحید منکر کرنے کے لیے انسان، مال خرچ کر کے در دراز کے سفر کی صعوبتیں برداشت کر آئے تیر و تلوار اٹاتا ہے اور پھر اپنی جان تک کا نذر پیش کر دیتا ہے۔ البتہ زبان کے ساتھ جہاد و اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنا ہے۔ تصنیف و تالیف کی ہے۔ دین کی کوئی کتاب لکھی ہے رسالہ تہ تہب دینا ہے۔ بحث نماز و کیا ہے۔ یہ سب چیزیں جہاد باللسان کا حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کا مبارک فرمان ہے **يُؤْتِي هَذَا دُ الْعَلَفَ تَرِبَ ذِمَّ الشُّكَّ لَوْ يَكُونُ بَقِيَّةً مَعَهُ** یعنی دینی تصنیف و تالیف کا کام کرنے والے علماء کی سیاحت کا وزن ثبات کے روز شیعوں کے خون کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ ہونے والی سیاحت شہداء کے خون کے برابر مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے در شہید کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **يُحْسِنُ بِأَقْوَدِ الْفُطْرَةِ** یعنی شہید اپنے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے معاف کر دیا جاتا ہے۔ یعنی یا مہاتما ہے۔ اس کے تمام حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں البتہ حقوق انبیاء کا بار اس کے سر پر پڑتا ہے۔ کسی کے ساتھ نین دین کیا ہو کسی کی نیاز سانی کی ہر بول دکھایا ہو اس کا معاملہ فریق ثانی کے ساتھ ہے۔ اس سے ایسے حق کی معافی متعلقہ حقدار کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کو قدر بھی کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ قبر کی تزئین سے مہربان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس کی سفارش بھی

تول فرشتے ہیں۔ اور اس کو بہت اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہے۔ یہ جہاد با سینٹ ہے جس کی تعریفیں خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **فَيُفْتَلُونَ وَلِيَّتُ لَنَ** یعنی کبھی مومن کا ذکر کرنا نہ لانا ہے۔ اور کبھی غیر مومن کا ذکر کرنا نہ لانا ہے۔

جہاد پورے جہن

مسلمانوں کے مسئلہ جہاد پر بعض سب سے دین قسم کے لوگ غصہ کیا ہیں۔ ان کے پاس کیا ہے۔ کہ لوگوں کو کھوار کے ذریعے مغرب کر کے دین میں داخل کرنا۔ اس کا انصاف ہے۔ تاہم اگر تعصب کی بینک اتار کر دیکھا جائے تو مومن کو باک جہاد کا کہہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ بلکہ بعض اوقات یہ لازم ہو جاتا ہے جب دنیا میں فتنہ و فساد کا بڑا گرم ہو جیسے کسی کی جان و مال محفوظ نہ رہے تو پھر سینے لوگوں کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا کے تمدن لوگ مسیحت کو تسلیم کرتے ہیں کہ عہد کی جان و مال اور عزت و اہم کی حفاظت ہونی چاہیے۔ تو پھر انہیں فلسفہ جہاد کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر ظلم و ستم کی تصحیح ناممکن ہی نہیں۔

اقتدی اور
دعا کی جہاد

جہاد دو قسم کا ہے۔ اقوامی یعنی جارحانہ و دفاعی یعنی مدافعتی مسلمان کے یہ عام حق ہیں۔ کہ وہ جنگ میں پل نہ کرے۔ بلکہ اگر دشمن جمعہ آور ہو جائے تو اپنا دفاع کرے۔ مگر بعض اوقات قدرتی جہاد بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ شلو و ذی مہر فرماتے ہیں۔ کہ بعض نفوس شریک نہ ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے اذیت جان کے نقصان کی آگ میں سب سے ہیں۔ اور معاشرہ کے امن و امان کو ناہ کرتے ہیں۔ یہی نوع انسان کے امن کی خاطر لوگوں کے جان و مال و عزت و ناموس کی خاطر بعض اوقات جہاد میں جارحانہ انداز بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ اس شر و فساد کا قلع قمع کیا جاسکے جس نے معاشرہ کے امن و امان کو تباہ کر رکھا ہے۔ شاہ صاحب نے حجۃ رتہ الباطن میں یہ شخص کی مثال خطبات کی چھڑے سے دی ہے جس طرح انسانی جسم کی حفاظت کے لیے جسم کے گلے سڑے جھٹے کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے یا جس طرح کسی پھونٹے کا پریشون کہ دینہ بعض کی نصحت کے

دیکھو مسلمانوں کے ساتھ پہلی تین جنگیں کہاں لڑی گئیں۔ پہلی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی جو مکہ کے سینکڑوں میل فاصلے پر ہے۔ جب کہ مدینہ سے قریب ہے، پھر دوسری جنگ احد کے میدان میں ہوئی، وہ بالکل ہی مدینہ کے مضافات کا واقعہ ہے۔ کفار نے اتنی دُور سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اور تیسری بڑی لڑائی جنگ خندق ہے۔ اس میں بھی کفار تین سو میل کا سفر طے کر کے حملہ آور ہوئے مگر اہل اسلام نے مدینہ کے اندر رہ کر اپنا دفاع کیا۔ لہذا مسلمانوں پر یہ الزام لگانا قطعاً ناروا ہے۔ کہ ان کا دین تلوار کے فیصلے پر چلا۔ فرمایا جو تم سے لڑتے ہیں انہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔ **قُلْ قَاتِلُوا مَنْ يَظُنُّ أَنَّكُمْ دِينُكُمْ** سے لڑائی نہیں کرنا۔ تم اُس سے مت لڑو اور بے گناہوں کو قتل نہ کرو۔ مقصد یہ کہ تم سے تو لڑنے کے لیے میدان جنگ میں تو حیران آئے ہیں۔ تم ان کو مارو مگر ان کے بچوں، ان کے بڑھوں اور ان کی عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ ایک جنگ کے دوران حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک عورت مری پڑی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے اور **قَتَلْنَا عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْغُصْبَانِ** عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا کہ یہ زیادتی ہے۔ اسی طرح کوئی بہت بوڑھا ہے، معذور ہے، ہتھیار بھی نہیں اٹھا سکتا، یا اصحابِ اصطلاح میں سے ہے۔ کہ کنیا میں بیٹھا رہتا ہے۔ دنیا سے کنویشن ہو کر عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ ایسے شخص پر ہتھیار اٹھانا قادی کی بات ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

زیارت کی
محافت

خلفائے راشدین نے بھی سینہ پٹے عہد میں حکم دیا **أَعَزُّوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** اللہ کے راستے میں جہاد کرو، مگر کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی بچے پر ہاتھ نہ اٹھانا، کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچانا اور جو لوگ دنیا سے الگ تھلک کر گیا ان میں جاگیریں ہو گئے ہیں ان کو بھی قتل نہ کرنا جو کوئی تہلے مقبض پر لڑنے کے لیے آتا ہے اس سے لڑائی کرو اور اس کو قتل کرو، بے گناہ پر زیادتی مت کرو۔ حضرت امیر مومنین نے فرمایا کہ ہم ہمیشہ فرمائی تھی کہ کسی بھل دار درخت کو نہ کاٹنا، سوائے

اس کے کوئی خاص ضرورت کے تحت ہو، محض غلیم کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔

مفسرین کرام نے وَلَمْ تَقْتُلُوا كَاكِبًا اور مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ جہاد صرف دین کی خاطر کرو، اس کے علاوہ جہاد کا اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص شریعت حاصل کرنے کے لیے بہادری دکھانے کے لیے یا ماں و دولت بکھا کرنے کے لیے جہاد میں شریک ہو رہا ہے، تو یہ زیادتی ہوگی۔ اسی لیے فرمایا توئی نہ کر۔ بلکہ خاص دین کی سرپرستی کے لیے جہاد میں حصہ ہو۔ گویا اسلام کا جہاد امت پاکیزہ ہے۔ کہ دین کے علاوہ کسی اور مقصد سے جہاد کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔

اب اسلام کے جہاد پر اعتراض کرنے والے نام نہاد متحدین لوگوں کا حائل ملاحظہ فرمائیں۔ دنیا کی خاطر لڑی جانے والی جنگ میں ہزاروں لاکھوں بے گناہ جانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہسپتالوں پر بمباری کر کے مر لیزوں تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری جنگ عظیم میں چھ کروڑ کے قریب انسان لقمہ اجل بن گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ کے لگ بھگ گیارہ لاکھ بے گناہ اور اضعاف بمباری سے کھیت تباہ ہو گئے، جانور ہلاک ہوئے، عورتیں اور بچے بھی اس بلا کے شکار ہوئے۔ آخر یہ کون سی تہذیب درگزر کرنا تمدن سیراٹا اللہ لَا يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا فِي شُكٍّ اَللّٰهُ تَعَالٰی زیادتی کرنا اور کفر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بھی کچھ اصول مقرر فرمائے ہیں، جن کے تحت ہی

جہاد کے اصول

جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ فرمایا رَأَيْتُمْ لَوْ هُمْ حَيْثُ لَقِيتُمْ مُمُؤْنَةً یعنی جن لوگوں سے تمہیں جہاد کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان سے جنگ کرو۔ جہاں بھی انہیں پاؤ۔ وَخَيْرُ جُودٍ مِّنْ حَيْثُ اخْرَجْتُمْهُمْ اور تم بھی انہیں اس جگہ سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ مشرکین نے تمہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اب یہ بھی اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ اور یاد رکھو لَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اَلْقَتْلُ فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت سے فتنہ سے مراد کفر و شرک کا عکبر، بدعتی، ظلم و زیادتی ہے۔ اگر یہ لوگ ان وجوہات کی بنا پر ایمان کے راستے

لَا تَكُونُ فِتْنَةً ۚ اِن كے ساتھ جنگ کے وقت تک کوئی فتنہ باقی رہے ۔
 جہاد کی اصل غرض و غایت یہی ہے کہ دنیا سے فتنہ و فساد جہالت
 پر مبنی اور فظلمی اور کفر و شرک کا قلع قمع کر دیا جائے ۔ تاکہ غلبہ اسلام کے راستے
 میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے ۔

ذَلِكُمْ كُنَّا نَبِيِّنُ لَكُمْ اَوْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ اِن شریعت میں کوئی چیز
 میں داخل ہونا چاہیے اسے کوئی شخص بددعائے و زور و ہوا اور وہ بلا خوف و خطر دینِ حنیف
 کو اختیار کر سکے ۔ فرمایا هَلْ اَنْتُمْ اَشْقٰٓءُ اگر یہ لوگ اس قسم کی فتنہ انگیزی سے باز نہ رہیں
 تو میں اس میں رکاوٹ نہ بنیں ۔ نہ باری نہ کریں عَلَّا عُدُوْنَ رَبَّكَ عَسٰٓى
اَنْتُمْ صٰٓئِرٌ فٰٓتِنٰٓءٌ تو ان پر کوئی زیادتی نہیں ہے ۔ البتہ جو ظالم ہو گا ۔ اس کے خلاف
 جہاد کیا جائے گا تاکہ دنیا میں عدل و انصاف کو قائم کیا جاسکے ۔ اور فتنہ و فساد کا رونا
 ہمیشہ کے لیے بند کیا جاسکے ۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بھی بیان فرمائیے
 فریضہ حج کے بعد اسلام کا یہ ایک اہم کارکن ہے ۔

الْبَقَرَةِ

سَيَقُولُ

آیت ۹۶-۹۷

مَنْ مِّنْكُمْ

نَشْهَرُ الْحَرَمَ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرْمَتُ قَصَصٌ مِّنْ
عَتَدَىٰ عَيْنِكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا عَتَدَ
عَيْنُكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْمُوا لِلَّهِ مِن تَقِيٍّ ۝
وَالنَّفَقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُفْضِلُوا بَيْنَ الْيَتَامَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَحَسِّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

ترجمہ: حرمت کا بند حرمت کے نیچے کے مقابل ہے۔ ورنہ حرموں کا جو سہہ
پس جس شخص سے تم پہ فریاد کی رقم بھی اس پر نہ پڑتی کرو جیسی کہ اس سے زیادتی
کی ہے تم پہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کے ہوو اور بن کر وہ بہت شک اللہ تعالیٰ متنبوا
کے ساتھ سے (۹۶) اور اللہ کی مدد میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو بگاڑتے نہ کرو۔
اور احسان کر وہ بہت شک اللہ تعالیٰ احسان کو سنے دلوں کو پسند کرے (۹۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد و قتال کا حکم دیا تھا۔ اور اس کی
وجہ یہی بیان فرمائی کہ مشرکین کے گھر پر یا کہ وہ فتنہ و فساد کر رہے ہوں اور ظلم و زیادتی
کو ختم کر سکتے ہیں جہاد ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ
یہ جہاد پہ جہاد اپنے نفس کے لیے کیا جائے، البتہ اگر اخیار کے ظلم و ستم کی بناء پر
مخلوق خدا کی جان و مال اور عزت و ناموس خطرے میں ہو تو جہاد میں پس بھی کی جاتی ہے
ترجمت کے چار مہینوں کا ذکر بھی اچھا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق و رضو
سما کے وقت سے ہی بارہ مہینوں کی تعویذ عہد کر رکھی ہے۔ جس میں سے چار
مہینے حرمت شے ہیں۔ وقت ہر مہینے میں یہ امر مسلم ہے کہ بن چار مہینوں میں مشرک
بھی لڑائی نہیں کرتے تھے، بلکہ ماہِ رجب میں کسی کا نہیں ہڑتے تھے اور تجارتی

گزشتہ سورت

قسطے پڑا سن گزر جاتے تھے، ان مہینوں کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا۔ یہ چار مہینے حبس ذی قعدہ، ذی الحج اور محرم ہیں۔

حضرت محمد کا واقعہ انہی محترم مہینوں میں سے ذی قعدہ مستثنیٰ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ اس حضور میں چودہ سو کے قریب صحابہ آپ کے ہم سفر تھے۔ حبیب مکہ کے نزدیک حضرت عسیر کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے شرم میں داخل ہو گئے۔ یہ روک دیا۔ حالانکہ ہدی کے جانور صحابہ کے ہمراہ تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ قافلہ عمرہ کے ارادہ سے آیا ہے، نہ کہ جنگ و جدال کی نیت سے۔ حرمت والا مہینہ تھا۔ صحابہ نے احرام باندھے ہوئے تھے، سو مشرکین نے آپ کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا، آخر گفت کو شہید ہوئی، جس کے نتیجہ میں صلح سکاء معاہدہ لکھی گیا کہ اس سال مسلمان عمرہ ادا نہیں کریں گے، بلکہ آئندہ سال انہیں حج و عمرہ کی ہر گز تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کریں گے۔ صحابہ اس معاہدہ کے حق میں نہ تھے، انہوں نے عرض کی کہ حضور کیا خود بشارت آپ کا خواب غلط ہو گیا، آپ نے تو دیکھا تھا کہ ہم عمرہ ادا کر رہے ہیں، جانتے بڑا ہے، میں نے مگر ہامی یہ حسرت تو پوری نہ ہو گی۔ حضور نے فرمایا کہ میرے صحابہ! فکر نہ کرو۔ خواب بانگیا ہی تھا۔ ہم ضرور عمرہ کریں گے کیونکہ خواب میں یہ تو واضح نہیں تھا۔

کہ ضرور اسی سال کریں گے۔ عمرہ آئندہ سال بھی ہو نکلا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ پہنچے۔ مکہ میں شریف لائے اور عمرہ کیا۔ آپ کا یہ عمرہ، غمرۃ القضا کہلایا کیونکہ پہلے سال احمد و اسلام باندھ کر اس فرض سے سببکہ دشمن نہیں ہو سکے تھے۔ اور اخیر عمرہ کیے احسہ۔ دم کھول دیے تھے۔

سبب میں جب حضور علیہ السلام عمرہ مکہ کیلئے دوبارہ تشریف لائے۔ تو اس وقت بھی کفایہ مکہ کے بعد عمرہ کرنے اور عمرہ سے روک۔ مہینے کا امکان تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گزشتہ سال مشرکین نے محترم مہینوں کا ادب نہ کیا تو

جنگ کی
اجازت

مقابل جائیں، نیا دلی نہیں کرنا۔ یہ مسلمان کے لیے دائمی قانون ہے۔ بر ملا اس کے
کفار و مشرکین نے ہمیشہ عہد کر لیا یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے قانون کی پروا
نہ کی اور ذلیل و خوار ہو گئے۔ انہوں نے اللہ کا خوف نہ کیا یا میدان جنگ کے علاوہ
عورتوں اور بچوں کو نہ شمع کیا۔ لڑکھوں پر ہاتھ اٹھایا۔ آج کی دنیا میں بھی امریکہ ہویا برطانیہ
روس ہویا فرانس جب آتش اتھام بھڑکتی ہے۔ تو مشرکوں پر بمباری کر دینے سے نہیں
بچ سکتے۔ کتنے مشرکی ہیں جو لقمہ اجل بن جاتے ہیں سکتے ہیں۔ ہیں جو جانبر نہیں
ہو سکتے۔ آج کی دنیا کے یہ نام نہاد تمدن لوگ جب درندگی پر اتر آتے ہیں۔ تو پھر
تمام انسانی قدروں کو روند ڈالتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ کہ یہ لوگ خوف
خدا سے عادی ہیں۔

بہادو جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لیے اخراجات کو دگرسی حیثیت حاصل
ہے۔ مال و دولت کے بغیر جب دکان کوئی تصور نہیں، اس لیے یہاں پر حکم ہوا کہ انھوں
فی سبیل اللہ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ وَلَا تُسْوَءُوا بِكُنُوزِكُمْ
إِلَى الْأَشْهُلِكُمْ اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آیت کو سمجھنے میں بعض
صحابہ کو اشتباہ ہوا تھا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس عقدہ کو حل کیا تھا۔
یہ وہی جلیل القدر صحابی ہیں۔ جنہیں مدینہ حبیبہ میں حضور علیہ السلام کی میزبانی کا شرف
اولین حاصل ہوا تھا۔ ہجرت کے موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ میری اڑٹنی
امور میں اللہ ہے۔ یہ جہاں پر بیٹھ جائے گی۔ اسی کے مال میں قیام ہوگا۔ چنانچہ یہ سعاد
حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے حصے میں آئی اور وہ آپ کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر
لے گئے۔ جب تک مسجد نبویؐ وہ آپ کا حجرو تیار نہ ہو گیا، آپ اسی صحابی کے
ہاں مقیم رہے۔ حضرت ابو ایوبؓ استنبول کے جہاد میں شریک ہوئے۔ وہیں
آپ کی وفات ہوئی اور استنبول کی دیوار کے قریب دفن ہوئے۔ حضور علیہ السلام
نے اس جہاد کی پیش گوئی فرمادی تھی۔ کہ آخری زمانہ میں مسلمان استنبول جو ترکی
کا دار الخلافہ ہے کو فتح کریں گے، پورا نے زمانے میں اُسے قسطنطنیہ کہتے

تھے۔ پھر جب دہال کا نامہ قریب آئے گا تو اس علاقہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا اس کے بعد پھر مسلمان غائب آجائیں گے۔

اغرض اس جہاد کی گمان مشورہ سید سالار علی الدین ولیہ کے بھائی عبدالرحمن بن ولیہ کر رہے تھے۔ میدان جنگ کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ سامنے دشمن تھا۔ اور سواروں کے پیچھے دیوار تھی۔ گویا مسلمان گھومتے ہوئے تھے۔ ایک مسلمان جذبہ جہاد میں کنر کی صفوں میں گھس گیا، بڑے زور شور سے ملے کیا۔ باطل کی غریب جس طرف یزید کو لے لڑائی میں جنت بہت زبیر لاکھ سو لاکھ کفار کی صفوں پر تن تنہا حملہ آور ہوئے تھے۔ اسی طرف یہ گھوڑا سوار صحابی دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دوسری طرف کھلے اور پھر اُدھر سے حملہ آور ہو کر واپس آئے۔ اس موقع پر ایک شخص سننے پر ریت پڑھی وَلَمْ تَسْمَعُوا نَادِيَ يَكْفُرًا لَّيْلًا لَّتَهْلِكَ جُثَيِّمًا جینی اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرتے ہیں تو ان کو نہ سنا تھے بڑے لشکر میں گھس بنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

حضرت ابوالبس انصاریؓ وہاں موجود تھے، کہنے لگے ہمیں اس کو یہ صاحب نہیں جو نہ سمجھتے ہو۔ یہ آیت قرآنی ہے، یعنی انصار مدینہ کے باشندے ہیں ازل ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کو ترک کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی اگر تم نے جہاد سے منہ موڑ لیا۔ تو میں جب تک القوم نہ روکنا روکے۔ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ہم نے مہاجرین کی سہرا بانی کی۔ پھر مدینہ کی مہاجرین کی نظر میں، پھر حبشہ دین کو بانی عالم غلبہ نہیں ہو گیا۔ تو یہ انصار نے خیال کیا کہ ہم مالی لحاظ سے بہت پیچھے رہ سکتے ہیں مگر سب سے پہلے ہم دیار اور بیرون کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس موقع پر یہ آیت ازل ہوئی اور نازل ہوئی ہے بات سمجھا دی کہ کاروبار میں مصروف ہو کر جہاد اور اخلاق فی سبیل اللہ کو ترک نہ کر بیٹھا۔ اگر ایسا کی تو ذلیل و خوار ہو جاؤ گے، ہلاکت میں نہ جاؤ گے۔ لہذا جہاد کے لیے ہر آن اور ہر لمحہ کمر بستہ رہو۔ مطلب یہ ہے کہ دشمن کی صفوں میں گھسنا

ہلاکت کا باعث نہیں بلکہ جہاد سے روگردانی کرنا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔
 اگر جہاد ترک کر دوں گے، آرم غلبہ بن جائے گا، تو دشمن تم پر غالب آکر تمہیں
 ہلاکت میں ڈال دے گا۔

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے جلیل القدر شاگردوں نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور
 تابعین میں سے ہیں۔ آپ کی ملاقات آنحضرتؐ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منعزل
 ہے۔ آپ کے علاوہ باقی تینئمہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ میں سے کسی کو
 تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ پیشہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہؒ تاجر تھے
 آپ کے کارخانہ میں کپڑا تیار ہوتا تھا، جسکی آپ دیکھ کر ہلکے پر تجارت نہ کھتے
 تھے اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا تھا اور پھر اسے خرچ کرنے کا جو صلہ بھی عطا فرمایا تھا
 خصوصاً غریب طلباء کی اس طرح مدد کرتے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ آپ
 کے شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، جن میں بڑے قابل لوگ ہوئے ہیں۔
 خصوصاً امام ابو یوسفؒ علم حدیث میں بڑی دسترس رکھتے تھے اور امام محمدؒ۔
 لغت دانی کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ آپ امام شافعیؒ کے استاد تھے
 امام احمدؒ کا قول ہے کہ جس مسئلہ پر امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جمع ہو
 جاتیں، تو پھر مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان تینوں کا اجماع گریافتہ حدیث اور زبان
 کا اجماع ہے۔ دنیا میں فقہ حنفی کی اس قدر پذیرائی امام صاحب کے قابل شاگردوں
 کی زنجبک محنت کا نتیجہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ اپنے دور میں ساتھ لاکھ مرنج
 میں پچھلے سلطنت خلافت کے چھت جٹس تھے اس وقت اسلامی مملکت
 ایک طرف خراسان تک اور دوسری طرف افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ امام مالکؒ
 ابن سعدؒ، امام مالکؒ کی طرف بڑے امام تھے مگر ان کے شاگردوں میں کوئی
 قابل ذکر ہستی نظر نہیں آتی۔ امام شافعیؒ کے شاگرد بڑے قابل تھے، لہذا ان
 کا مسلک دور دور تک پھیلا۔ امام احمدؒ کے شاگردوں نے بڑی محنت کی جسکی
 وجہ سے آپ کا مسلک بھی پھیلا۔

قانون صلح
جنگ

ہم محمدؐ نے سیر کبیر اور سیر صغیر دونوں کتابیں لکھی ہیں ان میں سیر کبیر اسلام کے قانون صلح و جنگ کے متعلق ہے۔ اسلام کے اس قانون کو سمجھنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی کتاب نہیں۔ اس میں احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلمؐ بڑھ کر اور ائمہ عظامؒ نے راشدینؓ کے فیصلوں کی روشنی میں مسائل صلح و جنگ کو حل کیا گیا ہے۔ ان کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اگر کفار کی کثیر تعداد سامنے موجود ہو تو اس کے ساتھ ایک تنہا مسلمان کو جنگ کرنا کس حد تک درست ہے۔ جب کہ اس کی جان تلف ہو جائے گا غالب گمان ہو کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ایسا کھینے سے دشمن کو نقصان پہنچ سکتا ہو جس کا بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو فائدہ ہو تو اس قسم کی قربانی پیش کرنا درست ہے۔ اور اگر ایسا کرنے سے نہ کفار کو نقصان پہنچ سکتا ہو اور نہ ہی اسلام کو فائدہ ہو تو پھر محض جان کا ضیاع ہے۔ ایسا نہیں کیا جائیگا۔

انفاق فی
سبیل اللہ

یہاں پر مطلق حکم ہے۔ **وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ اللہ کا راستہ کون سا ہے۔ قرآن پاک میں اس کی مختلف مدت بیان کی گئی ہیں۔ **مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ** میں بھی یہی بات ہے خرچ کری مگر کہاں۔ تو اس کی تشریح پہلے آچکی ہے۔ سب سے پہلے زکوٰۃ ادا کرو پھر حج و عمرہ کا خرچہ ہے۔ خربار و مساکین پر خرچ کرو۔ اس کے بعد دفاع ہے اور اسی میں جہاد فی سبیل اللہ بھی آتا ہے۔ اور پھر اللہ کے راستے کی آگے کی شافیں ہیں۔ جیسے دین کی تعلیم کا شعبہ ہے تصنیف و تالیف کی بدست، مجاہدین کی اعانت ہے۔ ان حسب امور یہ خرچ کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، محض زکوٰۃ ادا کر دینے سے سائے مالی حقوق اور امنیں ہو جاستے بلکہ **إِنِّي فِي الْمَاءِ حَافٍ** سَوَى الزَّكَاةِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے فرائز زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں حق باقی ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کے بعد صدقہ فطر واجب ہے۔ قربانی بھی واجب ہے۔ اسی طرح اعزہ و اقارب پر خرچ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اخراجات سنت اور مستحب ہیں۔

این۔ سب میں خرچ کرنا چاہیئے اور سب سے بڑھ کر باد کی مدد سے اسرائیل املام میں مد میں خرچ نہیں کریں گے تو دشمنی غلبہ پا جائے گا اور مسلمان ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور پھر نہ صرف مل عناصر ہو گا بلکہ ہمیں بھی تھک ہوگی۔ آپ تاریخ ٹھاکر دیکھ لیں۔ تاتاریوں کے حملوں کے بعد مسلمانوں کے قدم نہیں جم سکے۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں قرآنی کا جذبہ باقی نہیں رہا۔ غیر مسلم اقوام زیادہ خرچ کرتی ہیں۔ اسلحہ سازی اور دوسری ٹیکنالوجی پر جو کچھ رقم بچے اور روکس خرچ کر رہے ہیں اس کی مثال کمال ملے گی۔

فضول خرچی

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی ایک مجلس میں یہ خبر موضوع بحث بنی کہ نجد کے کسی امیر نے فرانس سے تین لاکھ دریال میں بنانا یا حمام منگوایا ہے۔ آپ نے بڑے افسوس سے فرمایا، یہ مسلمانوں کی بد بختی ہے۔ کہ حمام پر اتنا خرچ کر دیا ہے۔ اگر اس رقم سے کوئی فیکٹری لگا دے تو ملک و قوم کا فائدہ ہوتا۔ حمام تو محض نمود و نمائش اور عیاشی کا سامان ہے۔ اس سے قوم کو کیا فائدہ پہنچے۔ اس زمانے کی بڑی بڑی ہمتیں اور ان میں تعیش کا سامان مسلمانوں کے کون سے کردار کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بڑی بڑی قیمتی گاڑیں درآمد ہو رہی ہیں، غیر ملکی خورد کرد کشت ویاں ہو رہی ہیں لاکھوں روپیہ رنگ و خاموس کے نام پر برباد کیا جا رہا ہے۔ مگر کیا مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے مختلف گوشوں میں، نگر بندے کس قدر ذلیل کیا ہے۔ رندس اور امریکہ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس انفرادی قوت ہے۔ ہیشمار وسائل دنیا میں مگر سب عیاشی کی نذر ہو رہے ہیں۔ اتفاق فی سبیل اللہ کہ ترک کر دیا گیا ہے۔ ایک فیصد بھی صاحب ثروت آپ کو نہیں ملیں گے جینے مال کا معقول حصہ دین کی مخالفت اور اس کی بقا کے لیے خرچ کر رہے ہوں۔

تبلیغ دین

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں نواب نجیب الدولہ تھے اپنے دور میں پانچ سو علماء کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وظیفہ پانچ پہلے سے لیٹر پانچ سو پہلے کسبت تھا۔ اس وقت کے پانچ سو پہلے آج کے پانچ ہزار سے

زیادہ حیثیت رکھتے تھے۔ یہ وظیفہ محض علم دین کی تحصیل کے لیے دیا گیا تھا اور وہ لوگ نواب کی کسی پالیسی کے پابند نہیں تھے۔ جیسا کہ آج کل یورو کریسی کا شیوہ ہے کہ کسی کو چند ٹکے دیکر اچھے کا دین ایمان تک خرید لیا۔ ایسا نہیں تھا۔

آج مسلمان تبلیغ دین کے لیے کتنی رقم خرچ کر رہے ہیں۔ عیسائیت کا راستہ بند کرنے کے لیے کیا تہہ بھر اس اختیار کی جا رہی ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے اربوں روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ کہیں سکول کے نام پر، کہیں کسی ہسپتال کی سڑیں اور کہیں کسی اور سماجی ادارہ کی صورت میں یہ کچھ ہو رہا ہے۔ مگر پچھلے دین کا داعی مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوا۔ خدا کا فرمان ہے خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مگر ہم پر کوئی اثر نہیں۔ ایسی صورت حال میں دشمن غلبہ حاصل نہیں کرے گا، تو اور کیا ہو گا۔

فرمایا: وَاحْسِبْنَا عَنِ السَّخِيفِينَ کے ساتھ احسان کرو۔ قربت دالوں غریبوں، مسکینوں، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ہے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اگر اللہ کی رضا چاہتے ہو تو اللہ کے راستے میں خرچ کر کے احسان جیسے اہم اصول پر عمل کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کر لے دالوں، کفر و شرک و بدعات کے مرتکبین کو سبھی پسند نہیں فرماتا۔

احسان کرو

سَيَقُولُ

الْبَقَرَةُ ۲

در اس بشاد (۸۰)

آیت ۱۹۰

وَاتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ
 مِنْ لَهْدِيٍّ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ
 مَحِلَّهُ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ
 فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ
 فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْفَرَقِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
 فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ يَوْمٍ ۚ الْحَجُّ وَسَبْعَةٌ إِذَا
 رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ
 حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۸۰﴾

ترجمہ

ترجمہ: اور جو کہ حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پھر اگر تم روک دیے گئے تو جو
 بہترین قربانی کر دو اور پٹ سروں کو نہ منڈاؤ یا انہماک کہ قربانی سپنے ٹھکانے پر
 پہنچ جائے پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو، پس
 نہ یہ سب روزے سے یا صدقہ سے یا قربانی سے ہے۔ پس جب تم امن کی حالت
 میں ہو تو پھر جس شخص نے فائدہ اٹھایا عمرہ کا حج کے ساتھ، پس جو میرے قربانی
 سے جو شخص قربانی کا جانور نہ پائے پس وہ تین دن کے روزے سے حج کے ایام میں
 رکھے اور سات روز سے جب تم یا پس وٹو۔ یہ دس روزے پورے ہیں۔ یہ حکم اس
 شخص کے لیے ہے جس کا گھر یا مسجد حرام کے پاس نہ ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ

سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۸۰﴾

اس سے پہلے نئے چاند کے متعلق ذکر کیا ہے کہ چاند اوقات اور

خاص طور پر حج کے اوقات محالہ کر سنے کا ذریعہ ہے۔ لہذا قمری مہینے کی تقویم ضروری ہے۔ حج اور اس کے ساتھ جہاد کا بیان بھی آگیا ہے۔ قال فی بیل لہ کی غرض وغایت بھی آگئی ہے کہ اس سے مقصود فقط دف وئی بیج کنی ہے۔ جہاد ہی کے ضمن میں الفتح فی بیل اللہ کا ذکر بھی آچکا ہے۔ اس کے بغیر جہاد کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور اگر جہاد کا جذبہ ختم ہو جائے گا تو دشمن غالب آجائے گا۔ حرمت ملے مہینوں کا بیان بھی آچکا ہے۔ کہ یہ کون کون سے مہینے ہیں۔ در پھر ان میں قتال کے کیا حکام ہیں۔ مسلمانوں کو ان مہینوں کا پورا پورا احترام کرنے کا حکم دیا گیا، تاہم اگر کفار لڑائی سے باز نہ آئیں، تو پھر مسلمانوں کو بھی اس کا جواب دینے کی اجازت دی گئی ہے۔

حج اور عمرہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پراکرنے کا حکم دیا ہے اور اس سفر کے دوران اگر حصہ پیدا ہو جائے یعنی رکاوٹ کھڑی ہو جائے اور کوئی شخص حج و عمرہ کی تکمیل نہ کر سکے، تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ مسائل بیان ہوتے ہیں حج اور عمرہ کے ارکان ملتے جلتے ہیں، تاہم ان کی ادائیگی کے اوقات مختلف ہیں۔ عمرہ کو حج صغر بھی کہتے ہیں۔ در یہ سال بھر کے تمام ایام میں سہا ایام حج کے اراد کیا جاسکتا ہے۔ حج مخصوص یہ یعنی ذی الحجہ کی آفتوں کی تیرہویں تاریخ کو ہی اراد کیا جاسکتا ہے۔ ان ایام کے علاوہ کسی اور تاریخ پر حج اراد نہیں ہو سکتا۔ حج عمرہ میں صاحب استطاعت کے لیے ایک دفعہ فرض ہے۔ البتہ عمرہ سنت ہے ہاں اگر ایک دفعہ اس کی نیت کرے تو پھر واجب ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر عمرہ کا ارادہ لیا ہے، تو پھر رزما اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ اگر سفر کے دوران کوئی رکاوٹ پڑ جائے اور انسان عمرہ مکمل نہ کر سکے، تو اسے بہر حال قضا کرنا ہوگا اس لیے اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ خود حضور علیہ السلام کا عمل موجود ہے۔ آپ نے صحابہ کو ارادہ کے بعد اسلحہ میں عمرہ کا سفر اختیار کیا مگر حدیبیہ کے مقام پر کھارٹے روک دیا۔ در بغیر عمرہ اراد کیا، واپس جانا پڑا۔

آپ نے اگلے سال یعنی سکہ میں اس کو قضا کر لیا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کا اکٹھا حکم دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد کا حکم بھی ہے۔ حج کے بعد جو زیارہ مشقت طلب عبادت ہے، وہ جہاد ہے۔ اس میں مال ورجان دونوں کی بادی گمانا پڑتی ہے چونکہ حج میں بھی مال ورجان دونوں چیزوں کا حصہ ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے غزواتوں سے فرمایا تھا چھک دُکھی گئے حج تہارا جہاد حج ہے۔ یعنی تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔ تمہارے لیے حج ہی کافی ہے کیونکہ اس میں بھی جہاد کی طرح مال ورجان کی ضرورت ہوتی ہے۔

رماد ہوتا ہے، وَتَسْتَوُوا لِحَجِّ وَالْعُمْرَةِ لِلَّهِ حج اور عمرہ کو اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرو۔ یعنی اگر سفر کے دوران تمہارا حج یا عمرہ مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ تو اس کو بعد میں پورا کر لو، یہ واجب ہے حج کا لفظی معنی قصد کرنے کا ہے۔ اور مراد اس سے مخصوص ایام میں افعال مخصوصہ کا قصد ہے جو کہ بیت اللہ شریف اور اس کے مضافات میں خالص نیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا معنی فقط زیارت ہے۔ اور یہ حج کے مخصوص ایام کے علاوہ پورے سال میں کسی وقت بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

لہذا عام فہم معنی اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ جس طرح دیگر عبادت نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ اللہ کی رضا کی خاطر ہی ادا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح حج و عمرہ کے متعلق فرمایا کہ انہیں اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرو، تاہم اس مقام پر ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ حج و عمرہ جیسی مشقت طلب اور صبرانہ عبادت صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے اس میں غرور و تکبر اور فخر و تفاخر کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے حج پر روانہ ہونے وقت بینڈ بجانے کا استعمال اور گلے میں ہاروں کے فیروزے تشییر تفاخر کی نشانی ہے۔ عام طور پر تو غریب و افقارب ہی حاجی کو ہار پہناتے ہیں مگر خود شاہی کا پہلوانی ص طور پر اس وقت نمایاں ہوتا ہے۔ جب حاجی خود اپنے گلے میں ہار ڈال کر اپنی حیثیت کو نمایاں کرتا ہے حج سے دلچسپی پر بھی

سے باہر جاسے۔ ابتداً نام ابو عیینہ فرماتے ہیں کہ قربانی حرم کی حدود میں ہوئی چاہیے اور اس کا طریق کار یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نو سکر شخص کے ہاتھ قربانی بھیج دی جائے اور اس سے ملے کر لیا جائے کہ فداں دن ملاں وقت پر قربانی حدود حرم میں کر دینا پھر جب عین غالب ہو جائے کہ سٹے شدہ پر وگرام کے مطابق قربانی پوچھی ہے تو احرام کھول دے۔

اسی بات کے متعلق فرمایا کہ تَحْتَ لِقَائِهِمْ حَتَّى يَبْلُغَ لِقَاءَهُمْ مَجِدَّةً اور اُس وقت تک سر نہ منڈا کہ جب تک قربانی پہنچے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔ اور ٹھکانہ اس کا حدود حرم ہے۔ جیسا کہ تَحْتَ مَجِدَّةً إِلَى الْبَيْتِ الْحَقِيقِ یعنی قربانی کا محل بیت عتیق ہے سر نہ منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ اب احرام کھول سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی ترتیب ہی یہ ہے کہ پہلے قربانی کہے۔ پھر سر نہ منڈائے اور پھر احرام کھول دے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ قربانی کا محل وہی جگہ ہے جہاں رکاوٹ رفع ہوئی ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ستر میں جب آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام پر رک دیے گئے تھے، تو آپ نے وہیں قربانی ٹھکانے کا احرام کھول دیا تھا اور زلیخا مدینہ عتیقہ رازہ ہو گئے۔ جد سے لے کر جسے آئے حد بصرہ تک ۲۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر سب سے آجکل شکیہ کہتے ہیں یہ وہ حرم ہے۔ نشان کے طور پر وہاں سفید مینار بنائیے گئے ہیں۔

اب صاحب فرماتے ہیں کہ حضور عید اسلام کی قربانی حدود حرم کے اندر عتیق کیونکہ آپ حد حرم پر ٹھہرے ہوئے تھے اور آپ نے حد کے اندر قربانی کی تھی لہذا قربانی کے ٹھکانے سے مراد حد حرم ہے۔ بہر حال حج یا عمرہ نامکمل چھوڑنے کی صورت میں جس کی رائیگی واجب ہو جاتی ہے اور اسکی قضا لازمی دینا ہوگی۔

جب کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہے تو اس پر بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سلا ہوا لباس نہیں پہن سکتا نہ غیر نہیں لگا سکتا، باں اور ناخن

اسی لیے اہم ابو حنیفہؒ قرآن کہ افضل قرار دیتے ہیں۔

حج کی تیسری قسم تمتع ہے اور عام طور پر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی حج تمتع اور قربانی کے مہینوں میں ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج کا علیحدہ علیحدہ احرام باندھا جاتا ہے۔

میتعت سے عمرہ کا احرام باندھا، مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کیا اور احرام کھول دیا پھر آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھا اور دس تاریخ کو قربانی کر کے اور حجامت بنوانے کے بعد کھول دیا اور حج کے باقی ارکان پورے کر دیے۔ ایسی صورت کے متعلق

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ فَإِذَا أَكْمَلْتُمْ دِیْنَکُمْ پس جب تم امن کی حالت میں ہو یعنی حج و عمرہ کی ادائیگی میں کوئی اسراف نہ ہو۔ اور ایک ہی سفر میں فَمَنْ قَسَمَ بِالْحُجَّةِ یا بِالْعُمْرَةِ کہ لَا الْحَجَّ جس شخص نے فائدہ اٹھایا عمرہ کا حج کے ساتھ یعنی عمرہ اور حج دونوں ایک ساتھ کئے۔ اور یہی صورت قرآن میں پیش آتی ہے۔ کہ کوئی شخص ایک ہی سفر میں حج و عمرہ دونوں سے فارغ ہونا چاہتا ہے تو فرمایا فَمَنْ اسْتَسْرَعَ مِنَ الْهَجْدِ پس جو میرے ہرقربانی دی جائے۔

یہ قربانی دراصل دم ہے اُس نقصان کا جو تم سے حج و عمرہ ایک سفر میں پرانے کی وجہ سے اٹھانا پڑتا اگر حج اور عمرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ سفر اختیار کرتا، تو وقت بھی زیادہ دینا پڑتا، خرچ بھی دوگنا ہونا اور محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی۔ اور ظاہر ہے کہ ان کا ثواب بھی زیادہ ہوتا۔ اب ان چیزوں کی بچت کر کے اُس کے ثواب میں جو بھی واقع ہوتی یہ قربانی اُس کا نعم البدل ہے۔ اسی لیے اہم شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قربانی عام قربانی کے حکم میں نہیں آتی ہے۔ بلکہ یہ تو جزا ہے لہذا قربانی لینے والا طے خود استعمال نہیں کر سکتا بلکہ سادی کی ساری صدقہ کرنی ہوگی حالانکہ عام قربانی میں سے ہر امیر غریب خود بھی کھا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے ہم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دم شکر کا دم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں دو نعمتیں عطا کی ہیں یعنی عمرہ اور حج دونوں ادا کئے ہیں لہذا اس کا حکم عام قربانی کا ہے۔ اور اس میں خود بھی کھا سکتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے۔

سنا ہے۔ البتہ ایسی قربانی کو حدود حرم کے اندر ذبح کرنا ضروری ہے۔
 بعض عورتیں ایسی بھی پیش آسکتی ہیں کہ انسان قربانی کرنے کی پوزیشن
 میں نہ ہو۔ ایسے ہی حالات کے متعلق فرمایا فَمَنْ لَمْ يَجِدْ جو کوئی قربانی نہ
 پاسے فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ تو وہ ایام حج میں تین روزے
 رکھے وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ اور سات اس وقت جب تم واپس
 لوٹ جاؤ وَتِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ یہ پورے دس ہو گئے۔ یعنی جو شخص حج قرآن
 یا حج تمتع ادا کرے اور قربانی کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہ ہو یا جانور نزل
 سکے، تو اس قربانی کا نعم البدل دس روزے ہیں۔ تین روزے تو واضح ہیں کہ ایام حج
 میں رکھے جائیں گے یعنی ذی الحج کی سات، آٹھ اور نو کو رکھے جائیں۔ کیونکہ دس ماہ حج
 کو روزہ رکھنا منع ہے۔ البتہ سات روزہ دل کے متعلق اختلاف ہے، اہم شافعی
 فرماتے ہیں کہ واپس لوٹنے سے مراد حاجی کا سینہ وطن پہنچنا ہے۔ اور یہ روزے
 اُسے سینے گھر آکر رکھنا چاہیے۔ مگر اہم صاحب فرماتے ہیں کہ واپس لوٹنے
 سے مراد حج سے واپسی ہے۔ جب ایام حج ختم ہو جائیں تو یہ سات روزے
 اگر بیاہ ہو تو حرم میں رکھے جاسکتے ہیں۔ یا راستے میں یہ گھر واپس آکر ہر طرح درست
 ہے۔ دس روزے پورے کرنے سے قربانی کی تکلفی ہو جائے گی۔ اور حاجی
 ساقران یا تمتع درست ہو جائے گا۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ ایام حج میں تین مہینے
 رزمی ہیں۔ اگر یہ چھوٹ گئے تو پھر باقی سات رکھنے کی ضرورت انہیں۔ اُسے
 ہر حال دم دینا پڑے گا۔

فرمایا حج تمتع اور قربانی کے مسائل کے متعلق شرط یہ ہے ذَلِكَ لِمَنْ
لَعَنَ بَيْنَ أَهْلِهَا يَوْمَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کہ تمتع کرنے والے کا گھر بار
 مسجد حرام کے پاس نہ ہو۔ یعنی حج تمتع اس شخص کے لیے روا ہے جو حدود
 حرم کہہ سہنے والا نہ ہو بلکہ آفاقی ہو۔ حدود حرم کے سینے والے اور محلی تو جب
 چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں۔ حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھیں اور مکہ مکرمہ آکر

عمرہ کے رکاوٹ پر سے کر لیں۔ حج کے لیے بھی یہ لوگ اکٹھے ذی الحجہ کو احرام باندھ کر بامانی حج کر سکتے ہیں۔ مگر وقت طلب مسئلہ تو بیرہنی لوگوں کے لیے ہے ان کے لیے عمرہ اور حج کے لیے علیحدہ علیحدہ سفر اختیار کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ لہذا حج قرآن اور تنہا کی اجازت صرف ایسے ہی آفاقی لوگوں کو حاصل ہے۔

احکام کی پابندی

فَرَمَاوُتَقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اَحْکَامَہِیْ بِاَیْمِہِیْ لَشَدِیْدٌ
 خلافت و برتری نہ ہو جس سے۔ عقل اور قیامت انسان باریک احکام کو نظر انداز کر جاتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ وَاعْتَصِمُوا اس بات کو اچھے طریقے سے سمجھ لیتا چاہیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑے گا۔ تو اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بڑا سخت ہے لہذا اس کے احکام کی تعمیل کو ہر مومن کی ضرورت ہے اور تم مذاہب کے حج جاؤ۔

سَيَقُولُ ۚ

الْبَقَرَةُ ۚ

درس ہفتاد و یک (۲۸)

آیت ۱۹۸ تا ۱۹۹ تقریباً نصف

الْحَجَّ أَشْهَرُ مَقْنُومَتٍ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۚ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَتَقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۚ

وَقَدْ تَرَكْنَا فِي هَذِهِ مَقْنُومَتَيْنِ لِلْحَجِّ وَتَزَوَّدُوا

ترجمہ ہذا حج کے چند مہینے ہیں، جو معلوم ہیں۔ پس جس شخص نے حج کو لازم کر لیا ان مہینوں میں پس عمرتوں کے ساتھ بے حجاب ہونا جائز نہیں ہے اور گناہ کی بات اور نہ حج میں جھگڑنا کہنا۔ اور جو کچھ کر دم نیکی سے اللہ تعالیٰ پس کر جائے اور توشہ بنا کر۔ رشک بہتر توشہ تقویٰ ہے۔ اور نجد سے ذرو، اسے نخل منہ (۱۹۸) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو

درابطات

اس سے پہلے جہاد اور حج کا مشترکہ حکم بیان ہوا پھر احصار کا مسئلہ بیان ہوا۔ کہ حج یا عمرہ کا، حرام باندھنے کے بعد اگر کوئی رکاز طے پیدا ہو جائے یعنی بیماری لاحق ہو جائے یا دشمن کی وجہ سے راستہ غیر محفوظ ہو جائے تو اس میں تردد کیا کہ نہ اچھا ہے نہ۔ اس ضمن میں احصار کا مسئلہ بیان ہوا۔ اس کے بعد تمتع اور قرآن کا بیان آیا کہ جسے حج و عمرہ نصیب ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہی شخص کو دم یعنی قربانی دینا ہوگی۔ اگر قربانی کی استطاعت نہیں ہے۔ تو اس روز سے کہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شکر و اکرام کا ایک طریقہ ہے۔

ان آیات میں بھی حج کے مختلف احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرکین کی اس تقریف کا ترجمہ ہے جو انہوں نے حج سے متعلق زمانہ جاہلیت

میں پیا کر لی تھی۔

ارشاد ہوتا ہے اَلْحَجُّ اَشْهُدُ بِكَ مَقْعِدُ لَوْحَتِ شہر شہر کی جمع ہے مطلب یہ کہ حج کے مہینے معلوم ہیں۔ مگر یہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحج کے پہلے دس دن ہیں۔ ایسے ذی الحج کا پورا دینہ بھارت حج کا مہینہ ہی شمار ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ حج کا احرام ان مہینوں میں باندھا جاسکتا ہے شوال سے پہلے حج کا احرام نہیں باندھا جاسکتا۔ اس مسئلہ میں فقہائے کرام کہ اختلاف ہے کہ اگر ماہ رمضان یا اس سے پہلے احرام باندھ کر حج کیا جائے تو حج ادا ہو گا یا نہیں۔ اہم شافعی فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو حج نہیں ہوگا، البتہ اہم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں سے قبل حرام باندھ کر اگر کوئی شخص احرام کی پابندی طرح حفاظت کرے تو حج تہہ ہے۔ اس کا حج تو ہو جائے گا۔ مگر اس میں کدھت پائی جاتی ہے۔ لہذا حج کا احرام شوال سے پہلے نہیں باندھنا چاہیئے یہ محکومہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے بعد محرم پر بعض پابندیاں عاید ہو جاتی ہیں جس طرح کوئی بخیر تحریر کہہ کر نمازیں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک عاظم حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر نیت کرتا ہے۔ در تعلیم پکارا ہے۔ تو وہ محلاً حج یا عمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس پر احرام کی پابندیاں عاید ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ جَاهِلًا یعنی جس شخص نے ان مہینوں میں حج کو پہنچنے اور پہ لازم کر لیا۔ یہاں پر فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ جَاهِلًا کہہ کر نیت ہے یعنی حرام باندھ کر نیت کرنی اور تعلیم پکارنا شروع کر دیا۔ لَيْتَنَكَ اَنْتَ سَوَیْکَ تو بعض چیزیں جو پہلے سباح تھیں وہ اب ممنوع ہو گئیں۔ جس طرح کوئی شخص روزہ کی حالت میں بیوی کے قریب نہیں جاسکتا اسی طرح حضور نے فرمایا کہ احرام کی حالت میں بھی بیوی کے پاس نہیں جاسکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص احرام باندھ کر دقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے معاذ بہت کرے تو اس کا حج فاسد ہو جائیگا۔ ورنہ آئندہ سال قضا دینا ہوگی۔ اور اس کے علاوہ ایک سالم اور نیت یا سالم گھسے

جنور و دم قریان کرنا ہوگی۔ کن نیت احمد کی حالت میں کوئی مرد و مسلہ کو کھڑا کرتی تو نہ بیکہ نہیں ہیں بکنا۔ خوشبو نہیں لگا سکتا۔ سر اور نہ کوڑھا نہپ نہیں بکنا۔ عورتیں سے نہ ہونے کپڑے پہن سکتی ہیں مگر خوشبو نہیں لگا سکتیں۔ سر کوڑھا نہپ لیں گی مگر چہرہ کھڑا نہپا۔ اسپر کپڑ نہیں آنا چاہیئے۔ اگر کوئی عورت پردہ کرنا چاہے تو چہرہ پر کوئی کھڑی وغیرہ لکھ کر وہ نقاب ڈال سکتی ہے۔ جس سے کپڑا چہرے کو نہ لگے۔ احرام کی حالت میں شکار کرنا بھی منع ہے اس کے متعلق واضح حکم ہے **لَا تَحْرَمُ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا** جب تک تم احرام میں ہو، خشکی کا شکار نہیں کر سکتے بلکہ کسی جانور کو ذبح بھی نہیں کر سکتے۔ اگر کر دے تو وہ حلال نہیں ہوگا لہذا اس کو کوئی مرد سر شخص بھی نہیں کھا سکتا۔ یہ سب چیزیں احرام کی حالت میں ممنوع ہیں۔

بے حجابی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنے اندر پہنچ کو نہ رکھے، تو **فَدَرَفَتْ رَجَحٌ** میں رفت نہیں ہے۔ فقط رفت عام ہے۔ اس کا خلاف معمولی ہے۔ پردگی سے لے کر مباشرت تک ہوتا ہے۔ عورت کے ساتھ پردہ و کنارہ شمولی باتیں اور مباشرت سب رفت میں آجاتا ہے نیز عورت کے ساتھ قریہ چیزیں بوقت احرام میں لکھ احرام کی حالت میں یہ افعال اپنی بیوی کے ساتھ نہ کرنا نہیں ہوتے۔

ناشرانی

وَلَا فُسُوفِي احرام کی حالت میں فسق بھی جائز نہیں۔ اس سے مردانہ عت سے باہر نکل جانا یا فزنی ہے۔ اگرچہ یہ چیزیں عام حالت میں بھی منع ہیں مگر حسب کوئی حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لینا ہے۔ تو ان کی ممانعت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے عرم کے اندر کوئی گناہ کرنا عام جگہ کی نسبت زیادہ جرم ہے۔ یا جس طرح حرمت کے عینوں میں کسی گناہ کا ارتکاب زیادہ عینوں کی نسبت زیادہ باعث وبال ہے۔ بعض احرام کی حالت میں نافذاتی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ فسق کا لفظ غاق اور اعتقاد پر بھی یوں آتا ہے۔ حمل پر بھی اس کی حد ق برآ ہے۔ کافروں، منافقوں اور عام گنہگاروں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا

ہے۔ مقصد یہ کہ احرام کی حالت میں کسی قسم کے گناہ کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ ہر طرح کے گناہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔

میسری پتیر فریڈ وک چکال فی الخیج سفر حج کے دوران لڑائی جھگڑا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ چیزیں جیسے ہی بُری ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا مت کرو۔ اہم حرام کی حالت میں لڑائی جھگڑا سے کی قیامت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ یہ چیزِ حرامت احرام کے منافی ہے۔ لہذا حج کے دوران اس قسم کی کٹھن حرکت نہیں ہونی چاہیے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس مقام پر تیغوں، منہ بنائی ریش، فیرق اور جلال کو بطور احرام استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو فعل کے طور پر لایا جاتا۔ فَلَا تَشْتَرُوا وَلَا تَبْعُوا وَلَا تَجَادِلُوا یعنی بے پردگی کی بات نہ کرو، باہمی لڑائی نہ کرو اور لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ان افعال کو اس میں بدلنے میں حکمت یہ ہے کہ اسم میں فعل کی نسبت زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔ اور پھر ان اسم کو نفی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سخت احتیاط سے کام لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ حج کے سفر میں اجنبی لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ اور ہر ہر مقام یعنی منیٰ، مزدلفہ عرفات اور حرمِ شریف میں بہت رش ہوتا ہے۔ خصوصاً بیت اللہ شریف میں مرد اور عورتیں اکٹھے طواف کرتے ہیں جنکی وجہ سے بعض اوقات ناخوشگوار حالات کا پیدا ہو جاتا ہے۔ بعد از قیاس نہیں ہوتا تو زیادہ کہ اس قسم کے غیر معمولی حالات میں بے پردگی، نا فرامی یا جھگڑا سے کاشا نہ نکس بھی نہیں ہونا چاہیے۔ حج کے عظیم اور مقدس لوگوں کی ادائیگی کے دوران ان بڑی باتوں کا تصور تک پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ اسم کو نفی میں لا کر گمراہی کا یہ پیدائشی ہے کہ ان باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ تاکہ تمہارے حج میں کوئی نقص واقع نہ ہو جائے۔

حضرت ابو بکرؓ کا ارٹ ٹھہر گیا۔ آپ اپنے زجر پر سخت غماہیے۔ کہ

اس کی غفلت کی وجہ سے اونٹ گم ہوا۔ حتیٰ کہ اسے مارنا شروع کر دیا۔ احرام کی

حالت تھی۔ حضور علیہ السلام نے دیکھی تو فرمایا کہ اس حرام شے آدمی کا حال دیکھو کہ میں
 حال میں بھی نہ کر کو مار رہا ہے۔ یہ مقصد یہ تھا کہ احرام کی حالت میں اگر کسی نے جھگڑا کر لیا
 گالی گلوچ کا تو امکان تک نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ لَوْ رَفَعَ رَاكِبٌ فَسُوقًا وَرَجُلٌ
 کایہ معنی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ مَنْ نَجَّحَ بَيْنَ شَخْصَيْنِ جَجَّ كَيْفَا
 فَكَلَهُمَا يَرْهَقَ وَكَسْرُ يَفْسُقَ اور اس نے دوران حج نہ بے حجابی کی بات
 کی اور نہ نافرمانی کی، تو اس کی حالت ایسی ہے رَجَعَ كَيْسُومٌ فَلَمْ يَلْمِهُ اَمْلَهُ گویا
 آج بھی ماں نے اُسے جبا ہے۔ جس طرح نورانیہ بچہ گناہ سے بالکل پاک ہوتا ہے
 اسی طرح ان بُری باتوں سے بچنے والا حاجی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اِی جَجَّ
 کو حج مبرور کہا جاتا ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے حج مبرور کی دعا کی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ
 حَجًّا مَبْرُورًا وَكَذِّبْ اَهْلَ فُسُوقٍ اَمَّا لَمْ يَرْهَقْ لَمْ يَرْهَقْ لَمْ يَرْهَقْ
 میری غلطیوں کو محاف فرمائے ایسا حج نسیب فرما جس میں نہ کوئی گناہ کی بات ہو
 اور نہ مانتیوں سے کوئی جھگڑا واقع ہو۔

شیخ سعدی نے اپنی کتاب گلستان میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حاجیوں کا
 قافہ ہار ہا تھا۔ اور اس میں شامل لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ہم فلاں جگہ خوب
 بیٹھے۔ گویا انہوں نے دافسق دیا تو کسی ستر حیف آدمی نے کہا "تمہیں بچہ حاجی کر دے گا"
 حاجی تو نیستی شتر است، یعنی میری طرف سے کہہ دوں کہ بکشتنے لائے حاجی سے کہ دیں
 کہ تو تو حاجی نہیں ہو سکتا، البتہ تیرا اونٹ حاجی ہو سکتا ہے جس پر تو سوار ہے۔ تیرے
 اندر حاجیوں والی کوئی خصلت نہیں کہ نہ تو نے فسق و فجور کا ارتکاب کیا ہے، نہ
 یہ اللہ تعالیٰ نے سمجھت بنیہ کے اندر نہیں فرمایا۔ کہ حج کے دوران بے پردگی
 گناہ اور جھگڑا قطعاً نہیں ہونا چاہیئے۔ میں تجھے حقیق کی ضرورت ہے۔ کہیں
 حج میں نقص نہ واقع ہو جائے۔

وَمَا تَقْصُرُونَ مِنْ حَيْثُ يَخْتَلِعُ اللَّهُ اور تم جو بھی نیکی کا کام کر دو گے
 اللہ تعالیٰ اُسے جانتے ہیں، بہاں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ حج کے

دوران ہمیشہ نیک اور بھلائی کی طرف راغب رہو۔ حاجی اللہ کا ممان ہونا ہے۔
 اللہ تعالیٰ اس کی ممان نرازمی کرتے ہوئے اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور پھر
 جن جس مقامات پر حاجی جاتا ہے۔ وہ قبولیت کے مقامات ہیں زمانہ یعنی حج کے
 میلے بھی قبولیت کے ہیں۔ لہذا حاجی کو چاہیے کہ وہ ہر وقت نیک میں مشغول
 رہے۔ فسق و فجور اور جنگ و جدال سے پرہیز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر فعل
 پر رحم کرے گا کہ کو جانتا ہے۔

آیت کے اگلے حصے میں زمانہ جاہلیت کی ایک باطل رسم کی تردید کی گئی ہے
 اہم جلال الدین سیوطی اور بعض دوسرے مفسرین کا کہنا ہے۔ یعنی لوگوں کا
 حال یہ تھا کہ حج کا موسم آتا تو سب سر دہانی کی حالت میں چل پڑتے۔ نہ کوئی سنان
 دیتے نہ روپیہ پیر۔ بس ایک چاند گندھے پر ڈالی اور حج کے لیے روانہ ہو گئے
 کہتے تھے ہم متوکل علی اللہ ہیں۔ اس کے راستے پر نکلے ہیں، وہ خود دیکھتے
 گا۔ وہ پھر حالت یہ ہوتی کہ راستے میں بھیک مانگنا شروع کر دیتے۔ اور اس طرح
 زاوروں کے بغیر کسمپرسی کی حالت میں حج کا سفر کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے
 فرضیت حج کے لیے پہلی شرط ہی استطاعت کی لگائی ہے۔ "مَنْ اسْتَطَاعَ
 إِلَيْهِ سَبِيلًا" یعنی حج کے سفر پر وہ شخص روانہ ہو، جو اس کی استطاعت
 رکھتا ہو۔ اگر کسی کے پاس سفر کے اخراجات نہیں ہیں۔ تو اس پر حج فرض نہیں ہے
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے باز پرس نہیں ہوگی کہ تمہارے حج کیوں نہیں کیا
 البتہ شوق ایک الگ چیز ہے جو کہ ہر اہل ایمان کے دل میں موجزن ہوتا ہے
 مگر بغیر توفیق کے حج فرض نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح نصاب کے
 بغیر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جس کے پاس نصاب کے برابر مال نہیں ہے وہ تنگ ہو کر
 زکوٰۃ دانا کرے بلکہ دوسرا احکام پھیل کر رہے۔ حج کے متعلق بھی یہ حکم ہے۔
 اگر توفیق نہیں ہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ دوسرے احکام سجاوہ۔ نماز روزے
 کی پابندی رکھو، راہدین اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرو جن کے متعلق باز پرس ہوگی

اسی لیے فرمایا وَقَدْ وَدَّوْا زَاوِرًا مِّنْهُ لِيَأْكُلُوا مِمَّا فَرَغُوا مِنْهُ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا
 آدمی کہ چاہیے کہ وہ بڑائی اور سوال سے بچے۔ تو شہ بنانا اور اس کے لیے جائز ذرائع
 اختیار کرنا بالکل درست ہے۔ اسباب کو ترک کرنا درست نہیں۔ البتہ ان ذرائع
 اور اسباب پر بھروسہ رکھنا تو کل کے خلاف ہے۔ بھروسہ صرف اللہ کی ذات
 پر ہونا چاہیے۔ دہی زن اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والا ہے۔ بیماری کی صورت
 میں علاج کرنا درست ہے۔ مگر ڈاکٹر پر بھروسہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ شفا تو ان جاب
 اللہ ہے۔ اگر اللہ چاہے گا تو دوائی میں تاثیر پیدا کرے گا اور بعض صحت یاب
 ہو جائے گا، ورنہ لاکھ دوائیں استعمال کریں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لہٰذا چاہیے تو پانی
 میں پیاس بجھانے کی تاثیر پیدا کرے، اور اگر وہ نہ چاہے تو پانی نہ ہر کا پانی پی کر
 بھی استفادہ کے مریض کی پیاس نہ بجھے۔ یہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے
 معلوم ہوا کہ اسباب پر کنٹرول ذات خداوندی کا ہے مگر اسباب کو ترک کرنا
 ردائیں ہے۔ لہٰذا حج کا ارادہ کیا ہے۔ تو سواری کا انتظام کر، مسلمان ساتھ لے
 اخراجات کے لیے روپیہ پیسہ لے لے اور پھر توکل بے فہم دوازہ مہینہ زاور راہ
 سفر پر نکلنا تو عیسے ہی عزت نفس اور شرفیت کے خلاف ہے۔ اس میں قباحتیں
 پیدا ہوتی ہیں انسان دوسرے دل پر بوجھ بند ہے جو کہ بالکل جائز نہیں۔ لہٰذا منسرایا کہ
 زاور راہ سے لیا کر۔

جو شخص خالی ہاتھ سفر پر روانہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اسے ضروریات زندگی کیلئے
 ہاتھ پھیلانے پڑے گا۔ حالانکہ گونا گوی اسلام میں حرام ہے اس میں شک نہیں کہ آج بھی
 دنیا کے مسلمان دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے ہیں۔ مگر یہ گونا گوی بہر حال حرام ہے
 شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ چوری، ڈاکہ وغیرہ کی طرح گونا گوی بھی ایک مہر پیشہ ہے
 اور حرام ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کسی آدمی کو سوال کرنا ناجائز ہے،
 سوائے خاص پریشانی کی حالت میں۔ اپنے چند آدمیوں کو کچھ وقت کے لیے بول
 کہ بھی اجازت دی مگر اس وقت تک جب تک ان کی حالت درست ہو

گونا گوی حرام ہے

ہستے۔ ہمارے ہاں تو لوگ ساری ساری عمر گناہی کو پیشہ بن گئے کھتے ہیں۔ جو کہ عزت
فلس کے خلاف حضور عبداللہؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز گناہ گراں ہمارے
کی عزت میں پیش ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت ہی نہیں ہوگا عجیب شکل و صورت
سے کہ دربار رب العزت میں پیش ہوگا۔ وجہ یہ کہ دنیا کی زندگی میں مانگی پھر اتنا

تقویٰ بہترین
زادہ ہے

فرمایا تو شے سے لیا کرو فَإِنْ خَشِيتُمُ الْمَوْتَ إِذْ أَنْتُمْ مُقَامُونَ۔ کیونکہ بہترین زادہ اور
تقویٰ ہے۔ چہ میز گاہی اختیار کرو کیونکہ اگر یہ منزل حاصل ہوگئی تو پھر سوال نہیں
کرہے۔ سوال کرنا ایک ایسا تقویٰ کی روح کے منافی ہے۔

وَأَنْتُمْ لَا تَأْتُونَهَا أَبَداً۔ یعنی اگر تم صاحب عقل و شعور ہو تو مجھ سے
ڈرتے ہو اور میری نافرمانی کے قریب بھی نہ جاز۔ بلکہ صحیح راستہ اختیار کرو۔ پہلے
بھی گزر چکا ہے وَأَنْتُمْ لَا تَأْتُونَهَا أَبَداً۔ میں اب بھی اپنے گھروں میں دروازوں
کی طرف سے اور سیدھا راستہ پھر دو گئے تو منزل مقصود تک پہنچ جائے گے
ورنہ راستے میں ٹھکرتے رہو گے۔ فلاح نصیب نہیں ہوگی بمقصد یہ کہ حج
کتاب ہے تو صحیح طریقہ اختیار کرو۔ رقم جمع کرو سواری کا انتظام کرو۔ اگر یہ نہیں کر
سکتے تو پھر سداقہ و خیرات اور زکوٰۃ کے مال سے حج کرنا کہاں کا تقویٰ ہے
اللہ تبارک نے ایسے کام کی تہدید فرمائی ہے۔

تجارت جارج

زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے موقع پر غریب و فروخت بھی کرتے تھے۔
جب اسلام کا دور آیا تو بعض مسلمانوں کو تہدید پڑا کہ تجارت کرنے سے ہماری
عبادت میں فرق نہ آجائے۔ چنانچہ وہ دین دین سے اجتناب کی سوچیں گے۔ اس پر
اللہ تعالیٰ نے یہیت نازل فرمائی لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَسْتَعْمِلُوا فِئْتًا
مِنْ رِبَاكُمْ۔ اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل
فلاح کرو۔ تجارت اور دین کا تباہ نہ کرنا۔ لہذا اگر اس سے رزق
حلال میسر نہ ہو۔ لہذا حج کے دوران غریب و فروخت جائز ہے بلکہ اس بات
کا خیال ہے کہ حج پر روانہ ہوتے وقت ثمت صرف حج کی تجارت کی نہیں

ہونی چاہیئے۔ دہاں جا کر ضروریات کی اشیا خریدنے سے قریب نہیں۔ وہ گزرت
 ہی خرید و فروخت کی ہو تو پھر اپنا کرنا جائز نہیں۔ بعض لوگ جانتے ہی سامان خریدنے
 کے لیے ہیں۔ بعض سیر و تفریح کی غرض سے جاتے ہیں بعض لوگوں سے سنا
 کہ بھائی مں ماں لندن جانا ہے۔ یا اس سال حجاز کی سیر کرنی ہے۔ یہ باطل نظریات
 ہیں۔ جب نیت ہی سامان خریدنے کی ہے تو پھر سونا بھی خریدیں گے اور کپڑے
 پیچھے کے لیے طرح طرح کے جینے پہننے بھی بنائیں گے اور اس طرح گناہ پر گناہ
 کے مرتکب ہوں گے۔ اگر سچ کہنا ہے تو نیت خاص سچ کی ہونی چاہیئے
 اس کے باوجود اگر ضرورت کی چیزیں خریدی ہیں تو کوئی ممانعت نہیں۔
 اس ضمن میں قرآن پاک نے دو اصطلاحیں پیش کی ہیں۔ ایک اصطلاح
 ”رضوان“ ہے۔ جس سے مراد امور آخرت کی طلب ہے۔ دوسری اصطلاح
 ”فضل“ ہے جس سے مقصود رزق مثل ہے۔ یہ دونوں چیزیں جائز ہیں۔

فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ
الْحَرَامِ وَذِكْرُهُ كَمَا هَذَا كُمْ وَلَنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ
لَمَنِ الصَّالِحِينَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ
وَأَسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: جب تم عرفات سے واپس پٹو، پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو مشعر حرام
کے پاس۔ اور اللہ کو یاد کرو جس طرح اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اللہ اس
سے پہلے تم گمراہوں میں تھے ﴿۱۹۸﴾ پھر تم بھی پٹو، جہاں سے دوسرے لوگ
یلٹ کر آتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنش
کرنے والا نہایت مہربان ہے ﴿۱۹۹﴾

آیت کے پہلے حصے میں مفرج کے دوران سجاوٹ کی اجازت دی
گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا کہتے تھے مگر مسلمانوں کو تردید
ہوئی کہ میں یہ چیز حج جیسے مقدس فریضہ کے منافی نہ ہو اور حج کے ثواب میں کمی کا
باعث نہ بن جائے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس بات کی درمناحت فرمادی کہ سفر
حج کے دوران اگر سجاوٹ کمر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ نیست
خالص حج کی ہو اور ضمانتیں دین بھی ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا
ہے۔ درجائز ہے۔

ہیت کے اس حصہ میں وقوف عرفہ اور دہاڑے واپسی کے متعلق احکام بیان
کیے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ لَمَنِ الصَّالِحِينَ
عرفات سے واپس پٹو فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو مشعر الحرام کے پاس۔
میدان عرفات میں وقوف کرنا حج کا سب سے بڑا ارکان ہے۔ حضور علیہ السلام کا

رشد آدمی سے الحیج عَرَفَہ حج دراصل نام ہی وقت عرفہ کا ہے۔ لہذا جو شخص
 ہوتی ہے کہ جہت نہ دال سے لے کر دس بار حج کی صحت طالع ہو سکتا ہے ایک
 مہ کے لیے بھی میدان عرفات پہنچ گیا اُس نے حج کو پایا۔ اور جو شخص رات وقت
 میں وہاں نہیں پہنچ سکا۔ دو حج سے محروم رہا۔ اُسے اگلے سال قضاء کرنا ہوگا۔ کیونکہ
 وقت عرفہ کا کوئی بدل نہیں۔ حج کے دیگر ارکان مثلاً طواف، قربانی، رمی جمرات
 وغیرہ میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے اور کوئی چھوٹ بھی سکتا ہے۔ پھر اسی تلافی میں، صدقہ
 یا روزے کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ مگر وقت عرفہ ایک ایسا اہم رکن ہے جس کی
 کوئی تلافی نہیں۔ میدان عرفات مکہ مکرمہ سے فردس میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ میدان
 تین اطراف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے اندر جبل رحمت نامی پہاڑ ہے
 جس کے دامن میں حضور علیہ السلام نے حجۃ الودع کے وقت پر وقت فرمایا تھا۔ ہمہ آپ
 نے واضح فرمایا کہ وَحَقَّتْ هَيْئَتَا وَحَقَّتْ عَرَفَةُ مَوْضِعٌ یبْنِیْ سَنَیْلَ
 قیام کیا ہے مگر سال عرفات موقوف ہے۔ جہاں کسی کو جگہ ملے وقت کر سکتا ہے
 سوائے جن طرفتوں کے جو مسجد کعبہ کی پچھلی طرف سے، اوّل وقت جائز نہیں۔ چنانچہ
 آجکل پورا میدان عرفات حایوں سے بھر جاتا ہے۔ وقت عرفہ حضرت ابراہیم علیہ
 السلام کے زمانہ سے حج کا رکن چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح واپسی پر مزدلفہ کا وقت اللہ
 پھر منیٰ میں عترة ناسب حج کے لوازمات ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

فَعُولًا عَلٰی هَئِئَاتِیْ لِحُجَّۃِیْ شَاحِرٍ مَّصْرُوٍّ۔ اور پھر بتائے گئے طریقے کے مطابق
 اللہ کا ذکر کرو قَاتِلُوا بَنَیْ نَدِیْ وَنَدِیْ بَنَیْ حِمْیَرٍ اَبَیْ حِمْیَرٍ اَبَیْ حِمْیَرٍ اَبَیْ حِمْیَرٍ اَبَیْ حِمْیَرٍ
 باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درشتی میں سے ایک ورثہ ہے۔

وقت عرفات کے میلے آدمی کا احرام میں ہونا لازمی ہے۔ اگر غیر احرام کے
 وقت کیا ہے۔ تو وہ وقت نہیں ہوگا اور حج باطل ہو جائے گا۔ حرام کی تعریف
 میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے رکن کہتے ہیں اور بعض شریعت کہتے ہیں۔
 بہر حال میں طواف و ضرر نماز کے لیے شرط ہے۔ اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اسی طرح نماز کے لیے تکبیر تحریر یہ بھی بمنزلہ شرط کے ہے۔ اس کے بغیر نماز درست نہیں۔ اسی طرح حج کے لیے احکام شرط ہے۔ اور اس کے بغیر حج اور منیہ ہوتا۔

عرفات جمع ہے عرفہ کی۔ اور عرفہ کا معنی پہچان ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ اکثر تفسیروں میں اے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جب ان دونوں میاں بیوی کو زمین پر اتار دیا گیا تو حضرت حوا کو جبرہ میں نازل کیا گیا۔ جبرہ کے معنی ہی داری یا مانی کے ہیں۔ حضرت حوا نام ہی انسان کی داری یا مانی ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو جزائر شرق الہند کے ایک جزیرہ بالمدریب یا سمرتیب میں اتار دیا یہ جزیرہ سری لنکا کے قریب ہے۔ زمین پر اتارنے کے بعد دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی تلاش میں لگے مگر مرہ پیچھے پور پھر ان کی ملاقات اسی میدان عرفات میں ہوئی۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اس لحاظ سے اے عرفات کا نام دیا گیا۔ اس دوران دونوں پر کسا دقت گذرا اور کتنا عرصہ ہوا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین کو نام فرماتے ہیں کہ عرفات کا معنی پہچان اور معرفت کا معنی نیکی ہوتا ہے اور معرفت گھوڑائی کی گردن کے بالوں کو بھی کہتے ہیں۔ معرفت اگر عین کی فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی آخرت بھی ہوتا ہے۔ اور معرفت پہچان کر بھی کہتے ہیں۔ اسی سے معرفت ہے۔ تاہم اس مقام پر پہچان والا معنی ہی زیادہ موزوں ہے۔ جب کوئی مسلمان ان جگہوں پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں فریضہ حج ادا کرتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ کو یاد کرتا ہے۔ قرآن تلاوت کرتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے ہی کی جا رہی ہیں۔ کہیں وقت ہو رہا ہے۔ کہیں قربانی دی جا رہی ہے۔ کہیں ذکر ہو رہا ہے اور کہیں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ کبھی دست بر عاتقہ پٹنے رب کے حضور کھڑا ہے۔ اور گڑا گڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے۔ دعائیں کہہ رہا ہے۔ یہ سب معرفت الہی کے

کے لیے جوتی ہے۔ اسی کو مایا ہے۔ خود آؤضتہ میں عرفت پھر تہبہ حم عرفت سے واپس پڑو۔ افاعتہ دراصل طواف کے لیے واپس لوٹنے کی دہائی ہے۔ اور یہ لفظ خاص طور پر کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لوگ کثیر تعداد میں گروہ درگروہ عرفت سے واپس آتے ہیں۔ اس لیے یہاں پر افضتہ کا لفظ لایا گیا ہے۔ اور اسی اس طواف کو طواف افاعتہ یا طواف زیارۃ بھی کہتے ہیں۔

یہاں پر مشرکین کی ایک اور خرابی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ بعض لوگ تو غروب آفتاب سے پہلے ہی عرفات سے چل بیٹے تھے۔ اور بعض عرفات تک پہنچتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ مزدلفہ میں قیام کرتے اور واپس آجاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمادی۔ کہ نویں ذی الحجہ کو سب لوگ میدان عرفات میں وقوف کریں۔ اور پھر وہاں سے غروب آفتاب کے بعد واپس پلٹیں۔ راستہ میں مزدلفہ کا قیام ہوتا ہے۔ اور پھر دس تاسع کو بیت اللہ شریف کا نزاع کیا جاتا ہے۔ سورۃ حج میں اسی حوالہ کے متعلق فرمایا: **وَلْيَكُونُوا بِرَبِّكَ أَصْفٰی** پھر چاہیے کہ قدیم گھر کا طواف کریں۔ یہ وہی طواف ہے جو عرفات سے واپسی پر کیا جاتا ہے۔ امدیہ حج کا رکھن ہے

عرفات سے واپسی پر راستہ میں مزدلفہ کی منزل آتی ہے۔ جہاں پر حاجی رات بسر کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے اس جگہ کو مشعر الحرام یعنی حریمت والی نشانیاں کیا ہے یہاں پر دو باترئیاں ہیں۔ جب کی درمیانی جگہ کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔ فرمایا **فَاَذْكُرُوا لِلّٰہِ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** ہیں مشعر الحرام کے نزدیک اللہ کا ذکر کرو۔ رات میں بسر کر کے اگلی صبح فجر کی نماز اول وقت ادا کر کے وہاں وقوف کیا جاتا ہے جسے وقوف مزدلفہ کہتے ہیں۔ وقوف عرفہ تو فرض ہے۔ مگر وقوف مزدلفہ واجب کے حکم میں آتا ہے۔ بہر حال نماز فجر کے بعد وہاں پر وقوف کرنا اور وہاں کی توجہ ہے۔ جملہ علیہ السلام نے حجۃ اور ذی الحجۃ کے موقع پر یہاں ہی کیا تھا۔ اور پھر سوچ سکتے ہیں پہلے ہی وہاں سے طہنی کی طرف چل بیٹے تھے۔ آج بھی حایمیں کے لیے یہی حکم

ہے کہ رات مزدلفہ میں قیام کریں۔ فجر کی نماز میں ادا کریں۔ اور پھر ذکر الہی میں مصروف ہو جائیں۔ اس کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہی سنی گوروانہ ہو جائیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق جو شخص مزدلفہ میں وقوف نہیں کرے گا سے دم دینا ہو گا۔ کیونکہ یہ وجہ سب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ بیمار اور ضعیف عاجزوں کو جائزات ہے کہ وہ مزدلفہ میں تھوڑی دیر قیام کے بعد رات کو ہی چلے جائیں۔ اور صبح کی نماز میں جاکر ادا کر لیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت سوزہؓ سے فرمایا کہ میں ان کو اور بعض دوسرے ضعیف اہل خاندان اور بچوں کو جائزات دیتی تھی کہ وہ مزدلفہ میں رات کے وقت بھٹوری دیر وقوف کریں دعاؤں کریں اور پھر سنی کے لیے روانہ ہو جائیں تاکہ وہ عام لوگوں کے پیچھے سے پیٹے پہلے آسانی کے ساتھ رمی کریں کیونکہ رمی کرنا بھی بہت کھٹن کام ہے آپ نے ضعیف اور بیماروں کو اقل وقت میں رمی کی اجازت مرحمت فرمادی۔

بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مزدلفہ کے کھانا شوقیہ یعنی سارا مزدلفہ صرف ہے۔ جہاں کسی کو جگہ میسر آئے پھر جائے البتہ داری محسوس نہ ہونے کی طرف سے وہاں نہیں پھرتا پایا ہے۔ باقی ہر جگہ قیام کر سکتا ہے۔

فرمایا شعرا حکرم کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو گناہ دھوکہ جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی۔ لفظ کا مشابہ بھی بن سکتا ہے اور تعلیل بھی۔ اور زائد بھی بن سکتا ہے۔ جیسے باور کرو اللہ کو نہ کہ گناہ دھوکہ اس سے تمہیں ہدایت دی ہے۔ یہ حکم تعلیل ہے۔ اللہ نے تمہیں ایمان کی دولت بخشی ہے اس لیے اس کو یاد کرو۔ اسی حکم کا کاف تعلیل حضور علیہ السلام کی بعثت کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ نیا کپڑا پہننے کی دعا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی سکھائی ہے اللہ تعالیٰ الحمد للہ کما کسوتی سے اللہ میں تیری حمد بیان کرنا قبول اس لیے کہ تو نے مجھے کپڑا پہنایا ہے۔ تیری عطا کردہ اس نعمت پر تیرا شک ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح یہاں بھی کاف علت استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس لیے کہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے۔

ذکر الہی

اور اگر یہ کاف تشبیہ کا ہے، تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا اُس طرح ذکر کر دینا جس طرح اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وہ طریقہ اختیار کرو، جسکی طرف اُس نے تمہاری رہنمائی کی ہے۔ مقصد یہ کہ اُس کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ذکر لینی کرو۔ اپنے من گھڑت طریقے استعمال نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو بہشت میں شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل نہیں ہوگی۔ ذکر عبادت الہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت ہو اس کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرٌ فَامْرًا فَهُوَ يَرَىٰ جَسَدًا جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو بتائے عمل کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔ ایسا عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ یہ شریعت کا بڑا اہم اصول ہے اور ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ اپنی طرف سے نئے نئے طریقے ایجاد کرنا بدعت کر دینا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر لینا ہے۔ یہ کام کَفَّ هَذَا كُفُّ کی روح کے منافی ہے۔ لہذا ہمیں احتیاط کی ضرورت ہے۔ مجھو دیگر شرعی طریقوں کے ایصال ثواب کا بھی ایک طریقہ ہے۔ اگر اُس کے مطابق عمل کرو گے تو سفید ہوگا اور اگر اپنی طرف سے نئے نئے طریقے گھڑو گے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی حاصل ہوگی۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے اختیار کرو، حقیقت یہ ہے
 قُلْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ اور اس سے پہلے تم
 گمراہوں میں تھے۔ یہاں پر لفظ اِلٰت شریعہ نہیں جس کا معنی اگر ہوتا ہے۔ بلکہ
 اِسْرَافٌ مَخْفَفٌ مِّنَ التَّمْذِيۡنِ کہتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے وَاِنَّ
 شان یہ ہے کہ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ تم اس سے پہلے
 گمراہوں میں تھے۔ یعنی کفر اور شرک میں مبتلا تھے۔ اُس نے تمہارے لیے نبی
 مبعوث کیا، کتاب اور شریعت اتاری تاکہ حق کو پہچان کر تم سے گمراہی دور

فیادہ ہے۔ یہ مہم ساداتِ شیعہ کا عمل ہے۔ حج کا مکمل تو مسافرت کی، ترس میں مثال میں کرتے ہیں۔ وہاں پر ہر مہرِ غریب، گور اور کالا ایک ہی لباس اور ایک ہی وضع قطع، بے بندہ سر، بیک بیک پکارتے ہیں۔ وہاں پر تغافل کی بات ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح نماز بھی مسافرت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ آقا و غلام سب ایک ہی صحن میں کھدے سے کھدے جا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تم بھی وہیں سے ناپا پٹو جہاں سے باقی لوگ چلے گئے ہیں اور اپنے سینے پر ملحدہ طریقہ نہ بناؤ۔

فرمایا جاہلیت کے طریقوں کو ترک کر دو اور **اَسْتَغْفِرُ اللہَ اور اللہ** سے معافی مانگو۔ انسان خطا کا پل ہے۔ اس سے غرضیں ہوتی رہتی ہیں۔ اُن کا اللہ استغفار کے ذریعے جو آبِ حضور علیہ السلام نے فرمایا **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَبِّ خَطَاکَ** ہو۔ اور **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَبِّ خَطَاکَ** کی تائید اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو اپنے دل سے توبہ کریں۔ کیونکہ **اَلْکُذِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ ذَنْبٌ لِّہٖ** ایسے لوگ خطاؤں سے بالکل پاک ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ سنوں سے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ استغفار بہت بلند پایہ ضعیف ہے۔ صحیحہ کہ تم فرماتے ہیں کہ حضور ایک مجلس میں سو مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے۔ **اللہم اغفر لی** و تب علی۔ استغفر اللہ۔ مجلس کے اختتام پر پڑھیں **اَسْتَغْفِرُکَ** کرے گا۔ اس کی کوئی ہمایا معاف ہو جائیں گی۔ یہ کلمات کہنے سے تمام مجلس کی خطاؤں کا کفار ہو جاتا ہے۔ **سَبَّحَانَکَ اللہم و بحمْدکَ لا اِلہ الا انت** استغفر لک و تقوب لک۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ساری کوتاہیاں معاف فرماتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے ہر وقت استغفار کرنا چاہیے۔ اس کی بخشش سے غلبہ کرنا چاہیے۔ **اِنَّ اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ**۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔ وہ کسی معافی مانگنے والے کو مکرر دہم نہیں کرتا بلکہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

استغفار کا حکم

سیفۃ ل

مقتدرہ

سے (۱۸) ۶۳

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

فَإِذَا قُضِيَتْ نَجَاتُ مَنَاسِكَكُمْ فَادْكُرُوا لِلَّهِ كَمَا كُنتُمْ بِهِ أُنذَرُونَ
وَأَشَدُّ ذِكْرًا فِيمَن يَتَسَوَّى مَن يَقُولُ رَبَّنَا إِنَّا أَتَيْنَاكَ
وَمَنَّا فِي الْآخِرَةِ مِمَّنْ خَدَعُوا (۱۹) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا
إِنَّا أَتَيْنَاكَ لَدُنِّي أَحْسَنَهُ وَفِي الْآخِرَةِ خَسَنَهُ وَقِفْتَ
عَذَابَ الْآخِرَةِ (۲۰) أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا
وَمَلَأَهُمْ سُرُوحٌ جَحَابٍ (۲۱) وَذَكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَةٍ
فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَتَقَوُا اللَّهَ وَاعْمَلُوا نَجْمًا
لِّبِهِ تُحْشَرُونَ (۲۲)

ترجمہ: جب تم لوگوں کو نذر کر دیا جائے کہ تم لوگوں کو نذر کر دیا جائے
ہو پانچ ماہ روئے کعبہ سے رہو یا کوئی چاہیئے۔ پس لوگوں میں سے
بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں میں نے اپنے رب سے یہ درخواست کی ہے کہ میں نے
میں سے کوئی عذر نہیں ہے (۱۹) اور جن میں سے کوئی
ہو، اسے ہر ماہ روئے کعبہ سے رہو یا کوئی چاہیئے۔ اور ان میں سے
ہو، اور ہم کو دوزخ کے سزا سے بچا (۲۰) جو وہ لوگ ہیں جن سے میں
عذر ہے اس سے کہ میں نے کوئی عذر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت عذاب
پانچ ماہ روئے کعبہ سے رہو یا کوئی چاہیئے۔ اور ان میں سے
تجسس نے دوزخ میں مبتلا کی، اسی بیوقوفانہ دانش ہے اور جس نے آئینہ کی

اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو ڈرنا ہے اور ڈرنا اللہ تعالیٰ سے
اور جان لو کہ تم اُسی کی طرف اٹھتے کئے جاؤ گے (۲۳)

منیٰ کی ضرورت

حج سے متعلق عرفات اور مزدلفہ کے احکام بیان ہو چکے ہیں۔ اب آخری مرحلہ منیٰ
کے مقیم کا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ فَإِذَا أَقْبَضْتُمُ
مَنَاسِكَكُمْ پھر جب تم مناسک حج کو پورا کر چکو۔ فَذَكِّرُوا اللَّهَ تو اللہ
کا ذکر کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم عرفات اور مزدلفہ کے مناسک پورا کر لو تو پھر
منیٰ تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ کہ حج کے تمام ارکان پوری ہیں، مگر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور
یہاں کا قیام حج کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔

حج کے جملہ مناسک آخر ذی الحجہ کو احرام باندھنے سے شروع ہوتے ہیں اس
دن حاجی منیٰ میں پہنچتے ہیں۔ اور سنت کے مطابق دلوں پر پانچ نمازیں یعنی فجر، عصر،
مغرب، عشاء اور نیس تا سبح کی فجر اور کھڑے ہیں۔ سورج نکلنے کے بعد عرفات کے
بلے روانہ ہوتے ہیں۔ وقوف عرفہ حج کا کارکن اعلیٰ ہے۔ وہاں پر نیس تا سبح کو نزال
کے بعد مسجد نبویہ میں اہم حج کا خطبہ پڑھتا ہے۔ اُس کے بعد اذان پڑھتی ہے۔ پھر تکبیر اور
اہم دو رکعت نماز ظہر پڑھتا ہے۔ معاً بعد پھر تکبیر پڑھتی ہے۔ اہم دو رکعت نماز عصر
ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف ہوتا
ہے۔ پھر سر شام ہی وہاں مزدلفہ کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور مغرب اور عشاء کی نمازیں
مزدلفہ میں اکر ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ دوسری تاریخ کی نماز فجر اہل وقتہ میں مزدلفہ
میں اکر کئے وہاں وقوف ہوتا ہے۔ ذکر و دعائیں پڑھتی ہیں۔ اور پھر طلوع شمس سے
پہلے ہی منیٰ کے لیے روانہ ہوتی ہے۔

منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے حجرہ عتیقی پر رمی کی جاتی ہے۔ دستوں کی طرح کو صرف
اکب ہی سیلان کر لکھنا ہاں ماری جاتی ہیں۔ اس کے بعد دوسری منزل قربانی کی قی ہے
یہ دونوں کام بڑے مشکل ہوتے ہیں۔ بے پناہ دش کی وجہ سے قدم پر کراؤں پیدا
ہوتی ہیں۔ قربانی کے لیے حکومت نے قربان گاہ کے طور پر جگہ متعین کر دی ہے

تمام پہنچیں مقررانی کرتے ہیں۔ یہ دوسری مقام ہے۔ جہاں پر شہرت الہامی علیہ السلام
سنہ قربانی کی بجائی آج کل وہاں پر ہر قسم کے قربانی کے جانور مل جاتے ہیں۔ لوگ وہیں سے
جانور خریدتے ہیں اور وہیں ذبح کر دیتے ہیں۔ تو ان آدمی قرآن کا وہ پہنچ جاتے ہیں۔ اور
ضعیف غائبی وہ عورتیں اس کام کے لیے دوسروں کو مامور کر دیتے ہیں۔

قرنی کے بعد اگلا کام عجمت خوانا ہے۔ رش کی وجہ سے یہ کام بھی بڑی
مشکل سے انجام پاتا ہے۔ بال منڈائے بالکراٹے جاتے ہیں۔ اور پھر حرام کھول دیا
جاتا ہے (لیکن عورت کے پاس جانا منع ہو گا۔ بے طواف تک)

طواف زیارت

حج کا اگلا رکن بیت اللہ شریف کا طواف ہے۔ اسے طواف زیارت کا
جاتا ہے اور یہ فرض ہے۔ اسی طواف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَللّٰهُ
يُقِضُ عَنْكُمْ وَلَیُّوْهُنَّ اَنْدُومَاصُكُمْ وَلَیُّطَافُكُمْ بِالْبَیِّنَاتِ
الْعَرِیْقِ۔ پھر چاہیے کہ اپنا میل کچل صاف کریں۔ اپنی نذریں پوری کریں اور تسلیم
گھر (بیت اللہ شریف) کا طواف کریں۔ یہ طواف بھی دس تاریخ کو ہی کیا جاتا ہے
گر کسی وجہ سے کوئی شخص آج کے دن طواف زیارت کے لیے مکہ محرمہ جاسکے
تو گیارہ تاریخ کو کہے۔ جسے بارہ تاریخ تک بھی بوجہ کوخر کیا جاسکتا ہے۔ اگر بارہ تاریخ
کے بعد طواف کریگا تو طے ساتھ دم دینا پڑے گا۔ اور یہ فرض اوابو جاسنے گاریہ نواف
تو نہ کہ عامین حج نے مقرر اوقات میں لازمی کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس موقع پر بھی
بڑا سخت اجرم ہوتا ہے۔ طواف کے بعد صفا و مردہ کی سعی بھی ہے۔ اس کے بعد مکہ
میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں بلکہ واپس مئی اپنا ہوتا ہے۔ گیارہ بارہ اور تیرہ ذی الحجہ
ایام مئی کھلائے ہیں۔ ان ایام میں مئی میں قیام کیا جاتا ہے۔ البتہ محد در لوگوں کو تہن
حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہیں وہ تمام مناسک حج جو مختلف مقامات پر پڑتے کہنے جکتے ہیں۔

خانہ النفاخر

زمانہ جاہلیت میں ایام مئی کے دوران بہت بڑی منظمی یا میہ لگاتا تھا جس
میں خرید و فروخت کے علاوہ مختلف قبیلے پتے پٹنے خانہ ان کی عرض سرائی کرتے
اپنی خویاں بیان کرتے، بڑوں کے کارنامے دہراتے اور اس طرح اپنے

آباد و آباد کا نام زندہ رکھتے۔ حضور علیہ السلام نے اس نامذنی تفاخر کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ تعلیم دی کہ خاندان پر فخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ بھی کہتے تھے **اَدَمُ** تم سب آدم کی اولاد ہو۔ **وَادَمُ بَنُ شَرَابٍ** اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ آپ کا سلسلہ تو مٹی سے نکلا ہے۔ تم کس بات پر فخر کر سکتے ہو **لَا فَخْرَ لِلْعَصَى فِي سَوَاءِ النَّجَى** اور کسی عربی کو بھی پھر کوئی فخر نہیں **وَلَا لِلْعَجَبِيِّ عَلَى الْعَسَوِيِّ** اور نہ ہی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے۔ **وَالْإِسْلَامُ مَقْتُولَى سَوَاسَةِ تَقْوَى** کے اور کوئی نیز فضیلت کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ یہ نامذنی اور مٹی کی تفاخر جاہلیت کی اقیات میں سے ہے۔ حضور علیہ السلام نے قریش و منجانبہ کے فرمایا **إِنَّ اللَّهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ مَغْبِیَّتَهُ** اُف! حیثیت تو اسے لوگو! تم سے اللہ تعالیٰ نے نامذنی عزت اور غرور سب ختم کر دیا ہے۔ **وَرَأَيْتُكَ فَرَدِیکَ** عزت کا معیار نہ رحمت تقدیری ہے **رَبِّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللَّهِ تَفْضِیْلُهُ** اللہ کے نزدیک شرف اور بزرگی والا انسان وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔ زیادہ متقی ہے۔ اللہ کے ہاں نامذنی تفاخر و برتری کی کوئی قیمت نہیں۔

ذکر الہی

اس آیت میں نظر میں اللہ تعالیٰ نے تم دیا کہ جب تم حج کے باقی مناسک اور اگرچہ **ذُکِّرَ لِلَّهِ** قرآنی میں اگر اللہ کا ذکر کرو **وَذُکِّرَ لَكُمْ** الہاء کے جس طرح اپنے ابا و اجداد کا ذکر کرتے ہو۔ **وَأَشْذُکَّرُ** : اس سے بھی زیادہ ذکر معقود یہ کہ اس موقع پر حاکم فی قصیدہ نوافی کی یہاں سے اللہ تعالیٰ کا نام و ثناء بیان کر رہے ہیں تمہارے ایمان کی دولت سے نوازا اور پھر حج جیسی نعمت کے مشرف کیا۔ **بِذَکْرِکُمْ** کہ تم نے جو اللہ تعالیٰ کا شرف کے ساتھ ذکر کیا۔ اب دیکھو کہ جسے اللہ تعالیٰ نے خود ذکر الہی کی مشقت سمجھتی ہیں۔ قربانی کرتے وقت ہنسنے اور ہنسنے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ شیعان رکعتوں کے وقت بھی یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جب نماز پڑھی جاتی ہے تو تجلیات تشریف اندہ ہوتی ہیں۔ عرفان اور مزاغہ میں لہر کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ کے الفاظ

بیک انکم بیک لڑنے والی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں
 آگے اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا پہلی قسم کی لوگوں کی ہے
 جو اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا کی خواہش رکھتے ہیں۔ فَوَنَالَتْ مِّنْ مَّنْ يَفْقَهُونَ
اِنَّكَ فِي لَدُنِّيَا بعض لوگوں کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں جو کچھ دینا ہے
 دنیا میں ہی عطا کر دے۔ ایسے لوگ آخرت کے طلبکار نہیں ہوتے۔ دوسرے مقام
 پر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا کہ وہ کہتے ہیں عَجَلْنَا قَطْلًا
فَبَسُلْ بَعْضًا ایک نئی جو کچھ ہمارے حصہ ہے وہ ہمیں یوم حساب سے پہلے
 ہی مل جائے۔ ہمیں آخرت کی کوئی فکر نہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں دنیا کا مال و دولت
 جاو و مرتبہ، آرام و سائش و صحت اور تندرستی حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ اس قسم
 کے لوگ آج بھی موجود ہیں۔ جس جگہ پر جا کر بھی دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ بیمار می سے
 نجات، رقم سالانہ سے پناہ، ارٹا اور کار بار ہی چاہتے ہیں اور آخرت کی کوئی پرو
 نہیں کرتے۔

فرمایا وَهَكَذَا فِي الْاٰخِرَةِ مَن تَخَافُ دُنْيَا سَے طابوں کے لیے آخرت
 میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جہنم کی نعمتوں سے محروم نہیں گئے۔ کہہ نہ کہ انہوں نے
 آخرت کی خواہش ہی نہیں کی۔

دنیا اور آخرت

فرمایا وَمِنْهُمْ مَنی میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ يَفْقَهُ کہہ سکتے ہیں
اِنَّكَ اَنْتَ فِي لَدُنِّيَا سنہ سہ ہمارے پروردگار ہیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر
وَفِي الْاٰخِرَةِ حسنہ اور ہمیں آخرت میں بھی بھلائی نصیب فرما۔ درجہ
 و درجہ سے پناہ بھی مانگتے ہیں۔ وَقَدْ اَبَدْنَا اور ہمیں دوزخ سے
 عذاب سے بچائے۔ دوزخ سے نچنے کا مطلب یہ ہے۔ دنیا میں گناہ اور
 برائی سے بچ جائے۔ اگر اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو آخرت میں دوزخ سے
 بھی بچ جائے گا۔ غرضیکہ جو نیک لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت
 دونوں کے طلبکار ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا اثرِ علیؑ نے فرمایا ہے کہ طلبِ دنیا
مستندہ بالہ سے نہیں بلکہ مستندہ بالذات ہے۔ حضرت کی فرمائش سہلہ فرماتے ہیں کہ ایمان
اور ایمانِ حاکمہ علیؑ سے ہے اور جو چیزیں ان کے حصول میں مددگار بن سکتی ہیں وہ طلبِ
بالبقیہ ہوتی ہیں۔ نہ کہ مطلوبِ بالذات۔ اور انسانِ حرامہ اہل حق سے بچ جائے۔ اور پھر
مباح باتیں تو یہ ہیں کہ مطلوبِ بالذات کی عبارت ہے اس کی وضاحت۔ ایمان
اور ایمانِ حاکمہ ہیں۔ جیسا کہ زندگی شریف کی رہنمائی میں آتا ہے کہ دنیا اور دنیا طلبی
ہے۔ دنیا کی زندگی دنیا ہے۔ نہ کہ مومن کی زندگی۔ ذکر اور اس کے ساتھ مومنیت
کے بغیر دینی چیزوں کے۔ انی تاسرہ چیزیں خدا کی رحمت کے بغیر ہیں۔

بعض لوگوں کو خدا کے فضل کے شکر بڑا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ دنیا کو بچا
کے لیا ہے۔ لہذا اس کو بھی طلب کرنا پابندی ہے۔ مگر اس میں استحکام یہ لازم ہے کہ وہ اس
کو بھل کر دنیا کی زندگی بڑی شکرِ عالمات میں بسر کرتے ہیں۔ اس کے
تعلق میں دنیا رہتے ہیں کہ جہاں پر جس قدر دنیا میں طلب کیا گیا ہے۔ اس میں ہر آدمی
بے حسرت ہے۔ اور طلبِ یہ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ میں ایسی حالت ہے۔
فرما جو تیرے نزدیک چھی سہ ہے۔ اگر ہمارے یہ درات مندی اور اسودگی کی حالت
بہتر ہے تو وہ علیؑ کہ اور اگر تیرے نزدیک فقر کی حالت چھی ہے۔ تو وہ اسے
میں۔ اور آخرت کی اچھائی تو ہمارے۔ کہ خدا سے بے نیابت۔ قربِ خداوندی
اور درجہ کی بندگی سے مراد ہے۔ سورۃ آل عمران میں اس کی وضاحت ہے۔
موجود ہے وَتَمَنَّى يَخِشُّهَا النَّفْسُ لِرَبِّهِمْ كَذَلِكَ الْجَنَّةُ فَقَدْ فَازَ
جو اس سے بچ گیا اور بہشت میں داخل ہو گیا۔ یہ کامیاب ہو گیا۔

حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ دنیا میں حسنہ بھی کورت کوئی کہتے ہیں۔ جس کو
ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ اس کو دنیا کی حسنہ یعنی ایمانی حسنہ کہی۔ یہ غلط ہے اس کے گرو
وہ بھی جو اس کے ہر گاہ تو یہ دوزخ کے عذاب کے برابر ہے۔ بیشعیر سے دنیا کی حسنہ
میں ہے کہ اچھی صحبت کو ہمہ تن دینا۔ اچھا مکان اور اچھی سواری مل جائے دنیا کے اعتبار

قانون خداوندی کی کس حد تک پابندی کرتا ہے۔ قانون شکن کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، اسی
 لیے فرمایا کہ جس عاصی جج میں تقویٰ یعنی قانون کی پابندی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ وہ دوزخ میں
 منتقل نہیں ہو جائے گا۔ اس کا جج صحیح ہے۔ اس میں کوئی عوج نہیں۔

تقویٰ کیا ہے

فریاد و تقویٰ اللہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو بھی خاطر میں
 لاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امتحان میں نفل ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کئی
 وہ ہے جو کفر، شرک اور معصیت سے بچ جائے، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں
 سے بھی پرہیز کرے۔ اللہ نے چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی فکیر کرتے ہیں کہ کہیں اللہ
 غائب نہ کی جائے۔ وَنَهَوْنِي عَنْ مَا كَرِهَ اللَّهُ لِي یہ ہے تقویٰ یا رکھو!
 ایک وقت آنے والا ہے۔ جب تک سب اللہ تعالیٰ کے سامنے اکٹھے جاؤ گے
 بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک دن انسان کو اپنے رب کے حضور
 حاضر ہو کر جواب دینا ہوئے۔ اس وقت حاست پر ہوگی کہ مَا تَبِعْنِيهِ دَابِعْنِي
نَدَانِي اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان بھی نہیں ہو گا۔ مَا تَبِعْنِي دَابِعْنِي
نَدَانِي جس شخص کو اپنی طرف سے اللہ کے سامنے براہِ راست جواب دینا پڑے گا۔
 یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جج کے احکام بیان فرمائیے ہیں اس کے بعد
 منافقین کا تذکرہ اور بعض دوسری باتیں آئیں گی۔ جج کے تمام ضروری جزاء اسی
 رکوع میں مکمل طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔

سَيَقُولُ ۲

تَبَسُّودُ ۲

درس شانوا چہ (۸۴)

تہیت ۲۲۱

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَفْزِعِ قَلْبِهِ لَا وَهُوَ آلدُ الْخِصَامِ ①
وَرَدَا تَوَلَّى سَعًى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ
حَرْثَ النَّاسِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدَ ② وَذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ
أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُ جَهَنَّمَ وَلَبِئْسَ
الْمِهَادُ ③ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ ④

ترجمہ: یہ در لوگوں میں سے بعض وہ ہیں کہ دنیوی زندگی کے تعلق اس کی بات چ
کہ تعجب میں ڈالتے ہیں۔ اور وہ اس چیز پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں کہ جو اس کے دوسرے
علاقہ پر دشمنی کا کھینے والا ہے ② اور جب یہ شخص چوڑا صبر کرتا ہے
تو زمین میں کوشش کرتا ہے۔ اگر اس میں فساد برپا کی جائے۔ اور ہر کہ اسے کھینچ
کہ اور نہیں دیکھیں، اگر اللہ تعالیٰ خدا کو پس نہیں کہ ③ اور جب اس شخص
سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو، تو پتہ آتا ہے اس کو کہ وہ گناہ کے ساتھ۔ پس اس کے
جیسے جہنم کا کافی ہے۔ اور اللہ وہ سب بڑا حکماء ہے ④ اور بعض لوگ وہ ہیں جو
اپنی جانوں کو بیچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تلاش کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ
شفقت کرنے والے بندوں کے ساتھ ⑤

راہنمائی

ج کے بیان کے آخری حصے میں دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہوا، ایک
گویہ وہ ہے جو آخرت کا ہر عمل منہ سے۔ ایسے لوگ بعض دنیا کے طلبگار ہوتے
ہیں اور ان کی دعا بھی یہ ہوتی ہے رَبَّنَا ابْتِغِ فِيْنَا الدُّنْيَا عَمَلًا صَالِحًا

ہوئی۔ یہ منافق تھا۔ مگر حضور علیہ السلام کی مجلس میں اکثر حاضر ہوا اور اپنے آپ کو بڑا محبوب
ظاہر کرتا۔ بڑے مذہب طریقے سے پیش آتا۔ اور باور کرا چاہتا کہ میں آپ کا بڑا
جاں نثار ہوں۔ اور پھر قسم کھا کہ کتنا کہ میں آپ کی ہر بات پر جان قربان کرنے کے
لیے تیار ہوں۔ مگر یہ شخص پورے درجے کا منافق اور سخت جھگڑو تھا۔

اصلی قلب

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ ایک عام صفت بیان کی ہے۔ کہ بات بڑی
والشہمی کی کرتے ہیں۔ اور اس پر اللہ کو گواہ بھی بناتے ہیں یعنی قسم کھا کہ بات کرتے
ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا اَلْحَقُّ فَاِذَا اخْتَفَتْ مِنْكُمْ بَشَرَةٌ مِّنْهُمْ كُوْذِبَ اِلٰى
کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ مسلمان انکی بات پر یقین کر لیں مگر اللہ تعالیٰ نے
واضح کر دیا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ كَسَدٍ لِّجَنّٰتٍ خود میں گواہی دیتا
ہوں کہ یہ لوگ جہنم کے ہیں معلوم ہوا کہ دل کی بات پر اللہ کو گواہ بنانا جھوٹی قسم کھانا
ہے جب کہ زبان پر کچھ اور ہو، اور باطن میں کچھ اور، معلوم ہوا کہ حق و باطل کا بالکل
پہ ہے۔ جب تک اس کی اصلاح نہ ہو ازبانی بات کا کچھ اعتبار نہیں، اسی لیے حضور
علیہ السلام ارشاد مبدک ہا کہ انسان کے جسم میں گشت کا ایک ٹوٹتا ہے۔ اگر وہ
درست ہے۔ تو سارا جسم درست ہے۔ اور اگر وہ ٹوٹتا خراب ہے۔ تو سارا جسم
خراب ہے فرمایا اَلَا ذٰلِکَ هِیَ الْقُلُوْبُ اس سے مراد دل ہے۔ جس کی درستگی پر سارا
جسم کی درستگی کا انحصار ہے۔ اگر دل میں حمد، بغض، کفر، شرک اور نفاق کا فساد
مادہ موجود ہے۔ تو پھر اسکی اصلاح ممکن نہیں۔ حدیث شریف میں اس کی مثال اس
زخم کے ساتھ دی گئی ہے۔ جس میں پیپ بھری ہوئی ہو۔ منافقین کا دل بھی اسی
طرح غلاظت کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ جب تک اس دل کی اصلاح نہیں ہوئی۔ اعمال
درست نہیں ہو سکتے۔

ذاتی ارض

حضور علیہ السلام کی مجلس میں آنر کنی چٹری باتیں کرنے کے کروڑ کا دوسرا
پہلو بیان فرمایا وَ ذَا قَوْلٍ جِبْ وہ اس مجلس سے پیپ بھری ہوئی ہے۔ سعی فی
لَا تَرْضٰی لِقَابِہَا پھر اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زمین پر فوہ پاؤں بلسے۔

اور فساد سے مراد مسلمانوں کے خلاف سازش کرتا در نہیں مالی دجانی نقصان پہنچانا ہے
مزدور ہمارے شخص و کھلیٹ الحوت کیسے کو ہلاک کرتا ہے۔ اور دالسل اور دالسل اور
ضائع کرتا ہے۔ نصیحتی کو ہلاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تیار نفس اور نقصان
پہنچایا جائے۔ بچی ہوئی کیفیت کو آگ لگا دی جائے۔ درختوں کا پھل غارت کر دیا جائے۔
یا سرے سے درخت ہی کاٹ دیے جائیں۔ اور نسل کشی سے مراد مطلق نسل کشی بھی ہے
جیسا کہ منافقین کا طریقہ ہے۔ اور اس سے مراد موشی بھی ہو سکتے ہیں۔ جنہیں ہلاک کر دیا
جائے یا انہیں محذور بنا دیا جائے۔

فساد اصلاص کے مقابلے میں آتا ہے۔ اصلاح کا معنی درستگی اور فساد سے مراد
ہلکا ہونا ہے۔ اس کو بیان پہلے بھی آچکا ہے۔ وَذَقِیْلَ لَقَسْمَہٗ تَقْسِیْدُ وَا
فی الزمرین جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد کرو تو جواب دینے
میں تَقْمَا لَیْکُمْ مَصِیْدُ حَوْنٍ تہ تو اصلاح کو سنے جائے ہیں ہمہ کافروں سے محض اس
سے سنتے ہیں کہ صلیح صفائی کا پہلو کھلے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِ
مجھے فساد یا کھل اپنی نہیں۔ یہ منافق تو ادھر کی بات ادھر کر کے آپس
میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا قصہ آخر نہ ہی جھکا کرنا ہے۔

فساد کی ایک اور صورت لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بغض بنانا ہے۔ اور سب
سے بڑا فساد شرک اور کفر ہے۔ جو ان کے دلوں میں موجود ہے کفر اور شرک سے بگاڑ
پیدا ہوتا ہے جب کہ ایمان اور نیکی سے اصلاح کا پہلو نکلتا ہے۔ شرک و بدعات
اور منکر است کے ذریعے ضمیر کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔ شرائع الیہ کہ توڑنا فساد
ہے۔ لوگوں کو غلط باتوں کی تلقین کرنا فساد ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ پر سب
چیزیں فساد ہی کا حصہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز پسند نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور بعض دوسرے مفسرین
کا یہ فرماتے ہیں کہ کوئی کو ایک معنی پشت پھیرنا ہے۔ اور دوسرا معنی دلی جتنی مافق
بن جانا بھی ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے۔ کہ مطلب ہو گا کہ جب منافق آدمی خدا بن

توئی نہیں ہوگا

جائے۔ ہر مرقہ آجاتا ہے۔ تو زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنی
منہانی کمرے گا لگوں پر قلم و قلم کا بازار گرم کرے گا۔ لاقانونیت کا زور دودھ ہو گیا غلط
قانون جاری ہوں گے۔

شیخ سعدی کہتے ہیں۔

بد مذہب کہ قانون بد مذہبی نہ بد تو آدمی بد مذہب ہوتا ہے

جو شخص بڑا قانون جاری کرتا ہے۔ وہ خود بھی جہنم رسید ہونے والا ہوتا ہے
غلط قانون بنانا۔ اس کو جاری کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا لوگوں کے حقوق ضائع کرنے
کے مترادف ہے۔ یہ تو قتل و غارت گاہ بازار گرم کرنا اور مہمات کو خراب کرنے
والی بات ہے۔ ایسے ہی قوانین عیاشی اور فحاشی کو تقویت دیتے ہیں۔ منافق حکومتیں یہی
کچھ کرتی ہیں کسی کو قتل کر دیا کسی کے خزانے ہتھکڑ کر دیا۔ کسی کو ڈر یاد بھگایا کسی کو
فساد فی الارض ہے۔ تعمیر اخلاق کی بجائے تخریب اخلاق کی باتیں کی جائیں، شراب
نوشی کر عام کیا جائے، اگر لوگوں کے ذہن با وقف ہو جائیں۔ حلال و حرام کی تمیز ٹھوکانے
راگ و رنگ اور ناچ گانے کی ٹھیلیں صنعت ہوں۔ ریشرت کا بازار گرم ہو۔ غلطے برخواستوں
کی سرپرستی ہو۔ تصویر سازی عام ہو جائے۔ اور بُنی مڑتی نہ رہے۔ یہ سب فساد فی الارض
کے مختلف حصے ہیں۔

جرم کی سرپرستی

ایک اخباری خبر کے مطابق امریکی سپریم کورٹ کے نویم سے ساسٹ ججوں
نے فیصلہ دیا کہ عریاں ڈانس کرنا جرم نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا کہ عورتوں کا برہنہ رقص
معضل جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اور آئین ساز اسمبلی اس کا احترام کرتی ہے۔
یہ اس قوم کا حال ہے۔ جو آج کی دنیا میں سب سے زیادہ منہذب تصور کی جاتی ہے
اگر برہنہ رقص غیب نہیں تو دنیا میں جلدی نام کی کون سی چیز ہے۔ وہ لوگ توڑنا کو
بھی فیشن سمجھتے ہیں۔ بطلانِ رطبت کو قانوناً جائز قرار دے رہے۔ اسی
سے بعض مفسرین نے یہاں لطیفہ لکھ کر بیان کیا ہے کہ یہاں رطبت یعنی
کھینچتی تباہ کرنے سے مراد فعلی نہ اسہ ہے جسکی وجہ سے کھینچتی تباہ ہوتی ہے۔

سَبَّحَ : وَلَيْسَ اِنَّهُمْ سَاءُ اَوْ يَهْتَدُوْا بِرُشْدٍ كَافٍ هِيَ بَرُّ اَلْحَدِّ كَافٍ هِيَ . اس قسم کے اعتقادی اور عملی منافقوں کا علاج جہنم کے گڑبگڑوں میں ہو گا۔ یہ لوگ اچھی بات کو قبول نہیں کرتے اور اللہ غرور و درتجبر کرتے ہیں اُن کو کو کہہ دو کہ اس نیک کی پشت پناہی نہ کرو۔ لوگوں پر ظلم نہ کرو اُن کی سسطیوں کے تختے نہ اٹھو، مگر وہ حتیٰ بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے یہ اعتقادی منافقوں کا حال ہے۔

آج کا مسلمان اگر اعتقادی منافق نہیں تو عملی منافق ضرور ہے۔ اس کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ظاہر اور باطن مختلف ہیں، بڑے بڑے جیسے نعتہ کریں گے۔ حضور علیہ السلام کی سیرت کو کامیابی کا ذریعہ بنائیں گے۔ قرآن پاک سے انہماکی کے دعویٰ کریں گے مگر عملی طور پر حضور میں نہ قرآن پاک سے انہماکی حاصل کرتے ہیں۔ اور نہ سیرت پاک کو پیستے ہیں محض ذہانی دعوے ہیں۔ حکومتوں کا بھی یہی حال ہے۔ دعوے یہ ہے کہ بڑائی کا خاتمہ ہو گا۔ فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو گی۔ معاشی اور معاشرتی اصلاحات ہوں گی مگر عملی طور پر کچھ نہیں کرتے۔ یہ سب منافقت کی باتیں ہیں۔

نہادانِ صحوہ کے بعد اتر کر آئے ہیں۔ پہلے یہاں بھی چور سی عام بھٹی اور ترلوں کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ جب ابن سعود بیٹے بدر عالم نے عثمان بن سعود کو تخت سلطنت سے بھڑکایا تو اس سے چور سی کی شکایت کی گئی۔ اس نے کہا یہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ میں صرف اٹھائی دن ہیں چوری بندہ کہہ کے دکھاتا ہوں۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جب حدودِ اتر کا نفاذ ہوا اس پر عمل کر کے دکھایا تو چور سی کا ہر جرم فیست و نابود ہو گیا۔ اب سعودی عرب وائے چوری نہیں گھسے تاہم اقتصادی نظام کی بنیاد وہاں بھی سرورِ داری پر ہے۔ اس کا امر کچھ بلکہ ساری دنیا کو تسلیم کرنا چاہیے کہ سعودی عرب ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں چور سی نہیں ہوتی جہاں زمانہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ وجہ یہی ہے کہ وہاں حدودِ اتر کا نفاذ ہے اور اُن پر پہنچنے کے عملدرآمد ہو رہا ہے۔

منافقیں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے منہل لڑوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ اے شاہد ہو مائے۔ وَهِنَّ الشَّائِرَاتُ مَنِ ابْتَدَتْ بِنَفْسِهِنَّ الْبِرِّ فَهِنَّ مَرْمُوسَاتُ

مسلمان مگر منافق

سعودی عربیہ امیرات کے حدود

جہاں نارانِ اسلام

انڈیا اور روکن میں ایسا شخص بھی ہے۔ جو رخصتے الہی کی تلاش میں اپنی جان کو بچہ تپے
 خضر کا معنی بیچا اور خضر نام دونوں طرح آتے ہیں۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تفسیر
 میں حضرت صیب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے آپ جب ہجرت سے پہلے روانہ ہوئے تھے
 تو مشرکین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے کہا کہ کو درست کیا ترکش سے تیر نکاسے اور
 فرماتے تھے۔ اسے قریش اقم مجھ سے واقف ہو کہ میں تیرا زہیوں۔ جب تک میرے
 پاس ایک بھی تیر ہے۔ تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ اور تلوہ بھی میرے پاس موجود
 ہے۔ میں تمہارا ڈرٹ کرتا ہوں کہ بلکہ کہہ دوں گا۔ بہتر ہے کہ تم میرا راستہ نہ روکو۔ میرا مثال نبال
 جگہ موجود ہے۔ جاؤ وہ بے ہمتا ہے۔ یہاں سے لے کر مباح کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ مشرکین نے
 اس پر اکتفا کرتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے
 فرمایا اے ابوبکر! تیری خدمت نفع مند ہے۔ وہ لوگ نہ مال کی پزیرا کرتے تھے۔
 نہ جان کی۔ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مضر ہے۔ کہ کسی طرح یہاں تک جاتے یہی وہ
 لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں اپنی جان کو بچہ تپتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان منافق نے بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں۔
 عمارؓ کی والدہ عقیقہ نے ایک عورت ذات پر تے بھسے اتنی بڑی قربانی دی عمارؓ
 کا باپ یاسرؓ بھی شہید ہوا۔ والدہ بھی شہید ہوئی۔ علامہ ابو جہلؓ نے حضرت حمزہؓ کی دونوں
 ہانگیں مختلف اونٹوں سے باندھ کر مخالفت کھنٹوں میں چنایا اور اس طرح انہیں بے رحمی
 سے شہید کیا۔ حضرت غاب بن اریثؓ حضرت بلالؓ اور اس قسم کے کئی جنتی تھے
 جنہوں نے بڑی سے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ جان اور مال قربان کر دیے۔ مگر ایمان کو
 بچھڑ گئے تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

فرمایا اللہ دَعُوْهُمۡ اِلَی الْاٰیۡتِ الَّذِیۡ لَیۡ یُفۡتِنُ بَنۡدَیۡہِۭمۡ کَے ساتھ شفقت
 کرنے والا ہے۔ جو لوگ اپنا مال اور جان اللہ کی رضا کی تلاش میں صرف کر دیتے ہیں
 تو اللہ بھی ان کو سب سے بڑا مددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ تو بڑا ہی مہربان ہے۔ یہ بھی اس
 کی خاص مہربانی ہے کہ ان کے دلوں کو نیکی کی طرف پھیر دیا۔ اور وہ ہم قربانی

کے لیے تیار ہو گئے۔ پانچواں کے حق میں قیصر بھی خوب ہی سکے گا۔ وہ لوگ
یقیناً مرتبہ عالیہ پر فائز ہونگے۔ اللہ تعالیٰ خاص مہربانی کرے گا۔

ابَقْرَۃ
نیت ۲۸، ۲۹

سَيَقْرُونَ
درس استاد مولانا (۱۸۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دُخِلُوا فِي لِسَانِكُمْ كَافَّةً مَّا وَكَلْتُمْ
نُحُوتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۳۸﴾ فَوَن
رَأَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمْتُمْ أَنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۹﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ
اللَّهُ فِي ظُلُمٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَالنَّجْمِ وَالْمَلَائِكَةِ وَفُضِيَ الْأَمْرُ
وَالِلَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۴۰﴾

ترجمہ ۳۸۔ اے ایمان والو! اسلام میں پوسٹ کے لئے نفل ہو جاؤ اور شیطان کے دھوکے کی پڑی
نہ کرو۔ بیشک وہ تمہارے لیے کھلا دشمن ہے ﴿۳۸﴾ پس اگر تم پھیل گئے بعد اس کے
کہ تمہارے پاس واضح باتیں آگئی ہیں۔ پس جان لو کہ ایک اللہ تعالیٰ زبردست
اور حکمت والا ہے ﴿۳۹﴾ یہ لوگ نہیں منتظر کہ یہ سبہے مگر اس بات کا کہ ان کے لئے اللہ
تعالیٰ ان کے پاس بدلوں کے ساتھ قوموں اور فرشتے بھی۔ در فیصلہ

سکر دیا جائے معاملے کا۔ اور اللہ ہی کی طرف لٹائے جائیں گے سب کام ﴿۴۰﴾
گذشتہ آیات میں منافقین کی مذمت اور مخلص ایمان والوں کی تعریف بیان کی گئی تھی
کہ وہ اپنی جان اور مال ہر چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے قربان کرنے کو تیار ہوتے
ہیں۔ اب ان مخلص مومنین سے خطاب ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دُخِلُوا
فِي لِسَانِكُمْ كَافَّةً سے ایمان والو! اسلام میں پوسٹ کے پوسٹے داخل ہو جاؤ۔
کافہ کا معنی جمیع ہو سکتا ہے۔ یعنی انسان پہنچے جسم کے لحاظ سے اور
اور ہر کام شریعت کے لحاظ سے پوسٹ کے پوسٹے اسلام میں داخل ہو جائیں۔
وہ دوزخ و عرف اور عرف اسلام سے ہر باقی تمام ادیان و مذاہب و عبادت باطلہ

مکمل اسلام

دفعہ سے مکمل طور پر علیحدگی ہو کر کوئی چیز اسلام کے منافی نہیں۔ اگر اسلام کے ساتھ ساتھ ایسی قبیح چیزوں کے ساتھ بھی تعلق قائم رکھیے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایسا شخص مکمل طور پر اسلام میں داخل نہیں ہوا۔ کفر کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن اور عقیدے اور عمل میں کسی قسم کا تضاد نہ ہو۔ جو کچھ دل کے اندر ہے زبان پر بھی وہی آنا چاہیے۔ اور جو عقیدہ ہے عمل بھی اُس کے مطابق ہو۔ زبان پر دعویٰ کچھ ہو، اور عملی طور پر بالکل ٹریڈ ہو تو یہ اسلام میں مکمل طور پر داخل نہیں ہو گا۔ اگر عقیدہ توحید کا ہو اور عمل میں شرک پایا جائے۔ زبان پر اتباع سنت کا دعویٰ ہو مگر طبع بدعت کو دیا جا رہا ہے۔ تو یہ چیز صحافت کے منافی ہوگی۔

شیخ الاسلام
ترجمہ قرآن

حضرت مولانا شیخ الحداد الحسینی برصغیر کے بلند پایہ مفسر قرآن ہوتے ہیں انہوں نے حضرت شاہ عبدالغفور محدث دہلویؒ کے ترجمہ قرآن پاک کو آسان بنیاد اُن کے زمانے میں جو الفاظ متروک زبان ہو چکے تھے انہیں آسان اور عام فہم الفاظ کے ساتھ بدل دیا۔ یہ بامعاورہ ترجمہ آپسے امیری کے دوران تالیف میں مکمل کیا۔ اور ساتھ درویش کا حاشیہ بھی لکھا مگر زندگی کے وفادار کی چنانچہ بقیہ قرآن پاک کا حاشیہ آپسے شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لے مکمل کیا۔ اس وقت برصغیر میں اردو زبان کا سب سے بہتر حاشیہ یہی ہے۔ جو مختصر اور صحیح ہے۔ تفسیر کی اور حاشیے تو اور بھی بہت سے ہیں۔ کوئی لبا کوئی مختصر عربی اور فارسی زبانوں میں بھی بے شمار حاشیے موجود ہیں مگر ترجمہ اور حاشیہ سب سے بہتر ہے۔ جو تمام عالمانہ خصوصیات کا حامل ہے۔ اس میں ہر عادت کا خاص طور پر مدد کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ الحدادؒ سے بذریعہ بھری جہاز واپس آ رہے تھے۔ تو سمندر میں طوفان اُگھڑا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب جہاز کے بچ بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تو آپسے ایک شاگرد کو جو ہمراہ تھا فرمایا کہ اس ترجمہ کو اپنے سینے سے باندھ لو۔ اگر جہاز کی تباہی کی صورت میں تیرنا بھی پڑے تو اس ترجمہ کو ساتھ لے لو۔ یہ مولانا عمر میرؒ گل سنگھ کوٹ پشاور کے رہنے والے تھے۔ اور تیرنا جانتے تھے۔ حضرت

شیخ احمد کے سبزی پانچ شاگردوں میں سے مولانا عزیز گل پاشا المذہب بھی اقلیت
 ہیں۔ سمنہ جی طوقان کے دوران اگر تیس کو کسی چیز کی خبر ملتی ہو تو وہ تہ مجہ قرآن
 پاک بتا دیا کرتے نہایت سبب بن رہتی تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور
 جہان صحیح سلامت لوفان سے نکل کر الفرض حضرت شیخ احمد کو اس تہ مجہ قرآن یک
 کی اتنی قدر تھی کہ وہ کسی چیز کی پڑاؤ نہ کی۔ آپ کو صرف ایسی گہری باتیں کی فرماتی ہوئی
 شیخ احمد بڑے حد پر مست، شام تھے، مدرسہ اور فیتہ تھے۔ انگریزوں کے
 سخت دشمن تھے۔ انہیں ایک آنکھ دیکھنا بھی پسند نہ فرماتے آپ سمجھتے تھے کہ
 مسلمانوں کے دین، مذہب، اور قوم کو خراب کر سکتے تھے انگریز ہی ہیں۔ منہ کشمیر،
 فلسطین، قبرص، شام اور لبنان سب انگریز کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ یہ امر کہ انہوں
 کی بیدار رہے۔ اصل فتنہ پرور انگریزوں کے ہیں۔ جو یہاں سے بھاگ کر سرحد سپٹل
 گئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ عیسائی خواہ سب کی ہو یا برطانوی یا روسی انہوں نے
 بیٹھے مسلمانوں کی مخالفت کی، انہوں نے ہندوستان میں ہندوؤں کو ساتھ لے کر مسلمانوں
 کے ساتھ سازشیں کیں۔ ان کو دس دن و خوار کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں سب
 پیروں اور مولویوں نے تم کی کے خلاف کھر کا فتویٰ دے دیا۔ یہ صرف حضرت مولانا
 شیخ احمد تھے جنہوں نے انگریزوں کو ٹٹ کر مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ
 کو گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔

بشاکی ترویج

حضرت شیخ احمد نے اپنے تہ قرآن میں جس فتنہ کا معنی ہی سمجھا ہے کہ
 اسلام میں اس طرح داخل ہو جاؤ کہ تہر کوئی عمل حکام اسلام کے خلاف نہ ہو۔
 اپنی عقل یا دوسرے کے کہنے سے دین میں کوئی چیز داخل نہ کر دو نہ یہ بدعت سبب۔
 مذکورہ اسلئے اسلام کے نام کا تو اب سمجھ کر نہ کہتے ہیں۔ کیونکہ بدعت نام ہی اس عمل
 کا ہے۔ جسے اپنا سمجھ کر دین میں اپنی طرف سے شامل کر لیا جائے حالانکہ دین
 اس سے کوئی عقل نہ ہو۔ فرما سکتے ہیں کہ اس کی مثال شیخ سبب۔ جیسے نماز اور
 روزہ انہیں عبادت نہ کہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شریعت کی مقررہ نماز کے علاوہ
 اب وفات پا چکے ہیں۔ فاضل

اپنی عزت سے کوئی نماز اچھا کرے گا تو وہ بدعت ہوگی مثلاً عید کے روز عید گاہ میں نوافل ادا کرنا اگرچہ نماز ہے مگر اسے بدعت کہیں گے۔ کیونکہ دین میں اس کی اصل نہیں ہے۔ اسی طرح ہزاروں روزہ رکھنا بھی بدعت میں شمار ہوگا۔ کیونکہ یہی طرفت دین میں شامل کیا گیا ہے۔

ایسا نواب کی تمام رسوم بھی اسی قبیل سے ہیں۔ تیسرا دواں چٹم وغیرہ کا نواب احمد مرہٹ کے لیے باعث شہہ اجر سمجھا کر کیا جاتا ہے مگر شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی طرح سرئی کے لیے نعت خوانی اور محافل میلاد منعقد کی جاتی ہیں۔ وہ مختلف مفاہات پر مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ شریعت کی منافی اور اس کے حکم کے بغیر ہوتا ہے۔ طاعلی قادریؒ دور دیگر تھا جسے کلام رکھتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ کی سلام پھیرنے کے بعد دعا نہیں کہنی چاہیے۔ کیونکہ یہ تازہ میں اپنی طرفت سے اضافہ تصور ہوگا۔ یہ چیز شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح جب اقامت صلوٰۃ کے آخری کلمات کہہ کر لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ تو دوسرے کہے گئے رکوع کی اقامت کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی بدعت برائی شکی اور نواب کی خاطر کیا جاتا ہے۔ مافوقہ حضور علیہ السلام سے قطعاً ثابت نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آج کے مسلمان کو حضور علیہ السلام کے طریقے پر یقین نہیں آیا۔ لہذا ان میں ضافہ کر دیا ہے۔ اذان سے پہلے درود شریف بہت۔ بدعتی سعادت سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ اس قسم کی بدعت کا رواج سب سے محض اپنی عقل کی پیروی میں کیا جاتا ہے۔

نوافل کی افراطی بڑا شہد خیر شیر بہت۔ مگر اس کی جماعت ثابت نہیں۔ فقہائے کرام نے اسے بھی بدعت سے تعبیر کیا ہے۔ اہل جن نمازوں کی جماعت حضور علیہ السلام سے ثابت ہے، وہ درست ہے۔ اہل جن نمازوں کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اور نماز استسما وغیرہ ہیں۔ مگر صلوٰۃ التیسر کی جماعت کہاں سے آگئی۔ طاعلی حنفی اسے بھی بدعت قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مساکین میں درست نہیں ہے۔

ملاحظہ رہنا ہے اور اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔

الغرض! خلاصہ ان آیات کا یہ ہے۔ کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لانا اور
برعات سے بچتے رہنا اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جانا۔ یہاں سوال پیدا
ہوتا ہے کہ کیا واقعی بعض لوگ مکمل طور پر اسلام میں داخل نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں
اہل کتاب کی مثال موجود ہے۔ یہودی علماء میں سے حضرت عبداللہ بن سلام کو لڑتے
لے تو فتنہ بخشی اور وہ اسلام لائے۔ بعض دروس یہودی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے
حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔
مگر ان کا خیال تھا کہ قرآنی احکام کے ساتھ ساتھ قرأت کے احکام کی بھی رعایت
ہونی چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمادی کہ اسلام کے ساتھ
ساتھ کسی اور شریعت یا دین کی رعایت اسلام میں مکمل داخلے کی نفی ہوگی۔ لہذا باقی
تمام شرائع اور ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

قرأت میں حکم موجود ہے کہ ہفتہ کے روز سوائے عبادت الہی کے اور
کوئی کام نہ کرو۔ گویا اس دن دنیوی کام بامکمل طور پر بند کرنے کا حکم تھا۔ جتنی کہ چاہا
بھی گرم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نہ زراعت نہ دکانداری اور نہ کوئی در کام کرنے کی اجازت
تھی۔ اسی طرح یہودیوں کے دین میں اونٹ لگا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا۔
تو مسلم یہودیوں نے خیال کیا کہ اسلام میں جہ کہ افضل دن قرار دیا گیا ہے۔ ہم کو
تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پڑنے طریقے پر اگر نعت کی تعلیم بھی دلائی
جائے۔ اور ممنوعات کی پابندی کی جائے تو کیا حرج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات
سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اب اسلامی
احکام کے ساتھ دوسری شریعت کی پابندی روا نہیں ہے اگر اب بھی ایسا کیا جائے
تو یہ فعل برعت شمار ہوگا۔ کیونکہ شریعت محمدی نے ایسا کرنا حکم نہیں دیا۔

أَذْخَلْنَا فِي الْإِسْلَامِ كُلَّ شَيْءٍ جَامِعٍ آیت ہے۔ اسلام میں مکمل
داخل صرف ظاہری اعمال تک ہی موقوف نہیں بلکہ باطنی طور پر بھی اسلام کے احکام

ظاہری و باطنی
میں یکساں

نقد ہے۔ قوانین دیونی و فوجداری، تجارت و معیشت وغیرہ حسب ائمہ دینی قانون ہیں
انگریزوں کے زمانہ میں ان قوانین کو قبول کرنا توجہ جاری مجبوری تھی۔ اب کیا تکلیف ہے
ہم اسلامی نظام کو نافذ نہیں کر سکتے۔ کیا کارپوریشن حکومت کو اسلام کے قوانین و
نظریات پر اعتماد نہیں ہے۔ اگر اعتماد ہوتا تو انگریز دینی قوانین پہلے دن سے تبدیل
کر دیے جاتے۔

اسلام انقلابی
فہم ہے

اصل بات یہ ہے کہ اس وقت اسلام کو انقلابی مذہب ہم خود ادا رہا ہے
حکمران تسلیم نہیں کرتے۔ اسی لیے وہ اسلام کا نفاذ بہتر تک چاہتے ہیں نتیجہ ہوگا۔
کہ جس طرح پہلے حکمران نفاذ اسلام کے بغیر چلے گئے۔ اسی طرح موجودہ حکومت
بھی نصرت ہو جائیگی مگر اسلام نافذ نہیں ہوگا۔ اور اس کے بعد غیر جیسے گا وہ
بہ طور طریقہ اپنائیگا۔ سہرا آمد عمارت نورساخت مگر لوگ اسلام کی برکات سے
محروم ہی رہیں گے۔ جب تک اسلام کو انقلابی اقدام کے طور پر نافذ نہیں کیا جائے
گا۔ کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کا طریقہ دیکھئے۔ فرج فرما
کے روز حضور نے انقلابی اعلان فرمایا تھا کہ جو طبیعت کی ہر رسم آج میرے پاؤں کے
نیچے روند دی گئی ہے آج کے بعد کسی شرب کو برہنہ حالت میں طاعت کہہ کر اجازت
نہیں ہوگی کسی غیر مسلم کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آج کے بعد تمام
سوئی کاروبار بند کیے جاتے ہیں۔ یہ سب انقلابی مذہب کے انقلابی پروگرام تھے
جو غلط پروگرام کی جگہ فی انفرادی مذہب کے مقصد یہ کہ اگر عقیدہ اسلام کو اپنے
تو پھر قوانین بھی اسلامی نافذ ہونے چاہئیں۔ جو ہر شے زندگی پر حاوی ہوں۔ بلکہ مصل
معاشی ہوں یا معاشرتی عبادات ہوں یا مذہبی ہر معاملہ میں اسلام سے ایمان کامل
کہنا ہوگا۔ اگر حاکم اور آدھا طیسرے کام نہیں چلے گا۔ چلتے پاس ہر ہر شے کے
لیے قوانین موجود ہیں، ضرورت صرف عمل کی ہے۔ اسلام کی جگہ دینی میں انگریز
کی جگہ بیٹ چلے گی نہ سوشلزم کی اقتصادیات ہوں گی اور نہ کمارل، بلکہ انگریز
کا کرنی حصہ ہوگا۔ بلکہ پورے کا پورا نظام اسلامی ہوگا۔ حتیٰ کہ دیوانی و فوجداری قوانین

بھی نہ ہی، نہ ہوں گے جو اسلام نے عطا کیے ہیں۔ حق و کفر کی حق سہی، سہی قوانین کے ذریعے ممکن ہے۔ اور ظالم کو ظالم کا بدلہ سہی قوانین دے سکتے ہیں۔ سہی وہ قوانین ہیں جن کے ذریعے دنیا میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ اَلْخُلُوْا فِیْ سَبِيْلِهِ كَامِلٌ کوئی مطلب ہے۔

یہودیوں میں بھی یہی خصلت پائی جاتی ہے۔ کہ وہ بھی اپنی کتاب پر کھانچا نہیں رکھتے تھے۔ کسی حکم کو مانتے تھے اور کسی کا انکار کر دیتے تھے۔ جیسی قرآن کریم نے انہیں بتلایا اَخْتُوْا مِمَّنْ يَّبْغُوْنَ سُلْطٰنًا وَكَفَرُوْنَ بِبَعْضِ الْاٰیٰتِ مِمَّا رَسَلْنَا بِكَ اَنْتَ نَبِیُّہُمْ اِنَّمَا یَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا وَیَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا وَیَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا۔ یہ تمہارا ایمان کیا ہے۔ یہ تو سرسراہٹ ہے۔ اس زور و شکر کو چھوڑ کر پڑے کے پوسے ایمان میں داخل ہو جاؤ۔ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خَصْمَیْنِ الشَّیْطٰنِ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ گویا یہ عادت پر چلنا شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ اِنَّہٗ لَکَیْکُمْ عٰدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس کے برعکاس میں نہ آجانا یہ مصعب یہ کہ جو کہ کئی دین اسلام کا راستہ چھوڑ کر ہندو، سکھ، درویش کو اپنا سنے گا۔ انگریزوں اور مشرکوں کا قانون، خفیہ رکھے گا۔ وہ شیطان کے نقش قدم پر چلے گا۔ نہ ظاہر ہے کہ دشمن ہمیشہ دشمنی کرتا ہے۔ وہ کبھی خیر خواہ کی بات نہیں کرتا۔ وہ تمہیں سہی کی طرف سے جائے گا۔ شیطان کا تو کام ہی یہ ہے۔ یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الشَّیْطٰنِ وَیَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا وَیَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا۔ اور اپنے نقش قدم پر چلنے والوں کو اس کی طرف دعوت دے۔ ہا ہے۔

اور قلم نے اسلام کے مکمل غافل کی ترغیب دینے کے بعد اس سے وکھڑائی دے دی۔ کہ نہ دلوں کو وسیع ہو سکی ہے۔ نہ اپنے ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنْ کَرِهْتُمُوْهُنَّ لَیْسَ بِکُمْ جُنَاحٌ عَلَیْہُمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا فَرٰقًا مِّنْکُمْ۔ اگر تم تمہیں کہنے بعد اس کے کہ تمہارے پسند کیاں آگئیں۔ فَاَعْلَمُوْا اَلّٰہُ یَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا وَیَاْمَنُ مَنِ اٰمَنَ بِمَا رَسَلْنَا بِكَ وَنَزَّلْنَا بِهٖ سُلْطٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا۔

بچک اللہ تعالیٰ زیر دست ہے۔ اور حکمت والا ہے وہ کمال قدرت کا مالک ہے
 اس کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ اس کی حکمت کے مطابق وہ یہ ہو سکتی ہے جو گرفت
 سے بچاؤ ممکن نہیں۔ وہ تمہارے لئے کا ضرور بدلہ لے گا۔ دوستی تمام پرستہ نایا
 قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَنْ يَشَاءُ وَنُفُوسُ كَافِرِينَ اب
 تمہارا کوئی حق قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان واضح بات کے بعد بھی یاہدی کا اختیار کرنا
 تمہارے بس میں ہے۔ اور اس پر جزا یا سزا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کام ہے نہ تمہارے
 اللہ تعالیٰ کے احکام نہ ماننے والوں کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے کہ ان
 لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ نہیں کس چیز کا انتظار ہے۔
 جسے دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ السَّحَابُ
 فِي ظُلُمٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَأُمْلِيكَ يَهْمُكَ حُضْرُ اس بات کا انتظار کر رہے
 ہیں کہ اللہ تعالیٰ در اس کے فرشتے ان کے پاس یا دلوں کے سامنے میں آئیں
 مطلب یہ کہ مکہ میں کی خواہش یہ ہے کہ جو چیز قیامت کو ظاہر ہونے والی ہے۔ وہ
 آج ہی ہو جائے۔ یا دلوں کے سابقوں میں نزول اجلال ترقیامت کے روز ہو گا
 جب اللہ تعالیٰ خود نزول اجلال فرمائیں گے اور سابقین جو ہوں گے، وہ مارا، فوراً
 پانی کے ہول گئے۔ ستر ہزار حساب میں اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ اور گروہ
 فرشتے قیام پڑھ رہے ہوں گے۔ اس وقت عدالت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے
 فرمائیں گے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ سب کچھ آج ہی ہو جائے، بھلا تین ماہ وقت یہ کیسے
 ممکن ہے۔ دوسری جگہ فرمایا تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَنْ يَشَاءُ وَنُفُوسُ كَافِرِينَ
 اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کے آجانے کے بعد یہ اور کس کتاب کے منتظر
 ہیں جس پر ایمان لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ماقم النبیین تشریف لائے۔
 اب ان کی راہنمائی کے لیے در کون سنی آئے گا۔ جس کا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں
 اب کوئی شریعت، کوئی پرگرام نہیں جو باقی ہے۔ اور جس کا انتظار کیا جائے۔
 اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال ترقیامت کے سابقوں میں نزول اجلال ترقیامت

اللہ تعالیٰ
 کا فیصلہ

کے روز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی بجلی ستر ہزار پڑوں کے اندر ظاہر ہوگی۔ کائنات کی ہر چیز درج
برہم ہو جائے گی۔ اور سخت ناراضگی کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ اس وقت وقفی ازہم
فیصلہ کروا جائے گا مگر یہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ قسود لا مومر تمام کام اللہ ہی کی طرف
لوٹائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون الہی ہے۔ اس کا مقرر کردہ ہر کام وقت پر
ہوگا۔ اسی کے قانون کے مطابق ان فرائض کو اس دنیا پر منت دئی جاتی ہے۔ مگر
آخری فیصلہ اور نزول اجلال قیامت کے روز ہی ہوں گے۔ یہ چیزیں قبل از وقت
وقوع پذیر نہیں ہوں گی۔

میں جلائی کے لئے کا سایہ کرنا، پتھروں سے بارہ چشمے جاری کر سکتے ہیں، سڑیاں کر سکتے ہیں، ان کے لیے میں دلوں کی خورد کھیا کرتا، دشمن کو آنکھوں کے سامنے ہلاک کرتا، بنی اسرائیل کے لیے عذرا میں راستے بنا دیتا وغیرہ وغیرہ ایسے وضع نشان اور معجزات ہیں جو بنی اسرائیل کو عطا کیے گئے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کیا۔ اور اپنے بڑے غلطیاں اور کوتاہیاں کیں جن کا ذکر میں سورۃ مبارکہ میں آچکا ہے۔ اور جن کی تعداد کم و بیش چالیس ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر بار معاف فرمایا۔ بنی اسرائیل بہت بڑی قوم تھی۔ دنیا میں جاہ و دولت کی مالک تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو اللہ نے علم و حکمت اور بادشاہی عطا کی۔ تمام دنیوی نعمتوں سے مالا مال کیا مگر اس کے باوجود جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ذیل دھوا کر کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ یَا بَنِي إِسْرَءِیْلَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ کُنْتُمْ رُجُلًا مِّنْ دُوْنِ سُلَیْمٰنَ وَاٰدَ وَنُوحَ وَیٰسَیٰ وَیٰعِیْسٰی اِذْ کُنْتُمْ رُجُلًا مِّنْ دُوْنِ اٰدَمَ۔

بنیاء السلام کا وجود بھی خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوا ہے۔ ان کے لوگوں کے لیے معیار اور نمونہ ہوتا ہے۔ جسے دیکھ کر لوگ اپنے غلوں و ماطن کو درست کر سکتے ہیں۔ بنیاء کا وجود انسانوں کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اسی نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ لَا تُخْزٰی لَکُمُ الدِّیْنُ لَیْسَ لَکُمْ فِیْہِ حِجَابٌ۔ اسی نعمت کے ساتھ کفر کیا۔ اس نعمت سے مراد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ آپ پر ایمان لانے اور آپ کا سودا اختیار کرنے سے عداوت کیا۔ خدا خود بھی جہنم میں گئے اور قوم کو بھی جہنم رسید کیا۔

علم و عقل انسان کے لیے لازمی چیزیں ہیں۔ ان کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدیہ و نعمت حاصل ہو رہے ہو۔ اور عمل انبیاء سے ملنا

انبیاء نعمت
اللہ تعالیٰ

مومن تو ہمارے پاس آگئے کہ جلد ہی میں حلاق دیدی ہے۔ اب کوئی ایسا طریقہ بتائی جس سے مطلقہ دوبارہ حلق ہو جائے۔ اللہ کے بند! بغیر سوچے سمجھے بغیر مسئلہ دریافت کیے ایسا کام کیوں کرتے ہو جس سے خود تمہیں تکلیف ہو اور جو تمہارے والدین اور پورے خاندان کے لیے باعثِ اذیت ہو چاروں مذہب میں تیسری طلاق کے بعد بڑی حریم ہو جاتی ہے۔ اگر نہ بدکستی حلال کرنے کی کوشش کرو گے تو حلال نہیں ہوگی۔ اولاً وہ بھی مشکوک اور حرام ہوگی۔ پھر جاگوشیعہوں اور اہل حدیثوں سے مسئلہ دریافت کر لیں کہ کسی طرح حلت کا فتویٰ مل جائے۔ یہ سب افحاشاتِ فحش و فنی کی فائزہ ہے۔ اس نعمت کو بروقت استعمال کرنا چاہیے۔ اور شیطان کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہیے۔ جس قوم کے پاس قرآن و حدیث جیسی نعمت موجود ہو اسے کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کبھی اسیر کی طرف دوڑتے ہیں۔ کبھی برطانیہ اور فرانس کی طرف دیکھتے ہیں۔ کہ ہمیں حکم دو۔ کوئی ایڈوکیٹ نہ بھیجو۔ جو ہمارے رہنمائی کریں یہ کس قدر کفرانِ نعمت کی بات ہے فکر اور محنت نہ فائدہ ہے جس کی وجہ سے عزت میسر نہیں آ رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ خود سخت سزا دینے والا ہے۔ اس کی نعمتوں سے دوگردانی کر کے، قرن و سنت کا دامن چھوڑ کر عزت کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں تو غضب و سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اپنے اہل و گروں نذرانہ کر دیجیے، کوئی قوم سہنت کے چھین جانے کے غضب میں مبتلا ہے کہیں بدعادت اور رسومِ باطلہ کا دور دورہ ہے۔ محتاجی ہے۔ زمین محبوس ہو گیا ہے۔ نیکی سے محرومی ہے۔ بدی کو چرچا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی نادمی کی سزا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس بادیم میں جس کمین پر تین آدمی موجود ہوں اور وہ غبارِ اجتماعت اور نہ کریں۔ اسے متحد و متحدہ استیذان پر شیطاں قابو پالیتا ہے۔ مقصد یہ کہ جب بھی کوئی قوم اسلام کے فتنہ چلیے گی، اس پر شیطان قابو پائے گا۔ اور میری غلامی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے انعامات کی قدر کرنا چاہیے۔ بنی اسرائیل نے ان

نعمتوں کی قدر نہ کی معجزات کو نہ سمجھا نہ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے اپنی سازشی، تخریبی اور گندمی و ہنسیت کی بنا پر بدترین قوم بن کر رہ گئے۔ اسی طرح جو بھی قوم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی قدر نہ کرے گی دلیل خود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی نبی کو مبعوث فرمایا۔ آپ کے ساتھ ایک عیاری قیامت کو پیدا کیا، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام آئے دلی نصیحتوں کے لیے نمودار تھے۔ ان کی پیروی کرنے سے انسان دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوئے۔ دنیا میں عروج حاصل ہوا فتوحات نصیب ہوئیں اور آخرت میں بھی بہترین اجر و ثواب کے مستحق ہوئے۔

جنب وینا

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو واضح فرمایا کہ فناء کے نزدیک دنیا کی حیثیت ہے۔ اور اہل ایمان کی حیات دنیا میں کیا ہے۔ اور آخرت میں ان کے لیے کون سے انعامات تیار کیے گئے ہیں۔ فرمایا يَذُوقُونَ فِيهَا وَلَاحِقَةُ آسَافٍ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، ان کے لیے دنیا کی زندگی مڑین کی گئی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو سانسے شہر و قار کی جڑ ہے۔ جب کوئی شخص دنیا کی محبت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ صرف اسی کو اپنا مقصد حیات بنائے تو پھر حرب و طرح کی فریب پیدا ہونے لگتی ہیں۔ روزمرہ کی حق تلفی، قتل و غارت، عیش و عشرت یہ سب دنیا سے بغیر معمولی محبت کا ثمر ہے۔ حضور خیرہ اسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ مَحَبَّتُ الدُّنْيَا تَرْبِي حُبَّ حَطِيئَتِ الدُّنْيَا محبت ہر برائی کی بڑھتی ہے۔ محبت سے مراد ایسی محبت ہے۔ جن سے آخرت بھی فراموش ہو جائے۔ دین ختم ہو جائے عبادت رہ جائے خدا پرستی کے نور غریبے پیدا ہو جائیں اور حالت یہ ہو جائے کہ يَعْمَلُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَنَسُوا بَآئِنَ اِلٰهِ وہ دنیا کی تمام ظاہری چیزوں کو جانتے ہیں وہ ظاہر عن ازخرفہ غفلتوں کو مگر آخرت کے بارے میں بالکل غافل ہیں، کچھ نہیں جانتے بلکہ بڑے عقل و دانش کے مالک ہیں۔ مگر معاد کے متعلق ذرہ بھر بصیرت نہیں رکھتے۔ اسی کا نام گمراہی ہے۔ انسان جس قدر دنیاوی محبت میں گرفتار ہو گا دنیا سے دور ہوا چلے جائے گا۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی اگر مڑین

کیا گیا ہے۔

فرمایا جو لوگ دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ اُن کی ایسا قبیح حرکت یہ ہے۔ کہ
 قَدْ يَخْشَرُونَ هَٰؤُلَاءِ اَلْمَسْوَرٰہِ اَلْاِیْمَانِ کو تسخیر کا نشانہ بناتے ہیں ایمان
 والوں کی ظاہری کمزوری۔ اُن کا فتنہ و فائدہ دنیا داروں کے لیے ٹھٹھا بن جاتا ہے اُن
 پر ان کو زبردستی نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا وَ اِذَا هَمَزُوا لِهٰٓمِهِمْ يَنْفَعُ هَمَزُوْنَ
 کافر لوگ غریب مسلمانوں کو دیکھ کر اشد کراہت کرتے ہیں کہ دیکھو جنت کے دارش جہا
 سبت ہیں۔ پھٹے پڑنے کے پھر تے۔ انہ زمین نہ باغات۔ نہ سب سے کو مکان، مگر دعویٰ جنت
 کا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کے دل میں محض دنیا کی محبت ٹھکر کھڑی ہے۔ اُن کے
 لیے دنیا کے لوازمات اور آسائش ہی معیار ہے۔ اُن کے نزدیک یہ شخص حقیر
 ہے جس کے پاس دنیا کا مال و دولت نہیں ہے اور اس ساری خرابی کی بنیاد ہی
 وجہ یہی ہے۔

فرمایا اہل دنیا کے برخلاف وَالَّذِيْنَ تَتْلُوْا جُورًا اٰیٰتِ الْقُرْاٰنِ جو دنیا
 سے بے رغبت اور آخرت پر نظر رکھتے ہیں۔ فَوَقَّاهُمْ يَوْمَ الْفِتْنَةِ
 وہ قیامت کے دن اہل دنیا سے بلند تر درجات پر فائز ہوں گے۔ تقویٰ۔ کفر
 شرک اور معصیت سے پرہیزگاری کا نام ہے یعنی تَتْلُوْا جُورًا اٰیٰتِ الْقُرْاٰنِ وَالْكَفُوْرُ
 وَالنِّفَاقُ وَالْاِصْحَابِ مِنْ فِتْنَةٍ مَّتَّعَهُمْ رَعٰلًا کِی ہرگز ان سے بچ جاتا ہی تقویٰ ہے
 مِیثاقِ عہدِ قادریہ کی آیت پَسَّیْنَ اللّٰہُ بِاٰمُرٍ بَاطِلٍ لِّیْلَاحِکَ اِنْ
 کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ وہ لوگ ہیں جو عدل و انصاف پر قائم ہیں۔ اور جو لوگ
 ظالم ہیں، عدل و انصاف سے عاری ہیں۔ وہ تقویٰ نہیں ہو سکتے۔

مغرض! فرمایا کہ دنیا میں تو یہ لوگ اہل ایمان سے ٹھٹھا کرتے ہیں مگر قیامت
 کے دن اہل ایمان ان سے بالا ہوں گے۔ جھڑپت علیٰ اُن کی روایت میں آتا ہے۔ کہ
 ہوشیار کسی مومن سے کسی کافر کی بنا پر ٹھٹھا کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت
 کے دن ایسے شخص کو تمام زمین اور آسمان کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گا جو کوئی

شخص کسی مومن پر ایسا عیب لگاتے ہیں۔ جو ش میں نہیں پایا جاتا۔ تو قیامت کے روز عیب لگنے والے کو آگ کے ٹیلے پر کھڑا کیا جائیگا اور کہا جائے گا کہ سبکے سامنے خود اپنی عجز و کمزوری میں نے اس پر جھوٹ کیا تھا۔ وہ حقیقت اس مرد مومن میں عیب نہیں پایا جاتا تھا۔ آج تو یہ لوگ طرح طرح کے مذاق کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں اور ہٹان دیتے ہیں۔ مگر انہیں قیامت کے دن پتہ چلے گا۔ جب دینی زندگی میں کمزور نا تو ان مومن ان پر حاوی ہوں گے اور بلند مراتب پر فائز ہوں گے۔ یہ معام انہیں تقویٰ کی وجہ سے حاصل ہو گا۔

قرآن پاک میں متقین کا ذکر بار بار ہے۔ جیسے هٰذِهِ اَلْمُتَّقِيْنَ سُورۃ بقرہ کی بتلہ میں ہے۔ کہ یہ قرآن پاک، یہ ہدایت متقین کے لیے ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اُوْلَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَسَبَتْ لٰهُمْ اٰمَنًا مِّنْ دُونِ الْمَوْتِ هٰٓؤُلَاءِ الْمُتَّقُوْنَ یعنی جن لوگوں کا ایمان اعمال، اذرا اطلاق، چھاپا ہے۔ جن میں تنزیب نفس پایا جا سکتا، وہی لوگ سچے ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ دنیا میں گزرا ہری اس بات کو لحاظ سے کوئی شخص نادانہ اور کمزور ہے تو اس کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ مذکورہ دولت مندی اور کمزوری نہیں بلکہ ایمان، تقویٰ اور محبت ہے۔ کیونکہ اَنْ اَكُنْ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ اَفْضَلُ كَرَّمَ اللّٰہُ كے نزدیک قدر و منزلت کا معیار تقویٰ ہے۔ ایک مرد درویشی محنت و مشقت سے اپنی روزی کھاتا ہے۔ اس کا عقیدہ بھی درست ہے۔ فرائض کو ادا کرتا ہے، تو ایک بڑے سے بڑے دولت مند اس کے خاک پا س کے برابر بھی نہیں۔ چہ جائیکہ ایک مالدار ایک مرد درویش کو حقیر سمجھے۔ یہ تو باعث لعنت ہے ایسا شخص عذاب کا مستحق ہے۔

فرمایا وَاللّٰهُ مَبْدُوقٌ مِّنْ يُّكُنْ اَوْ يَكُنْ حَسَابُ اللّٰہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رزق کی فراوانی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی دلیل نہیں۔ اور نہ ہی یہ اللہ کی رضا کا معیار ہے۔ رزق کا بہت و کم اور مالک کی مصنعت پر موقوف ہے۔ اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

رزق کی فراوانی

لَمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ اللہ تعالیٰ جس کا چاہے رزق فرخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ اس کی مصلحت کو انسان نہیں جانی سکتا۔ یہ آتش کا اپنا پروگرام ہے۔ چاہے کہ کافر دنیا میں زندہ رہے پھر اس اور مومن کے خذ و خضع ہو کر رہ جائے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کافر ان دنیا میں خوشحال ہو، اور ہر مومن تنگ دست ہو۔ بلکہ کُفْرٌ نُوْجٌ ہے۔ کُفْرٌ کُفْرٌ وہ سب کو دیتا ہے۔ مومن کو بھی، کافر کو بھی کُفْرٌ حقیقی کو مل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام اور سلف صالحین کو ہندی کیسے نصیب ہوئی ہے۔ یہ چیز صرف اور صرف تقویٰ کی بنا پر حاصل ہوئی ہے۔

مال کے
تینا صرف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گہری ہے۔ کہ سنے ابن آدم تیری زبان میرا مال میرا مال کہتے نہیں تھکتی۔ تم ہمیشہ حکایتی کہانی کہتا رہتا ہے۔ کبھی میری دکان کبھی میری زمین، میرا کاروبار، میرا باغ تیرے دردِ زبان رہتا ہے۔ مَا لَكُمْ هَلْ مَا لَكُمْ اَلَا مَا اَصْلَحْتُمْ تیرا مال وہ ہے جو تم نے کھایا۔ وَ لَيْسَتْ يَاتُوْنَہُمْ لِيَا اور بوسیدہ کریدہ اَوْ قَدْ ذُهِبَتْ يَا سَکَے بھیج دیے۔ اس کے علاوہ تیرے در کوئی مال نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے۔ لَسْتُ بِاَدَارٍ مَنْ لَدَارٍ لَکَ۔ یعنی دنیا تو اُس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ اُس کا مال ہے۔ جس کا مال نہ ہو، اور صرف دنیا کی خاطر وہی انسان جمع کر رہا ہے۔ جس کی عقل نہ ہو۔ کیونکہ صاحبِ عقل آخرت کی بھی فکر کرے گا۔ ایمان دار کو یہ فکر دامن گیر ہوگی۔ کہ آخرت کا سامان جو جائے۔ وہاں پہنچ کر کہیں خالی ہاتھ نہ رہ جائیں۔ کیونکہ بعد میں دلائل کو مل سنے کہ آئیگا۔ لَکَ اَلَا اَخْرَجْتُمْ کَے لیے ترشہ پہلے ہی بھیج دے۔

کس نیار نہ پس تو پیش فرم

القرض ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی عطا کر دیتا ہے۔ اور کمالِ مَدَارِ اِیْمَانِ اور تقویٰ ہے۔ سلف صالحین کو اسی چیز سے عروج حاصل ہوا، کافر و کُفْرٌ دنیا کی وجہ سے اہل ایمان سے ٹھٹھا کرتے ہیں عداوت کی چیز شراہ کی اصل جڑ ہے۔ دنیا کو استعمال کرنے کی ممانعت نہیں ہے

مگر اس کو جمود بنا کر اس کی پستش شروع کر دینا۔ اور اس کی وجہ سے فرائض اور
 امور آخرت سے غافل ہو جانا باعث وبال ہے۔

سَقُول ۲

دس ہزار وقت (۱۸۷)

التَّقَرُّدُ ۳

بیت ۲۱۳

كَانَ الْكَسْبُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ
إِلَّا الَّذِينَ أُولُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَعَثَ
فِيهِمْ فَلْيَدْعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ
مِنَ الْحَقِّ بِآيَاتِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ (۲۱۳)

ترجمہ: سب لوگ ایک ہی امت (دین تحت) پر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے۔
خوشخبری ماننے والے اور ڈرانے والے اور ان نبیوں کے ساتھ کئی کتاب بھیجی تاکہ
وہ لوگوں کے درمیان اس بات میں فیصلہ کریں، جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور
انہیں اختلاف کیا اس میں مکرر ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی بعد اس کے کہ ان کے
پاس واضح باتیں اچکی تھیں (یہ اختلاف کیا) انہوں نے) اپنی میں سرکشی کرتے ہوئے۔
پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت دی اپنے حکم سے جو ایمان لائے اس بات میں
جن میں وہ اختلاف کرتے تھے حق سے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دے سکتا

کئی ہدایت دیتا ہے (۲۱۴)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی تھی کہ جو شخص نعمت اس کے سمول سکے مگر شکر سے سیرت
بعد اس کی تکذیب کرتا ہے، وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے بنی اسرائیل
کا ایسا مثال ذکر فرمایا کہ جب انہیں بیت کی نعمتوں سے نوازا گیا اس قوم نے

اشکر گزاری کی اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہونے لگا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا سبب بنی گذشتہ درس میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ مگر نئے دنیا کی اصل جڑ حسد، دنیا ہے۔ دنیا کی قسمت میں گرفتار کنہ راہل ایمان سے ٹکنا کرتے ہیں اور ان کو حیرت مانتے ہیں۔ حالانکہ کامیابی کا اصل دار و مدار مال و دولت پر نہیں بلکہ تقویٰ و پیر ہیز گاری پر ہے۔ اہل تقویٰ قیامت کے دن اہل دنیا پر برتری حاصل کر لیں گے۔

امجد

آیت نیرورس میں اللہ تعالیٰ نے دین رحمت کی وحدت کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے صَلَّى الْمَسْجِدَ وَاجِدَةً سَبَّ لُوكَ اِيك بِنِ مَلِكِ پُوسْتِ۔ قسمت، اُس جہت کو کہتے ہیں جس کے افراد کے احوال و خیالات ایک جیسے ہوں۔ قسمت حق بھی بھرتی ہے اور قسمت باطل بھی۔ مگر اس آیت میں جس قسمت کا ذکر ہوا ہے اُس سے مراد قسمت حق ہے۔

تمام لوگ ایک ہی قسمت پر کب تھے۔ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کہہ کر ام فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق عالم اربعہ سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام اربعہ کو حاضر کر کے اُن سے سوال کیا تھا۔ اَلَسْتُ مِنْ تَحْتِ كَيْفَ كَيْسَ تَمَّا اَرْبَ نہیں ہوں؟ تو سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا۔ قَالُوْا بَلٰی اے سولہ کریم! کیوں نہیں، قریبی ہمارا رب ہے۔ اُس وقت تمام لوگ امت واحدہ تھے یعنی ایک ہی قسمت پر قائم تھے۔ اس قسم کے اشارات سورۃ الاعراف اور بعض دوسری سورتوں میں بھی ملتے ہیں مقصد یہ کہ اُس وقت تمام روحوں نے قسمت واحدہ پہ ہونے کا اقرار کیا تھا تو اس دنیا میں اس سے انکار کی کیا وجہ ہے۔ یہ تو بڑی نا انصافی کی بات ہے۔

اس ضمن میں مشہور تہ تشریح جو اکثر مفسرین کہہ کر ام نے بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ قسمت واحدہ کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک کا ہے اس غرض میں تمام لوگ ایک ہی امت تھے اور وہ قسمت واحدہ پر قائم تھے۔ ان کا دین بعینہ وہی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس کے بعد اختلافات پیدا ہونے لگے اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک ان کا دائرہ

بہت وسیع ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانے میں گورنر کونین سے پہلے پر تعلیم یافتہ
ان کی کثرت ہونے لگی اور صرف گنتی کے دروازوں کے جو دین حق پر قائم تھے۔ کہ
کشتی میں لوگ جو کہ کچھ جہازوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا تک شامل نہیں
تھے۔ کہ وہ دین حق سے روگردانی کر چکے تھے۔ کشتی کے ذریعے ہلاکت سے محفوظ
رہنے والے لوگ کافی مصلحت تک دین توحید اور ایمان خالص پر کار بند تھے۔ حتیٰ کہ ایک زمانہ
ایسا آیا جب اختلاف نے پھر زور پکڑا اور امت میں غلط مصلحتیہ پیدا ہو گئے۔
بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ امت واحدہ کا زمانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد
کا زمانہ ہے۔ آپ کے بعد ڈیڑھ ہزار سال تک لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل
علیہما السلام کے پیچھے دین پر قائم رہے۔ تاہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
مبارکہ سے تقریباً ساڑھے چار سو سال پہلے عمر دین تھی جسے عمر دین قیمہ بھی کہتے ہیں۔
اس نے عربوں میں بہت پرستی کو رائج کیا۔ اس کے بعد چند صدیوں میں بہت پرستی کو
اس قدر عروج حاصل ہوا کہ اللہ کا پاک گھر بیت اللہ شریف بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا
جب ہی کریم بنے مگر کو فتح کیا۔ تو اس پاک گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ اور پھر حضور علیہ السلام کی
حیات مبارکہ ہی میں عرب کا ہر حصہ کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہو گیا۔ یہ سب تفسیریں
ملتی ہیں۔ مگر زیادہ مشہور تفسیر وہ ہے۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے سے کہ حضرت
اور میں علیہ السلام تک کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔

امت واحدہ کے ذکر سے کہ بعد فرمایا **فَبَقِيَ مِنَ الْبَنِي إِسْرٰءِیْلَ** یعنی
انہی کو بھرت فرمایا۔ اب آیت کے ان دونوں حصوں کا ترجمہ یوں ہوگا کہ تمام
لوگ ایک ہی ملت پر تھے۔ پھر اللہ نے انہی کو بھرت فرمایا۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا
ہے۔ کہ ملت کا دین حق پر کار بند ہونا بعثت کی ملت نہیں بلکہ اس مسلمہ میں مفسرین کو
فرماتے ہیں۔ کہ آیت کے ان دو جملوں کے درمیان لفظ **فَبَقِيَ** لفظوں سے
اس لفظ کو درمیان میں لٹنے سے اشکال دور ہو جائے گا کیونکہ اب پورا جملہ اس طرح
ہوگا کہ سب لوگ ایک ہی دین حق پر تھے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ

آگے اس امر کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ اہل کتاب میں اختلاف کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ احکام الہی سے بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے تھا۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ اِنَّ اَسْذِينَ اَذْوَقُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ مِنَ الْبَيِّنَاتِ يَغْتَابِ بَئِئِهِمْ ۚ اور اس میں صرف انہی لوگوں نے اختلاف کیا: انہیں کتاب دی گئی اور ان کے پاس واضح نشانات آپ کے تھے اور پھر وہ آپس میں سرکشی کرتے ہوئے۔

آپ پر اختلاف ہوئے اور اس کی وجہ ان کی خود غرضی، ضد و مدعا تھا۔ جیسا کہ یہود کے متعلق پہلے بھی آچکا ہے۔ یَحْزِرُ فُوْهُنَّۙ كَمَا يَحْزِرُ فُوْهُنَّۙ اَبْنَاءُ مَقَرٍّ ۚ یہ لوگ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے مگر آپ سے اختلاف کی وجہ حسد اور منہ پرستی تھی۔ اَذْفُسُۙ مِّنْ فَحْشٍۭ ۚ حد تھا کہ نبوت بنو اسماعیل میں کیوں منتقل ہو گئی ہے۔ یہ لوگ اپنی برتری کو قائم و دائم دیکھنا چاہتے تھے اور کسی صورت اقتدار کو ہاتھ سے جاننے نہ دینا چاہتے تھے یہ تو نسبت یہودی تھی۔ کہ ختم نبوت کا مانع حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر رکھا گیا۔

حدیث شریف میں موجود ہے کہ قیصر روم نے زبان سے اقرار کیا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں جن کا ذکر سابقہ کتبوں میں موجود ہے مگر وہ ایمان کی دولت سے محض اس لیے محروم رہا کہ اس کی بدولت اس کے جاہ و مال اور حکومت و اقتدار پر پڑتی تھی۔ ایمان لا کہ وہ اپنی بادشاہت اور مطلق العنانی کو قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔ لہذا وہ اکثر پر اڑا رہا یہ مقصد یہ کہ حق سے اختلاف کی وجہ اکثر و بیشتر حد بغض، عداوت، خود غرضی وغیرہ ہی ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات غلط فہمی کی بنا پر بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اصل وجہ اختلاف وہی ہے جس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں یہود و نصاریٰ کی واضح مثالیں موجود ہیں۔

کفر و شرک، بغض و حسد، اور بیت مال و جاہ کے انھیں میں کیسی بیدار شمع ثابت بھی نظر آتی ہے۔ اور یہ انک، ملک کا نام کر رہا ہے۔ فَهَذَا الَّذِي اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيْسَ اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ يَوْمَ الْحُجَّةِ يَادُّ مَنَّهُۥ اٰمَنُوْا لَيْسَ

حق و باطل
میں تمیز

اہل ایمان کو دینے کے حق سے مختلف فیہ امور میں ہدایت بخشی۔ انہوں نے معاملات میں ہدایت کی تلاش حضور نبی کریم ﷺ کی طرف کی اور جس علی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ طور اقیانوس رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نوافل کے دوران سجدے کی حالت میں دعا فرماتے تھے تھُمَّ قَدْ جَاءَنَا لَسْمُوحٌ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَدْوَأْنَتْ تَحْتَهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فَيَسْعَا كَالْوُحْيِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّكَ قَدْ لَمْ يَكُنْ لَكَ إِهْدِي لِي ۚ خُشِعْتُ رَفِي ۚ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ قَدْ لَمْ يَكُنْ لَكَ إِهْدِي لِي ۚ خُشِعْتُ رَفِي ۚ

اے نبی ارض و سما کے عالم عام و خاص و باطن و ظاہر میں ہدایت دینے والے کے وہ بیان فیصلہ کرنا سب حق سے متعلق معاملات میں اپنے حکم سے سیری رہنا ہی فرما۔ ترجیح چاہتا ہے، براہ راست کی طرف رہنا ہی فرماتا ہے۔ ایک دعا میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں اَللّٰهُمَّ اِنَّا الْحَقَّ حَقًّا سَأَلْنَاكَ ! میں حق بات سچ کر کے دکھا اور اس کا اتباع بھی نصیب فرما وَالْبَاطِلُ بِطِلَالَةٍ ۚ اور باطل کو باطل کی صورت میں ہی دکھا۔ وَذُرْفَتُ الْاِجْتِهَادِ تَابِلَةٌ ۚ اس سے اجتناب کرنے کی توفیق بھی عطا کر۔ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا ۚ اسے غلط طور پر نہ کہیں بہت سے حق باطل کی تمیز ہی نہ اٹھ جائے۔

حضرت مولانا شیخ الہند نے یہاں پر بڑے عمدہ نوٹ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ایک مدت تک ایک ہی سچا دین یعنی دین توحید قائم رہا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اِمَامٌ عَلِيمٌ السلام کو بھیجا جو اہل ایمان کو اطاعت اور قواب کی بات سناتے تھے۔ اور اہل کفر و باطل کو عذاب سے ڈراتے تھے۔ اُن انبیاء کے ساتھ کچی کتاب بھی نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والا نزاع دور ہو سکے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے محض خد اور حمد کی بنا پر اختلاف کیا۔ حالانکہ وہ حق کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل حق کی رہنمائی فرمائی اور انہیں غمراہی اور اختلاف سے بچایا جیسا کہ آپ کی امت کو عہدہ و عمل میں امر حق کی تعلیم فرمائی اور اہل کتاب میں بھی لڑاؤ

تقریب سے محفوظ رکھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات یہ ہے۔
 کہ اللہ تعالیٰ نے جو متعدد دینی در کتابیں بھیجیں تو ان کا مقصد لوگوں کو ہر نبی کے علیحدہ علیحدہ
 فرق میں تبدیل کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ایک ہی راستہ کی طرف رہنمائی کرنا مقصود رہا ہے جب
 لوگ اصل دین کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف راغب ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ ایک اور نبی اور
 کتاب بھیج کر اصل راستہ کی پہچان کر دیتا تاکہ لوگ اسی صراطِ مستقیم کی طرف لوٹ
 آئیں۔ اس کی مثال آپ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسانی جسم کے لیے صحت فقط
 ایک چیز ہے مگر بیماریاں لاتعداد ہیں۔ جب کسی انسان کے جسم میں کوئی ایک بیماری
 پیدا ہوتی ہے۔ تو معالج اُس بیماری کے مطابق دروائی اور پھر تیز بخور کرنا ہے۔ پھر دوسرا
 مرض پیدا ہوتا ہے تو اس کے مطابق دوسرا علاج اور پھر تیز بخور کیا جاتا ہے۔ یہی حال
 امتوں کا ہے۔ جب کسی قوم میں کوئی روحانی بیماری پیدا ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سنہ بخیر اور
 کتاب بھیج کر اس بیماری کا علاج کیا۔ پھر دوسری بیماری پیدا ہوئی تو اس کے حسبِ حال
 ہی اور کتاب آئی۔ اور پھر آخر میں نبی آخر الزماں اور آخری کتاب قرآن پاک بھیج کر تمام
 روحانی بیماریوں کا شافی علاج کر دیا۔ تاکہ لوگ قیامت تک پیدا ہونے والی بیماریوں
 سے محفوظ رہ سکیں۔

سبرِ امت

حضرت مولانا سید محمد رفیع فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دوسری بات یہ معلوم
 ہوتی۔ کہ اہل حق کو صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ سنت اللہ ابتداء سے جاری
 ہے۔ کہ ہر نبی اور ہر کتاب آسمانی کی مخالفت بڑے لوگ کرتے ہیں۔ کیونکہ حق کو تسلیم
 کر لینے کی زحمت ہی کے اقتدار پر پڑتی ہے نبی اور کتاب اللہ کی مخالفت ہمیشہ
 انہی لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔ لہذا اہل ایمان کو قلبی دی گئی ہے۔ کہ ان لوگوں کے تحشا
 کہہ سکتے، یہ لوگوں کی اور ایذا رسانی سے گنجبر رہیں۔ بلکہ صبر و استقامت سے ہم تکلیف
 کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

فرمایا انبیاء علیہم السلام اور کاتبوں کو بھیجنے کے باوجود ہر امت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

پہنچتا رہا

میں ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ لِمَنْ يَّشَاءُ اَحَدٌ مُّسْتَقْبِلٌ وَاَوْجِبُ پابندی ہے
 دائرہ امت کی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے۔ اَللّٰهُ تَعَالٰی ہدایت اُسی کو نصیب کرتا
 ہے جس کے اندر حصول ہدایت کی طلب و صلاحیت ہوتی ہے۔ اور جو کوئی ظلم و جفا
 پر اڑا رہتا ہے اسی کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا کہ هٰذَا رَیْبٌ لِّدِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ
 ایسے لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہیں ہوتی۔ نہ مال بِصَنْ كَيْشًا وَّ مَسْ وَاَضْحَمْ ہے
 کہ ہدایت ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اہل حق کو ہی حاصل
 ہوتی ہے۔

سَيَقُولُ ۲

اَلْبَقَرَةِ ۲

دریں میں دو پشت (۱۱)

آیت ۲: ۲۵

اَوْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ يَأْتِكُمْ مَثَلُ
الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ
وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى
نَصْرُ اللَّهِ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۵﴾ يَسْتَوُونَ مَا اَنْ
يُفْقَهُوْهُ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَبِئْسَ الْاَقْرَبِينَ
وَالَّذِي تَخَىٰ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّبِيُّوْنَ وَمَنْ تَفْقَهُوْهُ
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ لِلَّهِ بِهٖ عِلْمًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: کیا تم گمراہ ہو کر جنت میں داخل ہو چکے ہو حالانکہ تمہارے پاس
پہلے لوگوں کے سب سے عادات نہیں آتے۔ جن کو سختی و تکلیف پہنچی اور وہ مرنے لگے
کیے گئے، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور اس پر ایمان لانے والے کہتے ہیں، اللہ
کی مدد کب آئے گی۔ فرمایا کہ وہ جو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے ﴿۲۵﴾ آپ سے
رُک پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے کہ تم جو کچھ بھی ملے خرچ کرو، پس
والہین کے لیے اقربیت داروں کے لیے یتیموں و یتیموں کے لیے اور معزول
کے لیے۔ اور تم جو کچھ بھی بھلائی کرو گے بیشک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے

والا ہے۔ ﴿۲۶﴾

گدشتہ پیر

گدشتہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اب تم میں سب لوگ ایک
ہی اور سب دشمن ہیں تھے، پھر جب انہوں نے دین حق سے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ
نے سپاہیں و فرشتے کے لیے انہیں علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ در یہ خلاف

بالعکس اگر یعنی جنت کی بارش ملکوت میں۔ ان کو عہدہ کر کے ہی کوئی شخص جنت میں پہنچ سکتا ہے حقیقت امتداد یا مشہدات جہنم کی بارش خواہشات میں۔ خواہشات کی تکمیل کے لیے لوگ دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جاتے ہیں۔ اور انہیں عہدہ کر کے جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے لوگو! کیا تم سمجھتے ہو کہ بغیر کسی مشقت کے آسانی کے ساتھ جنت میں مقام حاصل کر لو گے۔ ایسا نہیں ہے۔

سابقہ کی
مشقیں

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
وَلَمَّا يَأْتِ صُفْهُمُ شَلُّ الْوَدَّيْنِ خَلُّوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَمَا تَمَّ كَيْفَ يَلُوكُونَ
کے حالات نہیں پہنچے۔ اگر نہیں پہنچے تو ذرا ان کے حالات معلوم کر لو۔ اگر تمہیں پتا چل جائے کہ صُفْهُمُ الْبَاسُ اور وَانْصُرُوا مَنْ لَمْ يَلُوكُوا ان کی کسی کیس کی سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور وہ ہلڑیے گئے۔ ان کو ایسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ تم گمان بھی نہیں کر سکتے۔ ان تمام درد شوریوں کو برداشت کرنے کے بعد وہ جنت کے مقدر ہوئے۔
مثلاً حضرت عباس بن ابی رستہ کی تکالیف کو دیکھو۔ بخدی شریعت اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضرت عباس نے ان مشکلات کو کس طرح برداشت کیا۔ اور پھر کفار مکہ کی ان ہزاروں سے تنگ آکر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضور! أَلَا تَدْعُونِي کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مصائب سے نجات دلائے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: فوس کا مقام ہے۔ کہ تم بے صبری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ حالانکہ تم مسرت پہلے اہل ایمان بھی گنہگار ہو، جن کے سروں پر آؤ رکھ کر چیر دیا گیا۔ مگر وہ اپنے دین پر قائم رہے۔ پھر ایسے لوگ بھی تھے جنہیں کوسہ کے گنگھوں سے فوج دیا گیا مگر ان کے پاس نہ استقلال میں غرض نہ آئی۔ میں تم کو تھکا دینا چاہتا ہوں۔ وَلِلَّهِ لَجِبْتُمْ هَذَا اِنَّكُمْ لَفِي قَسَمٍ مِّنْهُ لَمَّا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حِيلٌ وَلَا مَخِيلٌ۔
ماصل ہو گا۔ اور پھر امن و امان کا وہ دور دورہ ہو گا کہ ایک عورت صغادہ سنا حنہ جنت تک سفر کرے گی۔ پھر اسے مولیٰ خدا تعالیٰ کے کسی چیز کا خوف نہیں ہو گا۔ انان تو گناہ

کسی بھی چیز پر کو بھی یہ جرات نہ ہو گی کہ کسی بھیڑ کو کھا جائے۔

بائس آدھے سے مراد سختی ہے۔ اور یہ اندرونی اور بیرونی ہر دو طریقے سے ہو سکتی ہے۔ جیسے تجارت میں نقصان ہو گیا۔ فقر و فاقہ کی فوسبت آگئی۔ اس کی تفصیل آگے آئیگی اور جس کو جسمانی تکلیف کو کہتے ہیں جیسے بیماری، لگتی۔ کوئی حادثہ پیش آگیا اور انسان کا کوئی جان لیوا گئے ہے۔ یعنی پریشانی کے عالم میں ان پر ناز و طاری ہو گیا۔ گھبراہٹ پیدا ہو گئی یا ان کی عزت نفس کو ترس لزل کر دیا گیا، یہ سب آزمائش کی مختلف قسمیں ہیں۔ جس سے پہلے لوگوں کو گزند نا پہنچا رہا یا ان تک کہ اللہ کے رسول اور اہل ایمان پہلے آئے۔ **حَتَّىٰ يَخُوضَ الْغُورَ الْأَوَّلَ وَالْآخِرَ مَعَهُ مَتَىٰ نَصَرَ اللَّهُ كَمَا اللَّهُ** کی مدد کب آئیگی۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بشریت کے تقاضے اندر کے کامل بندوں پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ ان پر بھی دشواریاں آتی ہیں ان پر بھی اخطاریں آتی ہیں۔ مگر یہ چیز ان کے مرتبہ کماں کے منافی نہیں ہے۔ بعض اوقات تیرہ بھی پکڑ لٹکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کب آئیگی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتا ہے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَرِيبٌ** سنت میرے بند و فکر نہ کرو، اللہ کی مدد بالکل قریب ہے اور وہ پہنچنے ہی والی ہے۔ تاہم اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ صافات میں اہل ایمان کو خطاب فرمایا کہ اللہ کے عذاب سے خلاصی حاصل کرنا چاہتے ہو تو **تَوَكَّلُوا بِاللَّهِ وَلَا تَنسُوا** اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ **وَتَحِبُّوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ** اللہ تعالیٰ کی راہ میں دل و جان کے ساتھ جہاد کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا۔ **وَالْخَيْرُ مِنْ حَيْثُ حَبَّ** اس کے علاوہ تمہاری پسندیدہ ایک اور نعمت عطا کرے گا۔ وہ کیا؟ **نَحْنُ مِنَ اللَّهِ وَحْدَهُ قَرِيبٌ** وہ اللہ کی مدد اور قریبی فتح ہوگی، جس سے تم نوازے جاؤ گے۔ غرضیکہ اللہ کی یہی وہ مدد ہے جس کے لیے اللہ کے رسول بھی ہاتھ پھیلایا کرتے ہیں اور اللہ کا ارشاد ہوتا

کہ اس کی مدد فریب ہے۔

شاعتین

جہاد کی مخالفت ائمہ میں سے معروف مسیح جہاد بانٹن یعنی تور و تیر کے ساتھ جہاد
ہوئے۔ آج کے زمانہ میں ترقی یافتہ آریست حرب بدوق و پستول مہر سیر اعلیٰ و شک
توبہ وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔ جن کے فریضہ دشمن سے جنگ کی جاتی ہے۔ تاہم
جہاد کی ایک نہایت اعلیٰ قسم شاعتین دین ہے۔ جسے جہاد شاعتین کہتے ہیں۔ اور وہ جہاد نبی کو پہنچانا
صحبہ کو اسے پیہر کیا گیا ہے۔ کہ ان کے ساتھ بڑا جہاد کریں۔ اور وہ جہاد نبی کو پہنچانا
اور نبی کو روکنا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شاعت
دین جیسے اہم فریضہ جہاد یہ مولا کیا ہے جس کے لیے میں شب و روز مہم و مہم
کے ہوں۔

اشاعت علم دین کی کئی ایک صورتیں ہیں۔ ان میں ایک معروف صورت
تالیف و تصنیف ہے۔ ائمہ دین نے اس سلسلہ میں بڑی کوشش و محنت کی
ہے۔ اہم بنامہ بنی نے اپنی کتاب صحیح کی تدوین پہ سولہ سال صرف کر کے جہاد فی
اشاعت علم کا حق ادا کر دیا۔ اہم علم نے پندرہ سال کے عرصہ میں غیر محدثین کے بیسی ہزار
کو جمع کیا۔ مفسرین کے لئے قرآن پاک کی تفاسیر لکھ کر جہاد میں حصہ لیا۔ اہم ابو حنیفہ اور
دیگر ائمہ نے اپنے اپنے شعبہ میں دین کی خدمت انجام دی۔ الغرض تبلیغ دین کے کسی
بھی شعبہ کو ہتیر نہیں بانا چاہیہ۔ اشاعت دین کے ہر کام میں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیہ
بل بیان کے لیے تبلیغ دین مہارت۔ ہر فریضہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے تعالیٰ نے
ہے۔ كُنْتُمْ حَيُّوْا مَكْتَلُ الْخَيْرِ جِثْلُ النَّاسِ تَمْزُوْا
بِالْمَعْرِوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ثُمَّ فِيْ اِيْكَ جَمَاعَتٌ لِّسِ بُوْنِ
چاہیہ جو تبلیغ دین کا کام کرے۔ لوگوں کو نیکی کا حشر کرے اور برائی سے روکے
نور و حشر کرے۔ اللہ عید و کریم ہو۔ سب سے پہلے تم سے تم سے لیا گیا ہے
رَبِّدُ اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے، نزل کر دیا تم پر اس کے پہنچ دین۔ فَاِنْ تَعَرَّ
تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔ اور اگر آپ نے یہ نہ کیا۔ تو ہمیں جہاد کا

ہو رہا ہے۔ وہ بزرگوار دین کے غرض کا نتیجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا ہے۔ ورنہ موجودہ زمانے میں کتنے لوگ ہیں جو اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔
 بِالْحَاشَاءِ اللّٰہ۔

مجاہد مہروری

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوں گے جنہیں بغیر حساب کتاب کے بخش دیا جائے گا۔ تو یہاں پر اشکال پیدا ہونا ہے کہ ایسی ضرورت میں آزمائشوں میں پورا اثر تا کس حد تک ضروری رہ جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ مجاہدہ کے بغیر بخشش نہیں ہے۔ البتہ اعلیٰ درجہ جہل گمنے کے لیے تو مجاہدہ اور بھی ضروری ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے قریب درجہ وار لوگوں کو امتیازات سے گزرنا پڑا، تب ان کو بلند مراتب حاصل ہوئے۔ مگر کوئی عام مسلمان بھی مجاہدہ سے خالی نہیں ہے۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی جب ایمان لانا ہے، تو اسے کم از کم اپنے نفس اور شیطان کے خلاف تو مجاہدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ نیکی کی طرف راغب ہو اور بُرائی سے اجتناب کرے۔ اور یہی چیز شیطان پر شائق گذرتی ہے۔ جب شیطان اس مومن کی نیکی میں آجسے آتا ہے۔ تو اس کے خلاف جہاد کرنا پڑتا ہے۔ وَلَقَدْ كُفِّرْنَا عَنْهُمْ سُدًّا۔ اُن کے لئے اُن کے عمل کے مطابق درجات ہیں۔ مگر مجاہدہ سے ہر کوئی بھی نہیں محروم علیہ السلام نے فرمایا کہ وضو کرنے اور نماز ادا کرنے کے لیے بھی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ یہی مجاہدہ ہے۔ پھر جتنا بڑا مجاہدہ کوئی کرے گا، اتنا بڑا اعزاز پاسے گا۔ ہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن پر نہ سمجھیں کہ بغیر آزمائش کے جنت میں چلے جائیں گے حالانکہ پہلے لوگوں کو بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں تب جا کر وہ جنت کے حقدار ہوں گے۔

خرقہ کی مدت
 ۱۰ والوین

یہاں پر دوسرا مسئلہ خرچ کی مختلف مدت کے متعلق ہے۔ یہ مسئلہ قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک ہی سوال کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔ یہاں پر بھی سوال عام نوعیت کا ہے

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۗ قُلْ نَفِي عَلَى اللَّهِ ۖ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۗ
 کہ کیا چیز خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اس بات کا جواب دیتے ہیں قُلْ اَسْبَغْتُ
 دِیْبِی، مَا اَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ تَمْ جَزِیْہ بھی اپنے مال سے خرچ کرو۔ فَاُولَٰئِكَ
 یہ تمہارے والدین کے لیے ہے۔ خیر کا لفظ نبی اور بھلائی پر بھی بولا جاتا ہے اور
 یہاں اس سے مراد مال ہے۔ جیسا دوسری جگہ فرمایا اِنَّہٗ لَخَبِیْرٌ لِّمَنْ شَآءَ
 النَّاسُ مَالٌ کِی مَحَبَّت میں بہت سخت ہوتا ہے۔ قرآن و سنت میں والدین کے ساتھ
 حسن سلوک کی بہت تاکید آئی ہے۔ ترمذی شریعت کی روایت میں ہے کہ کسی پرچھنے
 والے نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَبَّرَ مِیْنِ کَسْ کے ساتھ نبی کرول۔
 رحمت اللطین نے فرمایا اُمَّتُکَ یعنی اپنی ماں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ سوال کس نے
 پٹے نے قین دفعہ دریافت کیا اور آپ ہر بار یہی جواب دیا پوچھتی دفعہ پر فرمایا
 اَبَاکَ یعنی اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ مقصد یہ کہ مال خرچ کر کے کے معاملہ
 والدین کو اولیت ہو۔ ان کی خدمت کرو۔ وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ہاں یہ بات
 ذہن میں رہے کہ زکوٰۃ کا مال نہ اولاد والدین پر خرچ کر سکتی ہے۔ اور نہ والدین اولاد
 کو دے سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ الگ ہے۔ اس کے علاوہ جو مال ہے۔ اس کے سب سے
 زیادہ مستحق والدین ہیں۔ البتہ یہ استحقاق مشروط ہے۔ اگر والدین محتاج ہیں۔ تو پھر
 اُن پر خرچ کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ ورنہ خود صاحب مال ہیں۔ تو پھر مالی خدمت
 فرض نہیں رہتی۔ البتہ اُن کی جانی خدمت کرے۔ مہنگی چاچی کے دھیلے اُن کی خدمت
 پہنچائے۔ یا بھیجی بات کر کے اُن کا دل ہلائے۔ تمام سابقہ شرائع اور خود ہمارے
 شریعت مطہرہ کا قائلن یہی ہے کہ یَا اُولَی الدِّیْنِ اِحْسِنُوْا لِوَالِدِیْنِ کَسْ کے ساتھ
 احسان کرو

۳۳۰

خرچ کی دوسری مد فرمایا اَلَا قَسْبِیْنِ قَرَابَتِ داروں پر خرچ کرو۔ اگر
 کسی صاحب ثروت آدمی کے قریبی عزیز کشتہ دار اور اس کے مستحق ہیں، تو ان کی خدمت
 کرو۔ ضروری ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اِنَّہٗ لَخَبِیْرٌ لِّمَنْ شَآءَ

کو ان کا حق ادا کرو۔ من کا فلسفہ یہ بیان فرمایا: **لَتَوْفُّهُنَّ مِنْ مَّالٍ اَلَا الَّذِیْ اَلَزَّهُنَّ**
 جو مال تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے۔ جس میں سے وہ۔ اور یہ اسی طرح محنت ذرائع سے حاصل
 ہونا رہتا ہے، جیسے کسی کو دراشت میں حصہ بن گیا کسی کو تجارت میں نفع حاصل ہوا کسی کا
 ذریعہ مزدمت بن گیا کسی کو کھیتی باڑی کسی کو محنت مزدوری کے ذریعے مال حاصل ہوا۔ تو
 اللہ تعالیٰ نے محنت ذرائع سے جو مال تمہیں دیا ہے۔ اس میں سے اپنے قریب داروں
 پر خرچ کر دو۔ **فَاَقْرَبْ اِلٰی ذٰلِکَ** یہ بھی دیکھو۔

(۳)
 یتیم دیکھیں

کی **یَتِیْمٰی وَاَلْیَتِیْمٰی** اور یتیموں اور یتیموں پر خرچ کرو۔ اس مادی جہان میں یتیم وہ ہے
 جس کے سر پر اس کا سرپرست نہ ہو۔ والد فوت ہو جائے ذرائع آمدن نہ ہوں انسان بے سہارا ہو جائے اپنے
 فرد کی دیکھیری ضروری ہے اور دیکھیں وہ ہے جو محنت اور کوشش کے باوجود اپنے ضروری اخراجات
 پالنے سے کرے کے قابل نہ ہو۔ ایسے شخص کو کہہ دے کے **اَلْیَتِیْمِ** ہیں۔ **لَا اَلْفَافَہُ**
لِیَتِیْمٍ وَاَلْیَتِیْمِ لہذا صدقات و خیرات کا حقدار وہ شخص ہے جو محنت
 مزدوری کرنے کے باوجود اپنے بچوں کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتا۔
 وہ بیچا سے مناسب لباس اور معقول خوراک سے محروم ہیں۔ ان کی محنت اور عینم کی
 ضروریات ہیں۔ سر چھپانے کے لیے انہیں بھی مکان درکار ہے۔ مگر ان کا سرپرست
 یہ ضروریات کا حقدار پوری نہیں کر پاتا۔ **اَلْیَتِیْمِ** اس کے رسول کی قائم کردہ یہی وہ
 بنیادی ضروریات ہیں جن کو پیش کرنے میں یہ سب دامن کیے مقرر کرتے
 ہیں۔ اور ان کی حمایت کا دم بھرتے ہیں۔ دراصل یہ چارہ تو قرآن و سنت کا مقرر
 کردہ ہے۔ **یَتِیْمِ** حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم تو یہاں سے ملتی ہے۔ یہ دستور ہیں
 بتاتا ہے کہ ہر انسان کو کم از کم اتنی تعلیم تو حاصل ہونی چاہیے جس کے ذریعے وہ اپنے
حقوق و فرائض سے واقف ہو سکے اور پھر حق کی انہی کی کے لیے کوشش کرے
قَابِلِی السَّیِّئِ اور مافروں پر خرچ کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے مافروں کی خدمت کا بھی حکم دیا ہے
 مافروں پر خرچ کرنا بھی مصلیٰ مال کے مصارف میں ایک سے یہاں پر یہ بات اچھی طرح بیان پاتا ہے
 کہ اس خاطر میں کسی پارٹی یا گروہ کی تخصیص نہیں ہے۔ مگر یہ ہماری پارٹی کا۔

(۴)
 مسافر

اور وہ تہہ کے گریہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا تو شمار یہ ہے۔ صَحَّیْہُ كَیْ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فَاَیُّكُمْ اَکْرَمُ
ضَیْفَتُہُ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت
کرے۔ اور مسافر مہمان ہوتا ہے۔ اور مہمان کے متعلق حکم ہے کہ ایک دن تک
اسکی خوب خاطر تواضع کرو۔ اور تین دن تک ضیافت۔ اگر تین دن کے بعد بھی اُسکی
خدمت کرو گے تو وہ صدقہ میں شمار ہوگا۔

سورۃ مائدہ

افرض! اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ گھروں اور محلوں
کی عانت کی جائے تاکہ وہ سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے
ان مدتہ پر مال صرف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر خلاف اس کے غیر ضروری خرچہ
کالوں پر خرچ کر کے سے منع فرمایا ہے۔ اور طے اسرف سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے دیوروں پر پڑے ٹیکانے اور قصاصیہ اونٹیاں کرنے کا حکم تو نہیں دیا۔ بابج گانے
اور عیاشی و فحاشی سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ محتاج و ناتوان کی دست گیری کا حکم دیا ہے۔
صحیحہ کڑا اور سلف صاحبین کے دور کا مطالعہ کریں کہ وہ غریب طبقوں کی کس طرح
مدد کرتے تھے۔ اُن کی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے۔ اُن کے احساس تک کو مجروح
نہ کرنے سے پہلے تھے۔ اُن کی ضرورت خفیہ طریقے سے اُن کے گھر پر یہ پہنچا
دیتے تھے۔ اسلامی سوسائٹی کا معیار تریہ ہے۔ انسانیت کا مقام اور اس عرح بلند ہو
مگر برج بھار شیوہ یہ ہے کہ گریہ پڑے کہ اٹھانے کی بجائے اسے بالکل ختم کر کے
مکے پہنچے ہیں۔ امیر سے امیر تیر اور غریب سے غریب تیر ہو رہا ہے۔ یہ اسلامی سوسائٹی
کے اصولوں سے لاشعری ہے۔ کفر و شرک اور بدعت۔ پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ جہل
و سہولت پر بے دریغ صرف ہو رہا ہے۔ اپنے عیش و آرام کی خاطر دوسروں کا خون
جو مایہ رہا ہے۔ اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کے لیے مستحقین کی ضرورت نہیں دی جا رہی ہے
و نہین دیکھ سے نکالنا جا رہا ہے۔ قربت داروں سے علنا و سہتہ۔ پڑوسی بھوکا ہے
تو کوئی پرانیج انٹر کانی سنسٹل میں در عیش اُسے سے ہیں۔ غریب کے پاس دو ٹی فلاسنے
کے کیلے پیسے نہیں لیکن امیر بلا غور و رس۔ اپنے نفس پر خرچ کر رہا ہے۔

فَرِيًّا وَمَا خَفَّ مِنْهُ خَيْرٌ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
 کہہ دے اللہ تعالیٰ اس سے خیر ہے، واقف ہے۔ وہ تمہاری نیت تک گرجا سکتا ہے۔
 لہذا وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا پورا پورا اجر عطا کر سکتا ہے۔ لہذا لازم ہے
 کہ اسی کے عطا کردہ مال کو اس کی رضا کی خاطر خرچ کر کے اس کی خوشنودی حاصل کر لو۔
 اس سے بستر سودا کیا ہو سکتا ہے۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ
تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَلَى أَنْ
تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ
قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ
وَالسَّجْدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ
وَالْفِتْنَةُ كَبِيرٌ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى
يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ
مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ
حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ فَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ
رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: تم پر شرعی فرض کی گئی ہے۔ اور وہ تمہیں ناگوار گذرتی ہے۔ اور شاید کہ
تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور شاید کہ تم کسی چیز کو پسند کرو
اور وہ تمہارے لیے بُری ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾
آپ سے حرمت کے معنی میں لڑائی سے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ چکے
حرمت کے معنی میں شرابی، زانیہ، گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے
دوکان اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنے اور اس کے انکار

دن سے مکافا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ اور فقہ قتل سے زیادہ بڑا ہے۔ یہ کافر لوگ ہمیشہ تمہارے ساتھ ٹہرتے رہیں گے حتیٰ کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کو طاقت ہو۔ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا اور پھر مرجائے گا اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والا ہے۔ پس یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ اور یہی لوگ دروزخ جسے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے (۴) بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جہنم نے ہجرت کی اور جب دیکھا اللہ کے راستے میں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی اُٹیہ رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۸)

گزشتہ سے
پوچھتے
کہ شتہ دروس میں مال کے مصارف کا بیان تھا حضور علیہ السلام سے سوال ہوا کہ لوگ اپنا مال کون امور پر خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھیجا کہ مال خرچ کرتے وقت سب سے پہلے والدین، پھر قرابت دروہ پھر یتیموں اور یتیموں اور اس کے بعد مسافروں کو پیش نظر رکھیں۔ تاہم کلیہ کے طور پر اس بات کی وصحت فرمادی کہ کسی کا جو بھی کام انجام دیا جائے، اللہ تعالیٰ اسکو جتنا ہے اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہے تو اسے سب سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ پھر صدقات واجبہ کا حکم آئے ہے۔ اس کے بعد غنی صدقات۔ پھر خرچ کئے جسکے لیے صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں۔ البتہ اگر وہ ثواب کی خاطر اچھی سے اچھی چیز خرچ کرنا چاہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے
کُنْ تَنَالُوا اَنْتُمْ حَتَّى تَسْفَحُوْا مَعًا تَحِيُّوْنَ۔ جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیز راہ خدا میں صرف نہ کرو دین کی کا علی درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔

حضرت شاوولی، اللہ رحمہ اللہ، دہلوی فرماتے ہیں کہ الفاق فی بین اللہ سے دو باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ پہنی بات یہ ہے کہ انسان کو مذہب نفس حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا نفس بکل جیسی رذیل خصلت سے پاک ہوتا ہے۔ اور یہ شخص بارگاہِ رسد العزیز میں پیش ہونے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس

سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان بنی نوع انسان کی خدمت کر سکتا ہے۔ غرض
مساکین کی اعانت، بکثرت مجموعی کمزیریت کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔
انذا کسی مستحق کی ماں مدد سے بنی نوع انسان کی ترقی کے رستے کھلتے ہیں۔

جہاد اور قتال
میں مشرق

دین کی خاطر بعض اوقات ماں سے بڑھ کر جان کی بازی بھی لگانی پڑتی
ہے۔ اس کو قتال کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاد کا مفہوم لفظ ہے۔ اور اس سے
مراد فائزیت دین کے لیے ہر قسم کی جدوجہد ہے۔ جس میں قتال بھی شامل
ہے۔ مگر قمار سے سُرور راہ خدا میں لڑائی کے ذریعے جان پیش کرنا ہے
جب کوئی شخص دشمن کے مقابلہ میں آتا ہے۔ تو پھر اس بات کی پہچان
نہیں کرے کہ اس کی جان سلامت رہتی ہے یا نہیں۔ یہ قتال ہے۔ اسی لیے
فرمایا جَهِدُوا بِمَوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

مال بھی صرف کر دو اور اپنی نفس خود بھی میدان جنگ میں کر دو پڑو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
کی روایت میں تین چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ جَاهِدُوا وَأَنْفُسَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ
وَأَنْفُسَكُمْ وَالْأَسْبَابُ یعنی مال جان اور زبان کے ساتھ جہاد کرو۔ امت
کے دین کو زبانی طور پر لوگوں تک پہنچانا، اہل کفر و کفر کے زبان
کے ذریعے دُور کرنا دین کی خوبیوں کو زبان کے ساتھ جان کرنا، یہ بھی جہاد میں
شامل ہے۔ چنانچہ یہاں پر ارشاد ہوتا ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ فَمَاذَا
سَاحْتِ لَئِي تَمَّ بِفَرْضِ كُنْ هِيَ۔ قتال کی فرضیت بعض دوسرے مقاصد پر بھی
میان ہوئی ہے۔ سورۃ حج میں فرمایا: لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا
مُظْلَمِينَ لِمَنْ جَنَ كُمْ سَاحْتِ لَئِي تَمَّ بِفَرْضِ كُنْ هِيَ۔ اب انہیں بھی اجازت ہے
کہ وہ ظالم کے خلاف ہتھیار اٹھائیں۔

فرض دین

فرض کفایہ

یہاں یہ لفظ کُتِبَ سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال ہر شخص پر لازم ہے۔
بیسے رمضان المبارک کے متعلق آیا كُتِبَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَصُومُوا تَمَّ بِفَرْضِ كُنْ
فرض کیے گئے ہیں ظاہر ہے کہ روزوں کی فرضیت ہر مرد و زن کے لیے

ہے اسی طرح یہاں پر سب کتب تکلیف کو القیت ان تم پر قتال فرض کیا گیا ہے مگر قرآن پاک کے بعض دوسرے مقامات سے اور خود حضور علیہ السلام کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد اور قتال کے فرض ہونے کی درجہ بندی میں یعنی فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض عین کی وہ صورت ہوتی ہے جس سے کوئی مسلمان مرد و زن مستثنیٰ نہ ہو۔ یہ حالات و واقعات پر منحصر ہے۔ اگر دشمن کا اس قدر غلبہ ہو کہ ہر مرد و عورت، چھوٹے بڑے، آزاد و غلام کی خدمات کی ضرورت ہے۔ تو پھر ہر ایک پر جہاد فرض میں ہو جاتا ہے۔ سب کو شامل ہوتا ہوگا۔ اگر کوئی اعراض کرے گا، تو نیکار ہوگا۔ ایسی حالت میں اولاد کے لیے والدین کی اجازت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہر فرد بلا چون و چرا جنگ میں کود پڑے گا۔ البتہ عام حالات میں قتال کا فریضہ فرض کفایہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ جب جنگ کے لیے فوجی جوان کافی ہوں۔ اور وہ اپنا دفاع کر سکتے ہوں اور بوقت ضرورت دشمن پر کاری ضرب لگا سکتے ہوں۔ تو ایسی صورت میں صرف ان خاص مجاہدین کا شریک جنگ ہونا ہی تمام مسلمانوں کے لیے کفایت کرے گا۔ اور یہ فرض کفایہ ہوگا۔ ہر ایک کا قتال میں شامل ہونا ضروری نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح جس طرح میت کا جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ جب بعض لوگ جنازے میں شامل ہو جائیں۔ تو باقیوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی بھی شریک نہ ہو تو سب کے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

عام حالات میں اگر جہاد کے لیے جانا ہو، تو والدین کی اجازت ضروری ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ماں باپ کی خدمت کے فرائض عین ہوتا ہے جبکہ جہاد میں شمولیت فرض کفایہ ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور! میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کیا تیرے ماں باپ موجود ہیں۔ عرض کی ہاں فرمایا پھر والدین کی خدمت کمرہ تو میں جہاد کا ثواب مل جائے گا۔ یاد ہے کہ

والدین کی خدمت اُس وقت فرض میں ہو جاتی ہے جب کوئی دوسرا ان کی دیکھ بھال کرنے والا موجود نہ ہو۔

یہاں پر ارشاد ہوتا ہے۔ کَتَبَ عَلَیْکُمْ نَفْسَکُمْ تم پر لڑائی فرض کی گئی ہے وَهُوَ خِفَافٌ لَّکُمْ اور وہ تمہیں ناگوار گذرتی ہے۔ یہاں پر ناگوار گذرنے پر یہ لکھنے سے مترادف بڑا لگنا ہے۔ کیونکہ عقلاً تو کسی بھی حکم الہی کو کوئی مومن بڑا نہیں کہہ سکتا۔ البتہ طبیعت کے لحاظ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کو کوئی چیز اچھی محسوس نہ ہو کیونکہ خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِیفًا انسان پیدا ہی کمزور کیا گیا ہے۔ اور یہ بعض بوجہ برداشت نہیں کر سکتا۔ عقل کے لحاظ سے ہر مسلمان ہر حکم الہی پر اَعْتَصَمَ وَصَدَقْتُ ہی کہے گا۔ چاہے اُس کا فائدہ ہو یا نقصان۔ کتنا مشقت والی چیز کرکتے ہیں جو شاق گذرے۔ دوسرے مقام پر عورت کے حمل کے متعلق آتا ہے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ کَرْهًا وَوَضَعَتْهُ کَرْهًا اُن بچے کو بیٹھ میں بڑی مشقت سے اٹھاتی ہے۔ اور پھر اسے بڑی تکلیف اور مشقت کے ساتھ جنم دیتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے اُن کا بڑا حق رکھا ہے۔

فرمایا بعض چیزوں کا ناگوار گذرنا انسان کی ظاہر طبیعت پر منحصر ہے۔ مَنْ حَقِيقَتُ لَئِنْ هِیَ کے علم میں ہے۔ کیونکہ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّکُمْ شاید کہ تم کسی چیز کو ناگوار جانو مگر وہ تمہارے لیے بہتر ہو وَعَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ اور شاید کہ تم کسی چیز کو پسند کر لو اور وہ تمہارے لیے بُری ہو۔

جان کن بازی لگا کر دشمن کے ساتھ جنگ لڑنا کوئی معمولی بات نہیں۔ غالب اور مغلوب اور اس کا طبیعت پر ناگوار گذرنا بھی طبعی ہے۔ مگر اس کے نتائج و عواقب پر غور کرنے سے معلوم ہر گاہ جو قومیں اتنی اُردم طلب ہو جائیں کہ وہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکیں، وہ جلد یا بدیر مغلوب ہو جاتی ہیں اُچار ہے کہ دشمن غالب ہو گیا اور پھر جان مال، عزت و آبرو ہر چیز چھین جائے گی۔ حتیٰ کہ زن و فرزند کی

بھرتی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے
 جہاد فرض کر کے مسلمان کو مشقت میں نہیں ڈالا۔ بلکہ اسے بہترین نتائج سے بچایا ہے
 تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم غالب آتی ہے۔ تو مغلوب قوم کو کس
 طرح پامال کرتی ہے۔ جب تانہاری غالب آئے تو انہوں نے ایک کروڑ مسلمانوں
 کو تریخ کر دیا۔ تمام کتب خانے جلادے، عورتوں اور بچوں تک کو معاف نہیں کیا۔
 اسی طرح جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ تو کون سا ظلم ہے جو یہاں
 کے باشندوں پر نہیں کیا۔ جی ٹی روڈ پر ہزاروں کی تعداد میں خستوں کو درختوں پر
 لٹکایا گیا۔ ان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ جب عیسائیوں نے انڈس
 (پسین) پر حملہ کیا تو وہاں دو کروڑ کی تعداد میں مسلمان تھے۔ مگر جب وہ غالب آئے
 تو مسلمانوں کی تعداد صرف گیارہ ہزار رہ گئی تھی۔ باقیوں کو یا قتل کر دیا گیا تھا۔ یا
 مرہ کر لیا گیا۔ یہ بلخ اور بخارا کا زمانہ تو قریب کا زمانہ ہے۔ صرف ہندوستان میں
 چار سو مسجدیں تھیں۔ بے شمار دینی مدارس تھے۔ مگر اب وہاں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔
 فرمایا جنگ کے حکم کو خوش دلی سے قبول کرو۔ تمہاری فکر صرف ظاہر پر
 ہے۔ مگر درحقیقت **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَانْتَشُرُوْا فَعَصَمُوْا** اللہ ہر چیز کو جانتا
 ہے۔ ہر کام کے نتیجے سے وہی واقف ہے تم اس کی اہمیت کو نہیں پہنچتے
 یہ بات کو واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر لڑائی فرض کی ہے۔ مگر اگلی
 آیت میں حرمت **لَا تُبَايِعُوْا** مینوں کے دوران جنگ کے جوڑ یا عدم جوڑ کا سوال اٹھایا
 گیا ہے۔ **يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الشُّهَدَاءِ حُكْمِ قِتَالِهِمْ** یعنی اے نبی علیہ السلام!
 یہ لوگ آپ سے حرمت **لَا تُبَايِعُوْا** مینوں میں جنگ کرنے کے متعلق دریافت کرتے
 ہیں کہ **لَا تُبَايِعُوْنَ** میں جنگ کرنا کیسا ہے۔ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ دیتے
 ہیں۔ **هَلْ قِتَالُكُمْ مِّنْكُمْ** کیا یہ لڑائی ان مینوں میں لڑائی کو برا بھلا کہتا ہے۔
 اب پڑھو! سورۃ توبہ میں سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد

حرمت **لَا تُبَايِعُوْا**
 مینے

فرمایا ہے۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اَشْهُرٌ مُّكْتُمَةٌ يَعْنِي اللّٰہ کے
 اُن مہینوں کی تعداد بارہ مہینے تھیں۔ رُبْعَتَا حُرْمَتَا اُن میں چار مہینے حرمت
 لئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں، رجب، ذی قعد، ذی الحج اور محرم۔ ملت ابراہیمی میں یہ
 بات مسلم تھی کہ ان چار مہینوں میں لڑائی قطعاً جائز نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین
 بھی اس کی پابندی کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ان مہینوں میں ہتھیار ڈال دیتے تھے
 کوئی لڑائی نہیں کرتے تھے کسی فائدے کو نہیں لڑتے تھے۔ بعض کہتے ہیں
 کہ حضور علیہ السلام کی شریعت میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ در بعض اصحاب
 کہتے ہیں کہ یہ حکم مطلقاً منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی تاکید میں کبھی ہو گئی ہے۔
 اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان مہینوں میں مسلمان خود لڑائی کی ابتداء نہ کریں
 اور اگر دشمن جنگ شروع کرے تو پھر اس کا جواب دیا جائے۔

شان نزول

دوسرے سوال شان نزول کا ہے کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی۔ اور لوگوں
 نے یہ سوال کیوں اٹھایا۔ محمد بن اسحاقؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام
 نے غزوہ بدر سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں کفار کے ایک
 ستمی قافلے کو پکڑنے کے لیے ایک جماعت کو بھیجا۔ آپ نے پیر جماعت
 کو ایک خط لکھ دیا۔ اور ساتھ حکم دیا کہ مسلسل دو دن سفر کرنے کے بعد اس
 خط کو کھول کہ پڑھنا اور پھر اس میں مذکور ہر بات کے مطابق عمل کرنا۔ اس حکم
 کی تعمیل میں دو دن بعد جب خط کھول کہ پڑھا گیا۔ تو اس میں لکھا تھا کہ قافلے
 قافلہ کر گئے قافلہ کر۔ اس کو کسی صورت میں جملے نہیں دینا۔ یہ دن جہادی الاغر
 کا آخری دن تھا۔ امیر لشکر نے فیصلہ کیا کہ چونکہ رجب حرمت والا مہینہ
 شروع ہونے والا ہے لہذا اس سے پہلے پہلے قافلے کو پکڑ لینا چاہیئے۔
 چنانچہ اپنے حساب سے انہوں نے جہادی الاغری کی تیس تاریخ کو کفار کے
 قافلے پر حملہ کر دیا۔ ایک آدمی مارا گیا۔ باقی قید ہوئے۔ سامان بھی لے لیا۔
 لہذا لشکر واپس آگیا۔

درحقیقت حملہ کرنے کی تاریخ جمادی الاخریٰ کی تیسس تاریخ نہیں تھی، بلکہ صبح پہلی تھی جو حرمتِ رالمعینہ ہے۔ لہذا مشرکوں کو بات نہ دے کہ اس وقت مل گیا کہ دیکھو مشرکوں کے فیصلہ پر ہے، آپ کو امتِ ہندو کے متبع کئے ہیں مگر حرمتِ رالمعینہ کا بھی خیال نہیں کیا۔ قلنہ پر حملہ کیا سے۔ آدمی، دیکھا سے۔ وہ ناقص کو بیع سال و نثار کر لیا ہے۔ یہ تھا وہ واقعہ جس کی وجہ سے حرمتِ رالمعینوں سے متعلق سوال پیدا ہوا کہ ان معینوں میں شرابی کون کیا ہے

حرمِ فعل اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ سب حرمتِ رالمعینوں کے متعلق پرچھے ہیں۔ تو آپ فرمائیجئے کہ ان معینوں میں شرابی کون کیا ہے سبہ، تاہم جس واقعہ کو بنیاد بنا کر یہ سوال کیا گیا تھا۔ وہ غلطی سے ہوا تھا۔ مسلمان سمجھے کہ انہی وجہ کا معینہ شروع نہیں ہوا۔ لہذا حملہ نہ ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مزید جزا دیا کہ مسلمانوں سے تو یہ عقوبت و نذرین نکلا ہوئی مگر کفار و مشرکین اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے کہ وہ خود کیا کیج رہے ہیں۔ فرمایا ہے شکِ حرمتِ رالمعینوں میں لڑائی حرام ہے مگر وَحَدَّثَنَا عَنْ سَيِّدِ اللَّهِ وَكَفَى بِهِ اللہ سے کہتے ہیں سے روکنے کے ساتھ کفر کرنا بھی تو سخت، لہذا سب وَحَسْبُكَ الْحَكَمُ اور مسجدِ حرام سے روکنے بھی بڑا نادم ہے۔ وَإِنْ خَرَجَ أَخْبَرَهُ عَنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ اور دہاں کے سینے واپس کو مسجدِ حرام سے نکالنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا نادم ہے فرمایا ہے کفار و مشرکین تم پر

کیا یہ کوئی تم گناہ سنا جو تم پرانی ہو جو کہ کر رہے ہو تم جس مسجد سے مسلمانوں کو نکال رہے ہو تم خود اس کے اہل نہیں ہو إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ، اس کے اہل تو وہ ہیں متقی ہیں اور وہ مسلمان ہیں فرمایا ہو گھو، وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ یہ فتنہ بڑا کڑا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے مسلمانوں سے تو چھوڑ کر ایک غلطی نہ کرنا جو کہی ہے جو تم نہیں میت اللہ شریعت سے روکنے اور بتائیں ہجرت پر مجبور کئے فتنہ پیدا کر رہے ہو، تمہارا کفر اور شرک پورا ہے یہاں بھی ہے خود ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور اس کے محبت میں مسلمانوں کی غلطی سمجھنی چاہیے

اشتراک ہمالک میں ان کے ایمین کی توہین کرنے سے باز شخص موت کی منہ پاتا ہے۔ برطانوی قانون کے مطابق جب ایمری کے بیٹے نے جنگ کے دوران غدار کی کی تو اسے شہر پر لڑکا دیا گیا تھا۔ کسی نے دزد نہیں اٹھائی کہ ان کے رزق کے بیٹے کو سزا سے موت کیوں دی گئی۔

موت کے بعد مرتد کی سزا یہ ہے۔ کہ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ مرتد اپنے مسلمان مورث کی وراثت کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کہ دنیا میں اس کے اہلکار کو ضیاع ہے۔ اور نہ نعت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ابدی جہنمی ہے۔ جسے کبھی دوزخ سے رخصت نہیں ہوگی مرتد اصل کافر سے بھی بڑا مجرم ہے۔ کافر سے توجہ قبول کر لیا جاتا ہے۔ مگر مرتد سے توجہ بھی نہیں لیا جاتا۔ اہم اہل علم کے فتویٰ کے مطابق اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ تاسرگ قید میں ڈال دیا جائے گا۔ — — — اگر مرتد کر لے کر زنا ہو جائے گی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا۔ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ۔ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ اور هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان کی رہائی کی کوئی عورت نہیں ہے۔

اہل ایمان کے لیے غرضی
کفار و مشرکین اور مرتدین کی مذمت کے بعد اہل ایمان کو غرضی دی جا رہی ہے۔ إِنَّ تَذْيِينَ أَهْتَنِي جو لوگ ایمان لے آئے وَلَكَيْتُ ہا جگر اور جنوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت کی۔ نہ صرف وطن کو چھوڑا بلکہ مَنْ هَاجَرَ مَا تَهَيَّ اللہ عتہ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ممنوع چیزوں سے منہ موڑ لیا کہ یہ ہجرت بہت بڑا عمل ہے۔ إِنْ شَاءَ إِلَهِي جبریت کہ معاملہ بڑا دشوار ہے دین کی خاطر سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے جس نے یہ کر لیا وَجَهْدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے راستے میں جا کر لیا أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امداد میں۔ واللہ عفو رحیم رحیم اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے وہ جو کار دل کو لپڑا لپڑا کر دے گا۔

سَبِّحُوهُ ۲

درس نور ۱۹

الْبَقَرَةِ ۲

آیت نمبر ۲۱۹ تا ۲۲۰ (پہلا حصہ)

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُرْ فِيهِمَا اَرْثُوكِبِيرٌ وَ
 مَنَافِعٌ اَللّٰهُ سَرَّ وَوَضَعَهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْتَلُونَكَ
 مَاذَا يُنْفِقُونَ هُ قُلِ اَنْفَعُ لَكُمْ اِذَا كُنْتُمْ يَسْئَلُونَ اَللّٰهُ لَكُمْ
 اَنْ تَكُنْ تَعْنَكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الذُّنُوبِ وَالْاِخْرَافِ

ترجمہ یہ دو آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور حوسے کے بارے میں آپ کر دیجئے
 ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ
 ان کے فائدے سے بہت بڑا بہت درود آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔
 آپ کر دیجئے جو مذہب ہر طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات میں کر رہا ہے تاکہ
 تم فکر نہ کرو ﴿۲۱۹﴾ دنیا اور آخرت کے بارے میں

گذشتہ درس میں جہاد کی مشروریت اور اس کی حکمت بیان کی گئی تھی۔ حضرت
 عائشہؓ میں لڑائی سے منع کیا گیا تھا۔ کفار کی خدمت بیان ہوئی۔ کہ وہ مسلمانوں کو
 ہلکا کر دیں، اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے رہیں گے نیز فرما کہ جو شخص مرتد
 ہو گیا اس کی دنیا اور آخرت ہر دو برباد ہو گئیں۔ اس کے بعد ایمان، ہجرت اور
 جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دی گئی کہ ایسے ہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔
 اور ان کی غلطیوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

میں سے پہلے درس میں مال خرچ کر لے کا قانون بیان ہوا تھا۔ اور اتفاق
 کی اہمیت بیان ہوئی تھی۔ اس کا بیان آگے بھی آئے گا۔ گویا یہ حصول مال کے
 ذرائع و خرچ کی مدت کا مفصل تذکرہ ہے۔

اس آیت میں شراب اور حوسے کے فوائد و نقصانات اور جن کی حرمت کا موضوع آیت

بیان ہے۔ ارشاد ہوا ہے یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ فَقُلْ هُمَا مِنْ أَشْرَابٍ مُطَهَّرَةٍ كَمَا عَلَّمَكَ اللَّهُ وَلَئِنَّكَ لَمِنْ الْغَافِلِينَ
 طہرہ السلام! آپ سے شراب اور خمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں، ان کی
 کہہ دیتے ہیں۔ جانتے ہیں یا نہ جانتے حرام ہیں یاباح، ان میں فائدہ ہے یا
 نقصان، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلْ آبُ کَرْمٍ مِثْلُ سَائِرِ
 الرِّقَاقِ کَیْنِ فِی مَنَافِعِ بَلَاءِ اِن دُنُوں چیزوں میں بہت بڑا فائدہ ہے
 تاہم لوگوں کے لیے بعض فوائد بھی ہیں مگر ایک بات ہے۔ وَاشْمَهُمَا اَكْبَرُ
 مِنْ نَّفْعِهِمَا ان کا گناہ، ان کے فوائد سے بہت بڑا ہے۔ مقصد یہ کہ ان بڑی
 چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

شراب یعنی

خمر لفظ آدرہ چیز کو کہتے ہیں۔ عَصَا صُفْرٍ لَعَلَّ لَهَا فَرْحٌ وَنَازِلٌ
 انسان کو بے عقل بنائے۔ عام طور پر یہ لفظ شراب پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ خمر اور
 اشیا میں شراب صرف فرست ہے۔ اس قبیل چیز کے متعلق در حکم وارد ہوتے
 ہیں، ایک اس کے استعمال پر پابندی اور دوسرے اس کے ذریعے حصولِ زہر
 یعنی تجارت کی ممانعت۔ اس کے نقصانات تو واضح ہیں کہ ان کو بے خود
 بنا دیتی ہے۔ جس میں انسان کالی گھون بکاتا ہے۔ ضرر نفس سے محروم
 رہ جاتا ہے۔ ذہن، اورت، ہوتا ہے۔ دیورال کا ضیاع ہو جاتا ہے۔ لفظ رجات
 میں انسان قتل و زنا جیسے کبیرہ گناہوں میں موثر ہو جاتا ہے۔

شراب کے فوائد کے ضمن میں عربوں میں مشہور تھا کہ یہ ان فی ذہن کو جن
 بختی ہے، دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور ان میں قیامت کی صفت پیدا
 ہوتی ہے۔ عرب لوگ شراب کو کرم کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے جس سے
 لیے نام سے منع فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ مومن کا دل کو کرم سے بچتا ہے۔ شراب
 نہیں کر سکتی۔ فرمایا، اس ام کعبہؓ کو غیب یا جیلہ کو، جن چیزوں سے یہ تہ
 کی جاتی ہے، عرب شراب نوشی کو شفاء فعل قرار دیتے تھے کہ اس کی وجہ سے
 قیامت پیدا ہوتی ہے۔ اور جو شخص شراب کی محفل میں شامل نہیں ہوا تھا اسے

کم تر خیال کرتے تھے۔ غرضیکہ شراب اور جوا عام تھے۔ کوئی خال خال مال ہی ان سے بچتا تھا۔ گوگرد جس طرح اونٹ، گھوڑا، ٹکڑا، لڑائی عربوں کی گھٹی میں پڑے تھے اسی طرح شراب اور جوا بھی ان کا عام مشغلہ تھا۔

میسر، جوا یا قمار بازی کہتے ہیں۔ اس کا مادہ میسر ہے اور میسر آسانی کہتے ہیں۔ قمار بازی کے ذریعے کوئی شخص بغیر محنت و مشقت، صنعت و تجارت یا مزدوری و ملازمت، در سکر کے مال پر قبضہ کر لیتا۔ اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں جو س کے یہی خباثت ہے۔ کہ اس میں ایک در سکر کی حق تلفی ہوتی ہے۔ جس شخص کا دوا بیل گیا۔ اُسے بغیر کچھ کیے کر اسے مال حاصل ہو گیا۔ اور دوسرا شخص نیچے بٹھائے بلا وجہ محروم ہو گیا پھر جس شخص کو مال مل جاتا ہے۔ وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔ اور اُسے بیش و عشرت اور بانی کے کاموں میں صرف کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے مصیبت کا شکار ہوتا ہے۔ دولت بھی ضائع کرتا ہے۔ اور گنہگار بھی ہوتا ہے۔ عربوں میں باقی خباثت کی طرح جو سے کی وجہ بھی عام تھی۔ وہ قمار بازی کو اچھی فہم سمجھتے تھے۔ خاص طور پر قحط کے زمانے میں بولے میں شدت پیدا ہوتا تھا۔ اور قمار بازی سے حاصل کردہ مال غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

نزدل قرآن کے زمانہ میں قمار بازی اس قدر عروج پر تھی۔ کہ خانہ کعبہ میں سنے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مجسموں کے ہاتھوں میں جو سے کے تیر پکڑائے کبڑے تھے۔ جس سے یہ ثابت کیا مقصود تھا کہ یہ مدلل القدر بغیر بھی جوا کھیل کر تے تھے (العیاذ باللہ) بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام ان مجسموں کے قریب سے گزے تو فرمایا ان لوگوں پر خدا کی لعنت ہو، اللہ کے پاک بندوں کی نسبت کیسی پاک چیزوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔ حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی لیے شیعہ کام سے کیا ضرر کا۔

جو سے کے مختلف طریقہ رائج تھے۔ قحط کے زمانے میں عموماً یہ طریقہ

نقدار ہوتے تھے کہ دس آدمی مل کر مساوی حصہ سے ایک اونٹ خریدا لیتے تھے
 اُن کے پاس دس تیر ہوتے تھے جن پر ایک سے لے کر سات تک نمبر رکھے
 ہوتے تھے اور باقی تین تیر خالی ہوتے تھے۔ اب اُن دس تیروں میں سے کسی
 ایک حصہ دار کے نام سے تیر نکالتے تھے۔ اور پھر جس نمبر کا تیر اُس نام پر نکلتا
 تھا۔ اونٹ اُس کے گوشت کے اتنے ہی حصے وہ اکیلے لے جاتا تھا۔ اُس سے
 بعد حسب ضرورت دوسرے اور تیسرے تیر نکال جاتا، حتیٰ کہ اونٹ کا سب گوشت ختم ہو
 جاتا۔ اور جو حصے دار باقی بچ جاتے وہ اپنے حصے سے محروم رہ جاتے۔ اسی طرح
 اگر چند آدمی کسی کے نام خالی تیر نکال آتا، تو وہ بھی اپنے حصے سے محروم رہ جاتا اور
 اگلے نمبر والا اپنا حصہ وصول کر لے اعلیٰ ہذا القیاس۔ جب ایک اونٹ کا گوشت تقسیم
 ہو جاتا تو محروم پہننے والے دعوت دیتے کہ ایک اور اونٹ خریدا جائے۔ اور اس کے
 پھر اسی طرح حصے بکڑے کر لیے جاتے۔ یہ گوشت چونکہ عربوں میں تقسیم کیا جاتا تھا اس
 لیے اس قمار بازی کو بھی وہ لوگ باعث فضیلت سمجھتے۔ موجودہ زمانے میں گھڑ روڈ
 ڈھری، انعامی بیگمیں وغیرہ سب جوئے کی مختلف اقسام ہیں۔ جو مختلف ناموں سے
 معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حالانکہ ہر قسم کی قمار بازی حرام ہے۔

حرم شراب کے مرنعل شراب بیک حکم حرام نہیں ہوئی بلکہ اس کی حرمت آہستہ آہستہ بتدریج
 ہوئی ہے۔ اس کے احکام مختلف مواقع پر نازل ہوئے ہیں، حتیٰ کہ چوتھے
 مرحلہ پر اس کو قطعی حرم قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں اشارتاً
 پہلوں کا ذکر کیا اور فرمایا: **لَا تَجْزُواْ رِيسًاۤ اِنْ كُنْتُمْ اَرْتَدُّواْ عَلٰی فَرْقِہٖۤ اُولٰٓئِكَ لَیْسَ لَهُمْ شَرَابٌ مِّمَّا كَسَبُواْ وَلاَ یَحْسَبُوْنَہٗ اِلٰہًاۚ وَہُمْ یَكْفُرُوْنَ**
 تم ان سے لشرہ اور اشیاء مثلاً شراب وغیرہ نہ لےو اگر تم لوگ اپنے آپ کو واپس
 مریے وغیرہ بھی بنا لیتے ہو۔ یہاں پر علت و حرمت کا ذکر تو نہیں ہے بلکہ
 لشرہ اور اشیاء کو برفق حَسَنًا (اچھی روزی) سے علیحدہ کر کے اُسے کم تر
 قرار دیا۔

دوسرے نمبر پر اس درس دلی آیت نازل ہوئی کہ آپ سے شراب اور

جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدہ بھی ہیں۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔ یہاں پر شراب کا قطعی حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ فائدہ کی نسبت اس کا نقصان بہت بڑا ہے۔ بروہی ابن سینا کے قول کے مطابق شراب میں نقصان اس کے فائدے سے ڈبل ہے۔ یعنی اس کے ذریعے فائدہ تو ایک حصہ ہوتا ہے۔ مگر نقصان دو حصے کے برابر ہے۔

حرم شراب سے متعلق تیسرے حکم کے پس منظر میں آپس و تحہ پیش آیا ایک نصاریٰ کے ہاں بعض صحابہ کرام کی دعوت تھی۔ ان میں حضرت ابو بکر بھی تھے۔ جو عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ صحابہ نے کھانا کھا یا۔ چونکہ اس وقت تک شراب قطعی حرام نہیں ہوئی تھی، لہذا اس کا دور بھی جاری رہا۔ آپس میں کسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی ایک گروہ کا نظریہ تھا کہ انصار زیادہ پیچھے ہیں۔ دوسرا گروہ مہاجرین کے حق میں تھا۔ آپس میں دوست اور دشمن تھے، محض ایک دوسرے کی برتری کا ذکر ہو رہا تھا۔ میں ایک نوجوان کو غصہ آیا، اس نے عیش میں آکر ایک بڑا حضرت سعد کے سر پر مار دیا، جس سے وہ زخمی ہو گئے۔

نزدیکی شریعت کی روایت میں ایک دردناک واقعہ کا ذکر بھی آتا ہے۔ کہ ایک دعوت میں جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے۔ جن میں حضرت علیؑ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی شامل تھے۔ چونکہ ابھی تک شراب قطعی حرام نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اکثر لوگ پیتے تھے۔ مگر بعض نہیں بھی پیتے تھے۔ جیسے حضور علیہ السلام نے کبھی شراب نہیں پی۔ حضرت صدیق اکبرؑ اور عثمانؓ بھی اس کے قریب نہیں جاتے تھے۔ یہ صحابہ اُسے وفار کے منافی سمجھتے تھے۔ اسے استعمال کرنے والوں میں حضرت علیؑ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عمرؓ وغیرہ تھے۔ کہ ایک چیز مباح ہے لہذا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے شراب پی رکھی تھی۔ ایک صحابی کو امامت کے لیے گے کر دیا گیا۔ اسے کی حالت میں

قرآن پاک غلط پڑھا۔ کسی طرح مسلم شریف کی رویت میں آنا ہے۔ کہ صبح کی نماز اذات تھا۔ حضرت عثمانؓ سے سلسلے حضرت ولیدؓ نامت کر رہے تھے۔ نئے نماز اور نماز دور کعت پڑھا کر سنے لگے۔ اور پڑھا دوں۔ ایسے ہی واقعات کے پیش نظر سورۃ ناز کی آیت نازل ہوئی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَانٍ** حتیٰ **تَقْسَمُوا مَا تَقُولُونَ** یعنی سے اہل ایمان نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ایسا نہ کہ تمہارے ہوش و حواس بھائی ہو جائیں کہ تم کیا کہتے ہو۔ گویا قیصر کے نمبر پر نشے کی حالت میں نماز سے روک دیا گیا۔

روایات ہیں آتھ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس محلے میں اکثر شواہش رہتی تھی اور وہ دھمکائی کرتے تھے۔ اَلْهَرَبُ بَيْنَ نَسَا فِي الْخَمْرِ يَكُنْ سَافٍ یعنی اے عموں کا کہیم! ایشائے ناپے سے قرشرب کی قباحت محسوس ہو رہی ہے مگر مائے یہ کوئی واضح حکم نادر، چنانچہ اب جو مجھے میرے میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت تامل ہوئی، جس میں شراب اور محض دیگر شیا، کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ حِمْرٌ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ نَسَابٌ وَلَا ذَلَامٌ وَجَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا فَهُمْ لَمْ يَحْشَوْا فَاَجْتَنَّبُوهُ لَعَلَّكُمْ يُفْلِحُونَ اے ایمان والو! بیشک شراب، جو، کھان اور پینے شیطان کے ناپاک کام ہیں۔ ان سے بچ جائز تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے بعد شراب قطعی حرام ہو گئی اور یہ چار مراحل تھے جن کے اندر علیے شراب، کو بتدریج حرام قرار دیا گیا۔

بعض نئی روایتیں کہنے کو شراب کی حرمت کا نکار کر دے ہیں۔ ہر
 کہتے ہیں کہ بعض دوسری حدیثیں جو اس میں حرمت کا واضح حکم نہیں
 لگائی۔ جیسے مردہ، خون وغیرہ کے متعلق فرمایا: "حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ
 الْمَيِّتَةُ وَالنَّارُ" محض اس آیت میں لفظ "فَاَحْبَبُوا" کی وجہ سے۔
 اس سے اجتناب نہ کرو، کچھ جود حالہ کہ انکی ہی سیت میں مزید وساحت ہے۔
 دی گئی ہے کہ شیطانی شراب اور حرام کے ذریعے تمہارے دنیال دنیا

پیر کاوٹھیں
بھیت پر گریپ

اور افضل ڈالنا چاہتا ہے۔ فَانْتَقِطُوا اِلَیْهِمْ اِنْ حِزْبُوْكُمْ مِنْهُ لَئِنْ لَمْ یَنْقُضِ
حِزْبُكُمْ لَیْسَ بِکُمْ عَلَیْہِمْ جُنَاحٌ مِّنْ شَیْءٍ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شراب اور خمر دو مختلف چیزیں ہیں۔ شراب ہر
پینے والی چیز پر بولا جاتا ہے۔ سورۃ زمر میں مژدہ سے وَسَقَہُمْ مَّوْرِدُہُمْ
شَرَابًا طَهُورًا حَقِیْقُوْنَ اِنَّ کُلَّ شَیْءٍ اِذَا شَرِبَ اِلَیْہِمْ لَیْسَ بِکُمْ عَلَیْہِمْ جُنَاحٌ مِّنْ شَیْءٍ۔ مگر وہ نشہ سے
خالی ہوگی اور خمر نشہ آور چیز کہہ سکتے ہیں۔ اور وہ حرام ہے۔ حضور علیہ السلام
کا فرمان ہے۔ کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ ہر نشہ آور چیز شراب کے نام سے ہے
آتی ہے۔ وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ اس لحاظ
سے بھنگ، چرس، گانجا اور شراب کی تمام اقسام حرام ہیں۔ خمر وہ معمولی درجہ
کی ہوں یا غلی درجہ کی۔ انکو سے کشید کردہ ملول یا کھجور سے۔ تھوڑے سے ہوں
یا گندم یا جو سے وہ بہر حال حرام ہیں۔

صاحب تفسیر روح المعانی علامہ سید محمود اکو سی خدادادی شاہ عبدالغفور کے
ہم عصر ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے۔ وہ سب نے مانے
کا حال رکھتے ہیں۔ نہ درگزی نے عجیب روش اختیار کر لی۔ شراب کو نشہ آور
پکا کر استعمال کہہ رہے ہیں حالانکہ اس کی اعلیٰ حد میں کوئی فرق نہیں۔ کسی نے
عرق اکیر نام کو نہ لیا ہے۔ در کوئی طے آپ جو کتاب ہے مگر نام بدلنے سے ایک
حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی۔

اس بات کو انگریزوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حرمت شراب کے متعلق
اگر کسی کو کہنا بیجا تعیب ہوئی ہے۔ تو وہ صرف مذہب اسلام ہے۔ سر ڈیوید
ہنڈوکس میں صریحاً بتاتے ہیں کہ اگر مذہب اسلام ہے۔ بڑے مقصد۔ عیسائی پادری
اس نے در علم و ادب میں حضور علیہ السلام کی سوائے حیات لکھی ہے جس کا نام ہے
LIFE OF MUHAMMAD ﷺ مسلمانوں کے خلاف تعصب کا
انکار کرنے سے کہ وہ پیڑیاں الٹتے ہیں۔ آپ محمد کی تعارف

اور دوسرے محمد کا شراب۔ مگر اس کو تسلیم کرنا پڑا کہ شراب کی حرمت کے متعلق اسلام کے
سوا کوئی مذہب کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ کہتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے
بالمشافہ خیر ہے کہ انہوں نے شراب جیسی قبیح چیز کو وضع طہ پر حرام قرار دیا اور بڑی
حد تک اس سے محفوظ رہا۔

حرام چیز کی
تجارت بھی
حرام ہے

بہر حال سورۃ مائدہ کی مذکورہ آیت نازن ہونے پر شراب حرام ہو گئی۔ اور عبادۃ
سے کلی طور پر اس کو ترک کر دیا۔ اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ
لَعَنَ اللَّهُ مَنْ شَرِبَ خَمْرًا وَأَمْسَهَا فِيهِ يَحْيَىٰ شَرَابٍ يَشْرِبُهُ دَارًا
پانے سے رازا، پھولنے والے ہاتھ دانہ اٹھا کر لے جانے والا، اس کو بیچنے والا
اور اس کی کھائی کھانے والے سب لعنتی ہیں۔ پھر آپ نے فتح مکہ کے دن احقر
کیا کہ جس خداوند تعالیٰ نے شراب پینے سے منع فرمایا ہے۔ اچھی خدا نے اس
کی تجارت سے بھی منع کر دیا ہے گویا ہر حرام شے کی تجارت بھی حرام ہے۔ خود
حرام ہے۔ اس کا لین دین بھی حرام ہے۔ اسی طرح توں کی تجارت حرام ہے
مردن کی چربی کا بھی یہی حکم ہے۔ مگر اس زمانے میں سوئے سعودی عرب کے تمام
اسلامی حکام میں شراب استعمال ہوتی ہے۔ اس کی تجارت ہوتی ہے۔ وائس
جاء می ہوتے ہیں۔ جہاں میں پابندی کا نام سنتے ہیں۔ وہ بھی بزبان حکم ایک ہے
عملی طور پر مختلف جیلوں بہانوں سے اس کے استعمال کی اجازت ہے۔

خرچہ کی
مقدار

آگے خرچ کے متعلق سوال اور اس کا جواب ہے وَكَسَبْتُمْ لَهُ
مَاذَا يُفْقِدُونَ؟ اب سے سوالیہ کہتے ہیں کہ کس قدر خرچ کریں۔ رسول
گدشتہ سے بہرہ ور رہیں جس بھی آچکا ہے۔ وہاں پر اس کا جواب دیا گیا کہ
فَذَلْ فُلُوْا مَعِيَ حَرْجَ كَرِيْمٍ مَّيْمَنَ اس سب کے جواب میں ہے۔ قُلِي اَعْقُوْا
آپ کہ یہ کچھ اجزا اپنی ضرورت سے زیادہ ہے۔ وہ خرچ کریں۔ مگر اس سوال
کا تحقق خرچ کی مقدار سے ہے۔ یہاں یہ ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حاجرت
سے زائد سب کچھ خرچ کر دینا فرض، واجب وغیرہ کی کس میں آئے گا۔ تو

اس کا جو بربہ ہے کہ خرچ جس اندکے سیلے کیا جائے گا، اس کا شمار اسی میں ہوگا مثلاً اگر زکوٰۃ ادا کی گئی ہے، اس کا خرچ فرض ہوگا۔ اگر عہدہ فطر ادا کیا ہے یا کسی اور وجہ پر خرچ کیا ہوگا۔ تو وجہ شمار ہوگا۔ اسی طرح نفلی امور کا خرچ نفلی شمار ہوگا۔ اگر کسی مباح کام میں خرچ کیا گیا ہے تو ایسا خرچ بھی مباح ہوگا، اگر بعض ثواب کی نیت ہے، تو خرچ نیت نہ کر ثواب حاصل ہوگا۔ بر خلاف اس کے کہ کسی مصیبت کے لئے کام پر خرچ کر دیا ہے، تو ایسا خرچ حرام شمار ہوگا۔ اگر کسی مباح کام پر خرچ کیا ہے مگر ثواب کی نیت نہیں کی۔ تو ایسا خرچ جائز تصور ہوگا۔

چونکہ اس آیت میں ضرورت سے زائد چیز خرچ کرنے کا حکم ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ فرض و جبہ کے متعلق نہیں کیونکہ زکوٰۃ وغیرہ کی نیت تو مقرر ہے۔ مگر یہاں ہر زائد چیز کے خرچ کرنے کا حکم ہے تو اس سے مراد بقدر خیرت اور دیگر نفلی اخراجات ہیں۔ بہر حال اس آیت سے ایک بات کی ممانعت ہوتی ہے کہ اپنی ضرورت کو مقدم سمجھتے ہوئے اس سے زائد مال کو خرچ کر دے۔ اگر خرچ کرنے سے اپنے مال بچوں کی جائز ضروریات موجود ہیں۔ اور ان ضروریات کو پرکار کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا، تو امت خرچ کر دے۔ اپنی ضروریات پر مبنی کر دے، اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر تنہا زکوٰۃ یا بعض خاص شخصیات ہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبرؓ جن میں صبر کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے تو ایسے شخص اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ مگر جو شخص صبر کے اس مرتبہ پر نہ ہو، اسے اپنی ضروریات کو مقدم رکھ کر خرچ کرنا ہوگا۔

مورثہ شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ ذخیرہ اندوزی درست نہیں ہے مسلم شریف کی روایت میں ۲۰۲ ہے۔ یا مَن دَامَ رَزَقَ تَصَدَّقْ مَن دَامَ رَزَقَ تَصَدَّقْ۔ اگرچہ ضرورت رکھو گے تو یہ تمہارے لیے شر ہوگا۔ اور اگر زائد حصہ خرچ کر دو گے، تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ وَلَا تَلْمِزُوا عَلَى كِفَايَتِهِ اور اگر آمد و خرچ برابر ہیں۔ تو پھر زائد نہ

ذخیرہ اندوزی
کی ممانعت

خرج کرنے پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض اور منہ کرنا تو وہ عند اللہ
ماخوذ ہوگا، اور اگر فرض کی ادائیگی کے بعد روک رکھ سبب تو ٹوٹا سبب سے محروم ہو
گیا۔ اگر ضرورت سے راہ موجود ہے مگر خرچ نہیں کرتا تو کج کامو پیدا ہوگا،
ٹوٹا سبب سے محروم ہوگا۔ اور شرعاً حال ہوگا۔

عز و تکرر
کی دعوت

فَرَاكَ لَكَ يَبْنَئُ اللَّهُ لَكَ مَا تَشَاءُ مِنْهُ
یہ حکام بیان کرتے ہیں کہ آیات سے مراد احکام ہیں اَعْدَسُ
تَمَفَكُوْنَ اَنَّا نَمُ عَزْرُوْكَ كَرُوْا فِي الدُّنْيَا وَ لَوْ خَسِرَ دُنْيَا وَاٰخِرَتِ
کے بارے میں۔ دنیا محل حلاج ہے۔ یہاں پر یہ کہ انسان ضرورتوں اور حاجتوں پر
ورمانہ ہوتا ہے۔ اس کا بھی لحاظ رکھو۔ اور آخرت تو ٹوٹا سبب دائمی کا محل ہے
اس کا بھی خیال رکھو۔ مقصد یہ ہے کہ دنیوی اور دنیوی دونوں ضروریات کو
ذہن میں رکھو۔ نہ یہاں محروم ہو کر اور نہ وہاں، بلکہ ہر دو مقامات کے لیے لوازمات
دیکھ کر اور سور ذی اسرئیل میں آتا ہے کہ نہ ہاتھ کو نہ پارہ کھنڈ رکھو کہ خود محتاج ہو
جاؤ اور نہ اتنا سیکڑ کہ رکھو کہ کھنڈ بن جاؤ۔ بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ اپنی جائز ضروریات
پہنچی سرور اور اس کے جہاں کو روک کر رکھو۔ بلکہ غریبوں اور محتاجوں کو بھی نکاح اور
جائز ضروریات میں انسان کے بنیادی اخراجات ہیں، جیسے کھانا، پینا، لباس
صحت، تعلیم، رہائش وغیرہ ہیں۔ ان چیزوں پر خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ لہذا اگر
ریڈیر ٹیلیوژن کھیلی نما سڑ کو بھی بنیادی ضروریات میں شمار کیا جائے تو پھر انسان
کے پاس کبھی کچھ نہیں بچے گا۔ یہ سمان عیش ہے اور اس کی کوئی حد نہیں۔ اس زمانہ
میں مکانوں کی بلا ضرورت۔ زیارات، ان میں قیمتی سے قیمتی فرنیچر، بے گنسے، قالین، خراج
وغیرہ سبب بلا ضرورت ہیں۔ اور ان اشیاء پر خرچ کرنا بلا جواز اور محتاجوں کی حق تلفی
کے مترادف ہے۔ اور اگر اس دنیا میں سب کچھ اپنی ذرا۔ یہ ہی خرچ کر لو، تو پھر آخرت
میں محرومی کا منہ دیکھتے پرے ہوگا۔ یہی سبب فریاد کر دینا آخرت ہر دو مقامات کا خیال رکھو
یہاں پر بھی بلا ضرورت سے محروم نہ ہو۔ اور آخرت سے جتنے بھی تو شر تیار کرو۔

سَيَقُولُ ۲

الْبَقَرَةِ ۲

درس خود و یک (۹۱)

آیت ۲۲۰ بقیہ

وَيَسْأَلُكَ عَنِ الْبَيْتِ قُلْ صَلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا
تَخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْنِي الْمُفِيدَ مِنَ الْأَصْلِ
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَآ غَنَتْكُمْ طِبَاطِيبُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ۝ (۲۲۰)

ترجمہ :- اور لوگ آپ سے غیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے، انکی اصلاح کمائی اُن کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم اُن کو اپنے ساتھ ملاؤ، تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے خبرانی پیدا کرنے والے کو سزا دینے والے سے۔ اور اگر شر چاہتا، تو تمہیں شقت میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ کمال قوت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ (۲۲۰)

اس سے پہلی آیات میں شراب اور جئے نیز خورج کے متعلق سوالات گذشتہ سے پوچھتے ہوئے اُن کے جوابات تھے۔ پورے قرآن پاک میں کل بارہ یا تیرہ مقامات میں ایسے ہیں۔ جن میں اس قسم کے سوالات کا ذکر ہے۔ یعنی لوگ آپ سے فلاں سوال کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بالعموم اہل ایمان ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم سوال کرتے تھے۔ بحضرت سواں کرنے کی بجائے اصحاب رسولؐ آپ کی بات کو نہایت غور سے سنتے تھے اور پھر اُس پر عمل شروع کر دیتے تھے۔ حضور علیہ السلام دین کی ضروری باتیں خود بخود بیان فرما دیتے تھے۔ اس لیے اس قسم کے سوالات کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی۔

گذشتہ درس میں شراب کی حرمت کے مختلف مراحل کا تذکرہ ہو چکا ہے

کہ بہ غیبت چیز کس طرح بدرجہ حرم قرار دی گئی۔ اس آیت میں تو شراب کے فوائد و نقصان کا ذکر تھا۔ اس کی قطعی حرمت سورۃ مائدہ والی آیت کے ذریعہ ہوئی، اسی طرح جوئے کو بھی اسی آیت نے حرم قرار دیا۔ سابقہ آیت میں دوسرے سوال، خواہات کے متعلق تھا، کہ لوگ آپسے سوال کر لے رہے ہیں، کہ کیا چیز خرچ کریں، اس کا جواب یہ تھا کہ چونکہ دنیا دار احوال کا ہے اس لیے یہی جائز ضروریات کو پیش نظر رکھ کر جو باتیں صحیح جائزے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ اگر زیادہ مال کو روک رکھو گے تو شرک کا باعث ہو گا۔ ایک شخص کو کہیں سے سونے کا ایک ٹکڑا مل گیا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ میں نے سونے کا ایک ٹکڑا آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور سونے کو پھینک دیا۔ آپ نے تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ کوئی شخص ایسی حرکت نہ کرے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے۔ صدقہ کر دیا ہے۔ اور پھر محتاج ہو کر بیٹھ جائے۔ حالانکہ وہ صبر بھی نہیں کر سکتا مقصد یہ کہ اپنی ضروریات کو مقدم رکھے کہ زیادہ مال خرچ کر دو گویا دنیا آخرت ہر دو مقامات کو پیش نظر رکھے کہ خرچ کر دے تاکہ تمہیں اس دنیا میں بھی نیکی کا سہارا نہ ملے اور آخرت کے لیے بھی سامان نہ کمے۔ عاصم ابن ابی الجرحم کی روایت میں آتا ہے کہ مومن آدمی کو دونوں باتوں کی فکر ہوتی ہے۔ ہو المعاد وهو لمعاش اس کی آخرت کی بھی فکر ہوتی ہے اور دنیا میں رزق حلال کی جستجو بھی۔

شانِ نازل آیت ذیل درس میں یہ تیسرا سوال یتیموں کے متعلق اٹھایا گیا ہے وَیَسْئَلُونَكَ عَنْ لَيْتٍ سُئِلَ اُولَئِكَ لَوْ كَانُوا مِنْكُمْ لَرَبَاكُمْ اَوْ يَتَمَوَّنَ فِيكُمْ اُولَئِكَ السَّاعِدُونَ لَكَ اُولَئِكَ يَرْجُونَ اِلَىٰ رَبِّكَ اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

سکے مال کی حفاظت کے متعلق قرآن پاک میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں، عرب کے لوگ عام طور پر یتیموں کا مال غصب کر جاتے تھے۔ ان کے متولی بن کر ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے اور پھر جیلے بہانے ان کا مال ناجائز طور پر ختم کر جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی کہ ایک حکام نازل فرمائے مَثَلًا لِّذَلِّضُوا مَالًا اَلْيَتَامٰى رِثَةً اِلٰى الْاٰتِلَافِ هِيَ اَحْسَنُ لِّعِن سَوَاسُءِ اَحْسَنُ طَرِيقَہ کے یتیم کے مال

اس ضمن میں مولانا شاہ شریعت علی تھانوی فرماتے ہیں کہ گنگے سٹرک والی یا غراب ہو جانے والی چیز کو یتیم کے مال کے ساتھ بلا لینا چاہیئے، تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔ اور جس چیز کے غراب ہونے کا احتمال نہیں۔ یتیم کی وہ چیز علیحدہ ہی رکھنے دی جائے اسی لیے فرماید کہ اگر کوئی چیز ملا لینے میں یتیم کی بہتری ہے۔ لَئِنْ تَحَايَ الطُّغْيَانُ وَ عِثْرٌ لِّكَ اِنْ كُنْ كُوسٍ لِّسَانٍ سَائِدَةٍ لَوْ قَرِئَ حَوْكُكَ قَوْ قَوْ وَ هُوَ تَمَّاسٌ بَعَالِي هِيَ۔ انہیں ساتھ بلا کر، یہاں پر بھائی سے مراد دینی بھائی ہیں۔ یا دینی بھائیوں کی ولادہ ہے۔ لَئِنْ اَنْ سَے دینی بھائیوں کا سلوک ہونا چاہیئے، اور اگر اسی صورت ہو کہ یتیم تھانوی دینی بھائی نہیں ہے۔ کسی غیر مسلم کا بیٹا ہے۔ تو اس صورت میں بھی اس آیت کی درست سے اس کے ساتھ وہی معاملہ کرنا ہوگا، جو اس کے حق میں بہتر ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا، جو ایک مسلمان کے ساتھ ہوتا ہے۔

یتیموں سے متعلق اسلام کے اس زریں اصول کو غیر مسلم نگہزینوں نے بھی سراہا ہے ایک انگریز مصنف (ماسٹر تھو سٹھ) لکھتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے یتیموں پر خاص نظر و شفقت رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ خود بھی یتیم کے دور سے گزر چکے تھے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دِلَّالِ الْيَتَامَىٰ یَجْعَلْهُ يَتِیْمًا قَاهٍ کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا، در پھر اللہ کا دیا گیا۔ فَالْمَا الْیَتِیْمَ فَتَدْرُکْ تَقْصُرْ لَّهِ یتیم کو ڈرنا بھی نہیں، بلکہ ڈرانے کے حق میں اصلاح بہتر ہے۔ اس سے مفسرینِ کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر یتیم کی تعلیم و تربیت کے لیے اس کو ڈانٹ بھی دیا جائے

تو جائز ہے، کیونکہ اس کی اصلاح کے لیے ہے۔ البتہ یتیم کو مارنے یا دوسری بات پھینانے سے نبی علیہ السلام نے سخت منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جب یتیم رو تبا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کا عرش کاٹ کر ڈال دیتا ہے۔ لَئِنْ اَنْ كُونا یسینا درست نہیں۔ البتہ ان کی اصلاح کی خاطر ڈانٹ ڈپٹ جائز ہے۔

ایکسٹریکٹ مصنف رائٹس نے اپنی کتاب سوشل لازاکٹ دی تفسیر
 SOCIAL LAWS OF THE QURAN میں لکھا ہے کہ دیکھو حضرت محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یتیموں کی پرورش، ان کی نگرانی اور رعیت کا کس قدر
 خیال رکھا گیا ہے یہ اسلامی تعلیمات

کی برتری کا ثبوت ہے۔ کمزوروں کی مدد کی تاکید جس قدر اسلام نے کی ہے
 کسی اور مذہب نے نہیں کی۔ اسلام نے یتیم، مسکین، یتیم خانہ، یتیم خانہ کے ساتھ
 حسن سلوک اور ان کی خدمت کا زبردست حکم دیا ہے بلکہ اس سوسائٹی کو ملحدوں قرار
 دیا ہے جس سوسائٹی میں کمزور طبقوں پر ظلم و زیادتی کی جاتی ہو۔ جو لوگ بے کسوں
 کی دستگیری کرتے ہیں وہ اللہ کی رحمت کہ جی طرف کھینچنے والے ہوتے ہیں
 فرمایا یتیموں کی ہر حالت میں خیر خواہی چاہو۔ اور اس مقصد کے حصول کے
 لیے انہیں الگ رکھو یا ساتھ ملاؤ، یہ تم پر فرض ہے۔ البتہ ایک بات یاد رکھو کہ تم جو
 بھی فیصلہ کر دو گے، اللہ تعالیٰ تمہاری یتیموں کو بہ نسبت کہ تم نے یہ فیصلہ نیک سنی
 سے کیا ہے۔ یا بد سنی سے۔ اس فیصلہ سے فائدہ ملے گا یا اصلاح کا پہلو۔ وَاللّٰهُ
 يَعْلَمُ الْمُضَيِّدَ مِنَ الْمُضِلِّ اللہ تعالیٰ فائدہ دلوں اور اصلاح کنندگان سب
 کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اُسے علم ہے کہ تم جو بھی یتیموں کے متعلق فیصلہ کرتے
 ہو وہ کس نیت کے ساتھ کرتے ہو بصورتِ علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اے مولا کریم
 اِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ تو آنکھوں کی خیانت
 کو بھی جانتا ہے اور دلوں کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔ جو کوئی
 یتیموں کے متعلق بُری نیت سے معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے
 ایسا شخص اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو حکم تمہاری آسانی کے لیے دیا ہے کہ چاہو تو الگ
 رکھو یا چاہو تو ساتھ ملاؤ۔ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَافْتَحْتُمْ دُرَّزَاتِہِمْ لَیْسَ لَہُمْ
 مشقت میں ڈال دیتا۔ اور حکم دینا کہ یتیموں کو خرچ لانا یا عطا کر رکھو، پھر تمہارے

مضید اور
 اصلاح

سیسے معیار پر چڑا کر نامشکل ہو جاتا: اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسمانی پیر فرما
 دی ہے۔ کردہ کام کرو جس میں یتیموں کی مفیدائی مقصود ہو۔ اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ حَکِیْمٌ
 بیشک اللہ تعالیٰ زبردست اور کمال قوت کا مالک ہے۔ وہ حکیم ہے۔ نہ
 انسانوں کی مصلحت کے مطابق حکم دیتا ہے۔ اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو
 انسانوں کی مصلحت کے خلاف ہو۔ لہذا اس کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے یتیموں
 کے ساتھ بہتر سلوک روا رکھو۔

سَيَقُولُ ۲

الْبَصْرَةَ ۲

میں فرود و در (۹۲)

آیت ۲۳۱

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا وَلَا مَمَّةٌ مُّؤْمِنَةٌ
 خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ
 حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا وَلَعَبَّةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ
 وَبِكُمْ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْحَقِّ وَاسْمَعُوْا
 بِاٰذْنَيْهِ ۚ وَبَيِّنْ اٰيٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۳۱

ترجمہ: اور مشرک عورتوں کے ساتھ نہ بنیں مذکور ایمان تک کہ وہ ایمان لے آئیں
 البتہ ایک ایماندار و مذہبی مشرک عورت سے بہتر ہے، چاہے وہ تم کو کتنی اچھی معلوم
 ہو۔ ورنہ نکاح کر و مسلمان عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لے
 آئیں۔ البتہ ایک ایماندار غلام مشرک سے بہتر ہے، چاہے وہ تم کو اچھا علم ہو
 یہ لوگ (مشرک) دوزخ کی طرف بلا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جنت
 اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بیان کرتا ہے اپنے احکام لوگوں کے
 لیے، تاکہ وہ فیجست قبول کر لیں (۲۳۱)

گذشتہ آیت میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا بیان تھا۔ کہ ان کے
 ساتھ وہ معاملہ کرنا چاہیے۔ جو ان کے حق میں بہتر ہو۔ اور ان کی اصلاح مقصود
 ہو۔ ان کو گمانے میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے تینہ کے طور
 پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری یتیموں سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یتیموں
 کے متعلق تمہارا فیصلہ اصلاح پر مبنی ہے یا فساد پر۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یتیموں
 کو اپنے ساتھ ملاسنے کی اجازت دے کر تم پر مہربانی فرمائی ہے ورنہ تم مشقت
 میں پڑ جاتے۔

مشاورین سے
تعلق کی حالت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح جیسے ہر مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور حکم دیا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّى يَقُولَ مُشْرِكُهَا يُؤْمِنُ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ نکاح محبت و رافت کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میان اور بیوی کے درمیان شفقت و محبت کو پیدا فرمایا ہے اگرچہ لغائی تقاضے بھی پڑتے ہوئے ہیں مگر اصل جو پر اخت و محبت ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ہم نے ان کے درمیان رفت و رحمت، کے جذبے کو پیدا کیا۔ لہذا اس پاکیزہ رشتے کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی جم غفیرہ و ہم خیال ہوں ورنہ اس رشتہ کا قائم رکھنا ممکن نہیں رہتا جیسے فرمایا مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ اور پھر دلیل کے طور پر فرمایا وَمِنْهُنَّ مَنْ يُؤْمِنُ بِخَيْرِ مَا نُكَهْتُمْ اَلَيْسَ لَكُم مِّنْ شَرِّهِمْ اَبْنَاءٌ يَّمْلِكُونَ فَاَمْرًا بِالْعِلَالِ کافر عورتوں سے نکاح کر لو گے تو ان میں سے بہتر ہے۔ وَلَوْ لَا عَجَبْتَ كُنْتَ مِنَ الْغَابِطِينَ اگرچہ مشرکہ عورت تمہیں کتنی چھی سگے۔ معاشرے میں لونڈی کی حیثیت آزاد عورت کی نسبت کم تر ہے۔ مشرکہ اگرچہ آزاد ہو، مالدار ہو، حسن و جمال میں بھی خوب ہو، اس کے باوجود ایک مومن لونڈی اللہ کے ہاں بہتر ہے۔ اگرچہ اس کے پاس مال و دولت اور حسن بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب مشرکہ کا دین ٹپک ہو گا، عقیدہ غلط ہوگا، قومیاں بیوی کی راہیں مضائقہ اندازگی اور ان میں رافت و محبت کا دور نہ قائم نہیں ہو سکے گا۔ جو نکاح کی غرض و غایت ہے۔ لہذا المومنین کو منع فرما دیا کہ مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

آگے مومنہ عورتوں کے لیے حکم دیا جا رہا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ
 حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ان کے نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان
 لے آئیں۔ جس طرح مومن مردوں سے مشرکہ عورتوں کا نکاح جائز نہیں، اسی
 طرح مومن عورتوں کا مشرک مردوں سے نکاح درست نہیں۔ سگے دہلیز کے
 طور پر فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ مِّشْرَبٍ ایک مومن غلام مشرک

آزاد مرد سے مترتب ہے۔ وَأَوَّلُ عَجَبٍ كَعْدُ۔ اگرچہ ہمیں مشرک مجذوم معلوم ہو۔ یعنی مادر
 ہو، محنت مند ہو، اور شکل و صورت میں بھی پسند نہ ہو، مگر مشرک ہونے کی وجہ سے
 اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیونکہ عقیدے کی قربانی کی وجہ سے یہاں یہودی کا نباہ ممکن نہیں
 نیز قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا کہ لَيْسَ بِالْمُشْرِكِينَ بِأَنْ يَكُونَ فِيكُمْ إِذَا أُتُوا بِالْحَقِّ وَالْأَعْقَابِ نَدَوْتُمْ
 مشرک کی غلامت اُس کے دل و دماغ میں سرایت کر چکا ہے، جو کہ میاں یہودی کے
 مقدس ریشہ کے متافی ہے۔ لہذا نکاح کے لیے یہاں دار مرد و عورت کو دیا، جس کا
 عقیدہ درست ہو، اگرچہ وہ کم تر حیثیت کا مالک ہو۔

مولانا شیخ السند کہتے ہیں۔ اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلی
 اقوام میں عورتیں مرد اور مشرک عورت، یا مومنہ عورت اور مشرک مرد کا نکاح جائز تھا۔
 نکاح کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم میں دلی امتیاز نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام
 اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں مشرک اور کافرہ تھیں۔ خود قرآن پاک نے گویا ہی
 ہے کَانَتْ لَخَبْرٍ عَجَبٌ لَدَيْنَ قَوْمٍ دُونِكِ بَدَلِ كَيْفَ فِيكُمْ مِنْ نَحْنِ بَعْدَ مَا جَاءَنَا
 حَقِيقَةُ فَاسَدَ تَحَا۔ اب شرعیست مجاہد میں لکھتا ہے کہ نازل فرما دیا۔ کہ نہ مومن
 مرد و مشرک عورت سے نکاح کرے اور نہ مومنہ عورت مشرک مرد کے عقد میں جائے
 یہاں تک کہ مشرکین ایمان لے آئیں۔ ایسی صورت میں نکاح جائز ہوگا۔

ابتداء ناقض
 نکاح ہے

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد اگر کوئی مرد یا عورت مشرک ہو
 جائے یا مرتد ہو جائے۔ تو اس نکاح کی کیا حیثیت ہوگی جو بحیثیت مومن مرد اور مومنہ
 عورت ہوا تھا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اگر مرد مشرک ہو گیا ہے
 یا دھریہ ہو گیا ہے۔ تو عورت اُس کے مرتد ہونے کے وقت سے آزاد ہو جائیگی۔
 بدت نکاح ثانی سے یہی ہے بدت گزارنا ہوگی۔ اگر عورت کہ حیض آتے ہیں تو اپنی
 عدت تین حیض ہیں۔ اگر حیض نہیں آتے تو تین ماہ عدت گزارے گی اور اگر حاملہ ہے
 تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ عدت پوری کر سنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔
 مشرک کی تعریف میں شاہ عبدالقادر دہلوی اور شیخ السند مولانا محمود الحسن فرماتے

مرد یا ہے

میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت یا اس کی کسی خاص صفت میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ علم محیط کا مالک ہے سو کہانِ
 اللہ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّجِیْطٌ یعنی اس کا علم ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اب اگر کوئی
 شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ہستی کا علم بھی ہر شے پر محیط ہے۔
 اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک ہو گیا۔ کیونکہ کائنات کے
 ذرہ ذرہ کا عالم ہونا، اللہ کی صفت مختصہ ہے۔ اور اسی میں غیر اللہ کی شرکت ترک
 ہے۔ اس زمانہ میں یہ عام عقیدہ ہے کہ ہمارے سیر یا فداں بزرگ یا پیغمبر علیہ السلام
 کو ذرہ ذرہ کا علم ہے۔ یہی شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت خاصہ قادر مطلق ہونا ہے۔ واللہ اعلم
 شَیْءٌ قَدْرِیْہِ گوئی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا وہ جو چاہے کر سکتا ہے
 اب اگر یہی صفت کسی غیر اللہ میں ثابت کی جائے کہ فلاں بھی جو چاہے کر سکتا ہے
 تو ایسا اعتقاد رکھنے والا مشرک ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی خاص صفت اُس
 کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے ثابت کی۔ اسی طرح واللہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ
 شَہِیْدٌ ہے۔ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور ہر چیز پر گواہ ہے۔ اگر
 یہی صفت کسی دوسرے میں مانی جائے تو مشرک ہو گیا۔ کتاب، ہونگیا۔ کسی چیز کو حلال یا
 حرم قرار دینا بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت میں سے، اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ
 اللہ کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی حلال و حرم کہنے کی مجاز ہے۔ تو یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ
 کی صفت مختصہ میں شرک کا مرتکب ہوا۔ اس کی مثال اہل کتاب کی ہے۔ قرآن پاک
 میں موجود ہے کہ اہل کتاب کے علماء جس چیز کو حلال قرار دیں وہ اُن کے نزدیک
 حلال ہے۔ وہ جس کو حرم کہیں اس کو حرام مان لیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے
 ساتھ شرک ہے۔ اسی طرح جو تعظیم خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ
 کہنا، اگر ایسی ہی تعظیم یا سجدہ کسی غیر اللہ کے لیے کیا جائے تو شرک ہے۔ مگر
 ہوگا۔ مولانا شیخ الحداد فرماتے ہیں کہ علم یا قدرت یا کسی دیگر صفت خداوندی

کسی غیر کرمہ کا حامل سمجھنا، خدا کے مثل کسی کی تعظیم کرنا یا کسی کو حق سبحو کر اسی سے حاجت طلب کرنا، ان تمام صورتوں میں ایسا عقیدہ رکھنے و نہ یا ایسا عمل کرنے والا شرک تصور ہو گا۔ نہ مانہ جاہلیت میں مشرکین ایسے ہی کہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شرک کے متعلق فیصلہ کر دیا۔ **ثُمَّ لَئِنْ تَوَلَّيْتُمْ لَنُرْسِلَنَّ عَلَيْكَ طُوفَانًا مِّنْ ثَرَاتِ السَّمَاءِ**۔ جب تک مشرک پہنچنے سے توبہ نہ کرے، یہ نساہ معاف نہیں ہو گا۔ اسی لیے میں یہودی میں کوئی ایک بھی مشرک کا مرتکب ہو گا تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے

بنت ایک اور مسئلہ یہاں یہ قابل بیان ہے جنس دوسری آیات سے ثابت ہے کہ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے۔ **لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ**۔ اس کی اجازت دی ہے۔ **وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ**۔ اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتا ہے۔ جب کہ زوجین اپنے اپنے دین پر قائم رہیں۔ اگرچہ یہ پسندیدہ کام نہیں ہے۔ تاہم اس کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے عیسائی عورت ناکرے تعلیم سے نکاح کیا تھا بعد میں شریعت نے اسے توفیق بخشی اور وہ اسلام لے آئی۔ حضرت ثناء یفث نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے اراضکی کا اظہار کیا۔ حضرت حدیث نے پوچھا کیا یہ نکاح جائز ہے۔ فرمایا: **اَنَا جَائِزٌ لَّيْسَ مَكْرُهُنَّ**۔ ضرور ہے۔ ہر حکمت کہ تمہارے نکاح میں یہ کار عورتیں آجائیں اور تمہارا اخلاق بگڑ جائے۔ اور یہ بھی خطر ہے کہ وہ تم پر اس قدر اثر انداز ہوں کہ تمہارے دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ نکاح میں بیاد محبت کو بڑا دخل ہے، اور محبت میں اگر انسان ہنس کچھ کر بیٹھا ہے۔ نذا حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس بی بی کو جہاں دو یہ پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ بہر حال یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں۔ اس سے مزید یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، نئے ہوں اگرچہ وہ مشرک بھی کہتے ہیں مگر محمد اور دہریہ نہ ہوں، جیسا کہ آنجل اکثر نصارتی ہیں عام طور پر تمام انگریزوں کو عیسائی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں بہت سے

دوسرے ہونے ہیں۔ چنانچہ کسی کتاب کو کہتے ہیں۔ اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کا ایمان ہے۔ ایسی محدثوں سے نکاح جائز نہیں۔

نکاح کی طرح ہر کام کے ذریعہ کو بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے کہ ذبح کریں گے۔ تو جائز حلال نہیں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مال میں نظر بند دیکھ کر خود عیسائیوں کا ذریعہ بن کر کھاتے تھے انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں زندہ جانور دیا گیا جائے۔ اسے وہ خود ذبح کریں گے آپ فرماتے تھے کہ ان کی بچی ہوئی ہوئی تو کھالیں گے مگر ان کا ذبیحہ نہیں کھائیں گے، کیونکہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ لوگ عیسائی نہیں، بلکہ دوسرے ہیں۔ بہر حال کافی ہنگام کے بعد انگریزوں نے حضرت شیخ الحداد کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔

الغرض اس سمیت کا خلع و عداوت ہوا کہ مسلمان مرد کا نکاح مشرک عورت سے درست نہیں تا وقتیکہ مسلمان نہ ہو جائے۔ اور اس آزاد مشرک سے ایک لڑکی بہتر ہے گویا ایک اونٹ سے اونٹن مسلمان، اعلیٰ سے اعلیٰ مشرک سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ **الْمُشْرِكُ الْفَوَاحِشُ خَيْرٌ مِّنْ الْمُتَوَسِّلِينَ** بہتر ہے **وَفِي كُلِّ حَافٍ** اور پھر ہر ایک میں بہتری ہے جو کہ فزاد مشرک میں نہیں، یعنی کمزور مسلمان طاقتور مشرک سے بہتر ہے۔ مشرکین سے جس قدر محبت کی جائیگی، اسی قدر کفر و شرک سے اضرار میں کمی واقع ہو جائے گی اور یہ چیز عمل دین کو متعلق کرنے کا سبب بن گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کی وجہ سے یہ ہے۔ **اُولَٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلٰى النَّارِ** لہذا مشرکین دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہی جیسے کام کہتے ہیں۔ جو دوزخ میں سے جانے کا سبب بنتے ہیں۔ ان کی حرکت، اعلیٰ روحانیت، شرک وغیرہ جیسے انہیں ہیں جن کی وجہ سے دوزخ لازم ہو جاتا ہے۔ **الْبَسْمِ** **وَاللّٰهُ يَدْعُوْنَ اِلٰى الْجَنَّةِ وَالْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ** اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت، اور غضرت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہی اور توجیہ کی طرف اشارے

دوزخ اور
جنت کی طرف
دعوت

ہیں۔ اور اس طرقت، اجازت اور تحرکیہ افعال سے بچ جائے۔ فرمایا وَيُحْيِي الْمَيِّتِينَ ایسے اللہ جس
 اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو لوگوں کے پاس کھول کر بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ
 تاکہ وہ نصیحتیں پکڑیں، یاد رکھیں، پر آجائیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔

سَيَقُولُ ۲

أَبْقَرُ ۲

دش لور و سہ (۹۳)

آیت ۲۳۳، ۲۳۴

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعِزُّوا نَفْسَكُمْ فِي
 الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَضْهَرْنَ فَإِنْ أَطْلَقْنَ
 فَأَنَّهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ
 وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۳۳﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثُكُمْ فَأَلُوا
 حَرْثَكُمْ أَوْ شَتُّوهُ وَقَدْ مَوَّاهُ نَفْسَكُمْ وَتَقُوا اللَّهَ وَاعْمُوا
 أَنْفُسَكُمْ مَشْفُوعًا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- اور لوگ پچھتے ہیں کہ آپ کے بیچے دو لگے ہیں اس
 پر فرمادے، حیض کے روزوں اور رات کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ
 پاک ہو جائیں۔ جب وہ خوب اسی طرح پاک ہو جائیں پس جاؤ ان کے پاس جہاں سے
 اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ خدای بلند کرم ہے تو بہ کر کے دلوں کو اور
 پسند کرنا ہے طہارت حاصل کر کے والوں کو ﴿۳۳﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی
 ہیں، تم جاؤ اپنی کھیتی میں جس طرح تم چاہتے ہو، پورے لگے بھجھو اپنے نشوں کے لیے
 اور اللہ تعالیٰ سے اور جان لو کہ بیشک تم اس سے ملنے والے ہو۔ اور
 خوشخبری سنو ایمان والوں کو ﴿۳۴﴾

پہلے موضوع میں مختلف مسائل کا ذکر تھا۔ اور سوالات کے جوابات تھے۔ خصوصاً
 شراب اور جھوٹے سے متعلق سوال کا جواب تھا۔ پھر شراب اور جھوٹے کی قباحت
 کا ذکر ہوا۔ پھر راتوں میں سے خرچ کرنے کے متعلق سوال آیا۔ اس کے جواب میں
 بنیادی قنون سمجھا دیے۔ کہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے بعد خرچ کرنا چاہیے۔ پھر
 میٹروں کی اصلاح دید ان کے خرچ کو اپنے ساتھ ملانے کے بارے میں سوال کیا گیا۔

لہذا یہاں

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی، کہ بیٹوں کے حق میں جو چیز
بہتر ہو، وہ ہونی چاہیے۔ ان کی اصلاح اور ان کے دل کی حفاظت بہر صورت
پیش نظر رہنی چاہیے۔ یقینوں کا مال کھانا، جو سنے کی کمانی کھانا، شراب کو استعمال کرنا
یا اس کا کام دہار کرنا کسی کا حق ناجائز طور پر کھانا۔ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اسی طرح
مومن مرد کا مشترکہ عورت کے ساتھ اور مومنہ عورت کا مشترکہ مرد کے ساتھ نکاح
حرام قرار دیا گیا۔ ان تمام ناپاک افعال سے منع کیا گیا ہے۔ نکاح ہی کے ضمن میں عورتوں
کے ایام، ہجری کا سوال پیدا ہوا۔ جس کا جواب اس اہمیت پر دریں میں دیا گیا ہے
فہمائے کرم فرماتے ہیں اللہ اعلم بالصواب۔ بالمتصۃ بالمتصۃ بالمتصۃ
عورتوں کے مخصوص خون تین قسم ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم حیض کا خون ہے۔ جو
تندرست عورت کے رحم سے ہر ماہ چند دن تک خارج ہوتا ہے۔ اس کا اخراج
لازمی ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ خون بند ہو جاتا ہے۔ تو عورت طرح طرح کی بیماریوں
میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ گویا یہ خون عورت کی تندرستی کی علامت ہے۔ جب تک
عورت بالغ نہیں ہوتی۔ یہ خون شروع نہیں ہوتا۔ تاہم اس کے بعد جب حمل ٹھہر
جاتا ہے۔ تو یہی خون بچے کی خوراک بنتا ہے۔ لہذا حمل کے دوران بھی خارج نہیں
ہوتا۔ اس کے بعد جب تک بچہ دودھ پیتا ہے۔ عموماً یہ خون رکاوٹ بنتا ہے۔ اور
پھر جب عورت کمرسنی میں پہنچ جاتی ہے۔ یعنی تقریباً پچاس سال کی عمر میں جبکہ یہ
یہ خون بیشتر کے لیے بند ہو جاتا ہے۔

عورتوں کے
خون مختصہ

دریغ شریف میں آتا ہے۔ کہ حجۃ اوداع کے سفر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ جب آپ کا قافلہ مکہ معظمہ کے قریب
سرف کے مقام پر پہنچا، تو حضرت عائشہؓ کے ایام ہجری شروع ہو گئے۔ یام
رج قریب تھے۔ اور آپ کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس حالت کی وجہ سے وہ حج سے
محروم نہ ہو جائیں۔ لہذا فرط غم سے رونے لگیں۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ تو
فرمایا گھر اور نہیں ہذا شیء کتبہ اللہ علی یتاب آدم یہ ایک فطری چیز ہے

جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دیا ہے۔ فریاج کے ضیاع کا فکہ
 نہ کرو۔ تم احرام باندھو۔ حج کے تمام ارکان ادا کرو، سوائے اس کے کہ طواف کو بڑھ
 کر دو کیونکہ اس کے لیے مسجد الحرام میں جانا ضروری ہے۔ اور وہاں ایسی حالت
 میں نہیں جاسکتیں۔

عورت کے خون مختص کی دوسری قسم نفاس ہے یہ نہ بچگی کے دوران آتا
 ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد کم و بیش چالیس دن تک رہتا ہے۔ اس کے
 بعد اسے نفاس نہیں شمار کیا جاتا۔ عموماً یہ خون دس بیس دن یا عینہ تک ختم ہو جاتا
 ہے۔ حیض اور نفاس کے خون کے احکام مشترک ہیں۔ البتہ قسمی قسم کا خون بخاند
 کہلاتا ہے۔ یہ بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔ عورت کے رحم میں کوئی باریک سی رگ
 پھٹنے سے خون رستہ رہتا ہے۔ اس کا حکم الگ ہے۔

بہ حیض

حیض کی مدت کے متعلق فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابوہریرہ
 امام صفیان ثوری، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ حیض کی مدت کم سے کم تین دن
 اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ اگر تین دن سے کم خون آکر ختم ہو گیا۔ تو وہ
 حیض شمار نہیں ہوگا، بلکہ کسی بیماری وغیرہ کا اثر ہوگا۔ اسی طرح اگر دس دن سے
 زیادہ عرصہ تک خون آتا رہا، تو وہ بھی حیض کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔ بلکہ بخاند
 ہوگا، برخلاف اس کے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حیض کی مدت ایک دن سے لے کر
 پندرہ دن تک ہے۔ اور ان ایام میں حیض ہی کے احکام لاگو ہوں گے۔ عورت
 نماز نہیں پڑھ سکے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق تین دن سے دس دن
 تک کی مدت کے علاوہ بھی اگر خون آتا ہے۔ تو عورت کو غسل کر کے نماز پڑھنا
 ہوگی۔ ہندو مذہب میں بھی حیض کی مدت پندرہ دن تک ہے۔ البیرونی نے
 کتاب السنن میں لکھا ہے کہ ہندو لوگ بھی پندرہ دن تک حیض شمار کرتے ہیں۔
 اسی مسئلہ میں دیگر مذاہب میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ مثلاً عیسائی حیض
 کی حالت میں عورت سے جماع کر دیتے تھے۔ برخلاف اس کے یہودی، مجوسی

اور ہندومت والے حائضہ سے اس قدر نفرت کرتے تھے کہ اسے گھر سے نکال دیتے تھے۔ اور وہ کسی چیز کو ہاتھ لگا سکتی اور نہ کھانا پکا سکتی۔ بلکہ میوہ دیوں کی خود ساختہ تہذیب میں موجود ہے۔ کہ اگر حائضہ عورت کسی شخص کے کپڑے کو ہاتھ لگا دے۔ تو وہ شخص چوبیس گھنٹے کے لیے ناپاک ہو جائے گا۔ جو کوئی ایسے کپڑے کو دھوئے گا وہ بھی پورے دن کے لیے پید ہو جائے گا۔

افراط تفریط کے اس دور میں صحابہ کرام کو حیض کے متعلق احکام الہی کی خبر پہنچا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اسی سوال کے متعلق فرمایا: وَيَسْأَلُكَ عَنِ الْمَحِيضِ اے پیغمبر علیہ السلام یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہ آیا ان ایام میں عورت کے قریب جانا چاہیے یا نہیں۔ یہ اس سے تعلق بالکل ہی قطع کر لینا چاہیے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لَيْسَ لَكُمْ عَلَيْهَا شَيْءٌ وَلَا يَحِلُّ عَلَيْكُمْ کہہ دیں، هُوَ آذَنِي يَكْفُرُ ہے۔ اُذی اس گندگی کو کہتے ہیں۔ جو تکلیف دہ ہو یعنی برہنہ ناپاکی کی حالت ہے فَاعْتَمِلُوا فِي الْمَحِيضِ لہذا حیض کی حالت میں عورت کے قریب نہ جاؤ۔ مطلب یہ کہ ان ایام میں مباشرت نہ کرنا حرام ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرتا ہے اور اسے ملان بھی جانتا ہے تو وہ کافر ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قطعی حکم کو توڑ دیا ہے۔ اور اگر نفسانی اور شیطانی غلبہ سے یہ کام کیا ہے۔ تو گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسی غلطی کرنے والے کو توبہ کرنی چاہیے۔ استغفار کرے اور ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دے۔

طبی لحاظ سے بھی حیض کے دوران جماع نہ کرنا میاں بیوی کے لیے مضر صحت ہے۔ یہ خون بعض اوقات بدبودار بھی ہوتا ہے۔ اس کی زنگیت بھی بہا اوقات میاں مائل یا مٹیا لی جاتی ہے۔ لہذا اس حالت میں عورت سے پرہیز

کرنا چاہیئے۔ اہل بیہودوں کی طرح یہ بھی نہیں مانتا چاہیئے کہ عورت کو انکل ہی گھر سے الگ کر دیا جائے کہ کسی چیز کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔ اسلام میں یہ نہیں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بہت۔ میں عورتوں سے الگ رہنے کا مطلب یہ ہے ان سے مباشرت نہ کر دو۔ اس کے علاوہ عورتیں کھانا پکا سکتی ہیں۔ تم ان کے ساتھ بیٹھ کر کھا، کھا سکتے ہو۔ ایک چارپائی پہ لیٹ سکتے ہو۔ ان سے دیگر عزت سے کہتے ہو۔ تاہم نافرمانی سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ کو نہ ہاتھ لگانے کے ہواور نہ دیکھ سکتے ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حیض کی حالت میں ام المؤمنین حضور علیہ السلام کا سر مبارک دھو ڈالتی تھیں۔ الفرغی! اسلام نے اس معاملہ میں افراط و تفریط سے بچنے کے لئے بہتر اور درمیانہ راستہ اختیار کیا ہے۔

حائضہ کے احکام

حیض والی عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اس حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتی، اس کے لئے حرام ہے۔ اسی طرح روزہ بھی نہیں رکھ سکتی۔ اس کے لئے نماز کی قضا بھی نہیں ہے۔ البتہ روزے کی قضا لازم ہے۔ حائضہ عورت کا مسجد میں داخلہ منع ہے اسی سے خوف، بھی نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگا سکتی کیونکہ ناپاک ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حیض و نفاس والی عورت یا جنابت والی عورت یا سر و قرآن پاک نہ چھو سکتے ہیں اور نہ اس کی تلاوت کر سکتے ہیں۔ البتہ درود شریف پڑھ سکتے ہیں۔ دیگر وظائف استغفار بسم اللہ وغیرہ کا اور دیکھئے یہی فرمایا وَلَا تَقْرَءُ الْقُرْآنَ حَتَّى يَطْهَرَنَّ ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں فَإِذَا طَهَّرْنَ اور جب وہ اچھی طرح پاکیزگی حاصل کر لیں۔ یہ بات کا صیغہ ہے یعنی خوب طہارت حاصل کر لیں، غسل جنابت کے سلسلہ میں بھی یہی صیغہ استعمال ہوا ہے فَاَطْهَرُوْا یعنی خوب اچھی طرح غسل کیا جائے۔ حتیٰ کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے۔ حیض و نفاس سے طہارت کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ خوب اچھی طرح غسل کیا جائے۔ کیونکہ حضور نے فرمایا کہ ہر زال کے نیچے جنابت ہو جاتی۔ لہذا خوب مل کر بڑے اہتمام سے غسل کرنا چاہیئے۔ جب یہ چیز حاصل ہو جائے۔

امتوں کے مشترکہ اصول ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پاکیزگی کے اصول میں عقیدہ کی پاکیزگی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ مدثر میں آتا ہے وَالْشَّجْنَةُ فَأَهْجُجْ یعنی دس و بارغ سے کفر و شرک اور بدعت کی گنگلی کو نکال باہر کرو۔ جب تک عقیدہ پاک نہیں ہو گا، نماز اور روزہ، حج، زکوٰۃ کچھ کام نہ آئے گا۔ لہذا اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ ایک اور اہم طہارت مال کی طہارت ہے جس مال سے انسان خوراک کھاتا ہے لباس پہنتا ہے، مکان بناتا ہے۔ وہ مال بھی پاک ہونا چاہیے۔ چوری، خمارت، رشوت، اور بیک کمالی اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ اسی طرح جس مال سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی وہ مال بھی پاک نہیں ہے۔ ایسے مال سے اللہ تعالیٰ صدقہ قبول نہیں کرتا ایسے شخص کی عبادت مستبوں نہیں کرتا۔ ایسا شخص مرگ تو اپنے پیچھے جہنم کے راستہ کا توشہ چھوڑ گیا۔

عورت بمنزلہ
کھیتی

آگے ایک اور مسئلہ بیان فرمایا۔ عورت کو کھیت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد ہوا رَبَّنَا ذُكِّرْتُ وَكُنْتُ ابْنًا لکھو تمہاری عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتی کے ہیں فَأَنْتُمْ أَحَدٌ مِّنْكُمْ فی شہادتوں پس جاؤ اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو۔ اس مقام پر عورت کو کھیتی کہہ کر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی کہ مرد کا نطفہ بمنزلہ تخم کے ہے اور اندک و بمنزلہ پیدلار کے ہے۔ جن طرح زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے اور اس سے فصل پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد کا یہ قطرہ آب عورت کے رحم میں جا کر بچے کی پیدائش کا سبب بنتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اولاد بھی ہوگی جب نطفہ اصل مقام میں جائے گا۔ لہذا دوسرے مقام میں جا سترت کو حرم قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے تعلق سخت وعید آئی ہے۔ فرمایا مَنْ آتَىٰ امْرَأَتَهُ ذُبُّهَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا رَزَقَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی جس شخص نے عورت کے ساتھ بھونڈ کے راستے مباشرت کی، اس نے محمد کی شہرت کا انکار کر دیا۔ وہ باطنی اور مجرم ٹھہرے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ آتَىٰ تَشْتَتُو

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا
وَتُضِلُّوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۷۷﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ
اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ
فُؤُوبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۷۸﴾ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ
نِسَاءِهِمْ ثَلَاثُ أَشْهُارٍ طَهْرٌ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿۲۷۹﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں کو اپنی قسموں کا نشانہ بناؤ۔ مگر نہ نجی نہیں کرو
گئے۔ نہ ہیز کاری اختیار نہیں کرو گے اور یہ کہ تم لوگوں کے درمیان میں بے نیازی نہ
کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۷۷﴾ اور تمہارے تمہیں
تمہاری پیروی میں پیروی نہیں کچھ نہ لیکن ان قسموں پر پکڑا ہے۔ جن پر تمہارے
دل قصد کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے ﴿۲۷۸﴾ ان لوگوں کے لیے
جو اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتے ہیں، چار ماہ کی طہارت ہے۔ اگر
وہ اس دوران میں ٹوٹ آئیں، تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۲۷۹﴾
اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۸۰﴾

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشکہ جیس کی وضاحت فرمائی
کہ ایسی حالت میں عورت سے مباشرت حرام ہے۔ تاہم طہارت حاصل کر لینے
کے بعد عورتوں کے پاس جانے کی اجازت ہے۔ اس سے گذشتہ آیت میں منکر

مرد اور مشرک و عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی تھی۔ انھیں سے پہلے یتیموں کے مال سے متعلق مسائل تھے۔ اور انھیں ساتھ ملنے کی اجازت دی۔ اجماع فرمایا کہ ہر حال میں یتیموں کی اصلاح بیش نظر ہوئی چلیبیئے۔ محتاجوں کی اعانتہ کے متعلق بھی حکم آچکا ہے کہ اپنی جائز ضرورت سے زائد مال مستحقین کو خرچ کر دے۔ ضرورت سے زیادہ وہ رکھنا شرک و باعزت ہے۔ اس سے پہلے شراب اور جوئے کی حرمت کو بیان بھی نہیں ہے۔ کہ یہ سب ناپاک چیزیں ہیں۔ اور ہر نبی کی حیثیت میں۔

مرد و عورتوں کی عیبت میں شہرہ تین چیزوں کے جدا اللہ تعالیٰ سے رو بہ
 کی آیت میں لوگوں میں ان جہات میں ایک درجہ کی بات ذکر فرمایا ہے اور وہ ہے کسی کا کلمہ نہ کہنے
 پر اللہ کی قسم اللہ قسم کے متعلق احکام مختلفہ سورقوں میں بیان ہوئے ہیں۔ بخلاف ان
 کے یہ آیات اور ملائکہ مائتہ کی آیات میں قرآن و حدیث کے خلاف اور سے صحیح ہوا
 ہے۔ کہ قسم اٹھا کر کوئی بھی بات کہے۔ کہ کوئی سچا ہو اور قسم اٹھائے بغیر چارہ
 بھی نہ ہو۔ قرآن ہی سورۃ میں قسم اٹھانے کی اجازت ہے۔ اور اس میں شرط ہے کہ
 کہ قسم اٹھانے سے پہلے اگر کسی عیبت کے ساتھ اٹھائی جائے کسی انسان جس کا
 جو یا کسی اور چیز کی قسم نہیں ہے۔ کہ سنتے۔ کہ چونکہ میں قسم اٹھانے پر اللہ کا حکم
 سن کر میں نے بغیر اللہ کی قسم اٹھائی میں نے شراب کا اہلکاس کیا۔ اور اگر ایسی
 قسم اٹھانے والا شخص اس بغیر اللہ کی ایسی ہی تعلیم کرے اسے جیسی اللہ کی کرنی چاہیئے
 یا اس کی عیبت کر دے ایسی ہی بننا ہے۔ جیسی اللہ کی عیبت۔ کہ پھر میرے شخص نے
 حقیقتاً شرک کیا۔ اور مشرک یا کافر ہو گیا۔ اور اگر واقعی تعین علی اللہ را نہ ہو پھر بھی غیر شرک
 کی تعظیم میں بہرہ ہو۔ اس لئے سب نہیں کہ کسی مال میں لکھی بغیر اللہ کی قسم اٹھائی
 جائے اور سنا بھی قسم بھی نہیں لے نہ بہتر ہی ہے۔ کہ نہ الہامی قسم اٹھانے سے
 گریز کیا جائے۔ اہم شائع فرماتے ہیں کہ میں نے پوری زندگی یہ کبھی قسم نہیں اٹھائی
 سوائے سوائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جائز اور میری قسم اٹھانے کی اجازت
 ہے۔ مگر بشری باتوں میں قسم مت اٹھاؤ۔ وَرَبُّكُمْ اللَّهُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ

نماز و قسم
 کی باعزت

الذی قال کے پاک ناموں کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، ان امور میں ان قسمیں کو استعمال نہ کرو
 وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ میں کہ تم میری باتیں نہ کر کے، یہ بڑھاپا ہی اختیار نہیں کر سکتے
 یا لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرو گے۔ فرمایا یہ تو بہت بڑی حرکت ہے کہ ایک اچھا
 کام میں اللہ کی قسم کھاتے ہو کہ ہم یہ نیکی کا کام نہیں کھیں گے یہ تو بہت ہی بڑی بات ہے
 یا ملا کوئی اس بات کی قسم کھائے کہ میں اللہ میں سے کلام نہیں کروں گا۔ یا کسی محتاج کی حاجت نہیں
 کروں گا یا کوئی فرض اور نہیں کروں گا تو فرمایا ایسا نہ کرو۔ وَاللّٰهُ سَمِیعٌ اَشْرَقُ سَمْعُ
 سُنَّے والا ہے۔ لہذا کوئی ایسی بات نہ بانی بہتہ لاؤ جو قابلِ مواخذہ ہو۔ اور وہ جیسے
 بھی ہے۔ جو دلوں کے رزق کو بھی ہانتا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ
 تمام ہی مشیتوں سے بھی واقف ہے کہ کوئی کام تمہاری نیت سے کرے یا نہ کرے
 نیت سے۔ لہذا دنیا وال قابر میں رکھو۔ اور اس میں کوئی غرض نہ ہو۔
 زبان پر کنٹرول ہونا چاہیے۔ زبان سے کوئی بڑی بات نہ نکلے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
 سُنَّے والا اور جاننے والا ہے تم اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

قسم کی تین
 قسمیں

فہمائے کہ ہم فرماتے ہیں کہ قسم کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تین خوب ہے۔
 جو بغیر ارادے کے زبان سے نکل جاتی ہے۔ ایسی قسم پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ ہی
 کفار و ادا کو پڑتا ہے۔ اس پر نذر ہے۔ میں بھی کوئی نذر نہیں۔ نہ اگر وہ اس
 ارادے سے قسم کھائی جائے بِحَبِّ حَسْبِکَ تَعْلُو بَلَّو ایسی قسم پر ایضاً مواخذہ
 ہوگا۔

دوسری قسم تین قسمیں ہیں۔ جس کا معنی کسی نہ میں غور و ملاحظہ ہے۔ اگر کوئی
 شخص کسی گدہ پر واقعہ کے متعلق دیدہ و نہایت غلط قسم کھاتا ہے مثلاً کہ فلاں
 شخص میرے پاس آیا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ نہیں آیا تھا۔ تو یہ قسم غور سے کہلاتی
 ہے۔ اس میں اگرچہ کفارہ نہیں ہے۔ مگر قسم کھانے والا گنہگار ہوتا ہے۔ اور
 آخرت میں قابلِ مواخذہ ہے۔

قسم کی تیسری قسم تین صنفہ ہے جس کی کوئی شخص نے ملے زاد کے لینے

قسم اٹھائے کہ میں فلاں کام کروں گا یا فلاں کام نہیں کروں۔ اگر ایسی قسم جائز کام سے متعلق ہے اور اس نے قسم کو پورا بھی کر دیا، تو وہ بری ہو گیا۔ اگر اس نے قسم کو توڑ دیا ہے۔ تو کفارہ دینا پڑے گا۔ اور قسم کسی ناجائز کام سے متعلق اٹھائی ہے تو قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔

قسم کا کفارہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ جب میں کسی بات پر قسم کھا لیتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ دوسری بات زیادہ بہتر ہے۔ تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔ ایک موقع پر مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کیا، حضور! ہم ہر دوپہر جانا چاہتے ہیں، ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیں۔ آپ نے فرمایا **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اللہ کی قسم میں تم کو کسی سواری پر سوار نہیں کراؤں گا۔ صحابی خاموش ہو کر پٹے لگے۔ پھر ٹہری دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر اونٹ ان کے حوالے کر دیے۔ انہوں نے عرض کیا حضور آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سواری نہیں کریں گے۔ اور میں نے اپنے ساتھیوں سے بھی کہ دیا کہ آپ نے یہ قسم اٹھائی ہے۔ حضور! اگر اس میں اونٹ سے گیا تو سپنہ ساتھیوں میں جھگڑنا بتا ہوں گا۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جب میں کسی معاملے میں قسم اٹھاتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ دوسری بات بہتر ہے۔ تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔ کہ حضور نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک بات پر اصرار نہ کرے جب کہ دوسری بات بہتر ہو۔ اس کو چاہیے کہ ایسی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں ہے۔

قسم کا کفارہ سورۃ بقرہ میں مذکور ہے قسم توڑنے والا ایک غلام آزاد کرے۔ غلامی کا رواج ب ختم ہو چکا ہے۔ لہذا یہ کفارہ تو اب ادا نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ کہ دس سیکشن کو اتنا کچرا پھینکا جائے جیسے وہ نماز ادا کر سکیں۔ یا دس ساکین کو دو وقت اوسط درجے کا کھانا کھلایا جائے۔ نہ زیادہ اچھا ہو اور نہ بڑا ہوسادہ ترشت روٹی کھلا دینا کافی ہو گا۔ اگر اتنی استطاعت بھی نہ ہو، تو پھر تین دن سے ستم میری (فیاض)

کے سبب دوزخ سے نکلے۔ ان چاروں امور کو جسے قسم کا لیا اور ہوا ہے۔

الفرض: اَفْرِیْضًا یُّؤْتِیْهِ ذَا عِلْمٍ اَللّٰهُ یَنْقِیْ فِیْ اَیْمَانِکُمْ اَللّٰهُ تَعَالٰی تَعَالٰی
مومنوں پر نازل ہوا نہیں کرنا وہ کچھ نیکو چیز۔ ذَا عِلْمٍ اَللّٰهُ تَعَالٰی تَعَالٰی
بلکہ ان قسموں پر نواخذہ کرتا ہے جو تم دل کے ارادے سے اٹھاتے ہو۔ لہذا اگر قسم
سے تمہیں نہیں انصاف نہیں ہو کوئی ایسا کہہ سکا اسے ان احکام کی پابندی کرنا ہوگی۔
ہاں اگر کوئی شخص ایسی کرتا ہی کرے کہ بعد اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے
اور مذکورہ احکام کے تحت نفاذ کرے اور کہے کہ تُو وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِیْمٌ اللہ تعالیٰ
بخشنے والا اور برہنہ بار ہے مگر ایک بات یہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور
اس کی بردباری سے انسان کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ
سے ڈرنے رہنا چاہیے۔ کہ کہیں اس کی گرفت میں نہ آجائے۔

اس سے پیشتر جنس کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے کہ حیض کے دوران عورت کے
قریب جانا حرام ہے۔ اب اسی نوعیت کا ایک اور مسئلہ بیان ہو رہا ہے جسے ایلاہ
کہتے ہیں۔ ایلاہ کا معنی معنی قسم، اٹھانے اور مرد اس سے رہے کہ کوئی شخص
اس امر کو قسم نہ لے کہ وہ اپنی عورت سے قریب، میسر، جایگا۔ اس کی چار صورتیں
ہو سکتی ہیں۔

- (۱) مطلقاً قسم اٹھا کہ عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔
- (۲) چار ماہ کی مدت۔ مقرر کرے کہ اتنا عرصہ عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔
- (۳) چار ماہ سے زیادہ مثلاً پانچ، آٹھ، کے لیے قسم لے کہ عورت کے
قریب نہیں جاؤں گا۔
- (۴) چار ماہ سے کم مدت۔ ایک، دو، تین ماہ تک کے لیے قسم لے کہ عورت
کے قریب نہیں جاؤں گا۔

چوتھی صورت یعنی چار ماہ سے کم مدت کے ایلاہ کہ فریضہ ایلاہ نہیں کہا جاتا
اگر مقررہ مدت تک یہ شخص عورت کے قریب نہیں گیا تو قسم سے بری ہو جائے گا۔

اعد اگر اس دوران عورت سے متعارف نہ کر لی۔ تو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ باقی تین صورتیں ہیں حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کو قسم توڑ دینی چاہیے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ اور اگر چار ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ اور قسم کھانے والا شخص عورت سے پاس نہیں گیا۔ تو پھر ایلاہ توڑ ہو گیا۔ البتہ اس کے حکم میں نقصانے فہم کے مختلف اقسام ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے کرامہ کا قول ہے کہ ایسی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اب اگر مرد دوبارہ رجوع کرنا چاہے تو سب سے حق ہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ اگر رجوع کا کوئی ارادہ نہیں تو عورت آزاد ہے۔ عدت گزرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

البتہ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی، بلکہ حاکم وقت اس شخص کو عدالت میں طلب کر کے اسے مجبور کرے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا طلاق سب سے سب سے بروں صورتوں میں جو میں فیصلہ ہوگا۔ اس کے مطابق عمل ہوگا۔

اس مقام پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ شرعی ایلاہ اس صورت میں قائم ہوگا جب عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی گئی ہو۔ اگر قسم نہیں کھائی گئی ہے ہی کو دیا کہ بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ تو یہ ایلاہ شمار نہیں ہوگا۔ بعض مفسرین (جیسا خاصاً تفسیر القرآن کو مغالطہ برآ ہے اور اس نے غلط مسئلہ بحث ہے) کو مغالطہ سوا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بغیر قسم کے بھی ایلاہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ ایلاہ کے لیے قسم بحث ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بیٹے ہی ایک در سال کے لیے علیحدہ ہے تو ایلاہ قائم نہیں ہوگا۔ لغوی اعتبار سے بھی قسم ضروری ہے کیونکہ ایلاہ کا معنی ہی قسم ہے۔ البتہ قسم کے بغیر ایسی بات کر سنے سے انسان گنہگار ضرور ہو جاتا ہے۔ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے اس سے عذر نہ کرنا۔ اگر ناقص و رہے جو کہ ناروا ہے۔ جس طرح میاں بیوی کے درمیان حقوق ہیں۔ اسی طرح انسانی خواہش کی تکمیل بھی دونوں کا حق ہے۔ لہذا کسی

فرمان کر جس کے حق سے محروم کرنا سخن نہیں ہے۔ بلکہ بڑی بات ہے۔
 قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهُ مِنْ ذَنبِهِ زُكَّاهُ تَرْبِيَّتُهُ أَرْبَعَةٌ شَهْرٌ
 اُن لوگوں کے لیے چار ماہ کی تربیت ہے۔ جو اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی
 قسم کھاتے ہیں۔ فَإِنْ فَادَىٰ أَيْ اگر وہ اس دوران لڑ جائیں۔ فَإِنَّ لَهُ عَفْوَ
 رَحِيمًا تَوَالَّدَ تَعَالَىٰ مَسْنُونِ وَاللَّهِ مَا هُوَ غَلِيٌّ كَرِيمًا مَعَانِ مَوَاسِي
 وَنُزُولُ الطَّلَاقِ اور اگر انہوں نے طلاق یا تفریق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔
 فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ تَوَالَّدَ تَعَالَىٰ مَسْنُونِ وَاللَّهِ مَا هُوَ غَلِيٌّ كَرِيمًا مَعَانِ مَوَاسِي
 انکی ہر ظاہر بات کو سنتا ہے۔ نیز ان کی نیت و ارادے تک کو جانتا ہے۔

سَيَقُولُ ۲

الْمَقَرَّةُ ۳

درس نور و حق ۹۵

ب ۳۸

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ
لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي رَحِمِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكِ إِنْ رَدُّ
إِصْلَاحًا وَلَكِنَّ مِثْلَ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِأَسْمَعُ وَهَبْ
وَلَيْسَ جَائِزٌ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

۳۸

ترجمہ: اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں، اور ان کے سبب
حلال نہیں ہے۔ نہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے۔ اگر
وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور ان کے خاوند زیادہ حق سمجھتے ہیں۔ انہیں
اس مدت میں لوٹنے کا۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں۔ اور ان عورتوں کے لیے بھی
ایسی طرح حق ہے جس طرح عورتوں پر مردوں کا حق ہے۔ دستور کے مطابق۔ اور
مردان کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ عزیز ہے اور حکمت والا ﴿۳۸﴾

گذشتہ درس میں قسم کے متعلق بیان تھا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایلاد کا مسلم بیان کیا اور
سے مراد عورت سے عدم مقدار بہت کی قسم کھانا ہے۔ اور اس کی مدت زیادہ سے زیادہ
چار ماہ تک بھی ہو سکتی ہے۔ اگر خاوند اس دوران رجوع کرے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اور
اگر چار ماہ کی مدت پوری ہو گئی۔ تو عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائیگی۔ تاہم بعض فقہانے
گرام فرماتے ہیں کہ طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی بلکہ ایسا کرنے والے کو عدالت میں
طلب کر کے رجوع یا طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔

نکاح اور طلاق کے مسائل اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں بیان
فرمائے ہیں، خصوصاً سورۃ نساء، طلاق اور اس سورۃ بقرۃ میں یہ مسائل آئے ہیں

نکاح و طلاق

نکاح میان بیوی کے درمیان ایک دائمی اور اجتماعی معاہدہ ہے۔ جسے مرتے دم تک نبھانے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جب تک نکاح کا معاہدہ طے نہیں پاتا، اس معاہدہ کے فریقین یعنی مرد و عورت کے اخلاق کی چھان بین کی جاتی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو کس حد تک قابل قبول قرار دے سکیں۔ پھر جب نکاح طے پا جاتا ہے تو زوجین پر معاہدہ نکاح کی قانونی پابندی عاید ہو جاتی ہے۔ جسے پورا کرنے کے وہ پابند ہوتے ہیں۔ شریعت نے مرد اور عورت کے دونوں کو اپنے اپنے دائرہ کار میں کچھ حقوق دیے ہیں اور کچھ فرائض سونپے ہیں۔ اگر فریقین ان کی پابندی کرتے ہیں تو ان کی زندگی زواجی زندگی نہایت پرسکون گزرتی ہے۔ تاہم بعض اوقات اس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں جن میں اس معاہدہ کے فریقین کا نباہ ممکن نہیں رہتا، تو ایسی صورت میں شریعت نے ان میں تفریق کا قانون بھی نافذ کر دیا ہے تاکہ وہ ساری عمر کٹھن زندگی گزارنے کی بجائے اپنے لیے کون دوسرا بہتر ذریعہ تلاش کر سکیں۔

اس مسئلہ میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے معاشرہ میں طرح طرح کی تباہییں پیدا ہو رہی ہیں مثلاً بائبل کے باب استثناء میں مذکور ہے کہ اگر خاوند زانیہ یا کسی اور کسی وجہ سے ناراض ہو جائے تو ذرا غلط نامہ عورت نے لاشہ میں دے کر گھر سے نکال دے، اس مسئلہ میں صفائی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اُدھر مطلقہ کو حق حاصل ہے کہ طلاق کے فوراً بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ یہ تو یہودی مذہب ہے اب عیسائیوں کو یہ بھی ان میں طلاق کا تصور ہی نہیں ہے۔ جب ایک دفعہ نکاح ہو گیا تو ساری عمر کے لیے یہ بیوی ایک دوسرے کے پابند ہو گئے۔ اب ان کو موت ہی علیحدہ کر سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ نکاح کہ جس کی جڑ سے ایک سا نوازا اور ان میں ناچاقی پیدا ہوتی تو ساری عمر عذاب میں بسر کرنا پڑتی۔ البتہ عیسائیوں کا دوسرا فرقہ جو صدر میں قائم ہے اس نے عدالت کے ذریعے طلاق کو قانونی شکل دے دی ہے۔ اس پر صرف یہ کہ ہے کہ عدالت مجاز فریقین کو طلب کرے گی۔ اور اس بات کی تحقیق کرے گی کہ

دوسرے مذہب سے تقابل

فریقین میں سے کسی نے دوسرے پر ظلم کیا ہے۔ یا کسی ایک نے زنا کا ارتکاب کیا ہے
اگر کوئی ایسا جرم ثابت ہو جائے۔ تو عدالت اُن کے درمیان تفریق ڈال دے گی۔ اور
اس طرح طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح ہندو مت میں بھی طلاق کا کوئی تصور نہیں
مرتے۔ ہم تک میاں بیوی میں علیحدگی نہیں ہو سکتی۔ درہمیل اور تیرناغری میں بھی طلاق نامی کوئی
چیز نہیں پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے ان مذہب میں معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

اسلام نے افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح اس لیے نہیں کیا جاتا کہ زوجین میں تفریق ڈال دی
جائے۔ اس معاملہ (AGREEMENT) کو نبی ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود
اگر میاں بیوی کے لیے اچھے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو، تو پھر اسلام نے طلاق کے ذریعے
ان کی علیحدگی کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ اگرچہ طلاق پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اور حضور علیہ
السلام کا ارشاد ہے۔ اَبْتَعَضُ الْمُبَاحَاتِ اِلَى الذَّخِ الطَّلَاقِ یعنی مباح اشیا میں
سے سب سے ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ تاہم ضرورت کے تحت اس
کی اجازت ہے۔ طلاق کی صورت میں اسلام نے ایک اور ضروری قانون عدالت کا
دیا ہے۔ جو دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد
عدالت ایک خاص مدت تک دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ اس کا مقصد تحفظِ نسب ہے
تاکہ یہاں ہونے والی اولاد کا نسب مشکوک نہ ہو جائے۔ طلاق کے بعد اگر عدالت فوراً دوسرا
نکاح کرے۔ تو بچے کے نسب پر شبہ ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے خاوند کسے یا دوسرا
اور اس طرح کئی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے اسلام نے عدالت کے دو نکاحوں
کے درمیان مختلف صورتوں میں مختلف مدتیں مقرر کر دی ہیں۔ تاکہ اس بات کی ضمانت
ہو جائے کہ آئندہ پیدا ہونے والا بچہ کس باپ کا ہے۔ نیز پہلے نکاح کے احترام
کا تقاضا بھی ہے۔ کہ دوسرا نکاح سے پہلے کچھ وقفہ ہونا چاہیے۔

عدت اُس کم از کم مدت کا نام ہے۔ جو طلاق کی تاریخ یا شوہر کی خواتین کی تاریخ
سے دوسرا نکاح ثانی تک کے لیے مقرر ہے۔ اس عرصہ میں عدت دوسرا نکاح نہیں

اسلام میں
نظرہ طلاق

کر سکتی۔ عادت مختلف عورتوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً فرتیدگی کی صورت میں عادت تین یا چار دن سے چار دن سے پہلے۔ نئے عرصہ میں یہ چل جاتا ہے۔ کہ عورت حاملہ تو نہیں ہے۔ اگر حاملہ نہیں ہے۔ تو چار ماہ دس دن کی عادت گزار کر عورت نکل کر سکتی ہے۔ در اگر حاملہ ہے تو اس کی عادت وضع چل رہی ہے۔ جس دن پیکر بنے گی اس کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ بیوگی سے لے کر وضع چل تک کی عادت کا کوئی تعین نہیں ہے۔ یہ عرصہ خواہ ایک دن یا بیویا پوسے نو ماہ کا۔ حاملہ کی عادت وضع چل رہی ہے۔ لہذا کچھ عرصہ ہی پیدا ہو اور عادت نکاح کر سکتی ہے۔ جتنے اور عرصے سفر میں ایک صحابی وطنی سے گزر کر فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی حاملہ تھی۔ تھیک بائیس دن بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ تو حضور علیہ السلام سے فرمایا، اس کی عادت ختم ہو گئی ہے۔ یہ جب چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

اگر عورت عاقبت، بیخ اور آزاد ہے، اور ٹے حیض آتے ہیں۔ کسی وجہ سے طلاق ہو گئی ہے۔ تو اس کی عادت تین حیض ہوگی۔ یہ تین حیض خواہ دو ماہ میں آجائیں یا ۹۰ میں، اُسے ہر حال تین حیض تک انتظار کرنا ہوگا۔ عام طور پر حیض ماہ بمابہ آنے ہیں۔ اس لیے ایسی عورت کے حیض گھر دہیش تین ماہ میں پوسے ہو جاتے ہیں۔ جس کے بعد اسے نکاح کی جائزت ہوتی ہے۔

پاکستان میں نافذ عائلی قوانین میں ایسی عورت کی عادت نوٹے دن مقرر کی گئی ہے۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ حیض وانی عورت کو تین حیض کی عادت پوری کرنا ہوگی۔ خواہ سن میں کتنا عرصہ لگے۔ البتہ ایسی عورت جو ابھی باخ نہیں ہوئی یا جو کبیرتی میں پہنچ چکی ہے اور اس کے حیض بند ہو چکے ہیں۔ ایسی عورتوں کی عادت تین ماہ یا ۹۰ دن درست ہے۔ اس کی تفصیلات سورۃ احزاب میں موجود ہیں۔ ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ کہ نکاح ہو گیا مگر میان بیوی کی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، نہیں مباشرت کا موقع نہیں ملا۔ ایسی صورت میں اگر طلاق واقع ہو جائے، تو منہ بایہ

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَةٍ تَعْتَذِرُ بِهَا اَیْسِ عَوْرَتُوْنَ كَیْ لَا تَكُوْنُ عِدَّتُ

نہیں۔ وہ جب چاہیں دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔ اس معاملہ میں بھی قرینہ درست نہیں
 کیونکہ دہاں سب کے لیے نوسے دن کی عدت مقرر ہے حالانکہ یہاں کوئی عدت نہیں ہے
 ایسا ہی عدت کا ایک مسئلہ ہمارے نوٹس میں آیا تھا۔ گھوٹہ کے سہنے نے ایک
 شخص نے بتایا کہ کسی عورت کو طلاق ہو گئی۔ اس کو حیض دیر سے آتا ہے۔ اور
 نوسے دن میں اس کے تین حیض ممکن نہیں ہوئے مگر یونین کونسل والوں نے نوسے
 دن کے بعد اس کا نکاح کر دیا۔ حالانکہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ عدت کے
 دوران نکاح ہو نہیں سکتا۔ تو اس قسم کی خرابیاں ہیں۔ جو عائلی قرینہ میں خامی کی وجہ سے
 پیدا ہوتی ہیں۔ اس قسم کے نکاح قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ اور اس کے ذمہ دار
 وہ لوگ ہیں جو ایسا حکم دیتے ہیں۔

الغرض فرمایا وَأَمَّا طَلَّقَتْ يَتَرْتَضِينَ بِأَفْضَلِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ حیض یا طہر
 مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔ قُرُونِ کی جمع ہے
 اور اس لفظ کے معانی میں فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل لغت بھی
 اس کے مختلف معانی بتاتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ دو معانی میں مشترک ہے یعنی اس کا
 معنی حیض بھی آتا ہے اور طہر بھی۔ طہر اس وقفہ یا مدت کو کہتے ہیں۔ جو دو حیضوں کے
 درمیان ہوتا ہے۔ اہم ابو حنیفہ قَرَرُ کا معنی حیض بتاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے نزدیک
 بالغ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے۔ وہ ابو ذر و شریف کی حدیث سے استدلال
 کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور علیہ السلام سے استخاضہ کے متعلق مسئلہ پوچھا۔ تو
 آپ نے فرمایا تَدْعُ الصَّلَاةَ أَيَّامُ أَقْرَبَ إِلَيْهَا یعنی حیض کے دنوں میں نماز پڑھے
 البتہ جب حیض کے عام ایام گزر جائیں تو پھر غسل کر کے نماز ادا کرے کیونکہ اس پر
 حیض نہیں رہا بلکہ استخاضہ کا خون شمار ہوگا۔ مقصد یہ کہ اس حدیث سے قرء کا
 معنی حیض نکلتا ہے۔ البتہ اہم شافعی قرء سے مراد طہر دیتے ہیں۔ ان کا مسلک
 یہ ہے کہ خلاق کے بعد عورت تین طہر گزرنے تک دوسرا نکاح نہ کرے۔
 اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں عورتوں کو متنبہ فرمایا ہے وَلَا يَحِلُّ لَهَا

اَنْ يَكْتَسِبَ مَا حَقَّ لِلَّهِ فِي تَزْوِجِهَا مِنْ كَرَانِ كَيْلَ بِرِ حَلَالٍ نَحْنُ سَهْلٌ كَرِهِي بِهَا
 اِسْ جِزْ كَرِهِي الشَّرْعُ نَحْنُ كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا
 اِذَا عَمِلَتْ حَلَّ سَهْلٌ سَهْلٌ وَنَحْنُ حَلَّ سَهْلٌ سَهْلٌ وَنَحْنُ حَلَّ سَهْلٌ سَهْلٌ
 لِيْلَ حَلَّ كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا
 كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا
 رَنَ بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا كَرِهِي بِهَا
 مَطْلُوقٌ صَافٍ صَافٍ مَطْلُوقٌ صَافٍ مَطْلُوقٌ صَافٍ مَطْلُوقٌ صَافٍ
 آگے رجوع عن طلاق کا مسئلہ بیان فرمایا، کہ اگر طلاق سنت طریقت کے مطابق

طلاق رجعی

دی گئی ہو۔ تو پہلی یا دوسری طلاق کے بعد خاندان کو حق حاصل ہے کہ وہ رجوع کر لے۔
 وَبَعَثْنَا مِنْهُنَّ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا فِیْ اٰیٰتِنَا حٰجًا اِذَا كُنَّ اٰیٰتِنَا
 کی ہے تو مطلقہ عورتوں کے خاندانوں کو زیادہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ ان عورتوں کو واپس
 لواتیں جس سے طلاق رجعی کہتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق صریح الفاظ
 میں دی ہے۔ اور عادت شروع ہو گئی ہے۔ تو اس خاندان کو حق حاصل ہے۔ کہ
 عدت پر ردی ہوئے سے پہلے بغیر دوبارہ نکاح کے عورت کی طرف رجوع کر لے
 اس امر کا اظہار ربانی طور پر کہنے یا میلے ہی مباشرت کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔
 کہ اُس نے رجوع کر لیا۔ اسی طرح دوسری طلاق دینے کے بعد بھی بغیر نکاح کے رجوع
 ہو سکتا ہے بشرطیکہ عدت کے اندر ہو۔ اور اگر عدت گزر گئی، تو عورت اُناد ہو جائیگی۔
 اب بغیر نکاح کے رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ رجعی طلاق کا مسئلہ ہے جو محض ڈالنے
 و ہلکانے کے لیے دی جائے۔

اگر طلاق بائن ہو، خواہ ایک ہو یا دو ہوں تو ایسی صورت میں بغیر نکاح کے رجوع
 ممکن نہیں۔ رجوع کے لیے بہر صورت دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ طلاق بائن کا مطلب
 یہ ہے۔ کہ نیت جدا کرنے کی ہو۔ اخاذ صریح نہ ہوں محض اشارے کنائے سے
 کہ دیا جائے۔ کہ تو مجھ پر حرام ہے یا اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤ وغیرہ۔

اور اگر تینوں حلاق تیس جے دی ہیں تو پھر کسی صورت رجوع نہیں ہو سکتا۔ خود ست
عدت پر رہی کر نے کے بعد نکاح ٹانی کھنے کی بجائے ہوگی۔ تو فرمایا کہ رجعی حلاق میں نادر و نول
کا زیادہ حق ہے۔ کہ وہ رجوع کر لیں بشرطیکہ ان کا ارادہ اصلاح کا ہو، محض تنگ کمر تا
مقتضو نہ ہو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا۔ کہ عورت کو تنگ کمر کی غرض سے
کبھی حلاق نے دم کی کبھی رجوع کر دیا۔ تاکہ وہ دوسری جگہ بھی نہ جاسکے یہ بات جائز نہیں ہے۔
آگے اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَلَکُم مِّمَّا کَسَبْتُمْ مِثْلٌ
الَّذِیْ عَلَیْہِمْ بِالْمَعْرُوفِ ع۔ دستور کے مطابق عورتوں کا مردوں پر اسی طرح حق
ہے جس طرح مردوں کا عورتوں پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ عین کے پہننے پٹے دائرہ کا
میں کچھ حقوق ہیں۔ لہذا ان کی پاسداری ہونی چاہیے۔ یہاں نہیں ہونا چاہیے کہ مرد تو اپنے
حقوق زبردستی عورت سے وصول کرے۔ بلکہ عورت کو اس کا حق نہ دے۔ مثلاً
اللہ تعالیٰ نے عورت کا ورثہ میں حق رکھا ہے۔ لہذا مرد پر لازم ہے کہ اسے
یہ حق ادا کیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عورت کو ورثہ میں حصہ دار نہیں سمجھا جاتا تھا۔
یہ پیادہی عام معاشرتی حقوق سے بھی غرو رفتی۔ جو کہ نہ سہیذا دتی ہے۔ روحی اور لونی بھی
عورت کو ذلیل سمجھتے تھے اور اس کا حق تسلیم نہیں کرتے تھے۔ عیسائی بھی سی قسم کے
تہذیب کا شکار ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سے مرد و! جس طرح تمہارے
کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ انہیں ان سے محروم نہ کرو یہ تو
اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ کہ اس نے کس ذرہ کو کس مقام پر رکھا ہے۔ خَلَقَ
وَمِنْہُمْ اُنْثٰی دَبَّحَ مِنْہُمْ رِجَالًا کَکَثِیْرٍ وَّکَثِیْرًا لِّیْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی
نے ایک فرد سے سب کو پیدا کیا۔ پھر اسی میں سے اس کا جڑ پیادہ کیا اور پھر بیٹہ
مرد و زن بچھیر دیے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ کسی کو مرد بنادیا۔ دوسری کو عورت بنادیا۔
اب تمہارا فرض یہ ہے۔ کہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو۔ دوسرے کو حقیر نہ
سمجھو۔ اور دستور کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ
کا ارشاد یہ ہے۔ کہ پہننے پٹے دائرہ عمل میں حقوق و فرائض کو بجالاؤ۔ اور کسی دوسرے

کا حق یہ ہے کہ مرد و جنور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تم پر یہ حق ہے۔ کہ بیوی کے سینے
 بھی ویسی ہی خوداک کا بندوبست کرو۔ جیسا کہ اپنے لیے کرتے ہو۔ جس معیار کا لباس
 پہنہ کرتے ہو، عورت کو بھی مہیا کرو۔ اس کو بھی معقول ٹھکانہ بنا کر دو۔ اس کا حق ہر لڑکا
 کرو اور اسے آزادی دو کہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے اس رقم کو خرچ کر سکے۔ یہ اس
 کے حقوق ہیں۔ اسے بلاوجہ مار پیٹنا بھی جائز نہیں۔ ماں اگر کسی جائز ضرورت کی بنا پر
 تنبیہ مقصود ہو تو اتنی خفیت، عنایت، لگاؤ کہ ٹہری پہلی نہ لڑے۔ اس کی اجازت ہے
 قَاضٍ بُوْهُنَّ۔ تا جائز مار پیٹ درست نہیں۔ اس سے قطعاً قطعی بھی نہیں کرنی چاہیے
 عورت پر بھی حق ہے کہ وہ غاوند کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔ سینا وغیرہ کے
 لیے جانا تو ایسے ہی حرام ہے۔ جائز احمد کے لیے بھی اجازت یعنی چاہیے۔ اس کی
 تفصیلات آگے سورۃ نسا میں آئیں گی۔

مرد کی فضیلت فرمایا ان حقوق کے باوجود وَلِلرَّجَالِ عَلَیْہِمْ ذَرَجَاتٌ مِّمَّا کَسَبُوا پر برتری
 حاصل ہے۔ ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے۔ اسی موضوع کو سورۃ نسا میں یوں بیان
 کیا ہے اَلرَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ مرد عورتوں پر نگہبان ہیں یا ان کے محافظ
 ہیں ان سے برتری اور یہ ایک فطری امر ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ نور پھر مردوں
 کی برتری کی دلیل بھی بیان فرمائی۔ وَبِمَا آفَقُوا مِنْ اٰمُوٰلِہُمْ کہ مرد بھی کوئی
 عورتوں پر غریب کر سکتے ہیں۔ ان کے کفیل ہیں۔ اللہ نے انہیں برتری دی ہے۔ اور
 مشقت کے کام مرد کے سپرد کیے ہیں۔ گمانا اس کے ذمہ ہے عورت کا کام مگر
 اس کی ذمہ داریاں پوری کرتا نہیں۔ انہیں کم مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ لہذا مرد
 کو برتری حاصل ہے اس کی مثال موجودہ دور میں بھی ملتی ہے کہ دنیا کی ڈیڑھ سو سے
 زیادہ اقوام میں سے صرف امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین کو دیکھنا اور حاصل ہے
 ان میں سے کوئی ایک ملک باقی پورے دنیا کے منفقہ فیصلے کو بردہ کر سکتا ہے۔ کہ اس
 کو یہ طاقت حاصل ہے۔ اسی طرح گھر کی چار دیواری میں مرد کو دیکھنا اور حاصل ہے۔ یہ
 پادری عورت کو یا بچوں کو حاصل نہیں ایک باپ اپنے سارے بیٹوں کے منفقہ مطالبہ

کو رد کر رکھتا ہے۔

طلاق کا حق
مرد کا ہے

اسی طرح طلاق کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے۔ عورت اس سے محروم ہے اس میں بھی خصیلت ہے یہ عَقْدَةُ الْاِنْكَاحِ نکاح کی گروہ جو نہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے اس گروہ کو کھولنے کا اختیار بھی مرد کو حاصل ہے۔ مگر قدرت کے اس قانون کے خلاف جب یہ طائرہ نس عورت کو طلاق کا حق مل گیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب وطنِ سپاس فیصد سے زیادہ طلاقیں جو بنے لگیں ہیں۔ ہر عورت معمولی کر سکتی ہے کہ اُسے طلاق ملنی چاہیے، محض اس لیے کہ اس کا خاوند جو کہ جسے اس نے لیتا ہے۔ اور اس کی نیند خراب ہوتی ہے۔ دوسری کہتی ہے کہ میرا خاوند میرے کو تو یا میرے گھٹے سے محبت نہیں کرتا۔ میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ ایسی ایسی معمولی باتوں پر طلاق روزِ مرد کو کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف اپنا قانون جاری کیا ہے یہ اس مساوات کا نتیجہ ہے۔ جو عورت کو مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک کہتا ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اس مساوات کی بنا پر دفتروں میں، فوج میں ہر جگہ عورتیں ملازمت کر رہی ہیں، حالانکہ فوجی خدمات عورت کے فرائض سے بالکل باہر ہیں۔ اسی غلطی کی وجہ سے طرح طرح کی معاشرتی برائیاں پیدا ہو رہی ہیں، اکثر ادا سے بدکاری کے اوٹے بنے ہوئے ہیں۔ کوئی صحیح نسل قائم نہیں رہ سکی۔ گزشتہ صدی میں ایک انگریز مصنف ڈاکٹر لکھتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس لاکھ لڑکی آبادی میں سے پینتالیس آدمی بھی ایسے نہیں نکالے جاسکتے جن کو یقین کے ساتھ لفظ حلال تسلیم کیا جائے یہ اس کی پینے قانون کے متعلق ہے۔ کہ اتنا گندہ قانون وضع کیا گیا ہے جب شاپنگ کے لیے عورتوں کو آزادی ہوگی اور غیر مردوں کے ساتھ میل جول کریں گی۔ ائمہ پوٹس بن کر ساری دنیا کا سفر بغیر محرم کے کرینگے، دفاتروں میں مردوں کے ماتحت کام کریں گی، تو پھر اچھے نسل کی توقع — کیسے کی جاسکتی ہے جہاں ایک فوجی خدمات کا متعلق ہے صرف غیر معمولی (AL NORMAL) حالات میں

عورت کو حصہ سہلتے کی اجازت ہے، اگر نہ عام حالات (NORMAL) میں عورت کو مردوں کے دوش پر دوش کاہم کرنے کی قطعاً اجازت نہیں، کیونکہ مرد کا دائرہ ۵۰ اور ہے عورت کا ۴۰ ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے عورت پر عہد فرض نہیں کیا۔ اس کی نماز گھر میں بہتر ہے۔ تاہم وہ غارند کی اجازت سے نماز کے لیے مسجد میں جا سکتی ہے بہر حال فرمایا کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ کی فضیلت ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ نساء میں آئی۔ **وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ**۔ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے، کس اور حکیم ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔ لہذا اس کے احکام پر عمل درآمد کرنا چاہیئے۔

بَيِّنَات ۲

۱۔ من قولہ یحییٰ بن زید

اَبْقَا ۳

آیت ۲۲۹

طَّلَاقٍ مَّتْرَيْنِ مَقَامَتَيْنِ بِمَعْرُوفٍ وَلَسِيخٍ بِإِحْسَانٍ -
 وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا
 مِنْ خَوْفٍ أَلَّا يَفْنِيَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا
 حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيهَا افْتَدَتْ بِهَا تِسْكَ
 حُدُودِ اللَّهِ فَلَا تَنْتَهُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
 فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ: طلاق رجعی دو مرتبہ ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو روک رکھنا ہے اس کو دستور
 کے مطابق یا اس کو آزاد کر دینا ہے نیکی کے ساتھ۔ اور تمنا سے لینے حلال نہیں ہے
 کہ تم ان عورتوں سے اس چیز میں سے کچھ لے لو جو تم نے ان کو دی ہے۔ مولیٰ
 اس صورت کے کہ وہ دونوں (میاں بیوی) اس بات سے خوف کھاتے ہوں کہ وہ
 اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمہیں خطرہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی
 حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ تو ان دونوں پر کوئی غناہ نہیں اس چیز میں کہ وہ عورت
 اپنی جان چھڑائی کا ذریعہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ پس ان سے آگے نہ
 بڑھو۔ اور جو شخص بھی اللہ کی حدود سے آگے بڑھ گیا۔ پس وہی لوگ ظالم ہیں ﴿۲۲۹﴾

گہرے آیت کریمہ میں حدت کا منکر بیان ہوتا تھا جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ
 طلاق اور دوسرے نکاح کے درمیان عورت وقف کرے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ امید
 سے ہے یا نہیں۔ پھر اگر امید سے ہے تو وضع حمل تک نکاح ثانی نہ کرے
 اور امید سے نہیں تو تین مہینے تک اپنے آپ کو روکے رکھے۔ کم سن اور عمر عورتوں
 کی حدت تین مہینہ عذر کی گئی ہے۔ اور عیوب کے لیے چار ماہ و س دن عذر ہے

یہ بھی گزشتہ درس میں بیان کر چکا ہے کہ مرد کو عورت پر ایسا درجہ فضیلت حاصل ہے وہ ان کے شران اور کھیل ہیں۔ باقی حقوق میں مساوات ہے۔ کچھ حقوق مرد کے ہیں اور کچھ عورت کے اپنے اپنے دائرہ کار میں ذہنی حقوق و فرائض کے زمرہ میں۔

آج کے درس میں طلاق کی تعداد اور ان سے متعلق احکام کا ذکر ہے۔ نکل نکاح سنت نبی

یا تھا۔ کہ نکاح مرد و عورت کے درمیان ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کی پابندی فریقین کے لیے ضروری ہے۔ تاہم عام معاہدات اور نکاح کے معاہدہ میں قدسے فرق ہے کسی دو پارٹیوں کے درمیان بن دین کے سلسلہ میں۔ گارڈین میں یا شراکت کے متعلق معاہدہ ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ محض معاملہ کی حد تک ہوتا ہے۔ مگر نکاح کے معاہدہ میں معاہدہ کے علاوہ عبادت اور سنت کا بھی پایا جاتا ہے۔ آپ شراکت کے موقع پر خطبہ سنتے ہیں اَللّٰھُمَّ عَلِّمْنِیْ رَغِیْبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَیَسِّرْ لِّیْ یعنی نکاح کہنا میری سنت ہے جو اس سے بغیر افسوس اور مجھ سے نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلِّمْنِیْ رَغِیْبَ نکاح سائے نبیوں کی سنت ہے۔ قرآن پاک میں بھی انبیاء علیہم السلام کی حیثیت کے متعلق آتا ہے۔ کہ سب نبیوں کی پیروی اور سچے سچے اُن میں سے یا کوئی نہیں جو کچھ بتیاد ہو۔ اور معاملہ ذکر آتا ہے اس کو نکاح وغیرہ سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ہر وقت عبارت میں مصروف رہتے تھے اُن کو نکاح کا موقعہ نہیں مل سکا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا ابنتہ جب وہ قریب قیامت میں دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو پھر نکاح بھی کریں گے۔ ان کی اولاد بھی ہوگی۔ اس کے بعد ان کی طبعی وفات بھی ہوگی وہ وہ دفع ہو جائیں گے۔ ہر حال نکاح تمام انبیاء کی سنت ہے۔

نکاح اگرچہ ایک اجتماعی معاہدہ ہے۔ مگر اس کی بھی کچھ حدود و قیود ہیں۔ شریعت مطہرہ نے کوئی سے مرد و زن کے درمیان نکاح کو جائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ

بعض صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ آگے سورۃ نسا میں آئے گا، اِنْ حَضَرَ حَتَّ عَلَیْكَ كُفْرُ
 اَمَّتْ بِكَ فَارْتَمِئْ بِهَا فَاَنْتَ بِهَا حُرٌّ وَبِئْسَ لِلظَّالِمِینَ بَلَدًا، یعنی بھائیوں اور بھانجیوں
 اور خوش دامن وغیرہ حرام کر دی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک
 منکوحہ عورت کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پہلے نکاح کی حلاق نہ ہو۔
 اس کے علاوہ رضاعی ماں سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ سب محرمات ہیں۔ فسرا یا
 "وَاُولٰٓئِكَ حُرٌّ مُّبْدًى" آئے۔ ان کے علاوہ باقی عورتوں سے نکاح
 جائز ہے۔ وہ تہائے لیے حلال ہیں۔

نکاح کے لیے گواہان بھی لازمی ہیں۔ کسی دیگر معاملہ میں گواہ کے بغیر بھی معاملہ ہو
 سکتا ہے۔ مگر نکاح کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ گواہوں کے بغیر یا یہ تکمیل کو نہیں
 پہنچتا۔ پھر نکاح کے لیے حق مقرر ہوا بھی اس کی شرائط میں سے ہے۔ مگر دنیا پر
 گواہ مال خرچ کرنا ہو گا۔ اس کے بغیر نکاح درست نہیں۔

نکاح کے معاملہ میں بعض حقوق کا تعین بھی ہے عورت اپنے حقوق طلب
 کر سکتی ہے، کھانا، کپڑا، رہائش عورت کے حقوق ہیں۔ جو مرد کے ذمے ہیں۔ البتہ
 عورت کو یہ ہے کہ وہ خاوند کی حیثیت کے مطابق ان چیزوں کا مطالبہ کرے۔ اسکی
 حیثیت سے زیادہ طلب کہ سکے اُسے شکل میں نہ ڈالے۔ پھر یہ بھی نکاح کی شرط
 ہے کہ اگر کسی دوسرے میاں بیوی کا گزارہ نہ ہو سکے، تو خاص شرائط کے تحت اس
 معاملہ کو ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔ طلاق اور مطلق کا قانون بھی شریعت میں موجود ہے
 زوجین کے درمیان تنازعہ کی صورت میں پہلے خول سے حل کرنے کی کوشش کرو
 اگر ایسا نہیں ہو سکے۔ تو مرد و عورت کے خاوندوں میں سے ایک ایک نمائندہ لے
 لو، جو حل کر صلح و صفائی کی کوشش کریں۔ اگر پھر بھی مصالحت نہ ہو سکے۔ تو پھر
 عروقت طریقے سے میاں بیوی میں جدائی کرادو کہ اب اس کے بغیر کوئی اور چارہ کار
 نہیں رہا۔ لہذا دونوں کی بھلائی اس میں ہے کہ ان میں تفریق ڈال دی جائے۔ یہ
 سب نکاح کے اصول و قواعد ہیں۔

عین کے رجوع ہو سکتا ہے۔ اور اگر شائے گناہ سے طلاق ہی ہے۔ اور نیت قطعی
 علیحدگی کی ہے تو یہ طلاق بائن ہو جائے گی۔ اس میں رجوع کے لیے دوبارہ منع کرنا
 ہوگا۔ غرض ایک طلاق کے بعد رجوع مفت و سہلے یا دوسری طلاق کے بعد۔ تیسری
 طلاق کا ذکر تو آگے آئے گا۔ یہاں فرمایا کہ رجوع کے لیے زیادہ سے زیادہ درملاقاتیں ہیں۔

یعنی
 طلاق کا

فرمایا دوسری طلاق کے بعد **فَاِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَاتَّخَذَ لَهَا وَلًا** یا تو دستور کے
 مطابق رک کر۔ اور اس سے اچھا سلوک کرو۔ — اس کا خرچہ

ادا کرو۔ بشرطیکہ ارادہ اصلاح کا ہو۔ تنگ کرنے کا نہ ہو۔ یہاں یہ کہ نہ تو عورت
 کا حق ادا کیا جاوے اور نہ اس کو آزاد کیا جائے۔ بلکہ دستور کے مطابق اس سے
 اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ شریعت مطہرہ نے عورت کے جو حقوق مقرر کیے ہیں،
 انہیں ادا کرو۔ اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر اچھے چارے **يَا حَسَنُ اسْتَيْسَرَ** کے ساتھ
 جبراً کر دو۔ مثلاً جھگڑے میں نہ پھرتے بلکہ میں دین کا جو معاملہ ہے اسے حسن طریقے سے
 پٹا کر مسئلہ کو نہت کر دو۔ ہاں یاد رکھو **وَلَا يَجْزِيكَ لَعْنَتُهُ** اور تمہارے لیے یہ
 چیز حلال نہیں ہے **اَنْ تَتَّخِذُوا مِنْهَا شَيْئًا كَذَبْتُمْ**
 دستور قبول سے کہہ کی چیز واپس لے لو جو تم نے انہیں سے رکھی ہے۔ مثلاً اگر تم ادا
 کر دیا تھا، تو طلاق کے وقت واپس لینے کی کوشش کی ہے یا کوئی تحفہ دیا تھا، تو
 اس کا مطالبہ کر دیا۔ یہ درست نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عظیمہ سے کہ
 اس کو واپس لینا ایسا ہے۔ جیسے گتے کے نور بھی چاٹ لیتا ہے۔ فرمایا
 ہماری مسلمانوں کی مثال بڑی نہیں ہونی چاہیے۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُبْتَغَى الْوَدْعَةُ**
 میں آتا ہے کہ **وَالْوَدْعَةُ خَدٌّ مِمَّنْ فَنَصْرًا فَذَلِكُمْ خَدٌّ مِمَّنْ سَبَّ**
 اگر تم سے عورتوں کو دھیمہ مال بھی ملے رکھی ہے تو ان سے کوئی چیز نہ لےو۔ خاص طور
 پر کوئی ہتھکنڈا نہ کرنا واپس لینا اور بھی بُرا ہے۔ چیز مسلمان کے شایان نہیں ہے۔
 لہذا اگر قبیلے عذق کا حق فیصلہ کر لیا ہے۔ تو پھر دستور کے مطابق پیچھے ہٹنے سے
 نہت کر دو۔

یہ بات گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔ عورت کو نہیں دیا۔ اور اس میں بھی اس کی مصیحت کچھ فرما ہے۔ تجربہ شام ہے۔ کہ حیض و نفاس یا حمل کے دوران عورت اس کے اعصاب پر خاص اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ جلد باز واقع ہوئی ہے۔ اگر طلاق کا حق عورت کو مل جاتا تو طلاق کے معاملات کو کنٹرل کرنا مشکل ہو جاتا۔ پھر یہ بھی بان ہو چکا ہے۔ کہ جن ممالک میں عورت کو یہ حق دیا گیا ہے۔ وہاں کس قدر معاشرتی برائیاں پیدا ہوئی ہیں۔ تو بہر حال طلاق کا حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے۔ اور اسے عورت پر ایک درجہ فضیلت ہی ہے۔ البتہ بعض غیر معمولی حادثات سے عہدہ بڑا ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ اگر خاندان ظلم کرتا ہے۔ اور طلاق بھی نہیں دیتا۔ تو عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ عدالت مجاز کی طرف رجوع کر کے اپنا معاملہ پیش کرے۔ عدالت فریبن کے دلائل سننے کے بعد اگر مناسبت سمجھے تو میاں بیوی میں علیحدگی کر سکتی ہے اس صورت میں طلاق کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ اگر فریقین رضامند ہو جائیں کہ خود ہاتھ پاؤں کے عرض خلع پر رضی ہوگا۔ تو عورت اتنا مال مرد کو ادا کر کے خلع چھل کرے گی۔ یہ چیز کے متعلق فرمایا کہ عام حالات میں تو مرد کو حق حاصل نہیں کہ وہ ادا شدہ مال عورت سے واپس لے کر کہے کہ **رَدَّانَ يَخْشَفُ إِلَّا يُقْبِلُهَا حُدُودَ اللَّهِ سِرَّيْنِ** اس صورت کے کہ ان دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ یعنی ان کا بنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور علیحدگی ضروری ہے۔ تو جب دونوں فریق خلع کے بدلے کسی مال کی ادائیگی پر رضامند ہو جائیں تو ایسا مال خاندان سے لکھا ہے۔

اس قسم کا واقعہ خود حضور علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بنیہ حبیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ثابت بن قیسؓ کے نکاح میں تھی۔ یہ اسد نقباء کی شان ہے۔ کہ باپ دشمن اسلام ہے۔ اور اس کا بیٹا اور بیٹی جاہل مشرکین کے ساتھ ہیں۔ جنہرینہ، بڑے بڑے ایک آدمی تھے۔ مگر شکل و صورت کے لحاظ سے جملہ کو قابل قبول نہ تھے۔ انہیں احمد بن محمدؓ ہی اس طرح پیدا ہوا کہ کسی

موت پر حضرت جمیلہؓ نے کسی مقام پر پردہ ٹھایا تو وہاں ایک جماعت موجود تھی جن میں حضرت ثابتؓ بھی موجود تھے۔ حضرت جمیلہؓ نے محسوس کیا کہ اُن کا خاوند رنگ و روپ اور شکل و صورت کے لحاظ سے سب سے کم تر ہے۔ چنانچہ اس نے اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہ حضور ہم دونوں بطور میاں بیوی نہیں رہ سکتے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کیا ثابتؓ میں کوئی علقہ ذریعہ وقوع ہوئی ہے جس کی وجہ سے تو منفرد ہو گئی ہے۔ تو اُس نے عرض کیا۔ حضور! ایسی بات نہیں۔ وہ بڑا ماعذوق ہے۔ فاما کیسی؟ اے کبرہ اللہ کے فیض فی القیامہ میں! میں اسلام میں رو کہ کفر کو پسند نہیں کرتی۔ مقصد یہ کہ وہ مجھے بالکل پسند نہیں۔ میں اس سے غلو خلاصی چاہتی ہوں۔ کیوں کہ اگر میں بادلِ ستھرا سے اس کے ساتھ رہیں گی تو اس کی فرزند ذریعہ میں فرق آئے گا۔ اور یہ جیسے اسلام کی تعلیمات کے منافی ہوگی۔ لہذا آپؐ ہماری علیحدگی کی کوئی صورت پیدا فرما دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ثابتؓ نے آپؐ کو حق نہر میں بہتھکے غلو پر جو باغ دیا تھا۔ کیا تم وہ باغ واپس کرنے کے لیے تیار ہو۔ حضرت جمیلہؓ نے کہا کہ ہاں میں ایسا کرنے پر رضا مند ہوں۔ اس کے علاوہ اگر ثابتؓ کا اور بھی مطالبہ ہو تو میں پورا کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ باغ کی واپسی کی شرط پر حضور علیہ السلام نے خلع کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اُن دونوں کی علیحدگی کرا دی۔

بہر حال خلع میں طلاق کے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ یہ طلاق بائن کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور طلاق کی طرح اس میں بھی عورت کو عدت گزارنا ہوتی ہے۔ البتہ عدت کی مدت کے متعلق فقہائے کرام میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے بعض فقہائے کرام کا خیال ہے کہ خلع میں عدت، ایک حیض ہے۔ تاہم جو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ علقہ کی مانند خلع کی عدت بھی تین حیض یا تین ماہ ہے جیسی صورت بھی ہو۔

خلع کے علاوہ علیحدگی کی ایک اور صورت بھی ہے جسے طلاق بالمان کہتے ہیں۔ خاوند مال کا مطالبہ کرے کہ استمال مجھے درتوں میں طلاق دیتا ہوں۔ اگر ذریعہ

رضامہ موجب میں تو مقرر ذوال کے عرشِ خداوند باقاعدہ حلاق جسے دیکھا۔ اور وہ عطلاق کے حکم میں آئے۔ خلع میں ہو گا۔

تیس کے گلے جھٹے میں رہنے کفنِ متنانوں کی عام جماعت کی طرف ہے مقرر ذوال خفستہ اکثر یونہی ماحذوذہ ملے سے دگوا اگر تم کو رہے کہ یہ میاں بھوی اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ یعنی ان میں اختلافات کی خلیج تھی رسیع ہو چکی ہے کہ اب ان کامیوں بھوی کی حیثیت سے گزرا نہ وقت ممکن نہیں فَلَاجُنَّحَ عَلَیْہِمْ مَّا اَفْتَدَتْ بِہِمْ تُو اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں کہ وہ جہی جانی چھڑائی کا فدیہ تھے۔ یہی عورت فدیہ تھے کہ مرد سے خلع حاصل کرے۔ ہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر خداوند بے قصور ہے۔ اور عورت اُس سے باوجود علیحدگی چاہتی ہے۔ تو وہ گنہگار ہوگی اور اگر خداوند جو عورت کو تنگ کرے اسے فرد گنہگار ہو گا۔ تاہم دونوں صورتوں میں نفع واقع ہو جائے گا۔

اہم اور ضیفہ فرماتے ہیں۔ کہ اس قسم کا مال لینا مکروہ ہے۔ مگر بہر حال جائز ہے دوسکھانے کے کہ مرہ کا گناہ ہے۔ کہ چونکہ شدت تھانے سے خاص حالات میں نفع کی اجازت ملے دی ہے۔ اس لیے اس کے عوض مال وصول کرنا یا کھل جائز ہے۔ اس میں کوئی کڑبٹ نہیں۔

فرمایا یَلٰکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَآ تَعْتَدُوْہَا۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں میں ان سے آگے نہ بڑھو۔ یہ نکاح، عطلاق، ایلا رضع وغیرہ اللہ تعالیٰ کے افدہ کردہ توہینات ان کی پاسداری کرو۔ اور ان کے خلاف کر کے اللہ کی حدوں کو نہ توڑ دیتے نہ مصالحت کرنا میں جہاں روزوں کی فرضیت کا ذکر تھا، وہاں فرمایا کہ روزہ رکھ کر گناہ مینا اور باشریت حرم ہے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ فَلَا تَقْرَبُوْہَا۔ اُن کے قریب بھی نہ جانا۔ اور یہاں فرمایا فَلَا تَعْتَدُوْہَا ان کو سمجھ نہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ گناہ مینا اور باشر کرنا انسان کی غایت درجہ کی خواہشات ہیں۔ اور نہ ان کسی وقت بھی ان کو پورا کر سکتا ہے۔ اس لیے وہاں یہ سخت حکم دیا۔ کہ ان حدوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ انہیں ہمیں کہ حدود اللہ کو شائع نہ کر سچھو۔ اور نکاح عطلاق وغیرہ کے مسئلہ میں تنازعہ ہو جائے

حدود اللہ کا احترام

دو فریق ٹوٹ بیٹھے ہیں، اس سببے میں پر حدود کی خلاف ورزی کا اتنا خطر نہیں
 ہوتا۔ جتنے روزوں کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اس سببے میں پر ضرر یا کہ اللہ کی ذیادہ
 کر بنا دینا بہت ہی مہلک ہے۔ اور یہ رکھو و من یتخذ حد و الذلہ فوہین
 ۱۰۰۰ الخلیفہوں، جو شریعت کی باندھی ہوئی حدود سے اٹھے ہرگز، یہ
 ہی لوگ ظالم ہیں، ہر گز، ظالم مستوجب سزا ہوتا ہے۔ اللہ کی گرفت میں آئے
 اس سببے فرمایا جو شرک حدود کو توڑے گا۔ وہ ظالموں میں شمار ہو کر سزا کا مستحق ہوگا

الْبَقَرَةُ

آیت ۲۳۰

سَيَفْقَهُ

درس نو و وحنت (۹۷)

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ
فَإِنْ صَلَفَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ
يُقِيمَ حَدُّهُمَا لِلَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ
لَا يَعْلَمُونَ (۳۳)

تس جملہ پھر اگر اس نے طلاق دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ) اس کے جس کے
کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی عورت کے ساتھ نکل کر رہے۔
پھر اگر اس نے بھی طلاق دیدی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ اُن دونوں پر کہ رجوع
کر میں، اگر وہ گناہ کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں
اللہ تعالیٰ اس قوم کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں (۳۳)

گذشتہ درس میں طلاق کا مسئلہ بیان ہوا تھا۔ اہم اس کے بعد غلط کام بیان آیا۔ آج کی
آیت کا تعلق بھی پہلے طلاق سے ہے۔ وہاں یہ بیان ہوا تھا، کہ طلاق دوسرے مرتبہ ہے جس
کے بعد عورت رجوع کر سکتا ہے۔ اس درس میں تیسری طلاق اور اس کے نتائج کا ذکر آ
رہا ہے۔ فرمایا: فَإِنْ طَلَّقَهَا یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تیسری مرتبہ طلاق دے
دے۔ تو اس پر رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعدِ حَتَّى تَنْكِحَ
زَوْجًا غَيْرَهُ اب اس مرد کے لیے عورت حلال نہیں ہے۔ جب تک
کہ وہ کسی دوسرے عورت سے نکاح نہ کرے۔ اب یہ عورت پہلے عورت کے لیے
منقطع ہو گئی، اگر یہ یہاں پر عدت کا ذکر نہیں ہوا۔ تاہم یہ بات پہلے چٹی ہے۔
طلاق یا بیوگی کے بعد عورت کے لیے عدت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس کے
بغیر نکاح ثانی نہیں کر سکتی۔ یہاں یہ بھی وہی صورت ہے۔ جب کوئی شخص تیسری
طلاق دے دے تو پھر وہ عورت عدت کے اہم فیصلے کر لے گی۔ اور اس کے بعد

حلالہ

دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا اور اگر ب دو سر اخذ نہ بھی اس کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔ تو عورت کو پھر دوسری عدت گزارنا ہوگی۔ اس کے بغیر تیسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ جب یہ دوسری عدت بھی پوری ہو جائے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَزَوَّجَا تَرَبُّعًا پہلے فائدہ اور عورت پر کوئی گناہ نہیں کہ دو پھر رجوع کر میں بشرطیکہ اِنْ طَلَّقَتْ اَنَّ يُقْبِلَهَا حُدُودَ اللَّهِ وہ گناہ کریں کہ اللہ کی حدود کو تو کم کریں گے مطلب یہ کہ اُن دونوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ انہوں نے غلطی کی اختیار کر کے سخت پریشانی اٹھائی ہے۔ لہذا آئندہ ایسی صورت نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ تو وہ دوبارہ نکاح کر کے زوجین کی حیثیت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا ہے۔ الطَّلَاقُ مَثَرَتَانِ طَلَاقِیْنِ وِاصِلِ دو ہی ہیں۔ جن میں رجوع کی جستجاش ہے۔ اور اس کی آخری حد تین ہے جس کے بعد جہد کی لازمی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اہم ماہکث تیسری طلاق کو پسند نہیں کرتے نہ کہتے ہیں۔ کہ تیسری طلاق دینی ہی نہیں چاہیے۔ آج کل طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے۔ کہ پہلے طلاق ایک طلاق دی جائے جس میں مباشرت نہ کی سو۔ جب تین حیض یا تین ماہ (جیسی بھی صورت ہو) گزر جائیں گے تو عورت آزاد ہو جائے گی۔ لہذا دوسری اور تیسری طلاق بیٹے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ایک بار طلاق کی صورت میں عدت کے دوران بغیر دوبارہ نکاح کئے رجوع ہو سکتا ہے۔ اور اگر عدت گزر جائے۔ تو پھر بھی دوبارہ نکاح کر کے رجوع ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی وقت نہیں اور کوئی قباحت نہیں۔ اس طریقہ طلاق کے مطابق اگر ایک طلاق کے بعد رجوع کی کوئی صورت ممکن ہو تو دوسرے طلاق دوسری طلاق دی جا سکتی ہے۔ اب بھی سوچنے سمجھنے کا موقع موجود ہے۔ انسان ٹھنڈے در سے خود کر کے متاثرہ امور کا تصفیہ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص تیسری طلاق ضرور ہی دینا چاہتا ہے۔ تو پھر تیسرے طلاق دے دے۔ بہر حال بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ تین طلاق دے حیض کی حالت میں طلاق دینے سے اگر بہتر

طلاق کی
مختص صورتیں

طلاق ترواقع ہو جاتی ہے۔ مگر انسان گناہ کا مرتکب ہو تا ہے۔ یہ طلاق پر حمت کھاتی ہے
 بیگ وقت تین طلاق دینا بھی بدعت ہے۔ آدمی گناہ گار ہو تا ہے۔ سنت کے خلاف ہے
 حیض کی حالت میں طلاق دینے، تین طلاقیں بیگ وقت دینے یا ایک ہی طہر میں
 تین طلاقیں دینے کے متعلق فقہائے کرام کے تین مختلف مسلک ہیں۔ شیخہ حضرات کے
 نزدیک حیض کی حالت میں تین طلاقیں اکٹھی دینے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، مگر
 ظاہر یہ جن میں اہل حدیث بھی شامل ہیں وہ اسکا مسلک یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں ایک ہی
 شمار ہوتی ہیں۔ انہیں طائوس، متعاقب، متخلف وغیرہ شامل ہیں۔ اور نیز اسکا مسلک یہ ہے کہ اگر شخص
 اور تہنیر یا تمام نابینا اور جبرورہ کے تین طلاق بیگ وقت دینے
 کا طریقہ تہنیر یا نابینا ہے اور ایسا کرنے والا گناہ گار بھی ہو تا ہے مگر تین طلاقیں ترواقع ہو جاتی ہیں
 جو حضرات جن طلاق کو ایک تصور کرتے ہیں جو علم شریف میں مقبول حضرت
 عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث سے اسکا دلائل کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور
 علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ تک تین طلاقیں ایک
 ہی طلاق تصور ہوتی تھی۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا۔ جو شخص بیگ وقت تین
 طلاقیں دے گا، دو تین ہی سمجھی جائیں گی۔ اس حدیث کے متعلق جمہور فقہاء اور ائمہ کرام
 فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا
 بیان ہے کہ فلاں فلاں زمانہ میں ایسا ہوا تھا، یہ خود حضور علیہ السلام کا فرمان نہیں ہے
 اس استدلال میں کمزوری یہ ہے کہ اس حدیث کے برخلاف خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ
 کا مذہب یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور یہ اصول حدیث
 کا کلیہ ہے کہ جب کوئی آدمی خود اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے یا عمل کرے تو وہ
 روایت ناقابل عمل ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث ہے جس
 میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر گناہ گار تین میں سے کسی سے تو
 برتن سات دفعہ دھونا چاہیے جس میں ایک مرتبہ تھلی مل کہ دھونا بھی شامل ہو۔ اب حضرت
 ابوہریرہؓ کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ صرف تین دفعہ دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے

چوتھے کتے کے ذہن کا اعجاب و حیرت انگیز ہوا ہے۔ اس لیے ایک دفعہ مٹی بھی مل لی جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ تین دفعہ پانی کے ساتھ دھو لینا کافی ہے۔ لہذا سات مرتبہ دھونے والی حدیث ناقابل عمل ہو گئی۔ اتنی دفعہ دھونا ضروری نہ رہا بلکہ اگر احتیاط کوئی سات دفعہ بھی دھونے کو وہ مستحب کے درجہ میں آئیگا، لازم نہیں رہا۔ مذا حضرت ابن عباسؓ کی تین طلاقیں کو ایک حلاق تصور کرنے والی روایت کے استدلال میں گھڑوئی واقع ہو گئی۔ اگرچہ حضرت ابن عباسؓ کے اکثر شاگرد مذکورہ روایت ہی بیان کرتے ہیں۔ جس میں تین طلاق کو ایک تصور کیا گیا ہے۔ مگر ابو داؤد و شریعت کی روایت کے مطابق آپ کے ایک شاگرد ایک دوسری روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں بیک وقت دے دی ہیں۔ آپ نے بحسبہ فرمایا عَصَيْتَ زَيْفًا وَكَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ یعنی تو نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور تیری عورت بھی تجھ سے جدا ہو گئی۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ تین طلاق کو تین ہی تصور کرتے تھے۔ مجھی تو فرمایا کہ اگرچہ تو گنہگار ہو ہے۔ مگر طلاق واقع ہو گئی۔ اور تیری بیوی تجھ سے علیحدہ ہو گئی۔

طحاوی شریعت میں ایک اور روایت بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا اِنَّكَ عَصَيْتَ بِحَصَى الْاُفَّةِ تِرْسَے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ وَاطَاعَ الشَّيْطَانَ اور شیطان کی بات مانی۔ وَلَسْتَ تَجْعَلُ لَهَا مَخْرَجًا مگر اب غلامی کی صورت بھی باقی نہیں رہی۔ عورت کو طلاق واقع ہو گئی۔

موطائے امام مالکؒ میں محمود بن لبیدؒ سے روایت منقول ہے۔ آپ چھوٹی عمر کے صوبی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں کہی تھیں مے دیں۔ حضور علیہ السلامؐ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب کو کھیل دینا درست نہیں۔

آپ محنت ناراض ہوئے۔ اتنے میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی، حضور! کیا میں اس کو مار دوں؟ مگر آپ خاموش رہے۔ آپ اسے مزید کچھ نہیں فرمایا، مگر باطنی کا اظہار کیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ بیک وقت طلاق ثلاثہ سے دومی گناہ ضرور ہوتا ہے، مگر طلاق رافع ہو جاتی ہے۔

مولا اہم الکب میں حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ لَقَّتْ بِسُوءٍ میں نے اپنی عورت کو سوطلاق دیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ تو عورت علیحدہ ہو گئی، الباقی سنا فرمائیے پھر تم نے اشترک آیات کے ساتھ مدق کیا ہے، معلوم ہوا کہ تین طلاقیں سینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

انہما تین طلاقوں کے ایک طلاق واقع ہونے والی روایت قابل عمل نہیں رہی۔ البتہ اس کے متعلق فقہائے کرام یہ ترجیح بیان کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام، حضرت صدیق کبیرؓ اور عمر فاروقؓ کے ابتدائی دور تک لوگ ایک ہی طلاق دیتے ہوں، تین کا دلچاہہ نہ تھا۔ پھر جب لوگوں نے تین طلاقیں دینا شروع کیں تو حضرت عمرؓ نے حکم صادر کیا کہ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دے گا، وہ تین ہی شمار ہوں گی۔ لہذا اگر کوئی غلط فہمی میں نہ رہے کہ تین طلاق بیک وقت دینے سے ایک ہی واقع ہوگی اور وہ رجوع کر سکے گا، لہذا لوگ خبردار رہیں۔

البرادور مشرہف میں یہ بھی آتا ہے کہ تین طلاقوں کا ایک طلاق شمار کرنا اہل سنت کے لیے ہے جس کا نکاح ہذا سکر خاند سے غلو ت نہیں ہوتی۔ وہ شخص اگر ایک وقت میں تین طلاق دیں الفاظ دیتا ہے کہ کچھ کو طلاق ہے، کچھ کو طلاق ہے، کچھ کو طلاق ہے۔ تو ایسی عورت پہلی طلاق پر ہی جدا ہو جائے گی۔ اس کی دوسری اور تیسری طلاقیں لغو ہیں۔ کیونکہ عورت کے غیر مذکور ہونے کی وجہ سے اس کے لیے ایک طلاق ہی کافی ہے۔ یہاں دوسری اور تیسری طلاق کا کوئی موقع محل نہیں ہے۔ الغرض، تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے کے متعلق صرف حضرت عبداللہ

بن عباسؓ والی روایت سے اس مسئلہ لال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص روایت نہیں۔ اس روایت کے متعلق معلوم ہو گیا کہ یہ اسد لال کھڑو ہے اور دو بہن ہوئی ہیں البتہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت آتی ہے کہ کسی شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا حضرت! اگر کوئی حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دیدے تو اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا اگر کوئی ایسی عورتی کرے کہ عورت توجہ ابراہیمی البتہ طلاق دینے والا گنہگار ہوگا کہ اس نے غلط موقع پر طلاق دی۔ ابن حزمؒ اور بعض دیگر ائمہ یہ نکتہ بھی بیان کرے ہیں کہ پہلی آیت میں فرمایا اِنْ طَلَّقَ فَمِنْ ثَمَنِ یعنی طلاق دوم تر ہے۔ جس میں رجوع ہو سکتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا فَاِنْ طَلَّقَهَا بِسِوَاِ ذَٰلِكَ اَوْ كَرِهَ اُولَٰئِكَ اَسْتَحْضِرُ اَلْاُخْرٰی طَلَّقَ اَوْ لَمْ يَطْلُقْ یعنی اگر کسی نے دوسری طلاق دیدی۔ فرماتے ہیں کہ یہاں پر فَاِنْ کی بجائے ثُمَّ کا لفظ بھی آسکتا تھا۔ مگر اس میں حکمت یہ ہے کہ فَاِنْ اِصْلَاحِ کے لیے آتا ہے۔ جب کہ ثُمَّ میں یہ معنی انہیں پایا جاتا۔ قریبوں پر فَاِنْ طَلَّقَهَا کا معنی یہ ہوگا کہ در طلاق کے بعد اگر متصلاً دوسری طلاق دیدے یعنی بیک وقت تین طلاقیں دیدے۔ تو عورت حرام ہو جائے گی۔ یہ بیک وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کر کے طلاق حاصل نہ کرے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ متصل تین طلاقیں تین ہی تصور ہوں گی۔

اس وقت ہر وجہ حلالہ کی جو ضرورت ہے وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہے۔ بد مشروط نکاح حلالہ مشروط نکاح کی ضرورت میں کیا جاتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ اب رجوع نہ کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ تو کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس مشروط پر نکاح کر دیا۔ کہ وہ طلاق دیدے گا۔ اور پھر پیسے خاوند سے نکاح ہو سکے گا۔ اگرچہ اس طرح قافیہ جو نہ تہید ابراہیم ہے مگر اس شرط کے تحت نکاح گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے حلالے پر لعنت کی گئی ہے۔ نَحْنُ اللّٰهُ الْمَحِلُّ وَالْمَحِلُّ لَهٗ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حلالہ کر کے دے دے اور جس کے سینے حلالہ کیا گیا۔ دونوں پر اللہ لعنت کی لعنت ہو۔

بہر حال یہ حلال حرام کا مسئلہ ہے۔ اور اگر حلال و حرام میں اختلاف پیدا ہو جائے۔
 تو فقیر یہ سمجھے کہ حرام کو تہیح حاصل ہوئی ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں تین طلاق پر عورت
 حرام ہو جائیگی، خواہ بیک وقت تین طلاق دی ہوں۔ ایک ہی طہر میں دی ہوں یا
 حیض کے دوران دی ہوں۔ اب عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب
 تک کہ وہ دوسٹر خاندان سے نکاح نہ کرے۔ پھر وہ خاندان فوت ہو جائے یا طلاق
 دے دے تو دوبارہ پہلے خاندان سے نکاح ہو سکتی ہے۔

فَرَّادُ بَيْنَكَ حُدُودَ اللَّهِ يَا اللَّهُ تَعَالَى کی قائم کردہ حدیں ہیں۔ یَبَيِّنْهُمَا
 لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ جو کہ اہل علم قوم کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ مسئلہ نکاح کا ہو۔
 طلاق یا حدت کا ہو۔ ایلا یا خمدار کا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے واضح حدیں
 مقرر کر دی ہیں۔ ان حدود کا احترام کرنا چاہیے اور ان کو عبور نہیں کرنا چاہیے۔
 ورنہ ان کو گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائے گا۔

سَبِّحُوهُ

درس خود نوشت (۴۸)

اَنْجَبَرَةٌ

آیت ۲۲ تا ۲۳

وَإِذَا صَلَّيْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ جَهَنَّمَ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
وَسَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُسْكِبُوهُنَّ ضَرَارًا لِّلنِّسَاءِ وَأَن
وَمَنْ يَفْعَلْ دِيكَ فَقَدْ ظَنَّمَنَّا نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا
أَيُّتِ اللَّهِ هُزُوًا وَلَا تُدْكَرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا
أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَلِحُكْمَةٍ يُعْطِيكُمْ بِهِ
وَأَقْبُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَاسِمٌ ﴿٢٢﴾
وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبِغْضٍ أَوْ بَعْدٍ فَلَا تُعْصِبُوهُنَّ
أَن يَتَّخِذْنَ زَوْجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ذَلِكَ
يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
ذَلِكَمُ أَنْتُمْ لَكُمْ وَظَهَرَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣﴾

تین جہتیں : ۱۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق درپس وہ اپنی عدت تک پہنچیں۔ پھر ان
کو دستور کے مطابق روک رکھو یا ان کو جھوٹا دستور کے مطابق۔ اور ان کو ضرر پہنچانے
کے لیے نہ روکو، نہ کہ ان پر زیادتی کرو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا۔ بیشک اس نے اپنی
جان پر غلط کیا۔ اور اللہ کی آیتوں کو جسسی مذاق دکھائے گا۔ اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو
جو اس نے تم پر کی ہے۔ اور جو نعم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں
کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ
ہر چیز کو جانتے والا ہے ﴿۲۳﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو پھر جب وہ

عدت کو پہنچیں۔ تو تم ان عورتوں کو اس بات سے ڈرو کہ وہ پہلے خاوندوں سے نکاح
کریں۔ جب کہ وہ آپس میں دستور کے موافق راضی ہو جائیں۔ یہ باتیں وہ ہیں کہ ان کے
مابعد نصیحت کی جاتی ہے۔ اس شخص کو جو تم میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین
دکھاتا ہے۔ یہ بات تمہارے لیے زیادہ شانہ ہے اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے (۳۳)

طلاق پر
ایذا رسانی

گزشتہ درس میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے کہ طلاق اصل میں دو ہی ہیں۔ جب
یسری طلاق دیدی جائے تو پھر بغیر حلالہ کے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا
آیت ذیل درس میں اللہ تعالیٰ نے نکاح و طلاق اور عدت سے متعلقہ دو اور مسائل بیان
فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد جب عدت پوری ہو جائے
تو پھر عورتوں کو بلا وجہ تنگ نہ کر۔ اگر انہیں روکنا ہے تو معروف طریقے سے اور
اگر رخصت ہی کرنا ہے تو بھی اچھے طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔ اور دوسرا
مسئلہ یہ ہے کہ کسی مطلقہ یا بیوہ کو نکاح نائی کر سنے سے منع نہ کر دو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے
بلکہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق نکاح کی اجازت دو۔

زمانہ جاہلیت میں ایک غلط رسم جاری ہوئی تھی کہ عورتوں کو تنگ کرتے تھے
طلاق سے پہلے، جب عدت قریب الاختہ ہوئی تو رجوع کر لیتے۔ کچھ عرصہ بعد
پھر طلاق سے دیتے اور جب عدت پوری ہو سنے کو آتی تو رجوع کرتے۔ مقصد یہ
کہ نہ عورت کو معقول طریقے سے آباد کرتے اور نہ اسے رخصت کرتے کہ وہ دوسرا
جگہ نکاح کر سکے۔ یہ مسئلہ سال ہا سال تک جاری رہا۔ جس کی وجہ سے بے گناہ
عورتوں کو سخت اذیت ہوتی۔ اس قسم کی قباحیت کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد
فرمایا۔ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ۔ جب تم عورتوں کو طلاق دیدو
اور پھر ان کی عدت پوری ہو جائے۔ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ۔ انہیں
دستور کے مطابق روک کر لو۔ یعنی رجوع کر لو۔ یعنی اگر تمہیں پہلے سابقہ فعل یہ واقعی
ندامت ہوئی ہے تو پہنچاؤ دوبارہ آباد کر دو اور اس میں نیست۔ اصلاح کی ہونی چاہیے

محض ایذا رسانی اور عورت کو سنی سے محروم کرنے کے لیے ایسا مت کر دو۔ بالکل بیکٹ غیبی
 سے رجوع کر لو۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو۔ صلح صفائی کی صورت نظر نہ آتی ہو۔ اَوْ سَبَّحُوْهُنَّ
 بِعَدْرِ دُحْنٍ تو پھر انہیں معروف طریقے سے رخصت کر دو تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق
 دوسرے خاندان کے ساتھ نکاح کر سکیں۔ تشریح کا معنی چھوڑ دینا یا آزاد کر دینا ہے جانوروں
 کو جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑ دینا شروع کیا ہے۔ اور جب جانور شام کے وقت
 جنگل سے واپس پھٹے ہیں۔ تو اس وقت تشریح کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وَجِئْنَ
نِجْنِیْمُوْنَ وَجِئْنَ تَشْرِیْحُوْنَ یعنی جب تم جانوروں کو واپس پھٹاتے ہو اور
 جب انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو۔ کٹھی کرنے کو بھی تشریح کہتے ہیں۔ اس سے
 بالوں کی انجمن دور ہو جاتی ہے۔ بہر حال اگر علیحدگی کا حتمی فیصلہ کہہ ہی لیا ہے۔ تو
 پھر مطاقہ عورتوں کو بلا وجہ رست رو کر بکرا انہیں اسن طریقہ سے کچھ شے دلا کر رخصت
 کر دو۔ انہیں طعن تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔ گالی گلوچ نہ کر دو۔ بلکہ خوش اسلوبی کے ساتھ
 علیحدہ کر دو۔ فَرَادَکَ تَخْصِیْکُوْهُنَّ صَنِیْرًا لِّتَعْتَدُوْا اور انہیں تکلیف پہنچانے
 کی خاطر رست رو کو یہ زیادتی کی بات ہے۔ عورتوں پر زیادتی مت کر دو۔ اس طرح وَمَنْ
یَفْعَلْ ذٰلِکَ جَوَّیْا کَرِیْمًا۔ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ اُس نے اپنی جان پر
 ظلم کیا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ دوسری جگہ واضح طور پر آتا ہے
وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُنْظَرِیْنَ۔ ہاں اللہ تعالیٰ بعض اوقات ظالموں کو مہلت دے
 دیتا ہے۔ مگر آخر وہ گرفت میں آجاتے ہیں۔ اس کی بکھڑے بچ نہیں سکتے۔ فرمایا
 کہ اللہ کے احکام کی صورت کا خلاف نہ نہی کر کے وَلَا تَسْتَفْزِدُوْا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُنَّ
 اللہ کی آیات کو تمہیں کا نشانہ نہ بناؤ یہ بہت بڑی ہمت ہے تمہارے کی مثال یہ ہے
 جیسے کوئی شخص غلام کو کہہ دے کہ جا میں نے سچے آزاد کیا۔ اور پھر کہے کہ یہ تو میں نے
 زندہ رکھا تھا۔ میری نیت تو آزاد کرنے کی نہ تھی۔ یاد رکھو اگر کوئی دُلہن لگی کے لیے بھی
 غلام کی آزادی کا اعلان کرنا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غمخوار

کے طور پر کہتا ہے کہ میں نے طلاق دی۔ تو بھی طلاق ہو جائے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کی آیتوں کو منسی مذاق نہ بناؤ۔ بلکہ ان پر سختی سے عمل کرو۔

فرمایا: **وَأَذْكُرُوا فِعْهَاتِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ**۔ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو۔ جو اُس نے تم پر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ تمہارے درمیان عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا ہے۔ جو قہداری تربیت کر رہا ہے۔ اجتماعی لحاظ سے تمہیں حکومت عطا کی ہے۔ مال و دولت دیا ہے۔ جاہ و اقتدار بخشا ہے۔ عزت و آبرو دی ہے۔ ان احسانات کو یاد کر کے اس کے شکر گزار بن جاؤ۔ اور پھر ایک خاص احسان یہ کیا: **وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ فَاحْكُمَ بَيْنَكُمْ**۔ تم پر ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری پروگرام ہے۔ جس کے بعد کوئی کتاب نہیں۔ کوئی نبی نہیں۔ اور کوئی پروگرام نہیں۔ اور پھر اس کتاب کے ساتھ حکمت بھی نازل کی۔ قرآن پاک خود سرسری حکمت ہے۔ مگر اس کے ساتھ نبی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات پُر حکمت ہیں۔ حکمت کا لفظ حضور علیہ السلام کے ارشادات پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں وہ جگہ پر موحود ہے کہ اس انعام کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کتاب و حکمت کی صورت میں کیا ہے۔ اہم نکتہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کی سنت اور اس کا اتباع حکمت ہے۔ اور یہ نہایت بصیرت مفرور اور حکمت آمیز باتیں ہیں، دانش ور ہی کی باتیں ہیں، اسی لیے فرمایا: **وَمِنْ ذِكْرَاتِ الْحِكْمَةِ فَقَدْ أَوْفَقَ حَيُّوًا كَثِيرًا**۔ جسے حکمت عطا کر دی گئی، وہ غیر کثیر یعنی بہت زیادہ بھلائی سے نوازا گیا۔ آگے اسی سورۃ میں اس کی مزید وضاحت آئیگی۔ فرمایا: **يُعْظَمُ بِهِ**۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ کہ بُری چیزوں کی طرف راغب نہ ہو۔ بلکہ **وَاتَّقُوا اللَّهَ** اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو۔ بیٹھو۔ کسی کی حق تلفی نہ کرنا۔ اپنی نیت کو پاک صاف رکھو **وَعَلَصُوا** اور بد رکھو۔ خوب، چھی طرح ذہن نشین کر لو **أَنَّ اللَّهَ يَكُونُ تَسْمَعُ عَلَيْهِ** اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں وہ تمہارے دلوں کے ارادے

اور بنتوں کو بھی بائیس تہ تو نہ کہ کسی طرح و تو کہ نہیں ہے۔

نہا میں عورت
کی ہمدردی

آگے درستی مسئلہ کا بیان ہے۔ **وَرَدُ الْفَرْجِ** یعنی عورتوں کو طلاق سے دو قبضہ کی اجازت اور وہ اپنی عادت کو پہنچ جائیں یعنی عادت ختم ہو جائے **فَلَا تَحْضُوهُنَّ** تو نہیں اس بات سے مت روکو کہ ان کی عادت ختم ہو جائے کہ وہ پہلے عورتوں سے نکاح کر لیں۔ **وَلَا تَنْتَهِنَّ عَنْ طَعْنِ الْفَرْجِ** جب ان کے درمیان کسی صورت کے مطابق رخصتی نامہ ہو جائے۔ تو مذہبی شریعت کی رویت ہے کہ حضرت عقیل بن یسار کی بہن کا نہیں ایک شخص سے ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے طلاق دیدی۔ صحابی رسول نے جو اس کیلئے کہا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ اور یہ پوری ہو گئی۔ تاہم یہ طلاق مغلط نہیں تھی دوبارہ نکاح ہو سکتا تھا۔ جب عورت آزاد ہو گئی۔ تو بعض درستی لوگوں نے بھی نکاح کے پیغام بھیجے۔ اتنے میں اس شخص کو پست کرنے پر نہ امت ہوئی اور اس نے بھی دوبارہ نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ عورت بھی اس پر رضامند ہو گئی۔ مگر چاکر سی غیر کام نہ دیکھنا پڑا۔ یہاں حدیث شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں **فَقَوَّيْتُ مَا هُوَ بَيْنَتِي** یعنی دروں کی خواہش تھی کہ ان کا دوبارہ نکاح ہو جائے۔ مگر حضرت عقیل کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ان کا اسٹال پر تھا۔ کہ اس شخص نے اس کی بہن کو طلاق دی اور پھر کتنے کے باوجود رجسٹر نہیں کیا۔ ایسے کیلئے شخص کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہونے دوں گا۔ اسی دوران یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور علیہ السلام نے انہیں بلا کر اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ اگر مرد و عورت نکاح پر رضامند ہیں۔ تو پھر وہ کو نہ غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ جب حضرت عقیل بن یسار نے یہ حکم سنا تو کہا **مُصَفَّ** کہ کوئی ماضیہ ہم پہنے رہے کی بات سننے ہیں۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر اسٹال کا یہی نشانہ ہے۔ تو میں پہنے رہے کی غفلت کروں گا۔ چنانچہ ان دروں کا دوبارہ نکاح ہو گیا۔ اسی پہلے فرمایا کہ اگر کوئی مرد و عورت نکاح پر رضامند ہوں۔ تو بلا وجہ انہیں اس کام سے نہ روکو۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ عورت صرف

مہینے خاوند سے ہی نکاح کر سکتی ہے بلکہ میت کا مطلب یہ ہے کہ عاقل بالغ عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ درمیان میں لا وجہ و کارہ نہیں بننا چاہیئے، بشرطیکہ وہ دونوں دستور کے مطابق صحیح طریقہ سے نکاح پر رضامند ہوں۔ اگر عورت کی رضامندی کے خلاف دوسری جگہ نکاح کر دیا جائے، تو کسی قسم کی معاشرتی خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے جن کی وجہ سے یہ گنہگار ہوں گے۔ لہذا اسے اپنی مرضی سے نکاح کر لینی آزاد دی حاصل ہونی چاہیئے۔ صرف ایک شرط ہے کہ عورت کا مجوزہ خاوند اس کا کھوڑا جسم (بھی ہو) اور اسے حق ہر بھی پذیرا میسر آتا ہو اور دوسری کوئی چیز باعث تحقیر نہ ہو۔ تو انہیں نکاح کی عازت اسے دینی چاہیئے۔

مسعودیہ

اس موقع پر مسئلہ ولایت کا مختصر بیان بھی ہو جائے۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ آیا عاقلہ یا بالغ عورت بغیر ولی کے نکاح کر سکتی ہے، نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس کے حق میں ہیں۔ جب کہ امام شافعیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے دونوں طرف رافضی موجود ہیں۔ تاہم امام عظیمؒ کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شافعیؒ نے حجتہ اللہ بالغہ میں فرماتے ہیں، کہ نابالغ عورت کا نکاح تو بغیر ولی کے نہیں ہو سکتا۔ البتہ عاقلہ اور بالغ عورت، باکرہ جو یا ثقبہ بغیر ولی کے نکاح کر سکتی ہے۔ فرمایا یہ نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ پسندیدہ فعل ہوگا۔ اس سلسلہ میں ایک چیز کی گنجائش ہے۔ اگر عورت نے اپنی مرضی سے غیر کھوڑے ساتھ نکاح کیا ہے۔ تو ولی یا سرپرست ایسے معاملہ کو عدالت میں لے جائے گا۔ اور اگر عدالت مناسب سمجھے تو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ شاہ صاحب کی یہ بات بڑی قیمتی ہے۔ اگر عورتیں خود بخود نکاح کرنے لگیں تو پھر تو یہ دھندل کر ہی ہوگی۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ نکاح سرپرست کی معرفت سے ہونا چاہئے۔ لڑکی کا باپ ہے یا بڑا بھائی یا چچا ہے، وہ خود کچھ بھال کر نکاح کا فیصلہ کریں۔ تاہم نکاح کے لیے عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ بہر حال اگر عورت اپنی مرضی سے نکاح کر لیتی ہے۔ تو نکاح جائز ہوگا مگر یہ کوئی چھیڑا نہیں ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِعِلْوَىٰ یعنی ولی کے بغیر نکاح ہی نہیں ہوتا ہے۔ بعض فقہائے کرام کہتے ہیں کہ اس روایت کی رد سے بغیر ولی کے نکاح باطل ہوگا۔ پوری روایت اس طرح ہے۔ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِعِلْوَىٰ وَبِشَاهِدَى عَدْلٍ دُولی اور مواعیل گروہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے لیے دو عادل گواہ ضروری ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ولی کا ہونا لازمی نہیں۔ دیکھو ضروری ہیں۔ تاہم وہ فرماتے ہیں کہ ولی کی رضا مندی اور اس کی سرپرستی بہتر ہے۔ اب آگے در سر اس مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کوئی عورت یحرم یا مطلقہ ہو جائے اور وہ دوسرے عقد کرنا چاہے۔ تو اسے اجازت ہے کہ وہ نکاح میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ فَرَأَىٰ وَكَذَٰلِكَ أَتُفَلِّتُمُ الْمَلَائِكَةَ أَفَبَعَلْتُمْ أَفْحَابُ تَبَسُّبِ تَمَّ عَمْرَتُنَّ كَوَاطِفُ حَمَلٍ دَوَّارٍ وَدَوَّارٍ عَمَلٍ مَرِيحٍ جَابِئٍ۔ فَذَٰلِكَ تَقْضُوا هُنَّ أَنْ يَتَنَكِّحَنَّ أَنْ ذَابَحَهُنَّ اُنَّ بَاتٍ سے مت روکو کہ وہ اپنے خاوند سے نکاح کریں۔ اِدَّ سَرَّاصُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ۔ جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہو جائیں۔ اہم شافعی یہاں بھی پہلے لفظ تَقْضُوا هُنَّ سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ ولی کو کہا جا رہا ہے کہ نکاح میں رکاوٹ نہ بنیں۔ گویا ولی کا دخل ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ لفظ يَتَنَكِّحَنَّ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ نکاح سنا عورت کا حق ہے۔ یہ اسے اختیار ہے کہ وہ اپنی حسب فقہ نکاح کرے۔ اس کی مثال حَتَّىٰ تَتَنَكِّحَ زَوْجًا عَقِيقًا میں بھی ملتی ہے کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر یہاں آگے آتا ہے فَرَأَىٰ تَبَسُّبِ اس بات کی نصیحت کی دینی سے قَرْنٌ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تَمَّ عَمْرَتُنَّ اس شخص کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ عورت کے معاملہ میں دخل نہ بنے۔ ذَٰلِكُمْ أَزْكَ لَكُمْ وَطَهُرٌ یہ چیز تمہارے لیے زیادہ نیکو اور زیادہ پاکیزگی والی ہے۔ عورتوں کو نکاح ثانی سے مت روکو۔ ورنہ کسی طرح کی غریبیاں پیدا ہوں گی۔ اور اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔ یہاں

نکاح ثانی میں
رکاوٹ نہ بنو

پڑھا رہا ہے۔ اسے مرد ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی پاکیزگی ہے۔ نکاح کر لینے سے ان کے دل بھی مطمئن ہو کر ایک ہو جائیں گے اور ظاہر کسی گناہ میں ملوث ہونے کا احتمال بھی نہیں ہو گا۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اللہ تعالیٰ جو ایسے احکام نازل کرتا ہے۔ ان کی حکمت کو بھی وہی جانتا ہے۔ ہم اس کی گہرائی سے واقف نہیں ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عورت کو نکاح بانی کی اجازت دو۔ اس میں رکاوٹ نہ ہو۔

وَأُولَئِكَ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ
رَأَدَنَ يُنِيسَ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِوْنُهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارُّ وَالِدَةٌ
بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَنْ لَوْلَا مِثْلُ ذَلِكَ
فَإِنْ رَدَا فِصَالًا عَنْ تَرْضِيئِهِمَا وَتَشَاوُرِ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا وَنَ رَدُّنَّ نَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَتَقَوُا لِلَّهِ
وَأَعْمُو لِلَّهِ بِمَا تَعْلَمُونَ بِصِيْرَةِ ۝۲۲۳

ترجمہ: ۲۔ اور انہیں یعنی بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو کاس دو سال تک دودھ پلائیں
یہ اس شخص کے لیے ہے۔ جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور والد کے
ذمہ ہے۔ ان کا کھانا اور لباس دستور کے مطابق۔۔۔ نہیں تکلیف دینی جائیگی کسی
نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق، نہیں نقصان پہنچایا جائے گا والدہ کو اس کے بچے
کی وجہ سے اور نہ والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے۔ اور ولادت پر بھی کسی طرح لازم
ہے۔ پس اگر بچے کے والدین دودھ پھرانے کا ارادہ کریں آپس کی رضا مندی اور
مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم ارادہ کرتے ہو اپنی دلدلوں کو
دودھ پلانے کا دوسری عورتوں سے اقوم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ جب کہ تم دیدہ
وہ چیز جو مقرر کی ہے دستور کے مطابق۔ اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ
الہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۲۲۳

اس درس میں مطلقاً ہی کے ضمن میں مسئلہ رضاعت بیان ہوا ہے

یعنی طلاق کے بعد اگر عورت کو گورد میں بچہ ہو، تو اس کی پردہ نشی کس طرح ہوگی۔ بچے کی ذاتی
 دیکھ بھال کون کریگا اور اس کا ذمہ کون برداشت کریگا، رضاعت کا لفظی معنی دودھ
 پلانا ہے۔ چونکہ بچہ مرد کا حق ہوتا ہے۔ اور دودھ عورت پلاتی ہے اس لیے یہ سون
 پیدا ہوا کہ مرد و زن کی علیحدگی کی صورت میں بچے کی پردہ نشی کیسے ہوگی۔ جب کہ اصولاً
 بچے کو مرد کی تحویل میں رکھنا چاہیے۔ چنانچہ رشتہ ہوتا ہے۔ وَأُولَٰئِكَ مِنْ عَرَضَاتٍ
أَوْ لَا دَٰثِرٍ لَّهُنَّ مَحْلُوتَاتٍ کے مبین۔ اور مائیں دودھ پلاتیں اپنی اولاد کو پورے
 دو سال لَعَنَ رَاكِدٌ أَنْ يُتِمَّ الرِّضَاعَةَ یہ اس شخص کے لیے حکم ہے۔ جو
 دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے علیحدگی کی صورت میں اپنی ماں کا دودھ
 پلانے میں خاص حمت کا فرما ہے۔ کہ بچہ اپنی ماں کی بجائے کسی دوسری عورت
 کا دودھ پئے گا۔ تو وہ عورت اس کی رضاعتی ماں بن جائے گی۔ نکاح کے متعلق رضاعتی
 ماں کے بھی وہی احکام ہیں جو حقیقی ماں کے ہیں۔ لہذا جب بچہ نکاح کے قابل ہو
 گا، تو جس طرح اس کا نکاح حقیقی ماں کی رضاعتی عورت سے
 حرام ہے، اسی طرح رضاعتی ماں کو دوسرے جو رشتہ دار ہیں بچہ، بھتیجی، خالہ، بھانجی
 وغیرہ ہوں گے۔ ان سے بھی نکاح نہیں ہو سکے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس
 بات کی ترغیب دی کہ طلاق کی صورت میں جہاں تک ممکن ہو مطلقہ عورت کا بچہ
 اپنی ماں کا دودھ پیئے۔ لہذا اس کے لیے احکام نازل فرمائے۔ اس کی تفصیل آگے
 سورۃ نسا میں آئی۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكَ أُمَّهُنَّ وَأُمَّهُنَّ

مستحبت
مرد رضاعت

رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت کے متعلق فقہائے کرام کے مختلف
 اقوال ہیں۔ جن فقہائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وہ رضاعت
 کی مدت دو سال بتاتے ہیں حَوْلَيْنِ کے مبین۔ مگر اہم ماہک دو سال
 تین ماہ کے قائل ہیں۔ اہم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی انتہائی مدت
 اڑھائی سال ہے۔ وہ سورۃ احقاف کی آیت وَحَصْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ
شَهْرًا یعنی چھ ماہ اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہے جو کہ اڑھائی سال

بننے میں، اہم وجہ فرماتے ہیں، کہ اس آیت میں جو دو سال کا ذکر آیا ہے، تو یہ قانونی
 مدت وضاحت ہے، قانونی حیثیت سے دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے تاہم
 زیادہ سے زیادہ مدت ایسی سال ہے، تاہم کسی کو دو سال سے زیادہ عرصہ کے لئے
 دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اخلاقی طور پر اگر ماں رضامند ہو تو ایسا ہو سکتا ہے
 اس آیت کریمہ میں دودھ پلانے کا حکم سب سے پہلے حقیقی ماؤں کو دیا گیا وَاَلْأُمَّهَاتُ
 مِنْ ضَمَعٍ اَوْ لَدَهْنٍ اور حقیقی ماں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں، پہلی صورت یہ ہے
 کہ عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہے، دودھ بھی ٹھیک ٹھاک ہے، کوئی بیماری
 بھی لاحق نہیں، تو ایسی حالت میں دودھ پلانا مال پر واجب ہے۔ اور اس کے
 خرچہ کی ذمہ داری باپ پر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کو طلاق ہو چکی ہے
 مگر ابھی عدت میں ہے تو اس حالت میں بھی دودھ پلانے کی ذمہ داری ماں پر ہے۔
 البتہ مال اور بچے کا خرچہ مرد کے ذمے ہے۔ جب تک عدت ختم نہ ہو ہر قسم کا خرچہ
 خرداک، لباس، رہائش علاج وغیرہ سب آئی کی ذمہ داری ہے۔ اب تیسری صورت یہ
 یہ ہے کہ عورت کو طلاق ہو کر عدت ختم ہو چکی ہے، تو اس حالت میں عورت کی ذمہ داری
 ساقط ہو جاتی ہے بچے کی پرورش کی ذمہ داری اس کے باپ پر عائد ہوتی ہے اگر شک یا حقیقی ہو
 دودھ پلانے پر رضامند ہو تو باپ کو یہ ہے کہ لے لیتا ہے اور اس کا خرچہ معمول کے مطابق
 برائت کھتے ہیں اگر عورت معمول سے زیادہ خرچہ طلب کئے تو پھر اسی کی خدمات حاصل کرنا ضروری
 نہیں۔ مرد کسی دوسری عورت کو اجازت دے کہ بچے کو دودھ پلا سکتا ہے۔ بعض
 اوقات حقیقی ماں کا دودھ کسی غرض کی وجہ سے مضر صحت ہوتا ہے۔ یا دودھ اتنا کم
 ہے کہ بچے کی پرورش ٹھیک طور سے نہیں ہو سکتی۔ تو ایسی صورت میں بھی باپ
 کی ذمہ داری ہے کہ وہ مناسب غذا و خوراک کر کے کسی دوسری عورت سے دودھ چوسنے
 فرماوَعَلَى الصُّوْمُوْدِلْهُ رِزْقُهُمْ وَكَسُوْنُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
 جب یہ سب ہو جائے کہ ماں ہی بچے کو دودھ پلا سکے گی تو پھر ایسی ماؤں کی خرداک
 اور لباس کی ذمہ داری دستور کے مطابق بچے کے باپ پر ہوگی۔ عورت، خاوند مرد سے

نفل میں ہے یا مطلق ہو کر عدت گزار رہی ہے۔ اس کے اخراجات مرد برداشت کر چکا۔
 اور اگر عورت عدت پوری کر کے، کل جدا ہو چکی ہے۔ تو پھر اس کو کسی طرح اجرت
 دینا جائیگی جس طرح کسی غیر عورت کو دی جاتی ہے اور یہ اجرت یا معاوضہ دستور کے مطابق
 معقول ہونا چاہیئے، اگر کم نہ زیادہ اور اس معاملہ میں لَا تَكْلَفُ كَفْسًا وَلَا وَسْعَهَا
 کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائیگی مثلاً عورت کو کوئی عارضہ
 ہے اور دودھ پلانے کے قابل نہیں ہے۔ یا دودھ پلانے سے اس کی صحت کو خطرہ
 ہے تو ایسی صورت میں اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مرد
 کی مالی حالت کمزور ہے۔ تو اس کی حیثیت سے زیادہ اجرت طلب نہیں کی جائیگی
 اسی لیے فرمایا لَا تَقْضُوا زَوَاجَكُمْ كَبُوكُمْ ہا والدہ کو اس کا اپنا کچھ ہونے کی بنا پر
 نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ چونکہ اس کو سچے سے محبت ہے اور اس کی ممانعت
 ہے۔ کہ اسے خود دودھ پلانے کو اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مال کو کم اجرت
 پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ وَلَا تَقْضُوا زَوَاجَكُمْ كَبُوكُمْ اور نہ باپ کو محسن اس درجہ سے
 تکلیف دی جائیگی کہ وہ بچے کا باپ ہونے کی وجہ سے اس کی پرورش کرنے پر مجبور
 ہے۔ مگر وہ اپنی حیثیت سے زیادہ اجرت نہیں دے سکتا۔ لہذا ماں کو اس کمزوری سے
 فائدہ اٹھا کر بچے کے باپ کو تنگ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ یہ معاملہ فہم و تقسیم کے
 ذریعے دستور کے مطابق اور باپ کی مالی حالت کے پیش نظر دیکھنا چاہیئے۔

اسلام میں یہ ایک عام قانون ہے کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں
 دینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا دستور بھی یہ ہے کہ يُكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا رَاقًا

وَسَعَهَا۔ لہذا تعاقب کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دینا۔ عبادت میں
 دیکھ لیں۔ اگر کوئی شخص محذور ہے یا مجبور ہے کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو
 بیٹھ جائے۔ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ اشاروں سے نماز ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح
 اگر بیمار ہے یا مسافر ہے تو روزہ کو قضا کر سکتا ہے۔ دودھ پلانے کے معاملہ میں
 بھی فریاد کو کوئی فریق دوست فریق کو تنگ نہ کرے۔ بلکہ معمول کے مطابق احسن طریقہ

تفسیر روح البیان کے مطابق متوفی کے عہد تک بھی ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی چچا تیار، داؤ وغیرہ کو یہ ذمہ داری قبول کرنا ہوگی۔

رہاں پر مطلق وارث کا لفظ استعمال کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ حالات کے مطابق شرعی عدالت عظیم نیچے کی پرورش کی ذمہ داری کسی بھی وارث پر ڈال کی ہے تاہم عدالت کو یہ بات مدنظر رکھنا ہوگی کہ سب سے پہلے یہ ذمہ داری نیچے کی اپنی جائداد پر ڈالی جائے۔ پھر نیچے کے قریبی وارثوں پر اور پھر متوفی کے عصبیت پر کوئی غیر مسلم اصول ہے کہ حق ادا کرنے کا حق بھی اسی پر عائد ہوتا ہے جو حق وصول کرنے کا حق رکھتا ہے ایک صورت اور بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ نہ تو نیچے کی اپنی کوئی جائداد ہو اور نہ اس کا کوئی وارث ہو۔ ایسی صورت میں نیچے کی پرورش کی ذمہ داری حکومت رقت پر ہوگی۔ اگر دین سے بے بہرہ حکومت یہ ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔ تو پھر یہ ذمہ داری مسلمانوں کی عام جماعت کے سر پر ہے۔ کیونکہ اگر ماضی میں کچھ حال کے بغیر کچھ ضائع ہو گیا، تو مسلمانوں کی پوری جماعت عند اللہ مأخوذ ہوگی۔

مرث ضلوت
میں رضاعت

فرمایا: اگر یہ رضاعت کی مدت عام طور پر دو سال مقرر کی گئی ہے۔ تاہم
قَدْ اِنْ اَرَادَ اِقْصَا لَا عَنْ شَرْعٍ تَمْنُهَا وَ تَشْاَوْ فَاَنْتَ جُنَاحٌ عَلَيْهِمَا
اگر نیچے کے مال باپ یا بھی رضاعتی اور مثنی وارث سے نیچے کا دودھ دو سال سے پہلے
چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ نیچے کی بہتری مطلوب ہو۔ اگر وہ دونوں
سمجھتے ہیں کہ ایک سال بعد یا ڈیڑھ سال بعد بچہ مال کے بغیر بخیر و غیری پرورش پاسکتا
ہے۔ تو باپ کو حق ہے کہ وہ اسے لے جائے۔

فرمایا: قَدْ اَرَادَ اِقْصَا مَا تَمْنُهَا وَ تَشْاَوْ فَاَنْتَ جُنَاحٌ عَلَيْهِمَا
مال کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نیچے کو دودھ پلانا چاہو۔ فَتَدْ جُنَاحٌ
عَلَيْكُمْ تُو اس کے لیے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اُرَادَ اِقْصَا
مَا تَمْنُهَا بِاَمْتَحَرُّوْا جو کچھ ان سے مقرر کیا ہے۔ اسے دستور کے مطابق
ادا کرو۔ اس میں کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ جو اجرو۔ ملے کہ لو۔ وہ ان کو دودھ

اجنبی عورتوں
سے رضاعت

آدم و دودھ پلانے کا اور میں حق مان لوں ہے۔ کیونکہ جو مانتا ہے حق مان کے دل میں برقی
ہے۔ وہ دوسری کے دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ آہم شریعہ خاص مجبوری کی وجہ سے
تحقیقی مان سے دودھ پلانے ممکن نہ ہو، تو دوسری غارت کو مقرر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً مان
بیار سے، اور اس کا دودھ نہ صحت ہے۔ یا دودھ بالکل کم ہے جس سے بچہ کی نوزد
پرزی نہیں ہوتی۔ تو ایسی صورت میں غیر عورتوں سے دودھ پلانا درست ہو گا۔

فرمایا اس حال میں وَ تَشْأَوُا اللّٰہَ سے ڈرتے رہو کہیں اس کی نافرمانی نہ
کر بیٹھنا۔ اس کے احکام بلاوجہ نہیں ہیں، بلکہ اس نے یہ احکام اپنی خاص خدمت
اور انسان کی بہتری کے لیے دیے ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرو۔ اور پھر یہ نہ سمجھ لینا
کہ کبھی میرا پیسہ میری سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹال سکتے۔ وَأَعْلَفُ مَا يَخُوبُ يَار
رُكْعَدُ اِنَّ شَيْءًا لِّمَعَا الْقَصَصُ وَلَا يَصِيحُ تَمْرُجُو كَيْفَ عَمِلَ كَرْتَمُ ہوا، اللہ تعالیٰ
سے دیکھ رہا ہے۔ وہ تمہاری فیتوں تک سے واقف ہے۔ تمہارے دعوے کو نہیں
مے سکتے، اور اس کے احکام کی نافرمانی کا ارادہ کرتے وقت اس کے عذاب
کو بھی نگاہ میں رکھ لینا۔

سَيَقُولُ

الْبَقَرَةِ

دس حصہ (۱۰)

کیت ۲۰۲۰ء

وَبَيْنَ بَيِّتَيْهِمَا مَوْفِقُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجَ يَتَرَبَّصْنَ
 بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فِذَا بَلَغَ أَهْلُهَا
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا فَعَنَ فِي نَفْسِنَ بِأَمْرٍ رُفٍ
 وَتَلَبَّ تَقْلُوبًا خَيْرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا
 عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُصْبَةٍ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ فِي أَنْفُسِكُمْ
 عَمَهُمْ شَيْءٌ كُمْ سَتَكُرُونَهُمْ وَلَكِنْ لَا تَأْتِيهِمْ مِنْهُ
 زَلَّانَ تَقُومُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرَضُوا عَنْهُ أَنْتُمْ كَافِرُونَ
 حَتَّى يَكُنْ لَكُمْ كِتَابٌ مُبِينٌ وَعَمُّوَانٌ لَهُ يُعْنَمَ مَا سَمِعَ
 أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوا ۝ وَعَمُّوَانٌ لَهُ غُفُورٌ حَنِيمٌ ۝

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ ولادت پاچہ سے ہیں اور بیویاں چھوڑ چکے ہیں۔ رد
 اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں چار ماہ اور دس دن۔ اور جب وہ اپنی عادت کو پہنچ جائیں
 تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جو کچھ وہ عذر میں پہنے بات میں دستور کے مطابق کریں
 اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کہتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے (۱۰) تم پر اس بات میں
 کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اس بات کے ساتھ عذر توڑیں کہ یہ ہے یہ غامض
 نکل کا یا پھر سیدہ رکھو تم اس بات کو اپنے انصاف میں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ
 بیشک تم ان عذر توڑی کا ذکر کر دے گی لیکن ان سے وعدہ نہ کر دیکھو کہ پوچھنا
 طور پر مگر یہ کہ تم دستور کے مطابق بات کہو اور نہ ارادہ کرو نہ کلام کی گمراہی نہ ہٹنے
 کہ یہاں تک کہ کتاب چنی مدت تک پہنچ جائے اور جان کر بیشک اللہ تعالیٰ
 جانتا ہے جو کچھ تمہاری انصاف میں ہے اس سے ڈر سکتے رہو اور جان لو

کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے (۲۳۵)

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کا مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ اگر ماں کو طلاق ہو جائے تو بچہ کو دودھ کون پلائے گی۔ رضاعت کی مدت اور دودھ پلانے والی عورت کے حق کا بیان تھا۔ یہ بھی آچکا ہے۔ کہ اگر بچہ کا باپ یا مہربان ہو رہے۔ تو رضاعت کا خیرچہ وغیرہ اس کی ذمہ داری ہے۔ اور اگر باپ نہیں ہے۔ تو یہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ جو بچہ کے دانت بن سکتے ہیں۔ اگر بچہ کی اپنی ماں دودھ پلانے سے قاصر ہے۔ وہ خیرچہ دے۔ یا اس کا دودھ صفر صحت ہے۔ تو پھر کسی دوسری عورت سے دودھ پلانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ باجماع ایسی عورت کے ساتھ جو اجرت ملے ہو جائے اسے کسٹور کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں ہونی چاہیئے۔ ماں کہ بچہ کو نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ لازماً بچہ کو دودھ پلائے۔ اگرچہ بغیر غرض بچہ کو دودھ پلانے والی ہی اس کے ذمہ واجب ہے۔ اسی طرح باپ کو بھی بڑا نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صرف بچہ کی ماں سے ہی دودھ پلائے۔ وہ کسی اور عورت کی طرف بھی رجوع کر سکتا ہے اور بلا وجہ بچہ کو ماں سے چھینا بھی درست نہیں۔ یہ ساری باتیں سابقہ آیت میں واضح کر دی گئی ہیں۔

دوسرا مسئلہ عدت کا ہے۔ بعض قسم کی صورتوں کی عدت پہلے بیان ہو چکی ہے مثلاً جن مطلقہ عورتوں کو رجم کی آفت ہے۔ ان کی عدت اللہ تعالیٰ نے تین حیض مقرر فرمائی ہے اور جن کو حیض نہیں آتا۔ ابھی چھوٹی عمر ہے۔ یا کبر سن کی وجہ سے خون گنا بند ہو گیا ہے۔ ایسی عورتوں کی عدت تین مہینے ہے۔ جس عورت کا نکاح ہو گیا مگر میاں بیوی میں صورت نہیں ہوئی اور طلاق واقع ہو گئی۔ ایسی عورت کے لیے کوئی عدت نہیں۔ اس کا بیان سورۃ احزاب میں ہے۔ ایسی عورت طلاق کے بعد فوراً نکاح کر سکتی ہے۔ سورۃ طلاق میں اللہ نے حاملہ عورتوں کی عدت بھی بیان فرمائی ہے طَائِفَاتٌ اَوْ مَاتٍ حَمْلٌ فَلْيَقُوْا عَلَیْھِمْ حَتّٰی یَضَعُوْا حَمْلُھُنَّ

ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ جب بچہ پیدا ہو گا۔ عدت ختم ہو جائے گی۔ اس

عورت کی مختلف اقسام

بات کا کوئی لحاظ نہیں کہ کچھ چند دن میں پیدا ہو جاتا ہے یا فردوس میں ملنے لگ جاتے ہیں
 آج کے درس والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی عدت، بیان فرمائی
 ہے جن کے عذرِ عورت ہو جاتے ہیں۔ متوفی نعمان زونہا کی عدت کے بیشتر مسائل قرآن
 پاک میں بیان ہوئے ہیں۔ حدیث میں بھی بہت سی تفصیلات موجود ہیں۔ اب پروہ بھی
 دو قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اگر پروہ حاملہ ہے۔ تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ خواہ کچھ
 جلد ہی پیدا ہو جائے یا نو ماہ بعد حضرت سحر ابن خوزمہ حجۃ الوداع کے موقع پر انور غلٹی
 سے گر کر شدید ہو گئے تھے۔ ان کی بیوی حاملہ تھی۔ وفات کے ۲۲ دن بعد اس کے ماں
 بچہ پیدا ہوا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس کی عدت ختم ہو گئی ہے۔ اب اس کو نکاح
 مافی کی اجازت ہے۔ ماں نفاس کا گزر تا ضروری ہے (مقتدرت کے لیے)

اور اگر عورت، حاملہ نہیں ہے۔ تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس کے
 اندر مصامت یہ ہے کہ اگر اس کو حمل ہے۔ تو اس عرصہ میں ظاہر ہو جائے گا، اگر معلوم ہو جائے
 کہ عورت حاملہ ہے۔ تو اس کی عدت جیسا کہ پہلے بیان ہوا، وضع حمل ہوگی۔ اگر حمل نہیں ہے
 تو سب سے چار ماہ اور دس دن تک عدت پوری کرنا ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ وَالَّذِينَ
 يَتَّبِعُونَ مَتَّصِعَةً وَيَذَرُونَ اَدْوَابًا قَمِ مِنْ سَبْعَةِ حَتَّى كَوْنِ وَفَاتٍ دِي جَاتِي سَبْعِ
 اور وہ بچہ پیدا ہوا یا پھر جاتے ہیں۔ بَابُ يَتَّبِعُونَ بِفَضْلِ سَبْعِ اَرْبَعَةِ اَشْهُدِ
 وَصَرَّافًا وَرُكْعِ رُكْعِ اُپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن۔ یہ ان کی عدت ہے
 یہودیوں میں عدت کا کوئی نظریہ نہیں۔ ان کی عورتیں طلاق دی ہوگی کی صورت
 میں فوراً دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ ہندوؤں میں ایسی عورتیں ساری عمر سوگ مناتی ہیں۔
 انہیں نکاح مافی کی اجازت نہیں اول تو وہ خاندان کے ساتھ ہی زندہ چل جاتی ہیں۔ اگر ایسا
 نہیں کیا، تو ساری عمر یونہی بیٹھی رہیں گی۔ بہر حال یہ افراد تفریطا ہے۔ سلام دین فطرت
 ہے اور افراد تفریطا سے پاک ہے۔ اس میں نکاح کے حقوق و تہکب کا لحاظ رکھا گیا ہے
 اسلام نے ایسے احکام جاری کیے ہیں کہ نہ کو انسان کا نسب خراب ہو۔ نہ اختلاف میں
 بگاڑ پیدا ہو۔ اور نہ ہی کوئی چیز حیا کے خلاف ہو۔

غیر مذہب
 میں عتد

جاہلیت کے زمانہ میں چودہ سال بھر تک سرگ نہ آتی تھی، بیوہ عورت ہم لوگوں کے ساتھ مکان میں نہیں رہ سکتی تھی۔ بلکہ اسے کسی تنگ و تاریک کمرٹھڑی میں ڈال دیا جاتا تھا۔ نہ وہ غسل کر سکتی تھی اور نہ کپڑے تبدیل کرنے کی مجاز تھی۔ اس کو نحوس خیال کیا جاتا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا بھی نہیں کھا سکتی تھی۔ ایک سال گزرنے کے بعد اسے کمرٹھڑی سے نکالا جاتا اور گدھے یا اونٹ پر سوار کیا جاتا، مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ مرغ یا کوئی دوسرا جانور ایسی عورت کو لاکر دیا جاتا ہے وہ اپنے اعضاء سے تناسلہ کے ساتھ ملتی، اکثر اوقات وہ جائزہ نفس اور زہر سیلے جراثیم پیدا ہو جانے کی وجہ سے مر جاتے۔ نہ استنجائے طہارت۔ پھر اس عورت کے ہاتھ میں اونٹ یا بکری کی بینگیاں پکڑا دیتے اور اپنے ہاتھ سے میٹھ لیں پھینکتی، تو اس کے لڑا جاتے کہ اب اس کی عورت پوری ہو گئی ہے۔ اب یہ نہاد صحر کر صاف لباس پہن سکتی ہے۔ خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔ گویا جاہلیت کے زمانہ میں اس قسم کا بڑا دستور تھا۔

حضور علیہ السلام کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کیا حضور! میری بیٹی کا خاندان فوت ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا وہ سر نہ لگا سکتی ہے، آپ نے فرمایا، بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہم سال بھر سخت مشقت اٹھاتی تھیں مگر اسلام کی علت کردہ چار ماہ دس دن کی معمولی پابندی برداشت نہیں کر سکتی، مقتدرہ کہ عورت حدت کے دوران سر نہ نہیں لگا سکتی، رنگین کپڑے نہیں پہن سکتی، خوشبو نہیں لگا سکتی، ذیلیہ نہیں پہن سکتی، دینت کا سامان استعمال نہیں کر سکتی۔ البتہ صاف لباس پہن سکتی ہے غسل کر سکتی ہے، نماز پڑھ سکتی ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک مکان میں رہ کر کھانا کھا پی سکتی ہے۔ یہ سب جائز ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و قیامت پر ایمان رکھتی ہے وہ کسی مرد نے اپنے پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منے، اگر عاؤ پر چار ماہ دس دن تک سوگ نہ منے کا حکم ہے۔ ام المؤمنین حضرت زینب اور ام حبیبہؓ کے واقعات سے ہیں۔ ایک سے والد فوت ہو گئے اور دوسری کے بھائی انہوں نے تین دن گزرنے کے بعد خوشبو منگوائی۔ اور کچھ بچی کے سر پر لگا دی اور کچھ اپنے ہاتھوں کو مل لی۔ عورتوں کے مجمع میں فرمایا۔ مجھے خوشبو کی حاجت نہ تھی، مگر میں تمہیں مسئلہ سمجھانا چاہتی تھی۔ کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی عورت کے سیلے روا نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منا سے سوئے خاوند کی فریادگی پر جب کہ چار ماہ دس دن تک سوگ ہے۔

فرمایا فَإِنَّ بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ جب انکی عدت پوری ہو جائے۔ فَزَجَّتْ حَ عَلَيْكَ عُرْفِيَّةٌ فَقُلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَقْرُوفِ تو ب تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ عورتیں اپنے بائے میں دستور شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، یعنی اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں کہیں نکاح کا پیغام بھیجنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہو ایسا کر سکتی ہیں کسی درستی شخص کر یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کو اس کام سے منع کرے یا ان کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالے۔ فرمایا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ جو کچھ تم کرنے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتے ہیں۔

نکاح کی اجازت

اگر عورت مطلقہ ہے کہ دوران عدت کسی دوستے شخص کو اجازت نہیں کہ وہ اشارہ کنایہ سے بھی مطلقہ کے ساتھ بات کرے۔ صرف اس کے خاوند کو اجازت ہے وہ بھی اس صورت میں کہ طلاق منقطع ہو۔ یوں کہ یہ حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران نکاح کا وعدہ کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر کسی نے کوئی ایسا پیغام بھی بٹے کہ وہ کہنا چاہے کہ عدت کے اختتام کا انتہاء کر دو البتہ عدت کے دوران اشارے کنائے سے بات ہو سکتی ہے بلکہ اس میں صراحت نہ ہو۔ اس قسم کا ایک واقعہ ملتا ہے۔ ایک عورت پوچھا ہو گئی۔ اہم شخص صادق کے فرزند نے اس سے کہا کہ تم جانتی ہو کہ میرا تعلق حضور علیہ السلام کے ساتھ کیا ہے۔ اور جو میری قرابت حضرت علی سے ہے اس کو بھی جانتی ہو عام لوگوں میں میرا جو مقام ہے۔ اس سے بھی تم واقف ہو۔ اس عورت نے کہا، اند کا خوف کھو و میں عدت میں ہوں اور تم مجھے نکاح کا پیغام دے رہے ہو۔ اسوں نے کہا۔۔۔۔۔

میں میں اشارہ کنائے کی اجازت

میں پیغام نکاح تو نہیں دے رہا ہوں۔ میں تو صرف اپنی حیثیت واضح کر رہا ہوں کہ میرا فلاں فلاں ہستی سے کیا رشتہ ہے۔ اس کو کہنا یہ کہتے ہیں کہ صریحاً نکاح کی بات نہ کرے۔ ضرور اشارے سے دل کی بات

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر دُل میں بھی قانون کی خلاف ورزی کا خیال ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے بھی جانتا ہے۔ فَاَحْذَرُوا لَهَذَا اَمْسٍ سے ڈرتے رہو۔ اس کے قانون کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اور یہ درگموانا اللہ عَفُوٌّ حَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ عفو کرنے والا بھی ہے۔ درود پار بھی سب سے بھل کر نئے والا ہے۔ بسا اوقات وہ گرفت نہیں کرتا مگر جب محرموں کو پکڑتا ہے۔ تو پھر خوب پکڑتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے نکل کی دوسرے لاپرواہ نہیں ہو جانا چاہیے۔ کہ ایک دفعہ بچ گیا۔ تو ہمیشہ ہی پکڑا رہے گا بلکہ وہ اپنے وقت پر ضرور پکڑا جائیگا۔ اگر خدا کے قانون کو توڑ دے گا تو اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

سَيَقُولُ ۲

الْبَقَرَةِ ۴

درس یکم (۱۰۱)

آیت ۲۳۶ تا ۲۴۷

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ صَفَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَكُمْ بِتَسْوِهِنَّ أَوْ
تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِمِ
قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِقَدَرٍ ۚ مَا عَادَ بِالسُّعْرَةِ حَقًّا
عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ وَنَّصَفْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ
تَتَّسُوهُنَّ ۚ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصَفْتُمْ مَا
فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ
النِّكَاحِ ۚ وَنَّ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ
بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: یا تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم خود تمہارے عہد کے مطابق دو جب کہ تم نے ان کو بابت نہیں
تکلیف یا ان کے لیے ہر مقررہ چیز کیا۔ اور ان کو قدرہ پہنچاؤ طاقیت رکھنے والے پر اس کی طاقت
کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی طاقت کے مطابق فائدہ پہنچانا دستہ کے مطابق یہ
فائدہ سب سے بڑی کرنے والوں پر ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم عہدوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ تم نے
ان کو چھو ہو۔ اور بیشک تم نے ان کے لیے ہر مقررہ کیا ہے۔ پس اگر عہد لازم ہو گا۔
جو تم نے مقرر کیا ہے۔ اگلا یہ کہ وہ عہد میں ہی رہ کر نہ کر لیں یا وہ نہ کر سے وہ شخص جس
کے ہاتھ میں نکاح کی گره ہے۔ اور یہ کہ تم درگزر کرو یہ تقریری کے زیادہ قریب ہے
اور اس فضیلت کو نہ بھلاؤ جو تمہارے درمیان ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا
ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو ﴿۲۳۷﴾

گذشتہ دروس میں عدت کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی کہ دورانِ
عدت نکاح نہیں ہو سکتا، گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دورانِ عدت عورت سے

نکاح کا وعدہ لینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ابتداً تاکہ نہایت سے بات کرنے کی اجازت
میں دی۔ مقصد یہ کہ جس طرح عدت میں نکاح نہ کرنا جائز ہے اسی طرح نکاح کا وعدہ لینا بھی
حرام ہے۔ طلاق کے دوران اور اس کے بعد منپکے کی رضاعت کا مسئلہ کسی بیان جو کہ اسے
کہہ حلال کے وقت اگر دودھ دیا کچھ ہو تو اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہوگا۔ اگر منپکے کا
بپ بھی نہیں ہے۔ تو پھر اس کا بار کون اٹھائے گا۔ نیز یہ کہ دودھ کس عورت سے پلانا
چاہیئے۔ یہ سب مسائل بیان ہو چکے ہیں۔

حق مہر نامہ

آج کے دور میں حق مہر اور اس کی ادائیگی کے متعلق مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ حق مہر
نکاح کے لوازم میں سے ہے۔ سورۃ النساء میں ہے **فَاِنْ طَلَّقَ الْوَعْدَ**
فَلْيَرْجِعْ فِيْ اَنْفِ اُخْرٰى چھوڑ دیا تو واپس چھوڑ کر دینا ہے۔ جو ہم نے عورتوں کے متعلق
مردوں پر ضروری قرار دی ہے۔ اس میں حق مہر اور عورت کے دیگر خواہشات، روٹی،
کپڑا، رہائش، علاج وغیرہ سب غاۓ کے ذمہ میں۔ سورۃ نسا میں ہے **وَاَجِدْ لَكُمْ**
فَاَوْفُوا بِاَمْرِ رَبِّكُمْ پامناؤ اپنے رب کے حکم یعنی حق مہر کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان
کے مدد و تمہداتی عورتوں سے مال صرف کر کے نکاح کر سکتے ہو۔ دل خرچ کرنے کے
متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے مہر پر حق مہر کا ہے۔ مہر پہلے پتے میں کہ خرچہ
جو مرد ادا کرے۔ پھر عورت کی باقی ضروریات پر خرچہ کیا جائے۔ میں وہ بھی مرد کے ذمہ میں۔
سورۃ نسا میں ہے **وَمِنْ حَقِّ الْمَرْءِ عَلَى الْمَرْءِ** کہ شوہر نے عورت کو طلاق دیا تو
بچھڑنے والے عورتوں کے حق مہر خوشی خوشی دینا کر دہ اس میں پس دینا کہ مرد بہ اسد تمہد
نے قہر پر قرض کیا ہے۔ اعراض۔ حق مہر نکاح کے لیے نہ ملے گا۔

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین کی تفسیر رحمی میں ہے کہ مہر نکاح کا لازم جزو
ہے۔ لہذا اس کے بغیر نکاح کیسے درست ہو سکتا ہے۔ مگر عورت کے لیے مہر
مقرر نہ ضروری نہیں ہے اگر اس کا اجماعی لہجہ ہو جائے تو پانی بہت بہت
صرف۔ تاکہ دیا جائے کہ ہم بعد میں آپس میں مل سکیں گے۔ گونہ نکاح درست رہے
مہر کا تقرر بھروسے سے ہو گیا۔ تو بھی نکاح درست ہے۔ بہت گونہ نکاح درست ہے

حق امر کا انکار ہی کر دے، تو نکاح نہیں ہو گا۔

خاندان حضرت
شاہ ولی اللہ

ہندوستان میں خاندان شاہ ولی اللہ کی دینی خدمات، ان کا بل فراموش نہیں۔ یہ آپ کا خاندان
ہی ہے۔ جس نے قرآن پاک کے علم کو مقامی زبان میں پھیلایا۔ خود شاہ ولی اللہ سے
مسبے بیت، مفتوح الرحمن کے نام سے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور اس کے ساتھ
مختصر تفسیر بھی تحریر کیا۔ اس کے علاوہ اس کا مقدمہ بھی لکھا۔ اصول تفسیر پر آپ کی
کتاب "الغزوات" بکیر بے نظیر چیز ہے۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے راہنما کی حیثیت رکھتی
ہے۔ اور آج بھی تمام دینی مدارس اور یونیورسٹیوں میں ایم اے (اسلامیات) کی جہاتوں
کو پڑھانی جاتی ہے۔ فہم قرآن سے متعلق آپ نے نہایت بلند پایہ اصول ترتیب کیے ہیں
آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز نے قرآن پاک کے آخری دو
پاروں اور سورۃ بقرہ کے نصف تک کی تفسیر فارسی زبان میں لکھی۔ آپ نابین ہو گئے تھے
اس لیے پوسٹے جاتے تھے اور آپ کے شاگردان رشید اس کو قلمبند کرتے تھے۔ اپنی
وفات تک اس سے زیادہ تفسیر کا کام نہیں کر سکے۔ آپ ہفتہ میں ایک روز قرآن
پاک کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ یہ درس بھی لوگوں نے سکے۔ آج کل جمع شدہ نسخے نہیں
ہیں۔ ہم قلمی نسخے کہیں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت شاہ ولی اللہ کے در سے بیٹے شاہ رفیع الدین نے قرآن پاک کا
مسبے بیت اردو ترجمہ کیا۔ یہ تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ جو عام پڑھا جاتا ہے۔ مختلف شاعری
اداروں مثلاً قج کمیٹی انجمن حمایت اسلام وغیرہ نے اس ترجمہ کے بشمار ایڈیشن شائع کیے
ہیں۔ آپ قرآن پاک کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ جس کو آپ کے شاگردان نوٹ
کر لیا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے چالیس پچاس سال بعد یعنی آج سے سو سال
پہلے صرف سورۃ بقرہ والا حصہ شائع ہوا، جو کہ تفسیر فیعی کہلایا۔

آپ کے تیسرے بیٹے شاہ عبدالقادر نے قرآن پاک کا با محاورہ اردو ترجمہ کیا
اس میں بعض مشکل الفاظ بھی آئے ہیں جو درجہ استعمال ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا
عطاء اللہ شاہ صاحب، بنگالہ فرمایا کرتے تھے کہ امیر می کے دوران میں شاہ عبدالقادر

کا اور دوسرے پروردگار کا لفظ الصَّحْد کا ترجمہ نبرد و عداوت نظر سے گزرا۔ چونکہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اس لیے میں شبہ نہ کیا۔ جیل میں موجود ایک بہت بڑے پنڈت سے میں نے اس لفظ کا معنی دریافت کیا۔ تو وہ کہنے لگا۔ تم کیوں پوچھتے ہو پہلے یہ بتاؤ کہ یہ لفظ کہاں آیا ہے۔ میں نے کہا پہلے تم اس کا معنی بتاؤ۔ چنانچہ اُس پنڈت نے بتایا کہ نرا وہاں سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اور یہ اُس ذات کے لیے بولا جاتا ہے جس کی طرف سب چیزیں محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ایسے ایسے عجیب و غریب مگر بالکل صحیح الفاظ اپنے ترجمہ میں استعمال کیے ہیں۔ آپ نے دہلی کی گنگ ایڈورڈ روڈ پر واقع اکبری مسجد میں بارہ سال تعلیمات کیا تھا۔ بعد میں اس مسجد کو انگریزوں نے غیبت و نابود کر دیا۔ یہ ترجمہ آپ نے اسی اعتکاف کے دوران لکھا تھا، ساتھ مقوڑ، مقوڑا کا شہید بھی ہے۔ اس ترجمہ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الحسن نے نسبتاً آسان زبان میں منتقل کیا ہے۔ اور یہ کام آپ نے ماشا جیل میں اسیری میں زندان میں انجام دیا۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں اردو زبان ابھی ابتدائی مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اور اس میں بھی اتنا تسلسل نہیں تھا۔ دو سو سال کے عرصہ میں اردو زبان کافی ترقی کر چکی تھی۔ لہذا شیخ الحدیث نے شاہ صاحب کے اردو ترجمہ کو آسان بنا دیا۔ اور آج کل اس کی اشاعت عام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے اور چوتھے بیٹے شاہ عبد الغنی ہیں۔ آپ نے درس و تدریس کے ذریعے تو دین کی بہت خدمت کی ہے۔ مگر آپ کی کوئی مستقل کتاب نہیں ہے۔ البتہ آپ کے صاحبزادے شاہ، سید علی شہید نے قلم اور تلواریں دونوں سے جہاد کیا۔ آپ کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ اور آپ نے انگریزوں کو کچھوں کے خلاف عملی جہاد میں بھی حصہ لیا۔ اور پھر لاکھوٹا کے مقام پر جہاد کیا۔

ترکشن فرمایا۔

شاہ ولی اللہ ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے جب کہ اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۷ء میں وفات پانگئے۔ یہ اپنے خاندان کے واحد بادشاہ تھے جنہوں نے پچاس سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔ کابل سے لیکر برہمپور کا وسیع علاقہ اپنی سلطنت میں شامل تھا

عالمگیر کے اچانک سال قورلہ انمول میں گزر گئے۔ نہیں صرف ایک سال امن وہاں کا ہوا۔ انہوں نے خلیفہ سلطنت کو مستحکم کرنے کی لادھ کو کشش کی جگہ کامیاب نہ ہو سکے۔ آپ کی وفات کے بعد سیکے بعد دیر سے کئی بادشاہ تخت نشین ہوئے، حضرت شاہ ولی اللہ نے دس بادشاہوں کو منہ اقتدار پر آتے دیکھا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی لائق تاجت نہ ہوا۔ سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی اور انگریزوں کو مداخلت کا موقع مل گیا اور آخر انہوں نے ہندوستان میں پاؤں جمالیے۔

اورنگ زیب عالمگیر بڑے مدین آدمی تھے۔ مگر انگریزوں نے انہیں خوب ہزنام کیا۔ انہوں نے عالمگیر کو ایک ظالم بادشاہ کی حیثیت دینے کے سامنے پیش کیا۔ اور یہاں تک مشہور کیا۔ کہ عالمگیر اس وقت تک ناشتہ نہیں کرتا تھا۔ جب تک ہزاروں ہندوؤں کو قتل نہیں کروا دیتا تھا۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ خدا نخواستہ اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان میں کوئی ہندو باقی نہ رہتا۔ آپ نے پچاس سال حکومت کی۔ اور ہندوؤں کی سلطنت دہلی میں بھی موجود تھی۔ آپ نے بعض سکھوں اور مرہٹوں کے ساتھ لڑائی کی۔ کیونکہ ٹورٹس پسند تھے مگر آپ نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ شریعت کا پابند بکا سچا مسلمان تھا۔ جہاں حق و انصاف کا تقاضا ہوا اپنے بھائی تک کو معاف نہیں کیا۔ آپ کے بھائی نے غزوہ گئی کے زمانہ میں ایک غریب شخص کے بچے کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ وہ شہزادہ ہونے کی وجہ سے گرفت میں نہ آسکا۔ جب عالمگیر کا دور آیا تو اس بچے کے باپ نے مقدمہ دائر کر دیا اور دائرہ سی چاہا۔ باقاعدہ مقدمہ چلا۔ قتل کا ثبوت فراہم ہوا۔ اور پھر قصاص میں شہزادہ کو مرے موت ہوئی۔ عالمگیر اس کردار کا آدمی تھا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ نکاح کے لیے حق ضروری ہے۔ البتہ بوقت نکاح اس کا تقرر ضروری نہیں ہے۔ یہ بعد میں بھی طے ہو سکتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں ایسی ہی صورت کا تذکرہ ہے۔ فَمَا بَالُاجْتِاسَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَطَلَّقُوا وَ بَيْنَكُمْ آيَةُ اللَّهِ مَّا لَمْ تَقْضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً تَرْجُوْنَ كُنَّ نہیں ایسی صورت میں کہ تم طلاق سے دو غور لوں کو اس حالت میں کہ تم نے ان کو جھوٹا

حق ضروری
ہے اگر

نہیں اور حق کا ہر بھی مقرر نہیں کیا۔ فرمایا بغیر ہر مقرر کیے نکاح بھی ہو گیا تھا اور اب طلاق بھی واقع ہو گئی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم غم خیز توں کو ان کے حق سے بالکل محروم کر دو۔ بلکہ **قَدْ زُورَ مَا حَبَّ حَيْثِيَّتْ** یعنی کچھ سے دلا دو۔ مگر کس قدر فرمایا **عَلَى الْمُتَوَسِّعِ قَدْ زُورَ مَا حَبَّ حَيْثِيَّتْ** پر اس کی حیثیت کے مطابق۔ اگر کوئی طاقت والا ہے۔ تو وہ اس کے مطابق ادا کرے **وَعَلَى الْمُتَقْتِرِ قَدْ زُورَ** اور اگر کوئی مایں محاذ سے کمزور ہے۔ تنگدست ہے۔ تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق مطلقہ کو ادا کرے۔ اس مقام پر فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ عورت کو کم از کم ایک جوڑا کپڑے دینا ضروری ہے۔ جس میں تین کپڑے شامل ہوں ایک بڑی چادر، ایک دوپٹہ اور ایک کرتہ۔ جو جسم کو ڈھانپ لیں۔ تاہم یہ ہے۔ کہ مالدار اچھا قسمی جوڑے سے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق جوڑے کرے یہ تو ایسی عورت کیلئے ہے جس کا ہر مقرر نہیں ہو سکا اور طلاق واقع ہو گئی۔ البتہ جن کے ہر مقرر ہوں ان کو حق ہر توراں ہو گا، اس کے علاوہ کپڑے دینا بھی واجب ہے، اسی کو فرمایا **مَتَاعًا بِأَدْنَى مَتَاعِ دُورِ** یہ متاع دستوں کے مطابق دو۔ مطلقہ عورت کا حق غضب نہ کر دے۔ فرمایا **حَقَّ نَعَى الْمُتَحْصِنِينَ** یہ چیز صاحب ایمان نیکو کاروں پر لازم ہے۔ لہذا اس میں کوتاہی نہ کریں۔ بلکہ مطلقہ کو ضررہ اس کا حق ادا کر دیں۔

ہر مثل

طلاق کے علاوہ ایک صورت بیوگی کی بھی ہے۔ اگر نکاح کرتے وقت ہر مقرر نہیں ہوا اور میاں بیوی کی ضرورت بھی نہیں ہوئی اور خاندان ہو گیا تو اب عورت کس چیز کی حقدار ہے۔ ایسی صورت میں عورت ہر مثل کی حقدار ہوگی۔ شریعت میں ہر مثل سے ملنا ایسا ضروری ہے۔ جو ایسی عورت کے خاندان کی درمیری عورتوں کا عام پر مقرر ہوتا ہے۔ جب ایسی صورت پیش آ جائے تو پھر دیکھا جائے کہ اس خاندان یا بیوگی میں اس حیثیت کی عورتوں کا کیا ہر مقرر ہوتا ہے۔ اس کے مطابق اس عورت کو بھی ہر ادا ہو گا۔ اس کے علاوہ یہ عورت خاندان کی وراثت کی بھی حق دار ہوگی۔ اور اسے چار ماہ دس دن کی ضررہ مدت بھی گزارنا ہوگی۔

نصف مہر

آج کے درس کی دوسری آیت کہ میرا نصف مہر کے متعلق ہے۔ یہ کس حالت میں آدا کیا جائیگا۔ فرمایا: وَإِنْ صَلَّيْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً أَوْ زَكَاةً أَوْ مَهْرًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ مِنْهُنَّ اور اگر تم ایسی حالت میں جوڑو کو طلاق دو کہ ان کے قریب نہیں گئے۔ مگر نکاح کر کے وقت مہر مقرر کیا تھا۔ اور وہ طلاق ہونے سے قبل انہیں بوا۔ فَيَنْصِفُ مَا فَضَلْتُمْ پس نصف سے جو تم نے مقرر کیا تھا یعنی اگر بغیر مہر ثابت کے علاق ہوئی ہے تو مقررہ مہر کا نصف آدا کرنا ہوگا۔ یہ تو کمزور ہے کہ اتنا ضرور آدا کر دو البتہ سزا میں جیسے یا قعدت میں ملے کہ انہیں سزا واجب آدا کرتے زیادہ بنی یا مولا حسب حس بن یا بن ابی طلحہ کے متعلق آتا ہے کہ اس کے ساتھ آدا بجا کر پیش آگیا۔ بغیر عیادت کے عورت کو علاق دے دی۔ لہذا اگر عیادت کے مطابق انہوں نے دس تیار نہ کر لیں تو اس کے در دوسری کے مطابق میں دس مہر کی رقم ہی مہر کے طور پر آدا کی مقصد یہ تھی کہ جدا ہونے والی عورت کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ لہذا اسے احسن طریقے سے رخصت کیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ دیا۔ اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو اور طلاق واقع ہو گئی تو عورت کو کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑے دو۔ اور اگر مہر مقرر ہوا تھا تو کم از کم اس کا نصف آدا کر دو۔

معافی تنوی کی علامت

وَلَا تَنْفَعُونَ البتہ ایک صورت میں اور ایک صورت سے بچ سکتے ہو کہ وہ عورتیں خود مہر معاف کر دیں کہ ٹھیک ہے ہم نہیں لیتیں جاؤ معاف ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ وَيَقْعُصُوا الٰذی یبیدہ عَفْءَ الْبُكَاحِ یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گروہ ہے یعنی طلاق نہیں والا مرد نصف کو دے۔ مردوں کا معاف کر دینا بدین معنی ہے کہ وہ نصف کی بجائے پورے مہر آدا کر دیں۔ یا اگر پورا آدا کر چکے ہیں تو نصف واپس نہیں لیتے عَفْءَ الْبُكَاحِ سے اکثر مفسرین نے غامض مزہ لیا ہے۔ جن کے ہاتھ میں طلاق کی گروہ ہے۔ یعنی طلاق نہیں کا حق نہیں ہے۔ عورت تو زیادہ سے زیادہ عدالت سے نفع حاصل کر سکتی ہے مگر طلاق مرد کا ہی حق ہے۔ بعض نے اس سے مراد عدالت کا ولی بھی لیا ہے۔ مگر

واجب قول پیا ہی ہے۔ فرمایا ہے مردو! وَأَنْ تَعْتَقُوا اگر تم معاف کرو اَحْسَبُ لِلشَّقَوٰی
یہ بات تنوی سے قریب تر ہے لہذا اگر پرہیز گاہی اختیار کرنا چاہتے ہیں، تو معاف ہی
کردیا کرو۔

فضیلت کی
پامندی

پہلے غزہ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کے قوام جی بنایا نیز یہ
بھی بیان ہو چکا ہے کہ رَمَزَ جِبْرَانِ عَلَیْہِمْ دَرَجَاتُ مَرْدُوں کو عورتوں پر ایک درجہ
فضیلت حاصل ہے۔ لہذا اے مردو! تمہاری اس فضیلت کا تقاضا ہے کہ
وَلَا تَنْفَسَنَّ نَفْسًا یَّتَمَلَّکُمْ مِّنْہَا اے درمیان اللہ تعالیٰ نے ہر فضیلت
رکھی ہے۔ اس کو مست بھولو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عورتوں پر برتری عطا کی ہے تو اس
برتری کا تقاضا ہے کہ تم عورتوں پر زیادہ احسان کرو۔ اور طلاق کی صورت میں آدمے
کی بجائے پورا مرد کو لے لیا اگر پورا لڑکا کر کے ہو، تو آدھا واپس نہ لو۔ بلکہ معاف کر دو۔
فَرَمَاہِنْ اَللّٰہُ جَعَلَ اَعْصَلُوْنَ جَبِیْئُوْا بیشک تمہارے سب کام اللہ تعالیٰ کی نگاہ
میں ہیں۔ وہ تمہارے ہر خیر و شر کو دیکھ رہا ہے۔ لہذا اس کے احکام کی پابندی کرو گے
تو اس کے مقرب بن جاؤ گے۔ اگر خلاف ورزی کرو گے، تو پھر اس کی گرفت بھی
زیادہ دیر نہیں ہے۔

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ رَاقُونَ مُؤْمِنِينَ
 قُنِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا
 أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا
 تَعْلَمُونَ ۝ وَلَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَبِذُرُوعٍ
 زَوْجًا ۖ وَصَيْدٍ لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا لِّلْأَحْيَاءِ غَيْرِ
 أَخْرَاجٍ ۖ فَمِنْ خُرُوجٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْتُمْ
 فِي أَنْفُسِهِمْ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَأَنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝
 وَلِيَصْطَفِيَ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝
 كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ترجمہ: اے مومن! اپنی نمازوں اور خصوصاً درمیان نماز کی پوری کھڑکی پر اللہ کے
 سامنے عاجزی سے (۲۳۸) پس اگر تم خوف کی حالت میں ہو، پس پہلی یا سوری پر نماز
 ادا کرو۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو، پس اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تم کو تعلیم فرمایا
 جو تم نہیں جانتے تھے (۲۳۹) اور وہ لوگ جو تم میں وفات پائیے جاتے ہیں، اور وہ اپنی
 بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ اپنی عورتوں کے بارے میں وصیت کر جائیں ایک سال تک
 نذرانہ اٹھانے کی اجازت رکھیں۔ اور اگر وہ عورتیں خود کل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں
 اس میں جو وہ اپنے حق میں کریں دستور کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کمال قورسے مالک
 اور حکمت والا ہے (۲۴۰) اور مطلق دلی عورتوں کے لیے نذرانہ اٹھانا ہے، ورنہ
 مطابق یہ بات لازم ہے سب سے پہلے (۲۴۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات فرمائی

سلیحہ بیان فرماتا ہے کہ ترجمہ کیا جاوے (۲۲۲)

رابطہ ایات

گزشتہ آیت میں صدق، عدت، برحق، صبر کے مسائل ذکر ہوئے ہیں۔ نسبت یہاں
یہ دو آیتیں نماز کے متعلق ہیں اور اس کے بعد پھر خلاق اور عدت کے مسائل ہیں۔
بظاہر ایک ہی نوعیت کے مسائل کے درمیان نماز کی یہ آیتیں بے ربط معلوم ہوتی ہیں
مگر حقیقت میں این نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اہل حق سے
یہاں یہ بات سمجھنا چاہتا ہے کہ دیگر جو نکاح، خلاق، عدت کے مسائل میں متغزل ہو
کہ کہیں نماز سے غافل نہ ہو جائے۔ مزاح خلاق کے مسائل بھی ایسے سمجھے ہوئے ہیں
کہ بعض اوقات گفتگو طول پکڑ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں تدریسی غماز نہیں چھوٹی
چاہیے۔ اس کا سر حال میں خیال رکھو۔ اس طرح گویا نماز والی آیات دوسری آیات
سے مربوط ہیں۔

حضرت مولانا جید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ نماز کی آیات کو دیکھ کر آیا ہے
اس طور ربط ہے کہ گزشتہ سورۃ آیت میں نکاح، خلاق، عدت وغیرہ جیسے
معاشرتی مسائل کا تذکرہ ہے اور یہ مسائل تدبیر منزل کے مسائل کہلاتے ہیں۔ درحقیقت
ان مسائل پر عرس کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ یعنی احکام کی پابندی کر دو۔ غنوی اختیار کر دو۔
ظلم نہ کرو۔ دینی نہ کرو۔ بچوں والی و مطلقہ عورتوں کا حق نہ لو۔ یہ سب بچوں کے حقوق اور ان کے
اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے دو چیزوں کا حکم دیا ہے یعنی عدل و احسان ﴿لَنْ يَكُونَ
لَكَ جُنْدٌ اَوْ نَفْسٌ اَوْ رَحْمَةٌ﴾ یعنی محشر میں نہ دس و انصاف کو قہر کرو اور احسان
بھی کرو۔ تدبیر معاشرتی مسائل کے تحت آتے ہیں جیسا کہ نماز کی آیتیں احسان کی
تعریف میں آتی ہیں کہ نماز اگر سنت سے انسان میں فتنہ ہے، نیکی کا رمی اختیار کرتا ہے
لڑیاں پر دونوں طرف کے مسائل کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔ اگر عدل و احسان کے تقاضے
بیک جا پور سے کیے جائیں۔ اس طرح یہ آیات آپس میں مربوط ہیں۔

عدل کے مسائل تو گزشتہ کئی مذہبوں میں آئے ہیں اور کئی جہاں آئیں گے

سورۃ مدثر

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے احسان کا مسئلہ بیان فرمایا: **فَظَنُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَاصْصَلُوا**
لَوْ تَصَلَّيْ سَائِجَ مَازِدٍ کی حفاظت کرو۔ اور خاص طور پر صلوٰۃ و طہ کی درمیانی نماز
کے متعلق بہت سے اقوال میں کسی نے اسے فجر کی نماز بتایا ہے۔ کسی نے ظہر کی کسی
نے مغرب کی اور بعض نے عشاء کی، مگر مجمع قول یہ ہے کہ صلوٰۃ و سعی سے مراد عصر کی
نماز ہے۔ امیر مہدی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ اس نماز کی اہمیت اس وجہ سے ہے
کہ یہ نماز دو رات کی (مغرب اور مشاء) اور دو دن کی (فجر اور ظہر) کے درمیان واقع ہے
اور یہ وقت نسبتاً زیادہ مشغولیت کا ہوتا ہے۔ کاروبار کی وجہ سے اس نماز کے ضائع
ہونے کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی حفاظت کی زیادہ تاکید فرمائی گئی
ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فجر کی نماز کے وقت اور پھر عصر کی نماز کے وقت اسی
فرشتوں کی ٹرویٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ جو بندوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں سے جاتے
ہیں۔ لہذا یہ وقت بڑا اہم ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ **مَنْ قَامَتْ لَهُ**
صَلَاةٌ لَعَنَ صُورَ فَكَانَتْ لَهُ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ یعنی جس کی عصر کی نماز فرست ہو گئی گویا
اس کا اہل اور مال سب کچھ ہلاک کر دیا گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمام نمازوں کی حفاظت کرو
مگر خاص طور پر (درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔ **وَقُومُوا لِلَّهِ قِیَامَاتٍ** اور اللہ تعالیٰ کے
سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ گویا نماز میں پوری توجہ اسی طرف لگا دو۔ اور
اُدھر کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ بلکہ یہ تصور کرو کہ تم احکام الحاکمین کے حضور دست بستہ کھڑے
ہو، لہذا پوری توجہ کے ساتھ نماز کو ادا کرو، ایسی ہی حالت کے متعلق حضور علیہ السلام نے
فرمایا تھا کہ احسان اس بات کا نام ہے۔ **نَا تَقْبَدُ اللّٰهَ كَمَا تَكُنْ** یعنی عبادت
کے وقت تیری کیفیت یہ ہونی چاہیے گویا کہ ترا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جب
اس کے حضور میں نماز کے لیے کھڑا ہے تو اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہا
ہے۔ فرمایا اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے۔ تو کم زکم اتا تو ہے۔ **فَإِنَّهُ يَسْلُكُ**
کہ وہ تو کچھ بہر حال دیکھ رہا ہے۔ لہذا نماز کے لیے نہایت بوجوب طریقے سے
کھڑے ہو کہ تم اسے دل میں خشیت الہی ہو۔ اور تمہاری حرکات و سکنات کے عاجزی کا اظہار ہو۔

تَوْبَتٌ حَفِيفَةٌ كَقَرَحٍ أَوْ زَلْزَلَةٍ پس اگر تم خوف کی حالت میں ہو پس پیدل یا سواری پر نماز ادا کرو۔ خوف سے نماز ٹھیک کا خوف ہے۔ جب دشمن کے ساتھ حالت جنگ ہو۔ اور میدان کارزار میں نماز ہو وقت آجائے تو جنگ سے فارغ نہ ہونے تک نماز کو مؤخر نہ کر دو۔ بلکہ اس وقت اگر تم پیدل چل رہے ہو یا سواری پر ہو در دشمن کا ہم آں خطرہ ہے۔ تو سواری کے اوپر چھپے پلٹے ہی نماز ادا کر لو۔ اگر قتالی ہے یا زبردستی وہ قول کرنا لازم ہے۔ بغیر سواری کے پیدل امام ایزدیتف کے نزدیک نماز درست نہیں۔ عین جنگ کی حالت میں مجاہدین کے دو گروپ بنا کر نماز کی دانگی کا ذکر آتا ہے۔ ایک گروپ دشمن سے لڑتا ہے اور دوسرا نماز ادا کر لے۔ پھر دوسرا دشمن کے مقابلے پر ہو اور پہلا نماز ادا کر لے۔ پھر اگر مجاہدین ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں صحابہ کرام کی خواہش ہوتی تھی۔ تو پھر دونوں گروپ آدمی آدمی نماز امام کے ساتھ پڑھیں گے اور باقی آدمی خود پوری کریں گے۔ اگر دو رکعت نماز ادا کرنا ہے تو ایک گروپ امام کے پیچھے کھڑا ہوگا اور دوسرا دشمن کے مقابلے میں رہے گا۔ جب امام کے ساتھ ایک رکعت مکمل ہو جائے گی تو پہلا گروپ پیچھے ہٹ کر روپے سے پہلے لے گا اور حفاظت پر مامور دوسرا گروپ امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو جائے گا۔ اسی طرح دونوں گروپ ایک ایک رکعت امام کے ساتھ ادا کریں گے اور دوسری رکعت خود پوری کریں گے۔ اگر نماز چار رکعت والی ہے۔ تو ہر گروپ دو رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اور باقی دو رکعت خود مکمل کر لے گا۔ یہ اسی صورت میں ہے کہ مجاہدین کسی خاص نیک آدمی کے ساتھ جماعت میں شامل ہونا چاہیں۔ ورنہ ہر گروپ اپنی اپنی پوری نماز بیک وقت ادا کرے گا۔

حضور علیہ السلام نے سفر اور اقامت ہر دو حالتوں میں چھ یا دس دفعہ صحابہ کرام کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ آپ نے سفر کی حالت میں دو رکعت اور اقامت کی حالت میں چار رکعت نماز پڑھائی۔

فَرَادَا فَادَّأَمْسَتْ حَبِطَ امْنِ كِي مَالَتِ مِيں ہر خوف دُور ہو جائے ۔
 فَادَّكَرُوا اللَّهَ حَكَمًا عَظِيمًا كَمَا تَوَالَّدَ كُو اس طرح یاد کر دے جس طرح اس نے
 تمہیں تعلیم دی ہے ۔ یعنی رکوع ، سجود ، قعدہ وغیرہ جو بھی شرائط ہیں ، فرائض ، واجبات ، سنن
 اور مستحبات ہیں سب کی رعایت رکھو ۔ اللہ نے تمہیں ایسی تعلیم دی ہے ۔ مَا كُنْ
 تَكُونُوا تَعْلَمُونَ جو تم نہیں جانتے تھے ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص مہربانی
 ہے کہ اُس نے اپنی عبادت کا وہ طریقہ بھی بتلادیا ہے ۔ جسے وہ پسند کرتا ہے ۔ پس
 اس طریقے کے مطابق اللہ کا ذکر کرو ۔

نماز کے تذکرے کے بعد اب پھر عورتوں کے مسائل کا بیان ہے مفسر فرماتا ہے
 وَالَّذِينَ تَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۔ تم میں سے جو
 لوگ وفات پاتے ہیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں قِصَّةُ
 لَازِوَاجِهِمْ وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں گے اَلْحَوْلِ
 عَيْنِ اَحْمَدِ ج کہ وہ ایک سال تک فائدہ دے جائیں بغیر غرض سے نکالنے کے فَإِنْ
 خَرَجْنَ اور اگر وہ خود بخود نکل جائیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَاَنْ تَكُنَّ
 نِسَاءً فِي مَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ کہ جو کچھ وہ اپنے معاملہ میں
 دستور کے مطابق کرنا چاہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ مردوں پر یہ لازم ہے کہ عورتوں
 کی وصیت کریں کہ کم از کم ایک سال تک ان کے گھر میں عموماً کے مطابق بیٹھی رہیں ۔ ان کے
 تمام اخراجات بھی پورے کیے جائیں ۔ ان اگر عورتیں خود اپنے متعلق کوئی دوسرا
 فیصلہ کر لیں ۔ یعنی دوسرا نکاح کرنا چاہیں ۔ تو پھر وہ اپنی مرضی کی ایک ہیں ۔ تم پر اس
 کا کچھ گناہ نہیں ۔ انہیں اپنا فیصلہ خود کرنے دیں ۔ اس میں رکاوٹ بھی نہ بنیں ۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ایک سال کی وصیت کا قانون اُس وقت
 تک تھا جب تک بیویوں کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت مقرر نہیں ہوئی تھی
 اس وقت عورتیں سال بھر خانہ کے گھر رہ سکتیں تھیں ۔ پھر جب اللہ نے عدت کی
 آیات نازل فرمائیں ۔ تو یہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ

کہ کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ عمل عدت تو بجا۔ ماہ دس دن ہی ہے جو گھر ایک سال کی وصیت عورت کے ساتھ مزید احسان ہے۔ کہ اسے عدت کے فوراً بعد گھر سے نہ نکال دیا جائے۔ بعض اوقات عورت کے ماں باپ بھی نہیں سوتے، جن کے پاس پہلی جائے در نکاح ثانی کا بھی فرق کی بندوبست نہیں ہو سکتی، لہذا ایک سال تک انہیں گھر سے نہیں نکالنا چاہیے۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بیوہ بچہ رکھتی ہے وہ پہلے ہی غمزدہ و غمزدہ سے مدعا ہے۔ اس کے ساتھ مزید سختی نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ ایک سال شہر سے کی رعایت عورت کو اس وقت تک حاصل ہوتی جس وقت تک ورثت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ پچھلے سورۃ نسا میں مذکور تمام شے اس کے حصے مقرر کر دیے گئے۔ اگر خاوند مر جائے تو بیوی کا حصہ بھی مقرر ہوا۔ یعنی اگر نکاح و مہر سے تو کُل ورثت کا اٹھواں حصہ اور اگر اولاد نہیں ہے تو چوتھا حصہ مقرر ہوا۔ لہذا اب مال بھری رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کو ورثت میں حصہ مل گیا ہے۔ فرمایا: **وَالَّذِينَ عَمِلُوا صَالِحًا** یہ احکام خداوند تعالیٰ نازل کر رہا ہے۔ جو کمال قدرت کا مالک ہے۔ اور حکمت والا ہے۔ نہ کوئی کام اس کی قدرت سے باہر ہے۔ ورنہ ہی کوئی کام حکمت سے خالی ہے۔ اس لیے ان احکام پر پورا پورا عمل کرنا چاہیے۔

فرمایا: **وَالَّذِينَ عَمِلُوا صَالِحًا**۔ جمع و فاعل عورتوں کو فائدہ پہنچانا ہے دستور کے مطابق۔ یعنی طلاق کی مختلف صورتوں کی نسبت سے ان کے حقوق اور مرد و بیٹل بیان ہو چکا ہے۔ کہ ایسی عورت بنت مقاربہ سے پہلے طلاق ہو گئی اور اس کا مہر بھی مقرر نہیں ہوا اس کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق کیسے جوڑے کیڑے دو جس میں ایک فیصیح ایک درویش اور ایک ڈبہ می چادر ہو یا ایک درویش اور دریاویں ہوں۔ یہ دو جنبہ ہیں۔ ایسی عورت جس کا مہر مقرر ہو چکا ہے مگر بغیر مقاربہ کے طلاق ہو گئی۔ اس کو نصف مہر ملے گا۔ یہاں پر جن عورتوں کا ذکر ہے

مطلقہ کے
مستحق

وہاں عام طلاق یافتہ ہیں جو مرثیہ یا پوسے مہر کی مقدار میں۔ فرمایا کہ ان کو بھی کچھ نہ کچھ
 فائدہ پہنچاؤ۔ یہ مستحب ہے۔ ان کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دو۔ وہ طلاق کے غم میں
 منہموم ہیں۔ ان کی دل جوئی جوئی چاہیئے۔ ان کے لیے بھی ایک جوڑا کپڑے تو
 ضرور ہونے چاہئیں۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ یہ بات متفقہ طور پر لازم ہے۔

فرمایا کہ لَا يَنْبَغُ لِلَّهِ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِثْلَهُ اللہ تعالیٰ اسی طرح
 تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے۔ آیت کے مختلف معانی آتے ہیں
 مثلاً دلیل معجزہ، وغیرہ تاہم یہاں پر آیت سے مراد اس کے احکام ہیں۔
 جنہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نازل کر رہا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ
 تم انہیں اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اگر احکام پر چلتے رہو گے تو سعادتمند
 کی منزل پاؤ گے۔

سَيَقُولُ

الْبَقِيدُ

۱۰۰ (۱۰۰)

بیت ۲۳۸

لَمْ تَكُنْ مِنَ الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُولَئِكَ
 حَزَنَ أَلْسِنَتُهُمْ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا فَقَدْ أُنْزِلَتْ إِلَيْهِمْ
 آيَاتُنَا وَفَضَّلْنَا عَلَىٰ نَارِجٍ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا
 يَشْكُرُونَ ﴿۲۳۸﴾ وَقَدْ تَلَوْنَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَعْمَلُوا وَاللَّهُ
 سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۹﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يَفْرِضُ اللَّهُ فَرْضًا
 حَسَنًا فَيُضِيعُهُ لَهَاطًا فَكَثِيرٌ ۚ وَاللَّهُ يَفِضُّ وَيَبْصُطُ
 وَيُؤَيِّدُ شُرَاجِعُونَ ﴿۲۴۰﴾

نہ پہچانے گا کہ یہ ہیں دینچا آپ سے ان لوگوں کو جو اپنے دینوں میں سے نکلے اور
 ہر روز ان لوگوں میں سے موت کے ڈر سے، اللہ تعالیٰ سے ان سے فرمایا مر جاؤ
 پھر ان کو نہ دیا، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر
 ان کو حیرت آتی ہے کہ نہ ﴿۲۳۸﴾ اور اللہ کے راستے میں لڑو اور جان لو کہ
 اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان کے واسطے ﴿۲۳۹﴾ کون بہت دہشتیں جو اللہ تعالیٰ
 کو فرض سے، جو چاہا فرض نہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے دیکھا کر دے گا کوئی گناہ
 اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور کائنات کی کتاب ہے، اور تم سب کی کتاب ہے ﴿۲۴۰﴾

وَلَيْسَ لِبَشَرٍ أَنْ تَتْلُوا آيَاتِ اللَّهِ مِنْ طَهْرٍ ۚ وَهَؤُلَاءِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ
 سَبَّحْتَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ هَؤُلَاءِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ هَؤُلَاءِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ
 ۱۰۰ (۱۰۰)

بہاوت

کہ ہم نے علم کے ذریعے آپ کو بتا دیا ہے کہ فعل فلاں واقعہ ایسے ہی پیش آیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے رست علیہ السلام واقعہ بیان فرمایا۔ تو آخر میں فرمایا: **فَرَأَيْتَ مِنْ أَتَّيْبِ تَغْيِيبِ نَوَاحِينِهِ كَيْفَ؟ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ** یعنی یہ عجیب کی خبریں ہیں۔ جو ہم آپ کی طرف دینی کرتے ہیں۔ آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے۔ گویا یہ بات آپ کو بذریعہ علم معلوم ہوئی۔

الغرض اگرچہ اسے شہادت کیا آپ نے نہیں جانا ان لوگوں کا حال اُن الیہین خد جہو امن دیکارہم جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے وہم کو کون اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ کس وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے خذ رالموت موت سے ڈر کر۔ اب سوال یہ ہے کہ انہیں موت کیوں نظر آ رہی تھی۔ اس ضمن میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ تو رست کی روایتوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل سے تھے۔ اور انہیں ایک دوسری فتنی نامی قوم سے جہاد کا حکم ہوا تھا۔ مگر یہ لوگ جہاد پر آمادہ ہونے کی بجائے جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ دوسری جگہ چلے جائیں گے۔ تو موت سے بچ جائیں گے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن لوگوں میں طاعون کی وبا پھیل گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے علاقے سے بھاگ کر پہاڑوں کے دروں میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں کی آب و ہوا نسبتاً بہتر ہے۔ اور اس پر فضا ماحول میں وہ طاعون سے بچ جائیں گے۔ جہاں تک ان کی تعداد کا تعلق ہے اس قدر کہ حاکم کی روایت اور حضرت عیسیٰ بن عباس سے منقول ہے کہ وہ لوگ چار ہزار کی تعداد میں تھے۔ بعض روایتوں میں ستر ہزار تک کی تعداد کا ذکر آتا ہے۔ مگر ابن عباس کی روایت زیادہ قوی ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک سب سے کہ جس علاقہ میں طاعون پھیل جائے وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کر۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ بھاگنے سے اپنے ساتھ وبا کی ذرات لے جائیں اور ننگے علاقے میں وبا پھیل پڑے۔ نیز وبا کی مرض سے باہر ہونے والے لوگوں کو فرمایا کہ وہ ماسٹر د مقام پر جلنے کی کوشش نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی

جہاد سے فرار
اور موت

مردن میں مبتلا ہو جاتیں۔ حضرت عبدالرحمن بن حوٹ کی روایت میں بھی آتا ہے، کہ حضور
علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کی مصلحت کے نقطہ سے باہر نظر اور نہ وہاں جاننے کی کوشش
کر۔ مرد مرعال میں تھپانے کی تہذیبیں، جگہ جگہ کی موت لکھی جاتی ہے۔ وہ رنگ نہیں رکھتی۔ نہ
جھانپتی ہوگا، جس پر موت تیار ہو جانے کی۔ وہ پھر میں حال بن جاسکتا۔ لوگوں کا
ہوا۔ قَتْلَ لَکُمُ سَحَرٌ مِّثْلَ مَوْتِکُمْ۔ اللہ تعالیٰ سننے ان سے کہ کہ مر جاؤ۔ وہ جس وجہ
سے جن ہنگام کہ چاروں میں پہنچے اس لئے ان پر وہیں موت ظاہری کر دی، اور ان
کا پتہ گمروں سے بھاگ نہ سکتا کچھ نہ کیا۔

دن و رات کی دوبارہ زندگی کے متعلق کئی ایک روایتیں ہیں بعض مفسرین فرماتے
ہیں کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی حزقیل علیہ السلام موجود تھے جن پہاڑی وادیوں
میں یہ لوگ پناہ لے جاتے۔ جو وہاں حزقیل علیہ السلام کبھی کبھی عبادت کے لیے آتے تھے، ان
لوگوں کی موت کے بعد جب اللہ کے نبی حسب معمول عبادت کیلئے آئے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ
گئے کہ ان وادیوں میں ہر طرف لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ انہیں علم نہیں تھا کہ کون واثق پیش آیا
ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات گواہی میں دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کو دوبارہ زندگی
عطا کر دی۔ فَمَا أَصْحَابُ سَحَرٍ مِّثْلَ مَوْتِکُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا۔

اس مقام پر یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دوبارہ زندگی کسی غیر معمولی واقعہ
تھا، اور معجزہ شمر پڑتا ہوگا۔ اگر نہ موت کے بعد دوبارہ میل ملاپ کی زندگی تو یہی سنت کہ یہی میری
تاہم اس قسم کے غیر معمولی واقعات کچھ اور بھی ملتے ہیں، جیسے اسی سورۃ البقرہ میں
ناریل کے واقعہ ہے۔ جسے اس کے عزیزوں نے قتل کر دیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی حضرت اللہ تعالیٰ نے ورثہ سے محنت کر لی کہ اسے فرج کرنے کا حکم
دیا۔ وہ گوشت کا ٹکڑا، مرثیہ کو گھونٹنے سے دوبارہ زندہ ہو گیا۔

یہ سوال کہ یہ لوگ کتنا عرصہ موت کی آغوش میں سہنے کے بعد دوبارہ زندہ
ہوئے۔ اسی بات میں کئی مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی موت کے
تقریباً دو بعد حضرت حزقیل علیہ السلام آئے تو انکی دعا سے ان لوگوں کو دوبارہ زندگی

درست چاہیے خواہ جہاد میں سرور و شہر کی بازی لگانا پڑے۔ جب تک، اللہ کو منظور نہ آئے
موت نہیں آسکتی۔ نہ دشمن اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی موت بستر پر واقع ہوئی۔ حالانکہ کپ نے زندہ میں جب ہر
کمر جہاد کیا۔ بڑی بڑی جنگوں میں شہر کی کمانڈ کی۔ آپ کما کرتے تھے اخذِ تعالیٰ بزدل کی کجی
کو ٹھنڈا کر دے، میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں، جس پر تیرا تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو
آزاد وقتی کہ میدان جہاد میں شہادت نصیب ہو، مگر افسوس کہ آج بستر پر موت آ رہی ہے
بخاری شریعت کی روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی ساری زندگی بھی جہاد میں گزری۔
ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی دشمنوں سے خالی نہ تھا۔ حتیٰ کہ اعضا مستورہ پر بھی نیزے کا
زخم تھا مگر ان کو بھی میدان جہاد میں شہادت کی موت نہ مل سکی۔ لہذا انسان کا فرض ہے
کہ موت کے خوف کو دل سے نکال دے اور فریضہ جہاد کو انجام دیتا ہے۔

فَرَّادِیْنَ لِلّٰہِ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَرُّ الْفَضْلِ کَرِیْمٌ اَوْ
وَلِیْکُمْ اَکْثَرُ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ مگر اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ یعنی
اس کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کمرے کے موت و حیات کی حقیقت
کہ سمجھا دیا۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ شیطان لوگوں کو ہبکاسے کی کوشش
کرتا ہے۔ اگر کوئی مال خرچ کرنا چاہے تو شیطان کہتا ہے دیکھتا تھا سے پاس کچھ
نہیں بچے گا۔ اور اگر کوئی جہاد میں شرکت کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس سے کان پر ہبکاسے
کو خرچ سمجھ کر، تمہارے پیچھے یتیم ہو جائیں گے۔ حالانکہ موت و حیات، ایمان، حقیقت
ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کردہ فریضہ کو انجام دیتا ہے
اور موت کو خاطر میں نہ لائے۔

چونکہ اس تمثیل پر طویل ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جان و مال کے جہاد کا حکم
فرمایا جہاد کا صریح حکم: وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اللہ کے راستے میں
جہاد کرو۔ اس کے دین کی سرپرستی کے لیے دشمن کے سامنے سپر جہاد

کہونکہ موت و حیات تو انہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وقت میں سے پلٹے موت
 آسکتی ہے اور نہ وقت میں سے چھڑنے کی جاتی رہ سکتی ہے۔ **وَأَمَّا مَوْءَاظُنَا فَسَبَّحْ**
بِحَمْدِکَ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو مانتا ہے۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو
 مانتا ہے۔ اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ کرنی والے اس کے لحاظ طبع سے ہر نہیں
 لہذا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں پیش کر دو۔ **سَلَامٌ عَلَیْکَ جَاهِدْکُمْ بِأَمْوَالِکُمْ**
وَأَنْفُسِکُمْ فِی سَبِيلِی اللہ اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اگر دس ملک لکھ
 نے جان کی قربانی قبول کر لی۔ تو اس سے چھ سو اکابر جنت سے۔ اس کا تو ایمان ہے
إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ الْمُؤْمِنِیْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِثَمَنٍ
لَّحِظَةٍ اُس نے تمہارے جان و مال جنت کے بڑے خرید سکھے ہیں۔

جہاد بالمال کے قتل فرما دیا مَن دَیَا اَشَدِّی یَغْرِضُ لِلّٰہِ قَرْضًا حَسَنًا
 کون ہے۔ جہاد اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہے۔ قرض حسن۔ اللہ کو قرض دینا یہ ہے
 کہ اُس کے رشتے میں مال کے ذریعے جہاد کیا جائے اس کو قرض حسن اس لیے
 کہا گیا ہے کہ انسان کو یقین کامل ہو جائے کہ جہاد میں لگائی ہوئی اس کی رقم سناٹا نہیں
 بنے گی۔ اس کا بدلہ اُسے بڑھ چڑھا کر مل جائے گا قیہ بعضہ لہ صُفَا
 کیشینؑ اس قرض حسن کو اللہ تعالیٰ ورنہ جگہ کسی نہ کہے گا۔ بخیر شریعت کی ہمت
 میں آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خلوص کے ساتھ دیا بڑا کھجور کا ایک دانہ، اُرد پانچ روپے
 برابر بڑھ کر دس ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اجر و ثواب کو اس قدر بڑھا دیں گے۔ جو
 شخص فی سبیل اللہ ایک پیسہ خرچ کر گیا، اُس کو کم از کم دس گنا تو ضرور ملیگا کہ یہ
 قطعی قانون ہے **مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَذَہُ عَشْرَ اَمْثَلِہِ** البتہ جہاد میں
 خرچ ہونے والے مال کے بدلے کی کم از کم تعداد سات سو گنا ہے۔ اس کی وجہ
 یہ ہے کہ اسلام کی کرٹھن کی جتنی جہاد میں مصروف ہے۔

جہاد بالمال اور جہاد بالنفس دونوں بڑی اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ اگر جہاد
 سے گریز ہو گا، تو نہ عزت ہوگی اور نہ دین کا غلبہ باقی رہے گا۔ سب سے دین اور کافر

جہاد بالمال

جہاد کی حکمت

فایق غائب ہو چکی، حضور علیہ السلام کے ارشاد سے اور قرآن کریم کے مطابق جہ سے
 گریز کرنے والے فاسق جو جہ سے نہیں یا منافی جو جہ سے ہیں۔ اور اگر شریعت کی
 عزت میں ہے، اگر نگہ قہر جہاد کو ترک کر کے تجارت کھلی یا زنی یا دیکھ کر بھروسہ
 نہ کرنا کہ **لَا تَسْبِطُوا الْقَوْلَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُمْ لَرِجَالٌ قَدْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَلَهُ يَمُرُّونَ**
حَتَّى تَذَرَهُمْ یعنی دین کے جوہر جب تک دین کی طرف واپس نہیں آؤ گے
 اللہ تعالیٰ فرستے وقت کو دور نہیں کریں گے۔ جب تک مشکلوں میں جہ جہاد و خود
 نفا ان کی عزت اور غلبہ حاصل تھا۔ جب جذبہ جہاد کی کسی واقعہ ہوئی تو نہ عزت رہی بعد
 غیر اقوام کی ملی جنگ سے ملتا ہے پس کجنگ و جہاد میں مصروف ہیں یہ ان کی ذمہ داری
 تہذیب کا ثوب ہے، کہ ہم اپنے کام میں کو بہوں کر غیر قوم سے لگے گئے ہیں۔ دنیا
 میں پائیس سے زیادہ اس کی خطیوں ہونے کے باوجود ان پر سپر پاور کا غلبہ ہے۔ اس
 قسم کے تحریکات کہ شہر آریج میں بھی جہت ہے۔ جب علی بن ابی طالب نے فارس
 پر قبضہ کیا تو وہاں مسلمانوں کی آبادی کو کوڑے سے قہر پہنچی۔ مگر بعد میں وہاں صرف
 گیارہ ہزار باقی رہ گئے، کچھ مائے گئے کچھ تیار کیا بنا لیے گئے یہ مسلمانوں
 کی آپس کی اتفاقی ہے کہ ہر جگہ وہیں و خوار ہو جاتے ہیں۔ ایمان اور عین کی سادوں
 سے دست و گرہن یاں ہیں۔ دونوں سادگی کی حالت کہ وہ جہت ہے، کوئی تعجب
 نہیں کہ کسی غیر مسلم قوم کو موقع مل جاتے۔ اور یہ دونوں ان سے قبضہ میں چلے جائیں
 روس اور ترکیہ ہمیشہ لیے برقیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ افغانستان میں یہ جہت ہے
 و خیمے کے سر پر قتل ہوئے۔ ملک کو دور ہو گیا۔ قیصر نے نکالت کہ روس ہزاروں شہر
 قبضہ کیے بیٹھے **لَا فَاسْتَبْرُوا يَا كُوفِي لَا تُصَادُوا**

اللہ کے رستے میں خرچ کرنے سے تعاقب اور روس میں کسی دفعہ بیان ہے کہ
 سچے ایمان اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی سبیل اللہ کو قرض میں سے تعبیر
 فرمایا ہے کہ اللہ کی زد میں خرچ کرنا اس کو قرض لینے کے مترادف ہے جو ۵۰
 کئی لکھ بڑھانے دیگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں تک کہ **وَلَا تَقْتُلُوا يَدِيَكُمْ**

اِنَّ لِلَّذِيْكَ مَالٌ كُوْرٌ دَلَّكَ رَسُوْلُنِيْ اَنْ يُّبَدَلَ اِلَيْكَ مِنْ ذُوْ لُوْءٍ حَضَرَتْ شَيْخٌ اَمْرٌ فَرَقْتُمْ هِيَ
 كَرَقْرَضٌ حَسَنٌ وَهَ فَرَضٌ سَبْعٌ حَسْبِيْ دَالِيسِيْ كَالْتَقَاتِ رُكْبَانٍ جَانِيْ مَقْرُوْضٍ بِرِجَالٍ نَزَّ جَنَابُ جَانِيْ
 اِسْ كَرَحِيْمٌ نَزَّ مَجْهَانِيْ اَمْرٌ اِسْ سَ بَدَلٌ نَزَّ لِيَا جَانِيْ . اَللّٰهُ تَعَالٰى اَكُوْرَقْرَضٌ سَيْنِيْ سَ مَرْدُ
 جَمَادٍ مِّنْ خُرُوجٍ سَبْعٌ . يَا غُرْمُوْنَ اُمُحْتَا جُوْنَ كِيْ عَانَتٌ سَبْعٌ . اِسْ كَابِلٌ قَطْعِيْ لَوْدٍ مَّرْخَرَتٌ
 مِّنْ كَتِيْ كَنَّا بَرْهٌ جَبْرٌ عَا كَرَدِيَا بَانِيْ كَا اِيْ كَشْخَصٌ سَنَ جَمَادٍ كَ سَيْنِيْ اِيْ كَ اِدْنَشِيْ مِيْشَ كِيْ .
 سَبْعٌ مَكَّ سَا تَحْمُ مَسَارَقَتِيْ اَمْرٌ اِسْ بِرِ پَانِ كَا بَرَاتِيَا حَضِيْرٌ عَلِيْهِ السَّلَامُ سَنَ فَرَمَا اَبَسْت
 اَجْهًا كَامُ سَبْعٌ . قِيَامَتُ كَ رُوْرُ سَ اِيْسِيْ سَتُ مَرَادُ عُنْيَانٍ عِيْسِيْ كِيْ .

قبض و بذر بظاہر خرچ کرنے سے مال کم ہو جاتا ہے مگر انسان کو جان لینا چاہیئے
 وَ اَللّٰهُ يَغْنَمُ وَ يَغْنَمُ قَبْضٌ وَ يَغْنَمُ قَبْضٌ اَللّٰهُ تَعَالٰى كَ اَمْرٌ مِّنْ سَبْعٌ .
 جِسْ كَا چاہتا ہے مال قبض کر لیتا ہے . اَمْرٌ جِسْ كَا چاہتا ہے بَرَحَا دیتا ہے . یہ اختیار
 اِسْ سَنَ پُتْخَ اِسْ رُكْهَا سَبْعٌ . اَمْرٌ دُہی بہتر جاتا ہے . کہ کس کو کتنا مال دینا ہے .
 چنانچہ وہ اِسْ کَ مَطَابِقِ مَزَقِ مِ گھسی نور زیادتی کرتا ہے اَمْرٌ اَنَسَالِ كَا بَرِ رِجْمِ كَا اَللّٰهُ
 كِيْ رَاہِ مِّنْ خُرُوجِ كَرْنِيْ سَ اِسْ كَا مالِ كَمْرُ ہر جا بیگا ، کچھ حقیقت نہیں رکھتا . انسان بڑا
 اَشْكُوْ كَرُورِ سَبْعٌ . جَبْ اَللّٰهُ تَعَالٰى عَطَا كَرُورِ سَبْعٌ . تُوْرُ سَ نَزَّ بَانُوْ كَا نِجْمِ كَرُورِ سَبْعٌ اَمْرٌ جَبْ
 دَہِ كَمْ كَرُورِ سَبْعٌ . تُوْرُ سَ تَعَالٰى كُوْ كَا دِيَاں دِيَا شُرُورِ كَرُورِ سَبْعٌ دَرِ پُھَرِ كَرُورِ سَبْعٌ . كَرُورِ سَبْعٌ
 كَ سَيْنِيْ مِّنْ ہِیْ رُوْ كِيَا نَمَا . فَا دَرِ پُھَرِ كَرُورِ سَبْعٌ . مَگَرُ پُتْخَ كَرُورِ سَبْعٌ كَرُورِ سَبْعٌ دَرِ پُھَرِ
 حَالِ كِیْسَ ہِیْ فَرَمَا اَبَسْت مِیْنِ خَمْرُ مَوْنِ دَالِیْ مِیْنِ سَبْعٌ . وَ كِیْسَ مِیْنِ جَعْلُوْ
 تَمْرُ سَبْعٌ كُوْرُ اِسْ كَا كَلِ لَمَكِ كِيْ طَرَفِ اَلُوْرُ كَرُورِ سَبْعٌ . ہند جَمَادِ اَبَسْت اَمْرٌ جَمَادِ اَبَسْت
 ہر دو طریقوں سے اللہ کو راضی کرو .

سَبَقُول ۲

درس یکمہ چار (۱۰۴)

الْبَقَرَة ۲

آیت ۲۴۶

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ جَعَلْنَا لِبَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُرَدًّا ۖ
 قَالُوا لِنَبِيِّهِمْ اأَلَمْ نَبْعَثْ لَكَ مَلَكًا نَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ
 قَالَ قَدْ عَلِمْتُ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ أَكْفَرُ ۚ
 ثُمَّ تَلَوَاهُ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ
 أَخْرَجَنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءَنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
 الْقِتَالُ تَوَلَّوْا ۚ فَلَيْدًا مِنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾

تدجہمہ دکیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی طرف سے نبی کے سامنے کیا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں
 تاکہ ہم اللہ کی رو میں لڑیں۔ اس پیغمبر نے کہا کہ اگر تم پر لڑائی فرض کہ دی جائے تو شاید
 تم دلاڑیوں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا ہے کہ ہم نہ لڑیں۔ لاکھ ہم اپنے گھروں سے نکلتے
 گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے علیحدہ کیے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر لڑائی فرض کر
 دی گئی تو ان لوگوں نے مددگاری کی سگر بہت تھوڑے لوگوں نے ان میں سے۔

اور اللہ غیب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ﴿۲۴۶﴾

گذشتہ درس کی آیت کو میر جہاد کے مسئلہ میں بہتر کہ تمہید تھی۔ اس میں جہاد کا
 اور جہاد بالنفس کی تعریف دی گئی تھی۔ اور اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بھی ہو۔ جب کہ
 کچھ لوگ جہاد کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک
 کر دیا۔ اور نبی زہد کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کیا۔ اس سے ثابت
 ہوا تھا کہ لڑائی سے راؤ فرار، فقیار نہیں کہ فی چاہیے۔ کیونکہ موت و حیات تو
 قبضہ قدرت میں ہے۔ موت اپنے وقت مچھنے پر ہی آتی ہے۔ اس میں تقدیر

و تاخیر کا کوئی مکان نہیں۔ پہلی آیت کے اگلے حصے میں لڑائی کا واضح حکم بھی دیا۔ کبریا جو قوم جاد سے جی چراتی ہے۔ وہ مخلوب ہو کر قہر و است میں جا گرئی ہے۔

آج کے درس میں جادو جی کے متعلق قیظم کا ذکر ہے جادو ایک اجتماعی مسئلہ ہے اور اس کے لیے قیظم کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ گویا یہاں سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سیاسی نظام کے اصول و قواعد بیان فرمائے ہیں اور اس کے طریق کار کی وضاحت فرمائی ہے۔

دنیا بھر کا سیاسی نظام اجتماعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن پاک نے اسلام کے سیاسی نظام کے مداخل و القہر کے علاوہ بعض دوسری سورتوں مثلاً سورۃ صافات، سورۃ الحج، سورۃ انفاس اور سورۃ قمر وغیرہ میں بیان کیے ہیں بلکہ ان سورتوں کے بعض مقامات تو اس نظام کے متعلق مستقل ابواب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے اس لیے اس نظام کو چلانے کے لیے حاکم یا امیر کا تقرر لازمی ہے۔ خصوصاً جادو جیسے اجتماعی کام کے لیے امیر لشکر کا ہونا ضروری ہے۔ جس کی سرکردگی میں قوم جاد میں حصہ لے سکے۔ بخاری اسلام اور حدیث کی دیگر کتابوں میں امارت یا خلافت پر باب موجود ہیں۔ اور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے مکمل قیظم ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ایک مثال کے ذریعے اس مسئلہ کو سمجھایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ بعد تک بنی اسرائیل کے حالات درست تھے۔ اگرچہ اس عرصہ میں کہیں کہیں کوئی قباحت بھی پائی گئی مگر مجموعی طور پر ان کے حالات اچھے تھے۔ وہب ابن مغیرہ کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے حالات بڑی دیر بعد بگڑنے شروع ہوئے۔ ان میں بھی بزرگ کی بیماری پیدا ہو گئی۔ انبیاء کی نافرمانی اور ان کا قتل قرآن پاک میں مذکور ہے۔ حق و تجر بہت بڑھ گیا۔ جس طرح اس زمانہ میں مسلمانوں میں ہر قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں اس زمانہ میں بنی اسرائیل طرح طرح کی خرابیوں میں غوطہ تھے۔ جب وہ بنی کو چھوڑ کر بی بی کی خدمت و غضب ہو گئے، تو ان کا زمانہ شروع ہو گیا۔ اس زمانے میں عموماً بڑی طاقتور قوم تھی۔ انہوں نے بنی اسرائیل

اسلام کا
سیاسی نظام

بنی اسرائیل
کا زمانہ

کے بہت سے ملا قوس پر قبضہ کر لیا۔ یہ قوم بنی اسرائیل کی قریبی جہاد تھی، لہذا وہ اس سے
 دن پر غالب آگئے۔ ان کے سرداروں کو قتل کیا، عورتوں کو مڑیاں بنایا۔ اسرائیلی روایات
 میں آتہ ہے کہ کچھ اہل حق نے تیس ہزار نو جوان لڑکیوں کو لڑکیاں بنا لیا۔

حضرت موسیٰ
 علیہ السلام

(SPJL)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ حضرت ہرون علیہ السلام کی دلاویں
 جاری رہا۔ حتیٰ کہ داوی بنانان میں کوئی نیک آدمی باقی نہ رہا۔ تمام کے تمام مرد الملائق اور
 بیکار تھے۔ ایک نیک آدمی دشمنوں کے مقابلہ میں آگیا، اس کی بیوی اس وقت حاملہ
 تھی۔ قصہ لڑجالی کے اس زمانہ میں اس عورت کو عا کی کہ مویا کریم! مجھے نیک مرد صالح
 بیٹا عطا کر۔ اتفاق کی بات کہ اللہ تعالیٰ سنہ لیسے بیٹا عطا کر دیا، جبکہ اس نے سائل
 سوئیل رکھا۔ یہ عبرتی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ سن یا اور بیٹا عطا
 کیا گیا یہ لفظ اسماعیل کا ہم معنی ہے جب یہ لڑکا بڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نبی بنایا، اس پر مبنی
 نذر فرمائی یہ نذر جو بنی اسرائیل کی نبی موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے اس کے بعد حضرت
 داؤد علیہ السلام صبح علیہ السلام سے گیارہویں تیر سو سال پہلے مبعوث ہوئے اس کے بعد حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جو بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ الغرض انہی سرسبز پہلے
 نبی موسیٰ علیہ السلام کے اس برکت مقدس میں جمع ہوئے اور ان سے در خواست
 کی کہ ہمارے سینے تنہا بیٹے ہمارے امیر مقرر کریں جس کی سرکردگی میں ہم دشمنوں کا مقابلہ
 کر کے اپنے گھوڑے ہوئے عورتوں کو پس سے سکیں۔

غیر ملکہ

ارشا و ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْزُ بِكَ مِنْ اَجْدِ مَعُوْسِيْ
 کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی طرف میں دیکھا موسیٰ علیہ السلام کے
 بعد۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْزُ بِكَ مِنْ اَجْدِ مَعُوْسِيْ
 کیا کہ اس کے لیے ایک امیر بادشاہ مقرر کریں جس کی سرکردگی میں نفقہ انگیز
 سبیل اللہ ہم نذر کی راہ میں جہاد کریں۔

غیر ملکہ

کی تشریح

غیر ملکہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں ملک، سرکار
 امیر، حاکم، خوشحال آدمی کے لیے بولا جاتا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے

پاس کچھ لوگ آئے، اپنی مالی حالت کا تذکرہ کیا اور وہ کی درخواست کی۔ مندرجہ بالا اگر تم چاہتے ہو تو تمہارے ملک (حاکم) کے پاس سفارش کیجئے دیتا ہوں، اور اگر چاہو تو چاہئے پاس پھر حسب توفیق ہم تمہاری خدمت کریں گے، یا اگر چاہو تو صبر کرو کیونکہ صبر کا نتیجہ آخرت میں بہترین ہوگا چنانچہ ان لوگوں نے سوال کھینے کی بجائے صبر کو اپنایا۔ یہاں پہ ملک یعنی حاکم استعانت ہوا ہے۔

ایک اور شخص آیا۔ کہنے لگا میرے حالات بہت خراب ہیں۔ میری کچھ دولتیں آپ نے فرمایا۔ کیا تمہارے پاس مکان ہے اگنا ہے۔ پھر پوچھا تمہاری بیوی بہت افسوس نے کہا کہ ہاں بیوی بھی ہے۔ پھر آپ نے دریافت کیا۔ تیرے پاس کوئی خادم بھی ہے تو اس نے اس بد بھی اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ تیرے پاس مکان ہے۔ تیری بیوی موجود ہے۔ خدمت کے لیے نوکر بھی ہے۔ تو پھر تو کیا فقیر ہے۔ اَنْتَ مِنْ الْمُفْقِرِینَ تو تیرا بادشاہوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ تو خوشحال آدمی ہے جس کے پاس ضروریات کی یہ چیزیں موجود ہیں۔ وہ ملک کھانے کا مستحق ہے۔

بہر حال عربی زبان میں ملک کے مختلف معانی ہیں جن میں بادشاہ یا میر بھی شامل ہے صاحب امر یعنی حاکم وقت بھی مراد ہے۔ منکر ملکیت کا جو تصور اس وقت دنیا میں رائج ہے۔ اسلام ہرگز اس کی تائید نہیں کرتا۔ آج ہم سمجھتے ہیں کہ بادشاہ وہ ہے جو کسی ملک کے ہر سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ جو چاہے کرے اس کی زبان سے نکلے ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہو۔ منکر ملکیت کا یہ تصور غیر فطری اور اسلامی تعلیم کے منکر سرشار ہے اور ڈکٹیٹر شپ بھی اسی حاکمیت کا نام ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے اپنے ماننے والوں کو شوریٰ نظام سیاست عطا کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات نازل فرمائی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام (POLITICAL SYSTEM) کیا ہے۔ اُن کا امیر کیا ہو، اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اور وہ کن امور کا پابند ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی

ملکیت کا تصور

جماعت کن اوصاف کی حامل ہوئی چاہیے۔ اس کے حقوق و فرائض کی ہوسنے
 وغیرہ وغیرہ سمجھ سوس کہ انہی دُور کے بعد مسلمانوں میں بھی غیر اسلامی تصور ملکیت
 سرایت کر گئی۔ اور یہ آج بھی مسلمانوں میں موجود ہے۔

ہمارے قریبی زمانہ میں چودہویں مفضل حق بڑے فاضل آدمی ہوئے ہیں۔ زمین و
 ملکات کی صورت میں لاکھوں کی جائیداد کے مالک تھے۔ انگریزی دور میں اسمبلی کے
 ممبر تھے۔ سرکاری ملازمت میں انپیکٹر بھی رہے۔ مگر انگریزوں کی غلامی کا حقوق اتار
 کرائی کے خلاف جہاد میں شامل ہو گئے۔ مجلس احمدیہ سے منسلک ہوئے۔ زمین و
 مکان ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دی اچنی کہ ان کا جنازہ مجلس احمدیہ کے دفتر سے
 اٹھایا گیا۔ آپ نے بہت سی کتابیں بھی ہیں۔ جن میں حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ
 پر بھی ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔ فرقہ داریت کے خلاف کتاب بھی، سورۃ
 ناکھ کی تشریح قلند کی۔ آپ نے ملکیت کے حلق ایک نہایت عمدہ بات کی
 ہے۔ فرماتے ہیں: انیسویں صدی کے بعد مسلمانوں نے اسلام کا اجتماعی اور شعری خام
 چھوڑ کر اس کی جگہ شہنشاہیت کاٹ بکھیا ہے۔ وہ ملکیت اور شہنشاہیت جو قصور
 و کسر کی کاغذ اقیانہ تھا اور جس کو مائے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری
 نبی کو بعوض فرمایا۔ یہی نظام پنی پوری آب و تاب کے ساتھ مسلمانوں میں پھر
 رائج ہے۔

کابل کے امیر امان اللہ خاں مرحوم کا باپ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم بھی اپنے وقت
 کا بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق حضرت مولانا عبد اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ آخری دور
 میں اس کی حالت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ متعدد بیویاں (تین صد بیویاں) رکھنے کے
 باوجود شریف لوگوں کی بہو بیویوں پر فخر مارتا تھا۔ یہاں عیاش آدمی تھا۔ بڑی حیثیت
 کا مالک تھا مگر اس قسم کی حرکتیں شہنشاہیت کا خاصہ ہوتا ہے۔ آخر وہ قتل ہوا، مگر
 قاتل کا پتہ بھی نہیں سکا۔ باقی نوابوں و بادشاہوں کا بھی یہی حال ہے۔ نواب حیدر آباد
 جب مراٹوں کے وقت اس نے بھی تقریباً پچھتر سالوں کے دور حکومت میں زندگی بسر کی تھی۔

جماعت کی
اہمیت

بہر حال بنی اسرائیل نے حضرت یحیٰیؑ کی نسبت یہ کہہ کر اپنا ہاتھ پیسے کوئی امیر سردار
یا ملک مقرر کر دیں، جس کی کان میں جو دشمن سے جنگ کر سکیں۔ اگرچہ اس وقت امت
کے نبی موجود تھے۔ مگر وہ کافی ہوش اور محذور ہو چکے تھے۔ اور جنگیں بنفس نفیس
شرکت سے محذور تھیں۔ بہتہ ہذاست فیئہ کے لیے وہ کافی تھے۔ لہذا انکی
قوم نے جو غل کیا کہ ہمارے لیے کوئی امیر مقرر کر دیں، جو جنگ میں ہماری قیادت
کر سکے۔ غلط ہے۔ کہ جنگ کرنے کے لیے جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔
اور سلام میں جماعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جماعت کے بغیر یہی لفظ نہیں
ہو سکتا۔ بیت فریاد انزلہ لہذا ان یجھک عتہ یعنی جماعت کے بغیر سزا کا
کوئی تصور نہیں اور لا جھک عتہ لہذا یامیر اور امیر کے بغیر جماعت کی کوئی نہیں
اسی سے فرمایا کہ سفر میں کیل آدمی نہ جانے، اس کے ساتھ جماعت بونی چاہیے۔
ایک اور رو۔۔۔ شیخانہ میں بگوتیں کی خبر

جماعت جہ۔ اور اگر چہ آدمی جمع ہو جائیں تو فرمایا، خیر یجھک عتہ راجع
بہتر جماعت چاہو آدمیوں کی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جب سفر پر روانہ ہونے کو
تو سینے میں سے ایک کو امیر مقرر کر لو، اسکی سرکردگی میں اس کی ہدایت میں ہوں
انفرادی حالت میں شیطان کے غلبے کا اندیشہ ہے، اس لیے مقرر بھی یہی جماعت
اختیار کرو، شیخانہ کے شر سے محفوظ رہو گے۔

الغرض! جب قوم نے خود نبی سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک امیر
مقرر کر دیا جائے جسکی سرکردگی میں وہ جہاد کریں، قَالَ هَكَذَا عَسَيْتُمْ أَنْ تَكُونَ
عَلَيْكُمْ الْفِتْنَةُ أَفْتَلَا تَتْلُوا تَوْبَتِي سَ كَمَا كَرِهْتُمْ بِرَأْيِ فَرَضِ كَرِهِي
تو شاید نہ لڑا سکو، بخوانے میں خدشہ کا اظہار کیا کہ جنگ فرض ہونے کے بعد اگر
تم نے اس میں مبتلا نہ ہو لیا، تو امت تعاقب کی جائے گی، لہذا فرمیت جہاد
سے پہلے توبہ چھی لڑنا سوچو۔ قَالَ وَمَا لَكُمْ أَنْ تَتَابَعُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
تو نہ لگے کہ تم میں کیا ہے کہ ہم تمہاری نہ کریں، اللہ کے راستے میں وقفہ خرچہ

نبی اور قوم
میں متعلقہ

نظام تبدیل ہوا ہے۔ وہ جہاد سے جی چڑھتا ہے۔ وہ خود بھی کوئی اچھا کام نہیں کر سکتا بلکہ برائی کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اس سے اچھے نظام کی ترویج نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے سینٹر۔ نظام ہیں۔ اس قسم کے مولویوں، مشائخ، امیروں، تاجروں سے اچھائی کی کیا امید ہو سکتی ہے البتہ اچھائی کی امید عادل شخص سے ہو سکتی ہے۔ وہی نظام اسلام قائم کر سکتا ہے۔ وہی جہاد کر سکتا ہے۔ اور قوم کو زلزلت سے نکال کر عزت و اکبر کی زندگی لے سکتا ہے۔

اس ایک جملہ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ میں ان سب چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اہم ہر بیاد ہی منافقین کے متعلق لکھے ہیں۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر سنے لے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر دے۔ يَوْمَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَكُمْ۔ افسوس افسوس! فساد ہی ہے لوگ ہیں ان کا، اصلاح کو دعوتے محض فریب ہے۔ کفر، شرک، عصیت، حدود اللہ کو توڑنا، بدعت کا اجراء، چوری، ڈاکہ، قتل، دوسروں کے حق کا ضیاع وغیرہ سب ظلم کی مختلف تہیں ہیں۔ نظام سے اسی قسم کے افعال سرزد ہوں گے۔ البتہ جب عادل حاکم آئے گا، تو تمام برائیاں ختم ہو جائیں گی۔ حق و عدل کا دور دورہ ہوگا کہ عدل نظام اسلام میں رب کے بڑا ستون ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے یعنی صبر، عدل، جہاد اور یقین، لہذا عادل شخص کے ایمان کی گواہی دی جاتی ہے۔ اور ظالم آدمی بے ایمان اور کافر ہو آہے۔ اسی سبب فرمایا وَاللّٰهُ يَكْتُبُ بِالنَّظَرِ ایمان اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

سَبَّحُوهُ ۲

تَبَقَّرَ ۲

دریں یکصد بی (۲۵)

آیت ۲۴ تا ۲۸

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مِهْكَ
 قَالُوا كَيْ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
 وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ صُطِفَهُ عَلَيْكُمْ
 وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ
 يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ
 إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
 مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آدَمُ وَنُوحٌ وَآلُ هَارُونَ
 تَحْمِلُهَا الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُم إِنْ كُنْتُمْ
 مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: یہ اور ان کے نبی نے کہا، بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے
 طاوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ کسے گا، ہم یہ اس کی حکومت کیسے ہوگی۔ اور
 ہم اس سے حکومت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور وہ مال میں دولت بھی نہیں دے گا۔ اُنکی
 بغیر رہنے ان سے کہا، بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر منتخب کیا ہے
 اور اس کو علم اور جسم کی فراخی کے لحاظ سے زیادہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
 جس پر چاہے بادشاہی دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دولت والا اور سب کچھ جانتے
 والا ہے ﴿۲۴﴾ اور اُن کے نبی نے ان سے کہا کہ بیشک اُن کی بادشاہی کی

نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئیگا جس میں تمہارے رب
 کی طرف سے مال کی تسلی ہے۔ اور کچھ بھی ہوئی چیزیں ہیں جن کو موی اور
 یورون نعلیوہا السلام کی اولاد نے چھوڑا ہے۔ اس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے

جینک اسمیں تھامے لیے نشانیاں ہیں اگر تم اچھے نہ ہو (۴۶۰)

رابطہ زیادت

کہ تہذیب وین میں یہ بیان ہر جگہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل
میں بگڑنا پیدا ہو گیا۔ وہ مفلوج ہو گئے۔ دشمن نے ان سے بہت سے علاقے پر
قبضہ کر لیا۔ ان کے بچوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ انہوں نے نبی وقت
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے سینہ کوئی بادشاہ مقرر کر دیں۔
جس کی سرکردگی میں ہم دشمن سے جنگ کر کے اپنے بھوتے ہوئے علاقے واپس
لے سکیں اور اپنے گھر وں کو لوٹ سکیں نیز اپنے مردوں اور عورتوں کو دشمن کی غلامی
سے نجات دلویں۔ ان کے نبی نے فرمایا کہ دیکھنا تمہیں اپنے وعدے سے پھر
نہ جانا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں نہیں ہوگا۔ ہم آپ کی طرف سے خدا کیے گئے
باتوہ باہر کی افافہ کہیں گے۔ آج کے اس میں بنی اسرائیل کے لیے حالت
بارتہا کے تقرر اور بنی اسرائیل کے ہمارے بیان آ رہے ہیں۔

طاووس بطور
بادشاہ

اور وہ جو ہے۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ كَيْدَ بَنِي إِسْرَءِيلَ
سے کہتا ہے۔ اَللّٰهُ فَدَبَّرْتُمْ لَكُمْ هَٰذَا لَوْلَا اَنْتُمْ تَخَافُوْنَ
نے ہمارے لیے طاووس کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ لہذا تم اس کی سرکردگی میں اپنی
تنظیم قائم کر دو اور پھر دشمن سے جہاد کرو۔ مِنْ قَوْمِكَ اَرْبَعَةَ اَلْفًا لَوْ كُنْتَ
کا انتخاب پسند نہ کیا۔ قَالَ كُنْتُ لَكَ الْخَلِيفَ عَلٰی مَا مَرَرْتُمْ
ہمارے بادشاہ کیے ہوئے ہیں۔ وہ تو خیر اور خیریت کا مالک ہے۔ وہ ہمارے
بادشاہ بننے کا اہل نہیں وَخُنَّ اَحْقَابَ لَمَّا لَمْ يَمُوتْ مِنْ سَعَةِ زَادَهُ
بننے کا ہمارا حق ہے۔ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ سَعَةٌ مِّنْ اَمَلٍ اَنْ سَكَنَ
بھی نہیں ہے۔ وہ ہمارے سردار یا امیر بننے کے بالکل اہل نہیں ہے۔

در اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہی تو زیادہ تر یہود کے خاندان میں
ہی جن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ اور نبوت زیادہ تر لادری خاندان میں
رحمی جس سے حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ یہ طاووس بن کنان حضرت یوسف علیہ السلام

کے چھوٹے بھائی بن یامین کی اولاد دست تھا اور یہ نسبتاً چھوٹا خاندان سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت سکریا علیہ السلام نے لشکر کے حکم سے اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمادیا۔ ان کے خاندان کو دیگر خاندانوں کی طرح عزت چل نہیں تھی، یہ کم تر لوگ تھے۔ خود حکومت کپترے پر لگنے کا کام کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ تہی تھا۔ لہذا بنی اسرائیل اس کے بطور امیر تقرر پر رضا مند نہ ہوئے۔ دراصل مالی کمزوری نسبت کو تسلیم کر سنے میں بہت رکاوٹ رہی ہے۔ جب بھی کسی نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو اس کی قوم نے یہی جواب دیا کہ تو تو ہماری قوم کا گھٹیا آدمی ہے۔ تیرے پاس نہ مال و دولت ہے۔ نہ زمین و مکانات ہیں۔ نہ سونا چاندی ہے۔ تو نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی چیز طاقت کو بارشاہ تسلیم کرنے میں مانع ہوئی کیونکہ وہ شخص قوم کا ایک ادنیٰ فرد سمجھا جاتا تھا۔ اور دنیاوی مال و مبالغہ سے محروم تھا۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے امیر مقرر کرنے کی درخواست کی، اُس وقت طاقت کی عمر تسلسل سال کے قریب تھی۔ یہ سب لوگ پیغمبر کے پاس جمع تھے اور اُن سے سوال و جواب کر رہے تھے طاقت کے باپ کا لگہ جاگم ہو گیا تھا۔ وہ تلاش کرنا ہوا اُس طرف جا نکلا جہاں بنی اسرائیل کے لوگ جمع تھے۔ چنانچہ وہ بھی اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اُدھر اللہ کے نبی کو وحی کے ذریعے خبر دی جا چکی تھی کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جس کا وہ نبی کے پاس موجود وحی کے برابر ہو۔ نیز یہ کہ وہ آدمی رہا ہے۔ اُس کے پیچھے پر نبی کے پاس خوشبو و تریل والی کشتی میں جو ش پیدا ہو گا۔ لہذا جس شخص پر یہ نشانیاں صادق آجائیں اُسے امیر مقرر کر لیا جائے۔ جب طاقت اُس مجمع میں پہنچا تو تریل کی کشتی میں جو ش پیدا ہو گیا۔ جب اُس کا قد پانچواں، تو لہا بھی کے برابر نکلا، چنانچہ اللہ کے نبی نے طاقت کو بادشاہ یا امیر مقرر کر دیا مگر بنی اسرائیل نے اُسے اپنا امیر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ محض مال و دولت یا اعلیٰ خاندان کا نہیں امیر کی خصوصیت

ہی امارت کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ صوم مغرب ہیں جن کی بناء پر کسی شخص کو امارت کے عہدے پر فائز کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلی بات جو یہ غیر نے کسی قاتل یا اللہ اصطفتہ عینکم اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ لہذا اس میں کسی کے ذاتی اختلاف کو دخل نہیں ہونا چاہیے اور دوسری بات یہ کہ **وَلَا تَدْرِي لَعْنَةُ فِي لَعْنِهِمْ وَجِبَتْ لَهُ** اللہ نے اسے علم اور حکم میں وسعت دی ہے۔ یعنی ایسی یہ خوبی ہے کہ وہ علم میں بھی تم سے زیادہ ہے اور جہاں طاقت کے لحاظ سے بھی تم میں سے زیادہ قوی ہے۔ یہاں یہ علم سے مراد سیاسی علم یعنی نظام حکومت چلانے کی صلاحیت ہے۔ جہاں تک دینی علم کا تعلق ہے۔ وہ تو نبی کے پاس تھا تاہم اللہ تعالیٰ نے سیاسی علم طاقت کو عطا کیا تھا۔ امیر کے لیے سماں طوطا پر صحت مند ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر صحت مند یا بیمار اور ماسخ شخص نظام حکومت کو بطریق احسن انجام نہیں دے سکتا۔ طاقت تیس سال کا وجہ نوجوان تھا۔ قد آور اور صحت مند تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے اس کام کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ اور اس انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو بھی منتخب فرمایا۔ اسی طرح اُس نے طاقت کو بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا۔

خلیفہ کا انتخاب

بعض اوقات اللہ تعالیٰ خلیفہ کا انتخاب بھی خود کر لیتا ہے جیسے دنیا میں سب سے پہلے خلیفہ آدم علیہ السلام تھے **رَفِیْ جَاعِلٍ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً** میں زمین میں خلیفہ بنانے والوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا **وَدَرَسَتْ جَعَلْنَا خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ** اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ سلیمان علیہ السلام کی خلافت کا ذکر بھی آتا ہے۔

چونکہ اب وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے اب یہ تو ممکن نہیں کہ ملت اسلامیہ کے لیے اللہ تعالیٰ خود کسی کو خلیفہ منتخب فرمائے۔ اب خلیفہ کے انتخاب کے لیے کسی ایک صورتیں ہیں۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ سمجھدار و فاضل اور صاحب حل و عقد مسلمان خود خلیفہ کا انتخاب کریں جس طرح حضور علیہ السلام کے

بعد لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کو منتخب کیا۔ انتخاب کی دوسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ خود اپنا جانشین مقرر کر دے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ خلیفہ خود مستحق ترین شخص کو اس کام کے لیے مقرر کر دے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص طاقت کے زور پر خود بخود اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس کی مثال حضرت امیر معاویہؓ کی ہے۔ جنہوں نے غالب آکر خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ یہ عرصہ مسند اقتدار پر آئے والے شخص اگر اللہ تعالیٰ کے حکام کے مطابق حکومت کا نظم و نسق چلائے۔ تو یہ صورت بھی قابل قبول ہے۔ خلافت کے معاملہ میں اہل اسلام میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بن سنت و جماعت کے نزدیک مسلمانوں کی جماعت پر واجب ہے کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر عمل کرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی یہی جماعت اُسے معزوں بھی کہہ سکتی ہے۔ کیونکہ خلیفہ بھی ایک انسان ہوتا ہے اور وہ بھی غلطی کر سکتا ہے۔

بر خلافت اس کے عقیدہ کا عقیدہ یہ ہے۔ خلیفہ اہم معصوم ہوتا ہے۔ اور اس کا انتخاب من جانب اللہ ہوتا ہے اس کی خلافت مستقل ہوتی ہے اور کوئی اُسے معزول نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ خارجی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حاکم صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ خلیفہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔

خلیفہ کا انتخاب اس قدر بہم سکڑا ہے کہ حضور علیہ السلامؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے یہ مسئلہ آپؐ کے کفن و دفن سے پہلے طے کر لیا۔ کیونکہ ہر چہ کام میں امیر کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر تمام امور اس کے احکام کے تحت انجام دیے جاتے ہیں۔ اگر وہ دوسرے کی رائے میں ہے کہ جب تین آدمی معز پر لازم ہوں تو اپنے میں سے ایک کو میر بنائیں۔ تاکہ سفر کے تمام محاللات تنظیم کے تحت عمل ہوں۔

مولانا عبید اللہ سندھی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ عزت و ابر کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ملک کا نظام ایسے ہاتھوں میں دیں جو اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کر سکیں۔ اور یہ کام وہی لوگ کر سکتے جو خود ایماندار اور عادل ہوں۔ مولانا شریعہ فرماتے ہیں کہ جن ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ وہ دہل سے چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو مگر جب حکومت منتخب کرنے کا وقت آتا ہے۔ تو ہمیشہ غلط فیصلہ کرتے ہیں۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ اسمبلی کا ممبر اس شخص کو چن کر کتاب اللہ کا عالم اور حضور علیہ السلام کی سنت اور خلفائے راشدین کے دُر کر سیکے زیادہ جانے والا ہو۔ جو شخص کتاب سنت اور آثار صحابہ سے واقف نہیں، وہ اسلامی نظام کیسے لایجگا ممبر لایا ہونا چاہیے۔ جو قومی مفاد و پر ذاتی مفاد کو قربان کر دے۔ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور آخرت میں محاسبے کا ڈر ہو۔ صرف ایسے لوگ ہی اللہ کا قانون چری کر سکتے ہیں۔ وہ جب پارلیمنٹ میں جاویں تو سربراہ بھی صحیح منتخب کریں گے۔ اور قانون بھی ٹھیک ٹھیک وضع کریں گے۔

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا عبید اللہ سندھی جاتے اکابر میں سے ہیں۔ آپ اجتماعیات اور اقتصادیات کے ماہر تھے۔ آپ سکھوں کے گھر میں پیدا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سولہ سال کی عمر میں شکرانہ ہو کر حضرت خواجہ محمد صدیق شکر کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اس عمر میں ان کا ختنہ بھی کرایا۔ مولانا بھی اپنے آپ کو خواجہ صاحب کا دینی فرزند کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد صدیق شکر نے بڑھاپے کے اس پایہ کے بزرگ تھے۔ جس پایہ کے حضرت بنو بعدادوی ہوئے ہیں۔ ان کے دور میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک مولانا غلام محمد دین پوری اور دوسرے مولانا سید تاج الدین امرولی۔ مولانا دین پوری علم میں زیادہ وسعت نہیں رکھتے تھے تاہم حاجی امرو اللہ کی طرح نسبت بہت اونچی تھی۔ جنوبی پنجاب اور سندھ میں اس دور میں ان جیسا کوئی بزرگ نہیں ہوا۔ سید تاج الدین امرولی میں دونوں خوبیاں پائی جاتی تھیں آپ عالم بھی تھے اور مجاہد بھی۔ آپ کے ہاتھ پر تقریباً سات ہزار ہندو گھڑ مکان

ہوئے شیخ المذہب مولانا محمود الحسنؒ کے درست اور رفیق اُن کی طرح انگریزوں کے سخت دشمن تھے، آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

جب مولانا عبید اللہ سزجی تحصیل علم کے لیے ہندوستان جاسے تھے۔ تو حضرت خواجہ محمد صدیقؒ نے ان کے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کسی صحیح عالم دین کے پاس پہنچائے اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ اور چلتے چلتے مولانا سزجی دارالعلوم دیوبند پہنچے کہ حضرت مولانا شیخ السدھ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جملہ علوم آپ سے حاصل کیے۔ اور حدیث کا درس حضرت مولانا رشید محمد گنجویؒ سے گنگوہ میں جاکر لیا آپ دربارہ دیوبند کے سرپرست تھے مگر قیام گنگوہ میں تھا۔ مولانا سزجی کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ خود دیکھتے ہیں کہ علم میلث کی کتاب سزجی صرف دو گھنٹے میں پڑھ لی اور صحاح طستہ میں سے ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد میں ختم کر لی۔ جب آپ علم حاصل کر کے واپس اپنے پیر صاحب کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب ذات پاچھے ہیں۔ آپ نے آخری وقت میں اپنے دونوں شاگردان کو وصیت فرما دی تھی۔ کہ جب عبید اللہ واپس آئے۔ تو اسے اپنا بیٹا سمجھنا۔ چنانچہ ان دو بندہ گوں نے آپ کو باپ کی شفقت دی۔

مولانا سزجی خود فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ تحصیل علم کے بعد میں نے پچارہ سال تک اپنے استاد محترم مولانا محمود الحسنؒ کی خدمت میں رہ کر اسلامی سیاست اور حکومت کیجی۔ شیخ المذہب سیاست سے بہت بڑے اہم تھے۔ مولانا سزجی کا چھوٹا سادہ مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں وہ صلاحیت رکھی تھی کہ انگریز جیسا جابر حکمران آپ سے خائف تھا۔ آپ کے پیچھے ہر وقت جاسوس لگے سہتے تھے۔ آپ بارہ سال تک محکمہ میں رہائش پذیر رہے۔ عرب حکومت نے بھی سیاست میں حصہ لینے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ اس کے باوجود انگریزوں کو ہمیشہ اُن کی طرف سے طوفان اٹھنے کا خطرہ رہتا تھا۔ انگریزوں نے ایک عرصے کو جابر کی کے لیے مکر مکر نہ بھج دیا۔ آپ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اللہ

کے ٹھکانے بھی میرا چچا کر رہے ہو۔ تقسیم ہند سے پانچ سال قبل آپ نے کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں نے انگریزوں کی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ اب یہ اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ زیادہ عرصہ ہندوستان میں ٹھہر گیا تو میری قبر پر تھوک دینا کرنا بھروسہ نہ تھا۔ مگر اس کے بعد دو سال کے اندر اندر انگریز کو ہندوستان خالی کرنا پڑا۔

شری گورو

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے کہ خلافت کے لیے اعلیٰ خاندان کا ہونا ضروری ہے۔ خلیفہ کے پاس مال و دولت کا ہونا کرنی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طاقت کی جو صفات بیان کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ علم اور صحت کے لحاظ سے دوسروں سے بہتر تھا۔ اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے اس کام کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہی اہم اہم اہم جو خاص اور دیگر حضرات کو ملے فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے لیے خاندان قریش سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ حدیث شریفہ **لَا يَخْلُقُ مِنْ الْخُرَاشِ** کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب قریش کے علاوہ لوگ کسی درجہ پر پہنچ نہیں ہو سکتے تھے۔ اُس وقت قریش میں خلافت کا کام انجام دینے کی لہری حکومت موجود تھی۔ بخاری شریف میں ہے کہ اگر دو آدمی بھی خاندان قریش سے باصلاحیت ہوں گے تو خلافت کسی اور طرف منتقل نہیں ہوگی۔ مگر جیسیوں کے دور میں اس قدر بگاڑ پیدا ہو گیا کہ دو آدمی بھی باصلاحیت موجود نہ رہے۔ لہذا خلافت ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ دوسری جگہ آتا ہے **مَا أَقَامُوا حَبِيبًا** انصاف پر قائم رہیں گے۔ خلافت ان کے پاس رہی۔ چنانچہ ساڑھے چھ سو سال تک خلافت اسی خاندان میں رہی۔

پھر جب

اہلیت سے محروم ہو گئے تو خلافت سے محروم ہو گئے۔ سچ بھی من حیث الواقعہ مسلمانوں میں صلاحیت ناپید ہے۔ مسلمان خود اپنا صحیح خلیفہ منتخب نہیں کر سکتے۔ آج وہ مسلمان کہاں سے پیدا ہوں جو قومی درد دیکھنے لڑے ہوں۔ اور اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دے کر ہمدردی نہ کریں۔ جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا یہ قوم قصر مذلت سے نہیں نکل سکتی۔

صندوق کر سکتے تھے۔ وہاں وہ بار پھوٹ پڑی اور وہ بستی تباہ ہو جاتی تھی۔ اس طرح پانچ بستیوں
 تباہ ہو گئیں۔ تو ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اس صندوق کو کسی طرح نکال دیا جائے چنانچہ
 انہوں نے صندوق بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ایک طرف بائیں دیکھ کر بیل پستے
 چلتے طاہر ت کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اور اس طرح صندوق ان کے پاس آیا۔
 شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صندوق اگرچہ بغاوت بیل گاڑی پر تھا۔ مگر اللہ کے حکم
 کے مطابق اسے فرشتے لے گئے تھے۔ جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ انہوں نے
 ہی بیلوں کو طاہر ت کے دروازے پر لکھ کر کیا تھا فرمایا ان فی ذلک لآیۃ لکمْ
 اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں۔ ان کے کُتُبُ مَسْمُومِہِیں مگر تمہیں یقین نہ آیا۔
 ان نشانیوں کو دیکھ کر بنی اسرائیل طاہر ت کے بادشاہ مقرر ہونے پر مطمئن ہو
 گئے۔ چنانچہ قوم نے ان کی سرکردگی میں جہاد کرنے کا عزم بھی کر لیا۔ اب اللہ کا
 نبی سمویل بھی موجود تھا اور طاہر ت بادشاہ بھی موجود تھا۔ چنانچہ وہ دشمن سے جگہ کے
 لیے نکلے جس کا ذکر اگلے درس میں آئے گا۔

الْبَقَرَةُ ۲

آیت ۲۴۹

سَيَقُولُ ۲

درس یکم دوشش (۱۹)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ
 بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ
 يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً يَدِيهِ
 فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِطَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ
 الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْكُوا اللَّهَ كَمِ مِّنْ فِتْنَةٍ قَالُوا قَلِيلٌ
 غَلَبَتْ فِئَةٌ كَثِيرَةٌ يَبِذْنُهُ اللَّهُ وَلِلَّهِ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

تس جیسے کہ جب طالوت اپنے لشکر کے ہمراہ باہر نکلے تو انہوں نے کہا، بیشک
 اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے گا اور اس کے ایک نہر سے پس جس نے نہر سے پانی پی لیا وہ مجھ
 سے نہیں ہے۔ اور جس نے اس سے نہ چکھا بیشک وہ میرا ہے۔ ہاں جس نے ہاتھ
 سے پانی کا چھو بھریا وہ مستثنیٰ ہے۔ پس لوگوں نے اس میں سے پی لیا سوائے تھوڑے
 آدمیوں کے۔ پھر جب طالوت کو اس کے ہمراہ اہل ایمان نہر سے پار ہونے تو کہنے
 لگے کہ آج جارت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کر کے کی ہیں طاقت نہیں ہے۔ جو
 لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین رکھتے تھے کہنے لگے کہ بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے
 کہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ تعالیٰ
 میرے کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۲۴۹﴾

گذشتہ درس میں طالوت کے بطور بادشاہ تشریف کیا گیا ہے۔ جب اللہ کے
 نبی نے بنی اسرائیل کی درخواست کے مطابق طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ تو انہوں نے اسے
 اپنا رہبر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ تو ایک غریب آدمی اس کے پاس

مال و دولت نہیں ہے۔ ہر ملے اپنا بادشاہ کیسے تسلیم کر لیں۔ اس سے زیادہ تو
بادشاہت کے ہم ہند ہیں بلکہ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طاہرت کو
علم اور جہانی طاقت سے نواز ہے۔ نیز یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا ہے جس کو چاہے
بادشاہت ملے۔ مزا تمہیں اس پر ہمت نہ ملے نہیں بڑا چاہیے۔ اللہ کے پیغمبر نے
فرمایا کہ دیکھو طاہرت کے تقدیر کا ایک خاص کثافی یہ ہے کہ تمہارا وہ مقدر صندوق جس
میں انبیاء کے سابقین کے بعض تبرکات محفوظ ہیں۔ اور جسے تمہارے دشمن اٹھا کر لے
گئے تھے۔ وہ تمہارے پاس فرشتے لے کر آئیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ وہ صندوق
صندوق ایک بیل گاڑی کے ذریعے خود بخود طاہرت کے دروازے پہ پہنچ گیا۔
اب قوم نے طاہرت کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور اس کی سرکردگی میں دشمن سے جنگ
کے لیے تیار ہو گئے۔ آج کے درس میں شکر طاہرت کی دشمن کے مقابلے کے لیے
دراستی اور پھر راستے میں پیش کرنے والے واقعات کا تذکرہ ہے۔

لشکر طاہرت
اور جارت

طاہرت بادشاہ کی سرکردگی میں فوج کی تیاری شروع ہوئی۔ عام اعلان کیا گیا۔
کہ تمام کے تمام صحت مند جوان فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ چنانچہ اسی ہزار لاکھ جارت تیار ہوا
دشمن بھی بڑا طاقتور تھا۔ قوم غافلہ کامرور جارت تھا۔ دس فٹ قد کا یہ جوان بڑا طاقتور تھا۔
اُسے دیکھ کر دہشت آتی تھی۔ ایمیل کی روایتوں میں آتا ہے۔ کہ جارت کی دھات تین
من وزنی تھی۔ پھر چھوڑ کر اس کا باقی سا جسم زندہ میں محبوس رہتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بڑے
بڑے کہیلان جوان موجود تھے مگر سب کافر اور مشرک تھے۔ لشکر طاہرت کا ان لوگوں کے
ساتھ مقابلہ تھا۔

سپاہی کے
روستا

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلامی لشکر بعض مختصر اوصاف کا حامل
نونا چاہیے تاکہ دشمن کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو۔ سب سے پہلی بات یہ ہے۔
کہ کسی سپاہی میں حرص کا مادہ نہ ہو۔ اگر ان میں حرص ہو تو کچھ پیدا ہو گیا تو وہ ناکام ہو
جائیں گے۔ اس کے بجائے طبیعت میں استقلال ہونا چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی آزمائشوں
میں گھبرانا نہیں چاہیے۔ اسلام کے سپاہی کے لیے مستقل مزاجی ایک اچھی علامت ہے۔

اس کے علاوہ مہر ملت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ صبر شکر۔ اللہ کا ذکر، نماز، خفیہ توحید
 پانچویں تنظیم متاع اللہ اور دعا سب ایسے اصول ہیں۔ جو مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہیں۔ حضور علیہ السلام
 کے صحابہ کو ان کے عیسوی استقلال اور مصائب کو برداشت کرنے کے کتنے واقعات حدیث
 کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ انہوں نے شکر، پیاس اور ہر قسم کے ابتلا کو برداشت کیا۔ مگر جہاد
 سے منہ نہیں موڑا۔ تہذیبی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی مصیبت میں
 ایک اسلامی لشکر جاوید روانہ ہوا۔ راستے میں راشن کی کمی واقع ہو گئی۔ اور اس کی مقدار
 مسمیٰ بھر فی کس رہ گئی۔ جب راشن بالکل ختم ہو گیا۔ تو ایک ایک کھجور جسے میں آئے گی۔
 اور پھر وہ وقت بھی آیا جب کھجور کی گٹھلیوں کو چوس لیا جاتا اور اوپر سے پانی پی کر اللہ کا
 شکر ادا کیا جاتا۔ جب بالکل کچھ نہ رہا تو درختوں سے پتے کھانے شروع کر دیئے۔ کدو سے پتے
 کھا کھا کر صحابہؓ کی اچھیں میٹ گئیں۔ حدیث کے لفظ ہیں فَقَرَّتْ اَفْوَاهُهُمْ اُن کے
 منہ بپٹ گئے۔ مگر اس قدر مصیبتیں جھیلنے اور تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود ان کے
 پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ بلکہ دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر رہے۔ اور اللہ تعالیٰ
 سے فتح و کامرانی کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

شکر کی
 آزمائش

یہ دن اوقات سالار لشکر اپنے لشکر کی آزمائش بھی کرتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔
 کہ فوج ہر قسم کی سختیوں برداشت کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اور بعض وقت
 اس میں خاص مصیبت بھی ہوتی ہے۔ جو امیر لشکر کے ذہن میں ہوتی ہے۔ تو اس
 لحاظ سے امیر کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ حالات کے پیش نظر فوج کو کوئی حکم دے۔ جس
 کی بظاہر کوئی افادیت نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک کا واقعہ ہے۔ حضرت
 عمرؓ وہیں انصاف کو امیر لشکر بنا کر روانہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ فوج میں بطور سپاہی شامل
 تھے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو ایک جنگل میں ڈیرہ لگایا۔ رات سخت سرد
 تھی۔ مگر امیر لشکر نے حکم دیدیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے۔ لوگ سخت حیران ہوئے کہ سردی
 میں بھٹھک رہے ہیں۔ مگر آگ جلانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ نہ آگ جلی نہ کھانا
 پکا۔ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے گزارش کی کہ امیر لشکر کے پاس سفارش کریں۔

کہ آگ جلانے کی اجازت نہ دیں۔ شکر بخین ٹانے یہ کہ کر سفارش کرنے سے انکار کر دیں۔
 کہ اس شخص کو حضور علیہ السلام نے ہیہ تہتر کیا ہے۔ اس کی اعانت ہم پر لازم ہے آگ
 نہ جلانے میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔ آخر صلی الصبح امیر نے دشمن پر حملہ کر کے لے کا حکم دیا
 وہ لوگ اسلامی لشکر کی آمد سے بے خبر تھے۔ اچانک حملہ ہوا۔ تو ان کے پاؤں اکٹڑ
 گئے اور لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اُس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اگر رات
 کو لوگ روشن کرتے اور دشمن کو ہماری آمد کا پتہ چل جاتا، اور وہ جنگ لے لے پتہ تیار
 ہو جاتے۔

طالت نے بھی اپنے لشکر کو انہر کے حکم سے زمانہ نش میں ڈالا۔ فَتَقَا فَصَلَ
 حَالُوْتُ بِالْجُنُودِ جب طالت لشکر کے مجروح ہوئے۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
 مُبْتَلِیْكُمْ بِرَهَقٍ کہا اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمانا چاہتا ہے
 کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک چھوٹی سی نہر ہے جو بیرون میں تھلا جڑا بہت سی تہج رخم
 کے راستے اس کی کل لمبائی دو سو میل کے قریب ہے۔ اہم پروردگار سے قریب ترین
 فاصلہ چیلڈ میل بنتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد دیا کے اردن ہے
 جسے عبور کر کے دشمن کے مقابلہ پر جانا تھا۔ جب لشکر اس نہر کے قریب پہنچا۔ تو
 امیر لشکر نے اعلان کیا کہ تمہاری آزمائش کا وقت آگیا ہے۔ اگرچہ تم پیاس کی
 شدت میں مبتلا ہو، مگر اسٹک کا حکم یہ ہے کہ یہاں سے پانی نہیں پینا فَسَمَنَ
 مَشْرَبٍ مِنْهُ فَلَيْسَ بِمَشْرَبٍ جو کہ اس حکم کی خلاف ورزی کر کے نہر کا پانی
 پی لیا۔ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یعنی میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔
 وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْ اور جس نے اس پانی کو کھا کھل نہ چکھا، بلاشبہ
 وہ مجھ سے ہے۔ یعنی وہ میرے لشکر میں شامل نہ ہوگا۔ اُن اتنی گنتی لشکر ہے
 رَاَوْ مِنْ اَخْتَرَفَ عُرْفَتَهُ کیمیہ کہ جو کر لی اپنے ہاتھ سے چلے بھرے
 تو اس کو اجازت ہے اس سے زیادہ پانی پینے کی اجازت نہیں۔

فَلَيْسَ بِمَشْرَبٍ کے الفاظ بہت سی حدیث مبارکہ میں بھی ملتے ہیں۔ جہاں

کہیں حضور علیہ السلام نے امت کو کسی بھرت نہ دیا، وہاں جو کیا کریں۔ فلیس رستی و نہ جھٹ
 نفس ہے۔ جیسے فرمایا مَن رَضِيَ عَنِّي فَادْرِكْهُ یعنی جو میری ملت سے
 عرض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یا جیسے فرمایا عَنَّا لَمْ يَكُنْ ضَائِعًا
 فلیس جھٹ۔ جو بھرتے مہمان کی عزت نہیں کرتا وہ ہم سے نہیں ہیں اور ہماری عزت
 سے تارن ہے ایک اور مقام فرمایا عَنِ الْحَمَلِ نَحْنُ الْمَتَلَبِخِ فلیس جھٹ
 جو ہم پر بہت برا تھا وہ ہم سے نہیں ہے۔ مَنُ غَشَّ فلیس مَنُ
 جو کسی مہمان کو دوسرا جھٹ۔ وہاں ہی ہم میں سے نہیں ہے۔ رزیرہ و نیزہ

اکثریت کی
 ہاکھی

غرض! طاوت کے لی سے طاع کرنے کے دو تردد فقیر لکھا جھٹ
 اَلَا قَلِيلًا مِّنْهُمْ اسی بشارت کے شکر میں سے اکثریت سے خوب بیٹا ہر
 کسپانی بیٹا، اس لئے ایک قلیل تعدد کے جنوں سے: میرے شکر سے کہ یہ جبر استقامت
 کا دامن تھامے رکھا۔ کہتے ہیں کہ اس قلیل تعداد میں سے بعض نے تو ابھی نہ پیدا
 اور بعض نے پلو بچہ پالی سے لیا۔ بس کی اجازت تھی۔ حدیث شریف میں ان کی تعداد
 ۳۱۳ آتی ہے۔ اور یہ تعداد ہر س کے بشارتوں کی تعداد کے برابر ہے۔ بعض دنوں
 میں ۹۹ کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی ہر س کے شکر میں میرے قلیل تعداد کا ماش میں لوری
 اُنہی: بقی کا غالب اکثریت پانی پینے کے بدستی اور کاملی کا شکار ہو گئی۔ حتی کہ
 وہ آگے نہ بڑھنے سے بھی محذور ہو گئے۔ اور میرے اس پار ہی رک گئے۔

میں رُو

قَدْ جَاوَزَهُمْ وَآلِذِينَ هَاسُوْا عَلٰی حَبِطٍ طابوت در اس کے
 جہاں بل میان نہر سے یہ رہنے کے آگے سے بارت کا لشکر موجود تھا۔ حضرت
 عبداللہ بن عباسؓ اور درست مفسرین کے کہہ کے خزانہ سے مراد شاہ اشرف علی تھانی
 فرماتے ہیں کہ اس وقت طاوت کا لشکر تین گروہوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ پہلا گروہ
 ناقص ایمان تھا جنہوں نے کفر سے خلاف ہر گروہ پانی پیا اور طرائق کے قابل سب سے
 دوسرا گروہ کامل ایمان لوگوں کا تھا جنہوں سے چلو بہر پانی پیا۔ مگر یہ گروہ اپنی قلت
 تعداد کی بنا پر دشمن کے لشکر سے خوفزدہ تھا۔ کہ مٹنے والے لشکر سے مقابلہ کیے

اس محرم کے میں ایک ایک مومن ایک ایک ہزار کافر کے مقابلے میں تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔ صرف دس مسلمان شہید ہوئے جب کہ کفار کے دس ہزار جہنم داخل ہوئے۔

ابناری شریفین میں حضرت زبیرؓ کا واقعہ آتا ہے آپؓ نے روایت کفار کے لشکر میں تنہا کر دگئے اور تلوار چلائے ہوئے ایک سترے سے دوسرے سرے تک چلے گئے۔ گھوڑا دوڑاتے ہوئے پھر واپس آئے اور ہینار کفار کو ہلاک کیا۔ جنگ احمد کے متعلق ظہری کی روایت ہے کہ پیغمبرؐ اسی لشکر علیہ وسلم کے رو بہد ایک بڑے سخت مرحلہ پیش آگیا، سبھی تتر بتر ہو گئے۔ اور آپؐ اکیلے رو گئے۔ اس نازک موقع پر انصار مدینہ میں سے حضرت ابو وجاہؓ نے حضور علیہ السلام کی حفاظت کے لیے اپنی پشت کو بطور ڈھال استعمال کیا۔ اور قرار اور نیزے کے چوری زخم کھائے۔ مگر آپؐ کی حفاظت کی۔ ایک اور موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور فرمایا اگر ن ہے جو اس کا حق ادا کرے گا۔ سب خاموش تھے کہ ابو وجاہؓ بڑوں ٹھے حضورؐ پر یہ عجیب فرمایا میں اس کا حق ادا کروں گا۔ اور پھر آپؐ نے واقعی اس کا حق ادا کر دیا۔

جب میلہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا تو اس کے پاس چالیس ہزار کاشک تھے جو قلعہ بند ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا ایک قبیلہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں سرکوبی کیلئے پہنچا۔ مگر مضبوط قلعہ سر نہیں ہوتا تھا۔ پھر حضرت ابو وجاہؓ نے ایک تہہ ہر بنائی۔ کہنے لگے مجھے لڑکھڑائی میں ڈال کر راست کی تاریکی میں کسی طرح قلعہ اندر آؤ۔ دو باقی کام میں خود مرن لوں گا۔ یہاں ہی کیا گیا۔ حضرت ابو وجاہؓ نے ٹوٹنے سے کل کر بے دریغ تلوار چلا کر شروع کر دی۔ دشمن میں فز فز پید ہو گئی وہ سمجھے کہ مسلمانوں کا لشکر قلعے میں داخل ہو گیا ہے۔ لہذا انہوں نے خود ہی قلعے کا دروازہ کھولا دیا اس محرم کے میں میلہ کے ۲۸ ہزار آدمی مارے گئے۔ کئی ہزار کفار صرف ابو وجاہؓ کی تلوار کا شکار ہوئے۔

غرض! اُن کُلّ الایمان لوگوں نے جتنی سپاہیوں کو حصار دیا کہ گھبرائے کُ کریں
 بات نہیں۔ اللہ جبار کی قلیل تعداد کو کثیر تعداد پہ غالب کرے گا۔ لہذا تم صبر و استقامت
 کے ساتھ جنگ میں کود جاؤ۔ وَاللّٰهُ مُبِیْعُ النَّصَبِ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَبِرُوا لِحُكْمِ
 اللّٰهِ سَاعَۃٌ مَّا تَقْتُلُوْا صَبْرًا صَبِرُوْا لِحُكْمِ اللّٰهِ سَاعَۃٌ مَّا تَقْتُلُوْا صَبْرًا
 کے ساتھ ہے۔ صبر ایسی ضروری چیز ہے۔ جس کے بغیر نہ فنا نہ ادا ہو سکی ہے نہ روزہ
 کی بھوک پیاس برداشت ہوتی ہے۔ نہ جماد میں حصہ لیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی تبلیغ ہو سکتی
 ہے۔ لہذا صبر و استقامت ہے۔ صبر و استقامت کا ایک اہم اصول ہے۔ اس کو پانے سے
 پیشہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

سَيَقُولُ

الْبَقَرَةِ

درس چھ سو گنت (۱۰۷)

سبت ۲۵/۱۲/۱۴۲۸ھ

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَخْرِجْ عَيْنَنَا صَلَواتِ
 ثَلَاثَ قَدَامَتَا وَنُصْرَنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَهَزَمُوهُمْ
 بِإِذْنِ اللَّهِ فَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُسْتَوْدَعِ
 الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ لِلنَّاسِ
 بَنَصَرِهِ لَبِغَضَ فَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهُ ذُو فَضْلٍ
 عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور جب جارت اور اس کے لشکر کے سامنے ہوئے تو کہنے لگے اے
 ہمارے پروردگار! ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ اور کافروں
 کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ ﴿۲۵﴾ پس اہل ایمان نے ان نہ کافروں کو شکست دی اللہ
 کے حکم سے اور قتل کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے جارت کو اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو
 سلطنت اور حکمت دی۔ اور جو چاہا سکھایا اور اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے
 ساتھ وضع نہ کرے تا کہ زمین خراب ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ جہان والی پر فضل کھنڈے والا ﴿۲۶﴾

گزشتہ درس میں طاووت کے لشکر کی روانگی کا تذکرہ تھا کہ جب دو دشمن کی طرف
 پہلے قراہتے ہیں طاووت نے اپنی فوج کو آگاہ کیا کہ یہ لوگ کس مذہب کا ایسا
 برداشت کر سکتے ہیں۔ راستے میں نہر بنی ہے۔ اللہ کے حکم سے طاووت نے
 اپنے سپاہیوں کو اس نہر سے پانی پیئے سے منع کر دیا۔ اور پیاس برداشت کر نیکی
 متین کی۔ ہاں البتہ سخت شدت کی صورت میں چلو بھر پانی پی لیتے کی اجازت دی
 مگر لشکر کی اکثریت پیاس برداشت نہ کر سکی اور انہوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا
 جسکی وجہ سے ان میں ہستی اور کاپی پیدا ہو گئی اور وہ آگے سفر کرنے کے قابل نہ رہے

مذہب تک ہمارے دہیں بیٹھ گئے۔ خالوت صرف ۲۱۲ سپاہیوں کا لشکر لے کر ہنر سے
 بارہ ہوئے۔ اُس طرح تین گروہوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ جنہوں نے خوب پانی پیادہ
 ناقص الایمان لوگ تھے۔ درودہ اور نصر جہ رہ گئے۔ جو ہنر سے پرستے۔ ان میں بھی دو گروہ
 طرح کے آدمی تھے جنہوں نے چلو بھرنی دیا تھا وہ کال ایمان تھے مگر ۲۱۲ کے مقابلے میں دشمن کی گنتی نہ
 دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم باور رکھنا کہ مقابلہ نہیں کریں گے۔ تیسرا گروہ جس نے بغل دانی
 نہیں کیا تھا وہ اکل ایمان لوگ تھے جنہوں نے دوسروں کو قتل کر دیا کہ تعداد کی گنتی نہ
 اور قتل سے مت گھبرائے۔ دنیا میں کہتے ہی واقعات پیش آچکے ہیں۔ جن میں قتل
 نے اکثریت کو شکست دی۔ فتح شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جمع لہذا تم صبر نہ کرنا
 پر قائم رہ کہہ چاؤ کہ وہ اللہ تعالیٰ مستحق رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ہیستہ صابروں کے ساتھ
 ہوتا ہے۔ اب آیات زیر درس میں دونوں لشکروں میں جنگ کا حال بیان ہو رہا
 ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل نے میدان جنگ میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی
 کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مستحق سے نازا۔

میدان جنگ
 میں

گذشتہ درس میں اسلامی سپاہ کے اوصاف بیان ہو چکے ہیں کہ ان کے اندر حسن
 کا مادہ نہیں ہوتا چاہیے۔ نیز یہ لوگ صبر و استقلال کے پیر اور اچھے خلق کے حامل
 ہونے چاہئیں۔ اور ان کا آخری وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کامیابی کے
 لیے دست برعایت ہیں۔ آج کے درس میں یہ سب پہلے اسی دعا کا ذکر ہے۔ یہ دعا
 ہوتا ہے۔ وَلَمَّا بَدَرُوا يَحْيَىٰ لُوطًا وَحُنُودًا جَبَّ يَسْرَئِيلَ جَاوِلًا كَالْكَوْثِ
 كَيْ سَابِقَ يُوسُفَ قَالُوا تَوَّانُوا لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ
 رَعَا فَرِيحَ عَيْنَيْنَا صَبْرًا لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ
 أَفْءَ مَنَا اور پہلے قدموں کو ثابت رکھو فَصَبْرًا عَلَى لِقَائِهِ الْكُفْرَانِ
 وہ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

دعا ایک ایسی اعلیٰ درجہ چیز ہے جس کے ذریعے انسان اپنے رب کے ساتھ
 تعلق قائم کر سکتا ہے۔ خاص طور پر میدان جنگ میں غیر مسلم توہیں اپنی طاقت کے غرور

سے اور ہمارے عیوب پر پردہ ڈال۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کے لیے خود دعائیں کی ہیں۔ اور صحابہ کو سکھائی ہیں۔ حضرت علیؑ نے دیکھا کہ ہر سکے میلن میں سجدے کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہایت عاجزی کے ساتھ یا ای یا فیوۃ کہہ رہے ہیں۔ سنے اللہ! ہم تیری رضا کی خاطر آئے ہیں۔ ہماری تہذیب اور موت تیرے ہاتھ میں ہے۔ کافروں کے معافیے میں ہمارا غلبہ تیری مشیت پر منحصر ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ چپے گئے۔ میدان جنگ کا چکر لگا کر واپس آئے۔ تو دیکھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور اللہ کے حضور دعائیں کہہ رہے ہیں۔

جاوے کے
مقابلہ

الفرق! حالت مٹھی بھر ساقیوں کے ساتھ میدان میں تھا۔ اللہ کے نبی صومیا! بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جاوے کا کثیر لشکر دیکھ کر دل دہل گیا۔ اس وقت گڑگڑا کہ دُعا کی ریت نکالے جہاں پر در دگار! دُعا کے اہل میں خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو منہ پر رکھا۔ کہہ نہ پاؤں اور درجہ کمال تک پہنچا، صفت ربوبیت کا کہہ نہ سکتا۔ ریت نکالنے بعد کے ساتھ اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا۔ جیسا کہ کثرتِ دعاؤں کی ابتداء میں یہ نعت آتا ہے۔ جیسے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا يٰ اَبِيئِنَا حَبَّ زُنًا يٰ اَدْبَانَا عِصْرَكٌ وَغَيْرِهَا، یہاں یہ دُعا کی رَبَّنَا فَرِّغْ عَنَّا صَدَّقُوا لِي اللہ! ہم پر صبر ڈال سنے یا صبر! ٹھیل دے۔ ہم میں صبر کا مادہ پیدا ہو جائے وَبَيِّتْ قَدَامَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ جہاں سے پاسے استقلال میں غرض نہ آنے پائے۔ اور ہم دُعا کی دُعا کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ یہاں واقع تھا کہ دشمن کا قوت چاہا کہ دیکھ کہ اہل ایمان کو سخت پریشانی لاحق تھی حتیٰ کہ بَلَعَتِ الْقُلُوبُ الْاُحْمَاءُ جو اُن کے دل اچھل کر لگے تک آگئے تھے، کا منظر تھا اتر سالت میں وہ رب العزت سے دُعا کر رہے تھے کہ مولا کریم! ہمیں دشمن کے مقابلے میں صبر کی دولت عطا کر اور جہاں سے قہر ملے ثابت رکھ۔ در پھر آخری بات یہ کہ وَنُصْرُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما اور ان پر غلبہ عطا فرما۔ کفار کفر کے پردہ مہ کے اسی ہیں۔ اور اہل ایمان حق کا کلمہ بلند کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی۔ اطاعت اور تیری رضا کا پردہ کلام

نافذ نہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا ان کی نصرت فرما۔

جب جالوت نے دیکھا کہ مقابلے میں حملی سا لشکر ہے تو کہنے لگا میری ساری فوج کو لوڑنے کو ضرورت نہیں ہے۔ اس لشکر کے بہتے تو میں کیڑا ہی کافی ہوں۔ اُس نے اپنے میں جنگ کو طریقہ یہ بتایا، کہ ابتداء میں دونوں طرفوں سے ایک ایک آدمی نکلتا اور مقابلہ کرتا۔ پھر دونوں اطراف سے ایک ایک اور سپاہی نکلتا ہے۔ حتیٰ کہ عام جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جنگ بدر میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ جب کفار مکہ نے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو لشکار اور مسلمانوں کی طرف سے انصاء مدینہ میں سے کچھ جاننا نہ سکے مگر کفار نے کہا کہ یہ تو مدینہ کے کاشتکار ہیں۔ ہمارے مقابلے کے لیے جلتے ہم پلہ لوگ آئیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں گئے کا حکم دیا۔ چنانچہ دوسرے حضرت بلدغہؓ، شیبہؓ ہوئے اور کفار کے تین جوان جہنم داخل ہوئے۔

اہل اسلام کے لشکر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے داماد الیاسؑ یا یسی بن عیوب بھی شامل تھے۔ ان کے چھ بیٹے تھے جن میں داؤد علیہ السلام بہت کم سن تھے کہتے ہیں کہ آپ کم سنی کے باعث جنگ میں شرکت کے لیے نہیں آئے تھے۔ بلکہ اپنے بڑے بھائیوں کو سامان پہنچانے کے لیے وہاں پہنچے تھے۔ مگر اللہ کے نبی کو حکم ہوا کہ جالوت کے مقابلے کے لیے داؤد کو نکالو۔ آپ نے اُن کے باپ کو یہ چھ بیٹوں کے طلب کیا۔ درمیان حکم الہی داؤد علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ جالوت کا مقابلہ کریں گے انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ اللہ کے نبی نے آپ کو جالوت کے مقابلہ کے لیے نکالا۔ آپ نے تلوار، تیر یا نیزہ، مستعان کر سنے کی بجائے دشمن پر پتھر پھینکنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ آپ کم سن تھے مگر بڑے ذہین اور پختہ چاند نے میں بڑے ماہر تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے تینوں سے ایک پتھر نکالا اُسے غارِ خن میں ڈالا اور دوسرے گھٹا کر جالوت کو نئے مارا۔ جالوت سر پائے میں غرق ہوا، صرف اُس کا ماتھا نکلا تھا۔ پتھر وہیں پڑا کہ نکلا۔ اور سر کے پار نکل

حضور داؤد علیہ السلام
کا کارنامہ

گیا۔ آپ نے دوسرا درقیرا چتر دیا تو جاوٹ نہاں پر گر گیا، آخر وہ عید اسلام بنے اس کے
 اور پانچویں اس کا کام تمام کر دیا۔ جب شکر نے دیکھا کہ اُن کو سر دربار گیا سببہ، تو اس
 کی جگہ دوسرے نے اپنے ملکی کو کشش کر مکر وہ بھی کھیر کر مار کر پہنچا۔ آخر دشمن کے لشکر
 میں جگہ بڑھ گئی۔ ملایان نے ان کا قتل کر کے انہیں مکمل شکست سے ہم کرا۔
 کہہ دیا۔ اسی واقعہ کے متعلق یہاں ارشاد ہوا ہے: فَعَزَّ مَوْجَهُمْ بِأَذْنِ لَقِيَةِ نَرْجِسَ
 نے فاسطینوں کو اللہ کے حکم سے شکست دیدی وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ اور حضرت
 داؤد علیہ السلام نے سلاہ کر جاوٹ کو قتل کر دیا۔

مناقب
 حضرت داؤد علیہ السلام

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے باپ اور
 بھائیوں کے پس میدان جنگ کی طرف گئے تھے۔ تو راستے میں درختوں کے تنوں
 سے آواز آئی اے داؤد! تمہارے قریب یہ پتھر ہیں انہیں اٹھا لو، تمہارے کام میں
 پانچویں آپ نے ان میں سے تین پتھر اٹھا کر تھیلے میں ڈال دیے اور پھر بھی پتھر پٹے
 جاوٹ پر چلائے جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ آپ ایک
 دین روزہ رکھتے اور یک دین افطار کرتے تھے۔ آپ اپنے باور قے کہ دشمن کے
 مقصد میں کچھ لڑتے نہیں پھیری۔ آپ بچپن میں بچیاں چراتے تھے۔ جب کبھی کوئی
 بھیرٹا یا شیر بکریوں پر حملہ کرتا تو آپ اُس کے پیٹ پر ہاتھ پٹھیتے۔ اللہ تعالیٰ اتنی
 طاقت عطا کی تھی۔ اگرچہ تدریس آپ جیسے تھے۔ مگر جسم میں قوت بڑی تھی۔
 آپ نہایت خوش الحان تھے۔ جب آپ مملکت کرتے تو پردے بھی آپ کی
 آواز سننے کے لیے ٹھہر جاتے۔ اُن کا لہجہ داؤدی آج بھی محاورا استعمال ہوتا ہے
 اللہ تعالیٰ نے کوسٹ کو آپ کے ہاتھ پر موم کہہ دیا تھا۔ بدھ چاہتے توڑ لیتے۔
 چنانچہ آپ کوسٹ کی زمر میں بھی بناتے تھے عبادت کو یہ حال تھا کہ آپ کو بڑا شہر
 کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکومت بھی عطا
 کی تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جاوٹ کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے

آپ کو غیبۂ الہ کہہ رہا ہے کہ اِنَّ اَحْسَنَ مَا خَلَقْتُ مِنْ عِبَادِي لَكَ دَاوُدُ
 ہم سے آپ کو زمین میں غیبۂ مقرر کیا۔ بائبل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
 کی بناوری سے متاثر ہو کر طاووس نے چن بھٹی کا نخل حضرت داؤد سے کر دیا تھا۔
 حکومت کے علو پر فرمایا وَالْحُكْمَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی سَنَ دَاوُدَ عَلَیْہِ سَلَامٌ وَتَمَكَّنَتْ

بھی طاووس کی غلطی پر حکومت سے ہرگز نہ ہوتی اور یہی حکم خدا کی طرف سے تھا جس سے ہم
 بعض فرشتے میں سے یہاں پر حکومت سے مایوس ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت
 سے بھی سرفراز فرمایا اس سے پہلے اس کی بیویوں میں حکومت اور نبوت میں اختلاف تھا
 کہ اس کو نبوت ملتی تھی جیسا کہ نبی مومنین علیہ السلام تھے اور حکومت طاووس کے پاس تھی
 مگر یہ دونوں چیزیں ڈاؤد علیہ السلام پر آگئے تھیں اور نبی اور حکومت کے پاس تھی
 خلافت مل اور حضرت محمد صل کے بعد آپ نبوت پر بھی سرفراز ہوئے۔

ایک اور خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشی، وہ ہے وَعَلَّمْنَاہُ مَا
 یَشَاءُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے جو چاہا حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھایا۔ داؤد علیہ السلام کا ذکر
 قرآن پاک میں سورۃ غافات پر آیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف فنون اور علوم سے
 نوازا۔ یہ مذہب کی برائیوں کے علم کو تاکرہ اور سورۃ نمل میں موجود ہے مَحْصَنَاتُ الْمَشْرِقِ
 مَحْصَنَاتُہُمْ ہوں اوستے باہر دور کی بولی تھی گئی حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان
 کے جملہ طے کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ اٰتٰیۡنَا دَاوُدَ وَسُلٰیۡمَۃَۨنَا جِبۡلَۡنَاۡ مِمَّاۡ جَبۡلُۡنَاۡ مِمَّاۡ جَبۡلُۡنَاۡ
 علیہما السلام کو علم عطا کیا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بھی نبی ہوئے اور غیب
 ہوئے۔ یہ دور نبی مومنین کا منہرہ دور تھا۔ خلافت وہ نبوت ایک جگہ پر جمع تھی ہامن
 اور خوشنما ہوا تھا۔ انچھائی کو تہذیب حاصل تھا۔ وہ بہت دور دور تھا۔

آیت کے الگ حصے میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہ فلسفہ بھی بیان فرمادیا۔ یَسْأَلُ
 مَعۡ لَیۡلَۃٍ لِّسَاسٍۭ لِّعَفۡفِہُمۭۡ بِبَعۡضِ نَفۡسِہُمۭۡ لَآ یُحۡسِبُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیۡہِمْ
 لوگوں کو بعض دوسروں کے ذریعے پر مٹاتے تو زمین میں شہادت پر آمادہ یعنی جب
 کسی گمراہ کو خدا کی زمین پر ہامنی پسند نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے

مقابلے میں دوسری جماعت کو بھیج کر مفسدین کا خاتمہ کر دیا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔
 قرآن حکم دیتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے بہت بڑا اجر رکھتا ہے۔
 یہاں تک کہ فتنہ و فساد بالکل ختم ہو جائے کفر و شرک کی ناپاکی دور ہو جائے، اللہ تعالیٰ
 کی اطاعت ہونے لگے اور اسلام کے رستے میں کوئی نہ کاوش نہ کرے۔
 یہی وہ مثل ہے جسے جمال الدین افغانیؒ نے کرائے۔ اور سچی پروری زندگی میں کام کے
 لیے وقف کر دی۔ آپ نے مسلمانوں کو ذہنی نشین کر دیا کہ عیسائی اور یہودی ان کے اسلام
 کی دشمن طاقتیں ہیں۔ وہ اسلام کی شمع کو بجھانا چاہتی ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو اس بات کا
 فرس لینا چاہیے۔ اور اپنا دفاع خود چاہیے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کہ اپنے سر سے
 میں دفاعی جہاد (Defensive Jihad) فرما رہے ہیں۔ اگر جہاد سے مراد دانی کی گئی تو زندہ مصیبت
 لائق دنیا میں چھائی رہتی۔ اور کسی کی جان و عزت و آبرو محفوظ نہ ہوگی۔ ہر دلی دیکھنا چاہیے
 آپ کو کاکت ہیں ڈالنے کے مترادف ہے۔

بہر حال فرمایا کہ یہ سنت اللہ ہے کہ وہ کسی نیک کو شہید کرنے کے لیے
 اس سے بڑھ کر وسائل پیدا کر دیتا ہے۔ دنیا میں کتنے فرعون، ہامان اور فرعون پیدا ہوئے
 مگر آخر ختم ہو گئے، کبھی جبری کا طوطی لڑتا تھا۔ سب امریکہ اور روس سپر پاورز ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ
 اپنے پیغمبروں کے مطابق اول بدل کرتا رہتا ہے۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ لَا يَكُونُ الظَّالِمُ
ذَافِئًا لِّعَوْدِ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ اہل جہان پر فضل کرے اور اہل است۔ جب وہ کسی ظالم
 کی جگہ لگتی کرتا ہے۔ تو یہ صحیح معنوں میں دنیا و لال پر اس کا فضل ہوتا ہے انہیں ظلم سے
 نجات مل جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جہاد عظیم اسلحہ کے
 شکن میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دنیا میں ظلم کو ختم کریں۔ حق و انصاف کا نظام قائم کریں
 عقیدہ توحید کو بچھڑ کریں۔ چنانچہ ظلم کو مٹانے کے لیے جہاد کی ضرورت ہے۔ جہاد کی
 مترادفیت انہی آیات اور کئی دوسرے مقامات پر بھیجی۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

اَتُبْقِرُوْهُ

اور یہ محمد بہشت راہ

سیت ۲۵۲ تا ۲۵۳

ثَلَاثَ اَيَّاتٍ نَّتَوَّعَاتٍ بِحَقِّكَ وَتِلْكَ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ
 تِلْكَ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ فَضَّلَ بَعْضُهُمْ عَنِ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ
 كُنُوْا اِنَّهٗ وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجٰتٍ وَّثَبَّتْ رِجْسِيْ بِنِ مَّرْوَ
 اَيُّهَا النَّبِيُّ وَبَيَّنَّهٗ بِرُوحٍ مُّقَدَّسٍ وَنُوشَءُ مِمَّا اَقْتَسَلِ
 سَبِيْلًا مِنْ بَيْنِهِمْ مَنْ يَّكْفُرُ مِنْهُمْ نَبِيْنِي وَنَبِيْنِي
 خَتَمُوْا قُلُوْبُهُمْ مَنْ اَمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَنُوشَءُ مِمَّا
 فَتَوَّعَاتٍ وَنَبِيْنِي مِمَّا يَفْعَلُ مِمَّا يَرِيْ

ج

نور محمدؐ یہ اللہ تعالیٰ کی، میں ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سناتے ہیں۔ اور یہ ہم
 آپ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں (۲۵۲) یہ سب دلیل ہم نے ان میں سے بعض
 کو بعض پر فضیلت بخشتی ہے۔ بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے
 کلام کیا اور بعض کے درجات بہت بلند کیے۔ درہم نے عیسیٰ ابن مریمؑ علیہ السلام
 کو واضح نشانیاں دیں۔ اور ہم نے اس کی درجہ القدس کے ساتھ آئید کی۔ اور اگر
 اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ مڑتے وہ لوگ جو ان نبیوں کے بعد آئے۔ بعد اس کے کہ ان کے
 پاس واضح باتیں آچکی تھیں۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا۔ اور بعض ان میں سے ایمان
 لائے۔ اور ان میں سے بعض نے کفر اختیار کیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ذلیل تھے
 لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ (۲۵۳)

بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے
 حضور خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بطور خاص اور پھر تمام انبیاء کی نبوت
 کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں جہاد کی حکمت بیان فرمائی تھی اور

بطایات

معتزین کے اعتراض کو رد کیا اور راسخ کیا تھا کہ اگر ہمارے فرزند کی جہاد تو مضہریں زمین ہیں
 برپا کر کے اس کو شہر کر دیتے تھے۔ لکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت فرمائی۔ اور پھر مہنی کے
 غلبے کے لیے جہاد کا حکم دیا۔ تمام انبیاء اپنے اپنے دور میں جہاد کرتے آئے ہیں۔ اسی
 ضمن میں طاہر کا ذکر کیا۔ جو کہ سحر کیل نبی کے زمانے میں ہوا ہے۔ آپ کے نام پر یافیل
 میں دو صحیفے بھی موجود ہیں۔ آپ خود بھی جہاد میں شریک ہوئے۔

بعثتِ نبی
 کا مقصد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا
 مقصد لوگوں کو ایمان اور توحید کا راستہ بتانا، اور ان کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کرنا ہے
 اس کے علاوہ رسالت باطلہ کو مٹانا اور رفع ظلم بین انہی لوگوں کے درمیان ظلم و
 زیور کی کفر کو رد کرنا ہے۔ اور ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے جہاد لازمی ہے۔ اس کے
 بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ معاشرہ میں ظلم و زیادتی برپا کرنے
 والے لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے تسم میں بھوڑا ہوتا ہے۔ جب تک اس بھوڑے
 کو کاٹ نہیں دیا جاتا تب تک تندرست نہیں ہو سکتا، اسی طرح جب تک فساد کی لوگوں کو جوڑ
 سے نہیں اکھاڑ دیا جاتا، معاشرے میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی آپریشن کا نام جہاد ہے
 اس آیت کے بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی تصدیق

تصریح فرمائی

فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا۔ کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں موت سے ڈر کر
 جھاگ بکھر گئے ہوئے۔ مگر اللہ نے انہیں راستے میں ہی موت سے ہم کنار کر دیا۔ پھر
 اللہ کے نبی نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دی۔ مگر ان کی مٹی فرشتے پر
 لٹکائی تھی۔ طاہر کو ان کا ہم سفر کیا۔ اور اس کی ہر کوئی میں جہاد کا حکم دیا۔ پھر
 میں لشکر کی ایک کشت ہوئی۔ اور ان میں سے بہت سے بھڑے اس زمانہ میں پورے ہندو
 کوثریت نے بے صبری کا اظہار کیا۔ اور جہاد سے محروم ہے۔ انٹاروں کی ایک
 قبل تعداد کو اللہ نے فتح سے ہم کنار کیا۔ اس موقع پر اللہ نے دُعا کا غلبہ سکھایا۔ اور
 چھر میدان جنگ میں دشمن کا سردار حضرت ذوالعظیم السلام کے پتھر سے ہلاک ہوا۔ طاہر
 کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالعظیم السلام کو خلیفہ بنایا۔ یہ تمام واقعے ہیں جنہیں

لہذا تعالیٰ نے اپنی نشانیاں قرآن و سراسر قلہ: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰیْكُمْ بِرِءْیَ الْاٰیٰتِ** میں اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ کو سچی کے ساتھ سناتے ہیں۔ وحی انہی کے ذریعہ ملے سکتے ہیں۔ وگرنہ آپ کے گمراہی کا رخ نہیں ٹپھتی اور نہ کسی مادی رخ میں ایسے واقعات موجد ہوتے تھے۔ یہ آپ کی نبوت و رسالت کی نشانی ہے۔ کہ آپ کے علم میں ایسے ایسے وقت آسکتے ہیں۔ درپھر یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے کہ وہ جو نئے واقعات چاہے آپ کو بتلا دے۔ اور جو نہ چاہے نہ بتلائے۔ دوسری جگہ **قُرْاٰلِکُوْثُۃَ اَوَّیْلَ مَا لَکُلِّکُمْ** صَبَّحُکُمْ اور اگر تم چاہتا تو یہ واقعات آپ کو نہ سنا یہ چیزیں آپ کی نبوت کی دلیل ہیں **فَرِیَا فَعَلَّیْتُ فِیْکُمْ عَمْرَۃًۢمِّنْ قَبْلَہٗ فَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** میں نے تم میں سے کسی کا ایک تم سے گزر رہا ہے اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی باتیں نہیں کہیں تھیں۔ جب اللہ کی وحی نازل ہونے لگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقعات کا پیشہ ہوا۔ تو میں نے یہ باتیں تم میں بھی پڑھ کر سنا دی ہیں۔ پہلی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز کیا ہے۔ **فَرِیَا وَلَیْکَ لَکُمُ الْعُرْسَلٰیۃُ** یقیناً آپ اللہ کے نبیوں میں سے ہیں۔ بلکہ سلسلہ دنیا کی آخری گدی میں آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ آپ ناقم البقیین ہیں۔

انبیاء کی ایک
درست پر
قصیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کا اجماع ذکر فرمایا ہے۔ **یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** یہ اللہ کے لیے رسول ہیں۔ اس سے پہلے بہت سے انبیاء کا ذکر آچکا ہے۔ گذشتہ آیات میں حضرت محمد صلی علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ **قَالَ لَکُمْ نَبِیُّکُمْ اٰلِیٰہُ** نبی نے ان سے کہا۔ اگرچہ یہاں پہنچی کا نام نہیں لیا گیا۔ تاہم اس سے مراد محمد صلی نبی ہیں۔ **وَلَوْ عَلَیْہِ السَّلَامُ** کا ذکر آچکا ہے۔ اس سے پہلے حضرت ابنہم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان آچکا۔ فرمایا یہ تمام اللہ کے رسول ہیں۔ ان سب پر ایمان لان ضروری ہے۔ کسی ایک نبی کا انکار ایک لاکھ چوبیس ہزار بار کے انکار برابر ہے۔ **لَا تُغْنِیْ عَنْکُمْ سَبَیْۤہُۢمۡ حٰجِدٌ وَّہُمْ جَاہِلٌۢمِّنْہُمْ** نبی کے منصب نبوت و رسالت کا تعلق ہے ہم ان میں کوئی فرق نہیں رکھتے۔ ہر سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ

مندرست ہیں اور محصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گناہ سے پاک رکھتا ہے۔ البتہ بقدر فضائل اور خصوصیات فَصَلِّا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی۔ یہاں پر ایک غلبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَا تَفْضَلُوا مَبْنِیَ الْاَنْبِیَا یعنی نبیوں کے درمیان تفضیل نہ کرو۔ یاد مجھے جس باقی نبیوں کے درمیان فضیلت نہ دو۔ یاد کیا کہ لوہے کے مقابلہ میں کسی کو فضیلت نہ دو۔ اس کے متعلق محدثین کثرت فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اپنی عقل سے امت نہ کرو کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے لگو اور بعض کی توہین کرنے لگو، ایسا نہ کرو، کیونکہ ایسا کرنے سے کفر لازم آجاتا ہے۔ فضیلت کا جو ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ اُسی پر کاربند رہو۔ چنانچہ اس امر میں اجماع اور اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے۔ آپ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے درجات ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہمیت عامہ کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے اَنْتَ بَاقِلُ الْاَمَلِ اس مقام یعنی میں تم کو تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اس مقام پر فضائل انبیاء کے متعلق ارشاد ہے مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰہُ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ نے کلام کیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَكَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی تَحْلِیْمًا اور کہ طور پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے بالمشافہ کلام فرمایا۔ حواجز کے واقعہ میں آتا ہے کہ حضرت الوذر غفاری نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اَوَّلُ اَنْبِیَاہِمْ یعنی سب سے پہلے نبی کون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام۔ پھر عرض کیا ہے۔ حضور! کیا وہ نبی ہیں۔ فرمایا۔ ہاں وہ سبھی مَکَلَّمُوْا اللّٰہَ تَعَالٰی سے اُن سے بالمشافہ کلام کیا۔ آپ سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے آخری نبی حضور خاتم النبیین علیہ السلام ہیں۔ فرمایا وَلَفِیْ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٌ اور بعض کے درجات بلند کیے۔ اس آیت میں بعض کے درجات سے مراد حضور علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات سب نبیوں سے

زیادہ بلند کئے ہیں۔ اس لئے آپ کو تمام محمود پر سرفراز فرمایا ہے۔ جس کا مظاہرہ قیامت کے روز ہوگا۔ آپ کو شفاعت کبریٰ عطا ہوئی ہے۔ آپ کو وسیع عطا ہے۔ ہوا ہے آپ کی امت کو اکثریت حاصل ہے۔ آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے آپ کو کتاب بھی سب سے افضل دی گئی ہے اور آپ کو کوشش نہ پشمار بخیر عطا کئے ہیں غرض آپ کے درجہ بہت بلند فرمائے ہیں۔ اسی سے فرما کر بعض کے درجات بلند کیے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے معجزات

فرمایا **وَاتَيْنَا عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ الْيُسُفَّ** اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں۔ قرآن میں سبکی وضاحت موجود ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں مردوں کو زندہ کرنا۔ کوڑھیوں کو تندرست کرنا اللہ کے حکم سے غیب کی خبریں دینا۔ حجر سے کھاکر سننے والے کو بادی کرنا کھانا بہت وغیرہ مل میں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جہاں بھی قرآن میں ذکر آتا ہے۔ عیسیٰ بن مریم کے نام سے آتا ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ آپ کا باپ کوئی نہ تھا۔ اللہ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا۔ قیامت کے روز بھی آپ کو یا عیسیٰ بن مریم کے لقب سے پکارا جائے گا۔ اور پھر پوچھا جائے گا۔ کہ کیا آپ سے لوگوں کو کھانا تھا۔ کہ مجھے محمود بناؤ۔ آپ جواب دیں گے۔ **سُبْحَانَكَ اے اللہ تو پاک ہے۔** میں ایسی بات کہ طرح کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ گویا عیسیٰ علیہ السلام کی الہیت کا رد کیا گیا ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کی سزائش کی گئی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ سرسید اور پروڈر جیسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بھی ثابت کرتے ہیں۔ یہ بات قرآن پاک کی تعلیم کے قطعاً خلاف ہے۔ اور لکھنا وہ عقیدہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانیاں دیں۔

روح القدس
سے تائید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہی فرمایا **وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** ہم نے روح القدس کے ساتھ ان کی تائید فرمائی۔ روح القدس کا معنی عام طور پر جبرائیل علیہ السلام کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جبر بھی جلتے تھے

حضرت جبریل علیہ السلام کی تائید اُن کے شامل حال ہوتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے یہی بات حضرت حنانؑ کو کہی تھی۔ فرمایا۔ اے حنان! تم مشرکین کو اشعار کے ذریعے جواب دو۔ تمہیں جبریل، امین کی تائید حاصل ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک روح القدس کا معنی کچھ اور ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ کائنات کی ہر چیز شیت الہی کی قبح ہے۔ اور ملا اعلیٰ کی تمام بزرگی، ہستیوں کی تو جس طرح ایک طرف لگی رہتی ہے۔ اس کو تائید روح القدس کہا جاتا ہے۔ اور پھر تطہیرۃ القدس جیسے پاک مقام سے جو شائیں ان بزرگوں ہستیوں پر پڑتی ہیں۔ یہ بھی روح القدس کی تائید ہوتی ہے۔

فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ أَكْرَمَ اللَّهُ تَعَالَى مَا أَفْتَتَلَ الْبَدِیْنِ مِنْ تَعْبَرِهِمْ
مِنْ تَعْبَرِهِمْ مَا جَاءَ تَعْبَرِهِمْ الْبَیِّنَاتُ تَوْبِیْنِیوں کے بعد آئے تھے لوگ واضح
نشانیوں آجانے کے بعد نہ لڑتے۔ یعنی اگر مشیت الہی چاہتی۔ تو سب لوگوں کو
ہدایت دے دیتی اور وہ ایک درستی سے ملتی جھگڑا نہ کرتے۔ دوسری جگہ فرمایا
وَلَوْ شَاءَ لَهَدَّیْكُمْ أَجْمَعِیْنَ۔ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے
دیتا۔ وَلَکُم مِّنْ مَّخْتَلِفٍ ۚ إِنَّ سَکَرُ لَّوْكَ اِخْتِلَافٌ کَمَثَلِ سَکَرٍ ۚ لَّوْكَ اِخْتِلَافٌ
نے انہیں کسی کام پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ خیر و شر کے دونوں راستے دکھا کر انسان کو پہنچنے
اور رہنے کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دے دیا۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُتَوِّصْ وَ مَنِ
شَاءَ فَلْيُکْفُرْ ۚ تَعْبَرِیْہِمْ اِیْمَانُ لَکُمْ اور جو چاہے کفر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے
کسی کے ارادے کو سلب نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو انسان کی فضیلت باقی نہ رہتی اس
کا امتحان نہ ہوتا اور وہ بے جان چیزوں کی طرح مجبور محض قرار پاتا۔ چنانچہ اُن لوگوں
نے نیکی کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے وَلَکِنْ اِخْتَفَضُوْا اِنْسُوْا نے اختلاف
کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ کُفَرَ ۚ
میں کچھ لوگ ایمان لے آئے۔ اور کچھ دوسروں نے انکار کر دیا۔ اور کفر کا راستہ اختیار
کیا۔ جب اختلاف پیدا ہو گا۔ تو پھر لڑائی بھی ہوگی۔ اہل ایمان اور کفار ایک جگہ کھائے نہیں

انسان پہنچنے
اور رہنے کا
خود فیہ رہا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مَتَرَقْنَكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَ كُفْرًا بَيْعٌ غَيْرُكُمْ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ
هُمْ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اس میں سے خدشہ کر دو جو تمہارے تم کو کفر سے پہلے
اس سے پیشتر کہ وہ ایمان آجائے۔ جس میں خرید و فروخت نہیں ہوگی۔ ورنہ نیکوئی ہوگی۔
اور یہ سفارش ہوگی اور جو کوئی کفر کرے گا اس میں وہی شہادت ہوگی۔

گہرے درس میں مہارت اور رسالت کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے جہاد کا تذکرہ تھا۔
اللہ تعالیٰ نے جہاد کی حکمت بھی واضح فرمائی۔ اس آیت میں اتفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے
اس کا تعلق اس آیت کے ساتھ ہے۔ جنہیں بنی اسرائیل کا ذکر ہے کہ ان کا ایک
گروہ موت کے ڈر سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر اللہ نے انہیں راستہ میں موت سے دی
پھر سبے خاص قتل سے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ وہاں پر لحد کے لئے نہ دیا
”فَلْيُكَلِّفُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ اللہ کے راستے میں دشمنان خدا اور دشمنان دین سے
ٹھکر باؤ۔ اور پھر وہاں میں یہ بھی فرمایا ”هَلْ أَتَى عَلَى الْكَافِرِينَ لِلَّهِ فَتْرٌ مَّا كُنْتُمْ
كُونُ سَبَّحُوا كَرَفَعْتُمْ حَسَنَةً“ اور اللہ نے ہر حال پر چڑھا کر رکھا کر گیا۔ یہ حال اس طرح
کرنے کی ترغیب ہو گئی۔

مفسرین نے مہربان فرشتے میں کہ سورۃ البقرہ سب سے پہلی سورۃ ہے۔ وہ اس میں
مختلف انواع مسائل ذکر کرتے ہیں۔ اس سورۃ میں عبادات، معاملات اور معاملات
کا بیان ہے۔ خصوصاً معاملات کی بہت سی تفصیلات ہیں۔ علی کو تین ایچ نکاح
و عدوت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکام کی تعمیل نفس پر شاق
گزرتی ہے۔ انسان کا نفس اگر اس کی سوچ کو چیل کر رہا ہے۔ خصوصاً جان و مال کی

جان و مال
کا خیال

قربانی پیش کر سکتے وقت بڑی دشواری پیش آتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کے لیے خاص تاکید فرمائی ہے۔ اور اکثر لوگ جان و مال کی وجہ سے ہی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ محبت کسی نفس کی ہویا مال کی۔ یہ مال کو قانون کی خلاف ورزی پر ابھارتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر جان کو کھپانے کا حکم دیا ہے۔ اور دوسری جگہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو جان کو بگاڑ دینا نسبتاً آسان سمجھتے ہیں مگر مال کے خرچ کرنے میں انہیں واقعہ ہوتے ہیں یہ ایک روحانی بیماری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَعْيَا ذَا الْاَمْوَالِ مِنْ الْفَيْحِلِ بخل سے بڑی بیماری کون سی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

مگر جان طلبی نہ افسر نیست
مگر زر طلبی سخن دریں جاہست

یعنی اگر جان کا مطالبہ ہے تو میں کوئی نہ لکھ نہیں، جان حاضر ہے۔ اور اگر مال چاہتے ہو۔ تو یہ بات نہیں بن سکے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کر سنا سک متعلق خصوصی احکام دیے ہیں۔ مال پر بہت سی عبادات موقوف ہیں۔ اگر مال خرچ نہیں کیا جائے گا۔ تو جہاد بھی نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، حج نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ گلے رکوع میں الفاظ فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا تفصیل آئے گا۔

چنانچہ بیان پر بھی ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ائِمُّوا اِيْمَانُ وَالْوَدَّ اَتَّقُوا اِيْمَانًا زَقَفْنَا خُرُوجَ كَرْدِ اس میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے۔ مزار اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ یہاں پر زَقَفْنَا خُرُوجَ خصوصاً توجہ طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ یہ ہمارا عطا کردہ ہے۔ ہم نے ہی اسباب و وسائل مہیا کیے تھے تمہارے پاس مال آیا و گزرنا ان اگر اپنی ذاتی کارڈش کی بنا پر کچھ حاصل کرنا چاہتا، تو اسے کچھ نہ ملتا۔ یہ مال ہم نے ہی تمہیں دیا ہے۔ جس سے خرچ کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ لہذا اس میں کسی قسم کی حیل و حجت نہیں ہونی چاہیے۔ اسی کو ضروع کو موقوفہ لو میں بھی بیان فرمایا۔ جہاں غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے

ایک صحابی کہ کچھ سنا حاصل ہوا۔ را کہ حضور علیؑ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا کہ سے
اللہ کے دین میں یہ مال صدقہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا ایسا مت کرو پہلے اپنی
ضروریات پوری کر دو۔ اس سے بعد صدقہ کرو۔ خرید و تجارت کو کرنا۔ چھ ماہوں کے بعد پھر صدقہ
کر دو گئے۔ خاص طور پر جب کہ بعد شریف کا ہوا وہ بھی نہ ہوا۔ لہذا ہر کام میں اعتدال کی
راہ اختیار کرید۔ پونے کا پورا مال خرچ نہ کر دو۔ بلکہ پونے کا نصف ضروریات کیلئے ہی رکھ دو۔

روز قیامت
خرید و فروخت
نہ ہوگی

فرمایا اللہ کے سامنے دینی خرید و فروخت نہیں ہوگی۔ اس سے ضروریات کا
دین ہے۔ اس دن اگر کوئی شخص کوئی قیمتی چیز دیکر بھی ایمان یا کون کچھ خریدنا
چاہتے ہا تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ اول تو کس کے پاس دنیا کا مال بردارست ہوگا ہی نہیں جس
سے کوئی چیز خریدی جا سکے۔ دوسرے وہاں کوئی چیز نہیں ملے گا جہاں خرید و فروخت
ہو سکے۔ یہ دنیا عمل کی دنیا ہے۔ یہاں یہ انسان اپنے اعمال کے ذریعے عبادت
کے ذریعے مال خرچ کر کے آخرت کا توشہ خرید سکتا ہے۔ مگر وہاں قیامت کے
دین ایسی کوئی گنجائش نہ ہوگی کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی کمی کو خرید و فروخت ذریعے
پورا کر سکے۔ وہاں خرید و فروخت قطعاً ممکن نہ ہوگی۔ وہاں کوئی بھی نہ خریدے کوئی نہ
نہیں ہوگی۔ اس دراصل میں انسان کو بقیۃ الصلوات حیاتہ عند ربہ کے مصداق
آخرت سکے یہ ذخیرہ یا کتاب۔ وہ تودار اجزا ہوگا۔ قیامت کے دن لوگوں کو
احمال ہو جائیں گے۔ وہاں سے کسی سے کسی کی اجازت نہیں ہوگی۔ نہ وہاں
خرید و فروخت ہوگی۔

دوستی کا
نہ آئے گی

فرمایا لا یصلحون وہاں پر عام دوستی بھی کام نہیں آئے گی۔ جس غربت اس دنیا
میں اقربا پروری اور تعلقات کاہر آتے ہیں وہاں پر یہاں نہیں ہوگا۔ وہاں تو لوگ ایک دوسرے
کے دشمن ہونگے اِحْذَرُوا یَوْمَہُمْ بِبَعْضِہُمْ بَعْضٌ عَدُوٌّ لِّکُمْ وَکُمْ لَہُمْ عَدُوٌّ
جس کی بنیاد پر غلوئی پہ ہوگی اِنَّہُ لَمُصْتَفٰی اٰلِیٰہِہِمْ اِلٰہِہِمْ اِلٰہِہِمْ اِلٰہِہِمْ اِلٰہِہِمْ
ہے گی۔ ہر فاسق دنیہ پر اور ہر عیب داری دوستیاں نہ ہو جائیں گے۔ ہر لیا دوست

دوسرے سے نفرت کرے گا۔

عام سفارش
نہیں ہوگی

فرمایا جس طرح خرید و فروخت اور عام دوستی نہیں ہوگی۔ قیامت کے دن
وَلَا شَفَاعَةٌ لِّعَامِّ سَفَارِشٍ مَّيْ نَیْسَ چلے گی۔ اس دنیا کا دستور بت کرے گا۔
کے ذریعے بڑے بڑے مجرموں کو بھی ٹیڑھ سیتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن ایسا نہیں
ہوگا۔ وہاں سفارش ہوگی مگر اس شخص کے لیے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت فرماتے
فرمائیں گے آگے آیت الہامی آ رہی ہے۔ جسے اعظم آیت فی القرآن کہا گیا ہے۔
اس میں مسئلہ سفارش کو واضح کیا گیا ہے۔ مشرک لوگ جو سمجھتے ہیں کہ ہم سے معبود ہماری سفارش
کر کے ہمیں چھڑائیں گے اور ہمیں درجات بھی دلائیں گے۔ اس قسم کی سفارش قطعاً باطل
ہے۔ کیونکہ وہاں پر شفاعت مشروط ہوگی۔ دوسرے مقام پر آتا ہے۔ لَا یَسْتَكْفِیْهِمْ
إِنَّ مِنْ أَذْنٍ لِّلرَّحْمٰنِ وَفَا صَوَّبَا۔ اس دن کو کوئی کلام بھی نہ کر سکے گا سوائے
اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے۔ اور وہ بھی اس شرط پر کہ اُس کی بات
ٹھیک ٹھیک ہو۔ غلط بات کہہ نہ سکے گا تو اجازت ہی نہیں ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے
فرمایا میری شفاعت اُس شخص تک پہنچے گی جس نے لَوْ لَیْسَ لَیْسَ بِاللَّهِ شَیْئًا جو
اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرک میں عیث نہ ہوا ہو۔ مشرک یا دوسرے یا کسی اور بہ عقیدہ کے
کے لیے سفارش کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

اسی لیے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لو۔
آج یہ موقع ہے، یہ عمل کی دنیا ہے اس میں جو کچھ کر سکتے ہو کہ لو، کل کو دارالجزا
میں جا کر یہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہاں تو بدلہ دیا جائے گا، اُس روز نہ کوئی شخص
نیکی خرید سکے گا، نہ کوئی دوسری کام آئیگی اور نہ کوئی سفارش کام آئے گی یہ سب کچھ
بتلادیا۔ مزید شرط اگلی آیت میں آئیگی۔

فرمایا وَلَا تَكْفُرْ وَلَا تَكْفُرْ الْقٰصِدُ۔ کہ نہ کہنے والے ہی سے کفر ہوگا۔
ہیں انہوں نے اللہ کے احکام اس کی کتاب اور اس کے انبیاء کا کفر کیا۔ یہ اس کا
بدعت جوئے کی واضح نمائندگی ہے۔ مشرک کے بائیں میں واضح حکم ہے اِنَّ الْاَشْرَکَ

کفار ہیں

لَظَلَمَ عَظِيمٌ شُرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس سے بچ جاؤ۔ اگر شرک جیسے ظلم سے باز نہیں آؤ گے تو پھر اللہ نے جہاد کا حکم بھی دیا ہے اس کے ذریعے کھرو
 شرک کی بیخ کنی کی جائے گی۔ اور اس کام کے لیے جہاں جان کی قربانی دینی پڑتی ہے
 دلوں، مال بھی لگنا پڑتا ہے۔ اور یہی اتفاق فی سبیل اللہ ہے۔ آگے دور کر کے
 دوران اتفاق فی سبیل اللہ کا ذکر مزید تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

ثَلَاثُ الرُّسُلِ ۲

در سنن بکھر دہ (۱۱۰)

البقرة ۲

آیت ۲۵۵

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (۵۵)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بخیر و بری ہے۔ وہ زندہ ہے۔ قائم رکھنے والا ہے۔ نہیں پگھلتی اس کو لوگھ اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے، جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور نہیں احاطہ کرتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر بقدر وہ چاہے وسیع ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین سے اور نہیں تھکاتی اس کو حفاظت ان کی اور وہ بڑتر اور عظیمتر والا ہے (۵۵)

دریایات

پہلے درمکدع میں اللہ تعالیٰ نے نظام خلافت کا ذکر فرمایا ہے۔ بنی انبیا کا واقعہ بیان کر کے جہاد کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ اور پھر نظام اسلام کی نشان دہی کی ہے۔ مگر میر کیا ہونا چاہیے۔ چاہی اور لشکر کی صفات کیا ہوں جہاد ہی کے مسئلہ میں جان و مال کی قربانی کا خصوصی ذکر فرمایا ہے۔ پھر اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کہ جہاد گمراہ بیہودوں کا کام نہیں۔ فلسفہ جہاد بیان کیا ہے۔ کہ اگر جہاد کا حکم نہ ہو، تو فساد کی لوگ زمین میں فساد برپا کریں گے۔ لہذا اسو سائی کہ درندہ صفت لوگوں سے محفوظ کر سکتے ہیں گے یہی جہاد ضروری ہے۔

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ اور اس کا ربط پہلی آیتوں کے ساتھ مختلف طریقوں سے ہے جنہ کے سلسلہ میں جان و مال کھپانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ مگر ان دو چیزوں کی قربانی اُسی وقت قبول ہوگی جب ایمان صحیح ہو اور انسان کا عقیدہ توحید پر ہو۔ اعمال کا در و مدار عقیدہ پر ہے۔ اگر عقیدہ درست نہیں ہوگا، تو کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ عقیدہ و توحید کے بغیر ساری جتنی اعمال بھی بے سود محض ہوں گے۔ ان کی حیثیت راکھ اور تباہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ لہذا مسئلہ توحید کو مسئلہ جہاد کے ساتھ یہ ربط ہے۔

بیشتر ازمیں بنی اسرائیل کے واقعہ کے ضمن میں نظام خلافت بھی سمجھا دیا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اقتدار کا حقیقی مالک خلیفہ نہیں ہوتا جو اپنی من مانی کرے یا پھر سے، بلکہ اقتدار کا مالک اللہ ہوتا ہے۔ خلیفہ تو اللہ کا بندہ ہوتا ہے جو نظام خلافت کو چلائے۔ اس سورتہ کے آخری حصہ میں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے۔ کہ خلیفہ اقتدار کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو امین ہوتا ہے۔ اور دین اور شریعت کو جاری کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک جماعت ہوتی ہے۔ جو نفاذ شریعت میں اس کی مدد کرتی ہے اُسے محسن شریعت کہیں گے اور وہ ہر حال و اکثر مُسَوِّدِی مِیْنِہَا کے تابع ہوتی ہے۔ تو گویا نظام خلافت کا صحیح طور پر قائم کرنا بھی عقیدہ توحید پر موقوف ہے لہذا اس لحاظ سے بھی آیت زیر درس کو سابقہ آیات کے ساتھ ربط ہے۔

یہ آیت ایک لمبی آیت ہے اور آیتہ انحرسی کہلاتی ہے کیونکہ اس پر بشر تعالیٰ کی گزری ہو کر ہے۔ وَبِیْعَ کُذِّیْبُہُ الشَّوْیْبَہُ وَالْاَنْرَاضَہُ۔ حدیث شریف میں اس آیت پاک کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کی روایت میں آتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے پوچھا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے۔ تو حضرت ابی ابن کعبؓ نے نہایت ادب سے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم یعنی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے پھر حضور علیہ السلام نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ قرآن پاک میں بہتر آیت کون سی ہے۔ انہوں نے پھر عرض کیا۔ اللہ اور اس کا

آیت انحرسی
کی فضیلت

مذکور ہی بہتر جانا ہے۔ پھر شیخ کریم نے حضرت ابی شمسہؓ پر ہاتھ مار کر وہی سوال کیا۔ قرآنوں نے جواب دیا حضور! اعظمیۃ فی القرآن اللہ لا اله الا هو اعظمیٰ فیہم یعنی قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت یہ آیت الکرسی ہے، ہم اس آیت کا یہ اعزاز الفاظ یا کلمات کے اعتبار سے نہیں بلکہ فضیلت کے اعتبار سے اسے سب سے بڑی آیت ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔ جو شخص فرض نماز کے بعد غلاص کے ساتھ آیت الکرسی پڑھ لگا، وہ اگلی نماز تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوگا حضور نبی کریم ﷺ روف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا جو کوئی فرض نماز کے بعد غلاص کے ساتھ آیت الکرسی پڑھ لگا، موت کے سوا اس کے دخول جنت میں کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔ یعنی جنت میں داخلے کے لیے صرف موت ہی درمیان میں رکاوٹ ہے۔ جو نبی اس کی موت واقع ہوگی، وہ شخص جنت میں داخل ہو جائیگا۔ گویا آیت کمریہ تلاوت کرنے والا جنت کا مستحق ہو گیا۔

ایک اور حدیث میں اس آیت اور سورہ مؤمن کی چند ابتدائی آیات کی مزید فضیلت آئی ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں مگر فضیلت کے لحاظ سے ان کو کمانی درجہ حاصل ہے۔ **حُكِّمَ ۙ كُنْزُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ نِعْمَ بَيْنَ الْعَبِيدِ تَأْوِيلُ الذَّنْبِ وَقَابِلُ لَشَوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي طَوْلٍ لَّهٗ لَا مَحْوَرَ اَيْهِمْ اُنْقَصَيْنِ** حضور نے فرمایا جو شخص آیت الکرسی اور سورہ مؤمن یا غافر کی یہ تین آیتیں رات کے وقت تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے صبح تک اس کی حفاظت ہوتی رہے گی۔ اور جو کوئی صبح کے وقت یہ آیتیں تلاوت کرے گا، وہ رات تک اللہ کی امان میں ہوگا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ بقرہ میں ایک ایسی آیت ہے۔ جو فضیلت کے لحاظ سے سب سے بڑی آیت ہے جس گھر میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔ وہاں شیطان نہیں بٹھہر سکتا۔ بلکہ وہاں سے

جنگ جاتا ہے۔ اس آیت کا اتنا عظیم اثر ہے جیسا کہ میں صدقہ الغفر کے اناج کی حفاظت
 واپس لایا جاتا ہے۔ کہ اس اناج کی حفاظت حضرت ابو ہریرہؓ کے ذمہ تھی۔ آپ رات کو
 پہرہ پر تھے۔ کہ شیطان نے اس اناج میں سے کچھ لینا چاہا۔ مگر صحابی رسول نے اسے پکڑ
 لیا۔ مگر اس کے منت خوشامد کرنے پر چھوڑ دیا۔ پھر دوسری رات آئی۔ تو یہی وقت پیش آیا
 آپ نے شیطان کو روک لیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اس دفعہ چھوڑ دیا جائے پھر نہیں آئیگا
 آپ نے پھر اس کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ کلمہ سخت تیسری رات پھر آئیگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے
 پھر اس کو پکڑ لیا۔ اور فرمایا میں آج تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ بلکہ حضور کے پاس سے چلوں گا۔
 شیطان نے پھر سنت سماجت کی اور کہا کہ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں ایک
 ایسی بات بتاتا ہوں جس کا تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔ پوچھا کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ
 اگر تم آیت الحکمہ می پڑھ لیا کرو، تو شیطان تمہارے قریب نہیں آسکے گا۔ تمہاری حفاظت
 ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے تیسری رات بھی شیطان کو چھوڑ دیا۔ اور صبح کو سارا معاملہ حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہؓ! شیطان ہے
 تو چھوڑنا، مگر بات اس نے ٹھیک کہی ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان کے ساتھ اس آیت
 کی تلاوت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا محافظہ و نگہبان ہوگا۔

الغرض! اس آیت پاک کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے
 درود زبان بنالینا چاہیے۔ ہر نماز کے بعد اس کی تلاوت کی جائے۔ صبح و شام کو اسے
 پڑھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر مصیبت سے مومن فرمائینگا اور آخرت میں جنت میں
 داخلے کی ضمانت ہوگی۔ تاہم محضرین اور محدثین کو لازم فرماتے ہیں کہ ہر دعا اور ذکر کی قبولیت
 کے لیے بعض شرائط ہیں۔ ہر دعا اور ہر ذکر محض پڑھ لینے سے درجہ قبولیت
 تک نہیں پہنچ جاتی۔ قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ دعا کو خالص سے
 خالی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز روزہ فرض کیا ہے۔ تو ان کا تادک نہ ہو۔ بلکہ
 انہیں پورا کرنا ہو۔ اور پھر اس کا رزق بھی حلال ہو۔ اس کا کھانا پینا اور پہننا حرام
 سے پاک ہو۔ اور یہ بھی قبولیت کی شرط ہے کہ انسان حتیٰ اذا مکان امر بالمعروف

زندہ ہے۔ اس کی حیاتِ ابدی اور سرمدی ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی زندگیاں ہیں سب جزوی اور عارضی ہیں۔ کسی کو دائمی حیات حاصل نہیں۔ زندگی کا سرچشمہ خدا کی ذاتِ وہدہ الاثر تک ہے۔ یہ اُن کی مشیت ہے۔ جس کو جتنی زندگی چاہے جسے جسے اور جب چاہے نکالیں لے لے۔

وہ اَلْقَوُّم بھی ہے۔ جینی خود قائم ہے۔ اور کائنات کی باقی چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے وہ عالمِ ہائوس کے لئے کہ ذرہ ذرہ تک کا محافظ اور نگران ہے۔ وہی یقیناً کرمزید الہ ہے وہی جتنا عمر حد چاہے نافرمانی کرنے والا ہے اور پھر وہی فنا کر سکے۔ انہی بھی بے لوگوں نے کسی قسم کے باطل عقیدے بنا رکھے ہیں۔ عیسائیوں نے باپ، بیٹا اور روح القدس کا افسرہ قائم کیا ہے۔ تین خدا ہیں۔ کیا ایک خدا کافی نہیں ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق پیدا کر سنے والا بہما ہے۔ تھامسے والا کوشتوس ہے اور ق کر سنے والا شوائی مہاراج ہے۔ ان کے بھی تین تہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے باطل اطہار کی تردید فرمائی۔ اور یہ بات واضح کر دی کہ اَلْحَى الْقَبْوَم وہی ہے۔ پیدا بھی وہی کرتا ہے۔ پرورش بھی وہی کرتا ہے قائم بھی وہی رکھتا ہے اور پھر فنا بھی وہی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے عقیدے ہیں سب باطل ہیں۔

اور پھر اُس الٰہک الٰہک کی برہنہ پختہ خدائی اور مخالفت بھی اس طور ہے کہ رَفِیْ حُدُودِ مَسْنَدٍ وَلَا خَوَافَ رُسُلَہِ اور عہد کی ہے در نہ عہد۔ اور عہد اور عہد قرضت کی علامت ہے اور اُس کو آتی ہے جس کو تعکاوت ہو جائے اور ارام کی ضرورت نہ ہو مگر اللہ کی ذات تو پاک ہے نہ وہ تھکتا ہے اور نہ سُسے اور ارام کی ضرورت ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو کچھ مشقت کر لیں گے بعد ازاں جاتا ہے۔ اور پھر اُسے آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نندہ جیسی نعمت تیار کی ہے۔

اللہ نے اس کو سبانا کہا ہے یعنی نندہ انسان کے

سپیلے آرام کا ذریعہ بنا کر جب محنت کر سنے سکے بعد تکلیف ہار جائے تو کچھ دیر آرام کر کے پھر سے تازہ دم ہو جائے۔ اور دوبارہ کام کاج اور عبادت میں مصروف ہو جائے۔ یہ تحکامی، کنٹرولی اور پھر آرام کی ضرورت اللہ تعالیٰ کی شان کے شایان نہیں ہے۔ وہ ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہے۔ بلکہ درحقیقت لہ ما فی السکون و ما فی الاضرار زمین و آسمان کی ہر شے اسی کی پیدا کردہ ہے۔ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور اُس کی مطیع ہے، ہر چیز پر اُسی کا تصرف ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں دو ذات ہے جو یُصَوِّفُ اَرْثَهُ کَيْفَ يَشَاءُ جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے۔ کسی چیز کا گشتا، بڑھانا، بلندی دہستی، زندہ کرنا اور مارنا سب اُس کے اختیار میں ہے ہر چیز پر اُسی کا حکم چلتا ہے۔

ملک شفا

فرمایا جب قادرِ مطلق دو ذات ہے۔ تَوْحِيدُ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ لَا يَفْذَلُ کون ہے جو اُس کے سامنے سفارش کرنے کا دم مار سکے بغیر اُس کی اجازت کے۔ مشرکوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کے معبود اُن کی سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ عزاء انہی ہو یا ناراض یہ ہماری سفارش کر کے خدا کو ضرور ہی منالیں گے۔ یہود دیول اور نصاریوں کا بھی اسی قسم کا عقیدہ ہے۔ حالانکہ جبری اور قہری سفارش کا تو وجود ہی نہیں ہے۔ اس سے پہلی آیت میں آچکا ہے کہ اس دن نہ خرید و نہ فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئیگی وَلَا تَشْفَعُ دَعْوَاہُ و نہ کوئی سفارش ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ سفارش کرنا ہی اجازت ہوگی۔ اشرف المخلوقات میں سب سے افضل انسان حضورِ عالم البین علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن میں رب اللہ کیوں کے سامنے آؤں گا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور لمبا سجدہ کر دوں گا پھر حکم ہو گا یا محمد در رفع دستک، اے محمد! آپ اپنا سر اٹھائیں۔ آپ بات کریں آپ کی بات مٹنی جائے گی۔ آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا یہ سجدہ دس برس کے وقفہ کے بعد ہوا ہو گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دیں گے۔ بغیر اجازت کے کوئی سفارش نہیں ہوگی اور اجازت بھی اس شخص کے

یہ دمی جائیگی جس کا عقیدہ تو حید پر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہوگا۔ وَلَا یَدْعُ بِبَعَادِ
 الْكَفَرِ وَاللّٰهُ تَعَالٰی كُفْرَ اُسے عقیدہ۔ شرک اُسے عقیدہ کو پسند نہیں کرتا۔ وہ کفر کرنے کی توفیق
 تو دے دیتا ہے۔ کافر کی دمی تو وارز کر دیتا ہے۔ مگر ان سے ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اس
 کے نزدیک دُخْرُفُزْدَنْ هُمْ مَشْهُوْنَ کافر لوگ ہی اصل ظالم ہیں۔ نیز یہ کہ
 رَنْ اَسْتَرْکَ مَضْلَعٌ عَظِیْمٌ۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ مذاقیہ موت کے دن
 سفارش دہ شرطوں سے شروع ہوگی۔ اور سچی سفارش یہ شخص ہوگا۔ مَنْ لَا یُتَبَرِّکُ
 بِاللّٰهِ سَیِّئٌ جَوَالِدُہ کے ساتھ شرک کرنے والا نہ ہو۔ اور پھر یہ کہ بغیر بارہ کے
 سفارش نہ ہوگی۔ جب جائز ہوگی تو انبیاء ملاحم، اولیاء شہداء اور مومن سفارش کریں گے
 صحیحین کی حدیث میں ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سجدہ کرتے رہے ہوں گے۔ اور
 اللہ تعالیٰ بار بار سفارش کی، جائزت دیں گے۔ یہ سفارش مختلف قسم کے لوگوں کے لیے
 ہوگی۔ ایک دفعہ جائزت ہوگی کہ اس قسم کے لوگوں کے متعلق سفارش کریں۔ آپ
 سفارش کر کے اُن لوگوں کو بذرخ سے نکال لیں گے۔ پھر سجدہ کریں گے پھر سجدہ
 ہوگی۔ اب نیسے لوگوں کی سفارش کریں۔ آپ اُن لوگوں کو بھی دُخْرُفُزْدَنْ سے نجات
 دلوائیں گے اور اس طرح آپ بار بار سجدہ کریں گے اور اللہ بار بار سفارش کی مجازت
 دیں گے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب فرمائے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ محمداً مطلق اور قادراً مطلق ہے اور جس طرح وہ الہ ہے جس سے
 ہر طرح وہ عظیم کل بھی ہے۔ چنانچہ یہ اس کی صفت خاصہ ہے۔ قُلْ هُوَ مَعْنٰی
 اَسْمَاءُہِمْ وَمَا یَخْلُفُوْہُ وہ اسی کو بھی جانتا ہے اور مستقبل سے بھی قصہ
 ہے۔ اس دُنیا کے تمام امور کا بھی مکمل طور پر عالم ہے اور آخرت کے جان یعنی برزخ
 اور قیامت کے حال کے ذرہ ذرہ سے بھی واقف ہے۔ یہ ماضی حال مستقبل
 وغیرہ السانول کی نسبت سے ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کوئی چیز غائب
 نہیں وَمَا یَعْنِبُ عَنْ کَرِہْتٍ مِنْ مِّنْعَالٍ ذَرَّةٌ قِیْرٍ سے کسی کوئی ذرہ
 برابر چیز بھی غائب نہیں۔ وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ وَلَا یُحِیْضُوْنَ دِشْیَ مِنْ

علم غیبی خدا تعالیٰ سے

عَلَيْهِمُ الرِّحْمَةُ مَخْلُوقِ مِیْنِ سَخْوَدِ نَافِیْ یَا فَرِشْتِیْ کُوئی اَدْرِ مَخْلُوقِ سُو کُوئی
بِیْ خُدَّ تَعَالٰی کَے طَمَحْ مَاطِرِ نَہِیْں کَر سَکَنا۔ ہاں تِس قَدَرِ اللہ تَعَالٰی چاہے اودھ کُسی کو اتنا
عَظَم مَکھ کر دیتا ہے۔ خُدا کو عَظَم جِہر کُہ رَد سَب۔ اور غَیَر تَناسُی ہے۔ اَس کی کوئی حد نَہِیْں
مَکھ مَخْلُوقِ کَا عَظَم کُہ دوسے۔

حَصْرَتِ کُوئی عَلَیْہِ سَدْر ذَرِّ فَرِشْتِ خُضْر طَیْبِ السَّلَام کَے مَعلُوقِ سِجاری شَرِیْف کی
رِوَاہِیْت مَوْجُود سَب کَر اَبَک بَیَانِے پَلی مِیْنِ پُورِجِ ہادی اور جَناب پانی سے کُئی نَہِیْں
لِیَا۔ حَصْرَتِ خُضْر طَیْبِ السَّلَام کَے فَرِیَا اُسے مَوکی اَتِیر اور مِیْرِ عَظَم خُدَّ تَعَالٰی کَے طَمَحْ کَے مُقَابِلِے
ہِیْن اِس چِڑا کی جُوشِ کُی ہاں ہے۔ اَم سَے قَدَرِ اللہ تَعَالٰی کَے عَظَم مِیْنِ سَے اَتَا اَدھ کُئی چال
نَہِیْں کِیا۔ خُدا اِس بَیَانِے مَکھ دے کَے پانی یا ہے۔ طَم کَے تَو کُہ مِیْنِ بڑا عَظَم ہوں۔
بَہِلا جِہاں سَے طَم دے اللہ تَعَالٰی کَے عَظَم مِیْنِ کِیا نَہِیْت ہے۔ ہا جِہاں کِیا کِیا مِثَالِ ہے
وَرِیْدِ اللہ کَا عَظَم قَدَرِ رَاسِت۔ تو اِس سَے کُسی نِیْا و کُسی مَکھ ہِیْن۔ حَاقِی اَکھ اَنھان اِس کَا عَظَم
بِیْ نَہِیْں کَر سَکَنا۔ اَب جِروں دوسروں کَے مَعلُوقِ گان کَھتے ہِیْن کَر وہ بَیْ ہر چِیز کو
مَہِیْنے ہِیْن تُو کِیہ کَہا ہے۔ بَعْضِ لَوگ اُولِیَا اللہ اور بَعْضِ اِیْیَار کَے مَعلُوقِ کَھتے
ہِیْن کَر وہ ہا کُی مَیْبِ اَتوں کَر جانتے ہِیْن۔ بَہائی اِیْہ شَرِیْہ مَہِیْد ہے۔ ہر چِیز کَا جانتے
وَالَا اللہ کَے سوا کُوئی نَہِیْن۔ اَلَا اِیْہ کَھ کَھتے کَھتے جِس قَدَرِ اللہ تَعَالٰی ہے، اَتا ہی
جانتے ہِیْن۔ یہ جِہاں ہر حَق ہی جانتا ہے کَر کُسی کو کِی دَکھ اور کِیا تَکْلِیْف ہے۔ دوسر
کَر کُئی نَہِیْں جانتا ورنہ کُن کو رُفَع کَر سَے پَر قادر ہے۔ وہ جِہاں کَے چاہتا ہے کُسی
کَر مَکھل مِیْنِ راسے کَا تَاسِب اور جِہاں چاہتا ہے۔ مَہِیْبَت اور پَرِیْنی کو دور کَر
دیتا ہے۔ اَن کی دُنیا مِیْنِ بَیْچائے فِطَیْنی کُن عَاقِبَت کَے گُزَر ہے ہِیْن۔ نِیْا کُی مَکھان
کُن مَکھل مِیْنِ گَر تار ہِیْن۔ اَفغانوں پَر کِیا بَیْت۔ یہی ہے۔ ہندوستان کَا سَکھان کَر تَہ
ہے لِس ہے۔ مَکھ اللہ تَعَالٰی کَے سوا کون ہے جو مَکھانوں کَے عَاقِبَت کو دِیْت
قَر سَے کون ہے۔ جواں کَر مَکھلات سے نِکاسے۔ اُن کی کُشتی کَر گَر داب سے
نہا لتا تو رِکنا اللہ کَے سوا کون ہے جو اُن کَے مَکھالی سے بَیْ واقف ہو۔

تمام انسانی مخلوق میں سے انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں۔ مگر ان کا علم بھی محدود ہوتا ہے، وہ عالم الغیب نہیں دیکھتے عالم غیب والستار، سرِ رب ذاتِ خاوندی ہے۔ اسی کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ **وَلِلّٰهِ يَكُنُ السَّمْعُ وَحِطَّةً** اس کے علاوہ کسی اور کا علم ہر شے پر محیط نہیں ہے۔

وَرَبِّكَ كُنْزُ ثَمَرَاتٍ وَتُزَكَّيْهِمْ اس کی کرسی سماں و زمین سے وسیع ہے
 عرشِ ارکشی کا ذکر قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے۔ مگر اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے
 ہمارے لیے اتنی ہی کافی ہے کہ ان اشیاء کی موجودگی پر ایمان لے آئیں۔ عرشِ ارکشی
 کا حجم کیسے ان کی ساخت کیا ہے۔ یہ چیزیں ہمارے احاطہ علم میں نہیں آسکتیں۔
 حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ساتوں زمینیں اور آسمان کرسی کے ثابت ہیں ایسے
 ہیں۔ جیسے کسی بہت بڑے میدان میں کھڑا سمور۔ اسی طرح سرش کے مقابلے میں
 کرسی کی ایسی ہی نسبت ہے۔ عرش اتنا بڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش و عرشِ عظیم فرمایا
 ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم اور قدرت ہے جو ہر چیز پر کسبِ بلے
لَوْ حُطَّتْ عَلَى نَعْسَرِشِ اسْتَوَى اللّٰهُ تَعَالٰی عَرْشُ بستی سے۔ کس
 کیفیت کے ساتھ، جیسا اسکی شان کے لائق ہے۔ یہ بات ہمارے فہم و فراست
 میں نہیں آسکتی۔ اور نہ ہم اپنے ذہن سے اس کا تصور کر سکتے ہیں۔ بس ان چیزوں
 پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔

وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا ان چیزوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو کٹھن نہیں دیتی۔
 انسان تو مسلسل کچھ عرصہ کام کر کے تھک جاوے کہ بیٹھ جاتا ہے اور چہرہ رام چاہتا ہے
 مگر اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی مسلسل نگرانی کے باوجود تھکتا نہیں۔ وہ انداز سے ملے
 کہ ابہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے کام میں مصروف ہے۔ نہ وہ تھکتا ہے، نہ
 اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ خنہ آتی ہے اور نہ کوئی چیز اس کے احاطہ قدرت سے
 ہٹتی ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ اور وہ باعبار ذاتِ بہت بلند ہے۔ وہ ہمارے سمور و ہم

اور خیال سے بلند تر ہے۔ اس کے علاوہ وہ العظیم بھی ہے۔ یعنی اس کی صفات بہت عظمت والی ہیں۔ وہ کمال عظمت کا مالک ہے۔ وہ ذات کے لحاظ سے بلند ہے تو صفات کے لحاظ سے عظیم ہے۔

ہر شخص کو چاہیے کہ اس بلند مرتبہ آیت کو در ذہن بنائے کہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ آیت اس کے لیے بخشش و مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

درس پچھرازدہ (۱۱)

لَبَقَّة ۲

آیت ۲۵۶ تا ۲۵۷

لَا رَكْرَكَ فِي الَّذِينَ قَدْ تَبَيَّنَ لِرُشْدِهِمَنِ الْغَيِّ فَمَنْ
يَكْفُرْ بِالنَّاعُوتِ وَيُؤْمِنَ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ نَافِصًا لِّهَا وَلِلَّهِ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾ اللَّهُ وَلِيُّ
الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ ظُلُمَاتٍ إِلَىٰ انُّورٍ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا وَلِيَّهُمْ ظُلُمَاتٌ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى
الظُّلُمَاتِ ذَٰلِكُمْ أَوْلَايَكَ النَّارُ مَعْرِفُهَا خَلِيدٌ وَنَ ﴿٢٥٧﴾

۲۷

ترجمہ :- دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں متحقق ہوتی کفر ہی سے واضح ہو چکی ہے
پس جو شخص کافرت کے ساتھ کفر کرے گا۔ اور اللہ پر ایمان لائے گا۔ پس اُس نے مضبوط
کوڑ پکڑ لیا ہے جس کے لیے ٹھکانا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ مناسب دہ جانتا ہے ﴿۲۵۶﴾
اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا کامدانہ ہے، جو ایمان لائے۔ اُن کو اندھیروں سے روشنی کی طرف
نکلانا ہے، اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا۔ اُن کے دورست اور ناحق کا غمخت
ہیں۔ وہ اُن کو رشتہ داروں سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ جی لوگ وہ رخ میں بننے
وائے ہیں وہ اس کے اندر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵۷﴾

گہ شہ درس میں آیت النور کی کا ذکر تھا۔ اور اس کی فضیلت بیان ہوئی تھی یہ آیت ربط آیت
فضیلت کے اعتبار سے قرآن حکیم میں سب سے بڑی آیت ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق توحید
باری تعالیٰ سے ہے۔ حضور علیہ السلام کا وعدہ ہے۔ کہ جو شخص خلوص نیت کے ساتھ
آیت النور کی تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں مقام عطا فرمائیں گے۔ آج
کے درس میں اسی موضوع کو آگے چلا یا گیا ہے۔ کہ دین اسلام کی قیامت اور پھر
اس میں خلوص نیت انسان کا اپنا فعل ہے۔ جس قسم کا عقیدہ اور عمل ہو گا اس کے مطابق

جہاد و سزا سونگی۔ دین میں نہ جبر و سستی نہیں ہے بلکہ یہ ان کی کا پناہ انتخاب ہے
 فردیہ و کثیرہ فی الدین کے معاملہ میں جبر نہیں ہے۔ کسی کو نہ جبر و سستی
 دین میں داخل کر نیکی قطعاً اجازت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قَدْ جُبِّیْکَ اِنْ شِئْتَ
مِنَ الْغَیْ ہدایت گمراہی سے؛ کل واضح ہو چکی ہے اب کوئی اشتباہ باقی نہیں
 رہا۔ یہی اور بدی کا اختیار کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ ہذا جو شخص اپنی مرضی سے اسلام میں
 داخل ہونا چاہتا، اور جھجکے اسلام قبول کرنے۔ اندر جس کا پس نہیں مانتا۔ وہ ایمان نہیں
 لانا تو جھجک نہ لائے۔ اُسے نہ جبر و سستی دین میں داخل نہیں کیا جائیگا۔

اس آیت کی تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: بہر نسبت اُسے دین
 یعنی دین اسلام میں منہ سے کہے کسی شخص پر جبر رد نہیں ہے تاہم اسلام میں فی الجملہ جبر
 موجود ہے۔ اور اس سے مراد وہ قدمہ احکام ہیں جن کے ذریعہ کسی پر سختی کی جاتی ہے۔
 مثلاً جہاد کا تعلق بہرے سے ہے۔ جبر کے بغیر یہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حدود کا قیام بہت
 کمزور مجرم غرضی سے سرِ قبول نہیں کرتا۔ اُس کے کمر دکھانے کی سزا جبراً دینا پڑتی ہے
 یا تو کوٹنگ مار کیا جاتا ہے، پھر کابلتہ کاٹا جاتا ہے۔ شرابی کو دڑے اُسے باغیہ
 وغیرہ وغیرہ جبر کی تمام سے میں در یہ سب داخل جائنہ در ضروری ہے۔ البتہ کسی غیر مسلم
 کو طاقت سے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ اسلامی تعلیم کے منافی
 ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ کَیْفَ یُؤْمِنُ۔

میر المومنین حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت کہا کہ ایک واقعہ ہے۔ ایک عیسائی مجید
 عیسیٰ۔ امیر المومنین نے چٹ مائیکوں سے کہا کہ اس شخص کو کہو کہ اسلام قبول کرنے
 جب اس کو یہ پیغام ملا، تو کہنے لگی میری عمر کا بیشتر حصہ عیسائی مذہب پر گزر رہا ہے
 عمر کے اس آخری حصہ میں میرا دل نہیں چاہتا کہ اس مذہب کو چھوڑ دوں جس پر زندگی
 گزار رہی ہے۔ مجھے یہ جزا و سزا نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس بڑھیا کو اس
 کے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ دین میں جبر نہیں ہے۔

امام ابو جحہ جصاصؒ نے حکامِ بقرآن اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اِنَّ الْغَیْ

میں بہ باتفاق کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا وٹھن نامی رومی غلام تھا۔ مدت تک آپ کی خدمت میں رہا۔ اس نے آخر عمر تک اسلام قبول نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے غلام کو بڑا کر لیا کہ قریباً قابل آدمی ہے۔ خاص طور پر کتابت میں بڑا ماہر تھا۔ فرمایا ان کو اسلام میں بہرہ واپس نہ لے کر دیں۔ یہ بددستی مسلمان بنالینا۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر تم مسلمان ہو سکتے تو تمہاری قابلیت کی بناء پر کوئی اچھا عمدہ دیتا۔ اب میں بھی کہہ رہا ہوں کہ تم سب آؤ کر رہنا مول۔ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔

۲۔ شیخ آل عثمان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ تم کی کے سلطان بن عثمان کے زمانہ میں یہودی اور عیسائی بڑی سازشیں کرتے تھے۔ خلیفہ المسلمین ان سے بڑے تنگ آئے اور آخر حکم جاری کر دیا کہ جو بھی عیسائی اور یہودی سٹے سے ذیہوتی سلام میں داخل کر لیا جائے جب یہ خبر اس زمانے کے شیخ الاسلام کو پہنچی۔ تو وہ فوراً سلطان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے تم نے کوئی ایسا حکم جاری کیا ہے سلطان نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے ایسا حکم جاری کیا ہے کہ تمام عیسائی اور یہودیوں کو زبردستی مسلمان بنالیا جائے۔ ان کے عبارتاً خاتمہ موت کو شیعہ جائیں۔ یہ نیکو انوں نے آپس سازشوں کی وجہ سے سلطنت میں فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ خلیفہ! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا حکم ہے **لَا كُفْرَ فِي الدِّينِ** دین میں بہر نہیں ہے۔ آپ ایسا حکم جاری کرنے کے بجائے نہیں ہیں۔ چنانچہ خلیفہ نے فوراً پورے حکم واپس لے لیا۔

۳۔ دو رنگ و زیب عالمگیر کے متعلق انگریزوں نے بڑا ایجنڈہ کیا۔ کہ وہ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانا تھا۔ مگر یہ مجبور بنانا پند ہے۔ اور دو رنگ و زیب نے پچاس سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اگر وہ واقعی زبردستی اسلام میں داخل کرتا، تو کم از کم دہلی کے گرد و نواح میں کوئی غیر مسلم باقی نہ رہتا۔ مسلمانوں کی پوری تعداد میں چھٹا کہ دیکھتے ہیں بھی غیر مسلموں کے ساتھ حیرت انگیز نہیں ملتا۔ اسلام ایک زبردستی سے اور اس کا فروغ تبلیغ کے ذریعے ہوا ہے۔ تلواریں اس کے ذریعے نہیں ہوتیں۔ یہ غیر مسلم

آٹھ سو سال تک۔ حکمران رہے ہیں۔ مگر کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ اسلام کے پاکیزہ اصولوں کی ترجیحی ضرورت کی ہے۔ مسلمان بادشاہوں کے درباروں میں کتنے غیر مسلم رہ سکتے تھے۔ مگر کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ کسی کو زبردستی دین میں داخل کیا جائے یہ تو اسلام کی تعلیم کے منافی ہے۔ *لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ* دین میں جبر نہیں ہے۔

شان نزول

احضور علیہ السلام کے در و درمیان سے پہلے مدینہ طیبہ میں دو قسم کے لوگ تھے ایک تو یہودی تھے۔ جو پڑھے لکھے اور مالدار لوگ تھے۔ دوسرے عرب تھے۔ جو عام طور پر ان پڑھ اور غریب لوگ تھے۔ اسلام لانے کے بعد یہی لوگ انصار مدینہ کہلائے۔ چونکہ یہ لوگ سپہانہ تھے۔ اس لیے پہلے پہنچنے والوں کی تعلیم و تربیت کیلئے انہیں یہودیوں کے پاس چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد جب یہودیوں کی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو مدینہ سے نکالا گیا۔ تو اس وقت ایک انصاری ابو حنیئہ کے بیٹے یہودیوں کی تحویل میں تھے۔ اور انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جب وہ مدینہ سے جانے لگے تو انصار ہی نے چاہا کہ پہلے یہودیوں کو زبردستی اسلام میں داخل کر کے انہیں اپنے پاس رکھ لے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ *لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ* دین میں جبر نہیں ہے۔ لڑکے جوان ہیں۔ انہوں نے یہودیت اختیار کر رکھی ہے۔ اب اگر وہ اپنی مرضی سے جاسے ہیں تو مسلمانوں کو ان کے بدلے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

البر والود اور دیگر کتب احادیث میں عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے جسے امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ اور جس کا غلہ صریح ہے کہ قبل از اسلام انصار مدینہ کی عورتیں اولاد کی مناکہ نہیں کر رہی تھیں۔ اگر اللہ نے انہیں لڑکا عطا کیا۔ تو وہ اسے یہودی کر دیں گی۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے کئی بچے یہودیوں کی تحویل میں چلے گئے۔ جب اسلام آیا تو اس وقت کچھ بچے بنو نضیر کی تحویل میں تھے جب انہیں مدینہ پر کیا گیا۔ تو وہ لڑکے بھی ان کے ساتھ جاسے تھے۔ اس وقت انصار مدینہ کی خواہش ہوئی کہ پہلے بچوں کو اسلام میں داخل کر کے یہودیوں کے ساتھ

جانے سے روک لیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ حق اور باطل واضح ہو چکے اب جس کا جی چاہے حق کو قبول کرے۔ اور جو چاہے باطل پر اڑے۔

حق اور باطل کو واضح کرنے کے بعد فرمایا فَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِطَاعَةِ حَتَّىٰ جس نے طاعت کا ٹکڑا کر لیا۔ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اور اللہ پر ایمان لے لیا فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بالعدوۃ لَوْ تَتَّبِعُوا اس نے مضبوط کر لیا۔ لَا انْفِصَامَ لَهَا جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لیا۔ اس کا ہاتھ گریا الہی مضبوط جگہ پر پہنچ گیا۔ جہاں پہ وہ محفوظ ہو گیا۔ اب اس کو کسی قسم کا خطرہ باقی نہیں رہا۔ اور یہ ایسا مضبوط مقام ہے۔ جو کمزور ہو کر ٹوٹ بھی نہیں سکتا بلکہ یہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔

قرآن پاک میں طاعت کا لفظ (اعطاعت) استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ علیان اور ظہور کے مادے سے ہے جسے سرکشی پر معمول کرتے ہیں۔ عام طور پر اس کا ترجمہ شیطان کیا جاتا ہے۔ مگر شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ "ہیڑو لگا" کیا ہے۔ اعْبُدُوا لِلَّهِ وَاجْتَنِبُوا اسطَاعُونَ یعنی اللہ کی عبادت کرو اور طاعت کی پرستش چھوڑ دو۔ ہیڑو لگا کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔ جو ہنرور سردار بن جائے اور لوگوں سے زبردستی طاعت کر لے۔

چونکہ شیطان کا بھی یہی کام ہے۔ لہذا اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ امام جعفر صادق نے بھی یہی تغیر کر ہے۔ كُلُّ مَا شَغَلْتَ عَنِ اخِي قَهْوَا طاعونہ جو کوئی چیز تیریں حق سے مشغول کرنے والی ہے۔ وہ تمہارے لیے طاعت ہے۔ گویا حق سے ہٹنے والا شیطان بویا انسان، مال ہو یا دولت سب طاعت کی تعریف میں آئیں گے۔ باطل اُستے پر چلانے والے باپ اور غلط طرت لیٹنے والے پیر بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ غرضیکہ جو بھی کسی کو حق سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا، وہ اس کے لیے طاعت ہے۔

سورہ کا معنی محترم اور روشنی کا معنی مضبوط ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک اونچے ستون پر چڑھ گئے۔ اُس کے سخری مسکرمہ ایک کڑا لگا ہوا تھا۔ جسے آپ نے مضبوطی سے چڑایا۔ صبح اُٹھے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے۔ اَنْتَ تَمُوتُ عَلٰی الْاِسْلَامِ تمہاری موت اسلام پر آئیگی۔ یعنی تمہارے دم تک تم اسلام کا دامن پکڑے رکھو گے۔ لَا تُفْصَدُ اَمَّ اَلْہَا کا یہی مطلب ہے کہ وہ مضبوط کھڑا ہے۔ جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ کڑا ہاتھ سے چھوٹ تو سکتا ہے۔ جتنا آدمی گمراہ ہو جائے اور اسلام کا دامن چھوڑ دے۔ مگر یہ جھوٹ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور اس کو تھامنے والا آدمی محفوظ ہو جاتا۔ فرمایا واللہ سَمِیعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ ہر شے کو سنتا اور جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے رائے تک سے واقف ہے۔ کہ وہ کوئی کام نیک نیتی سے کر رہا ہے یا بد نیتی سے۔ وہ ہر ایک کی پکار سکتا ہے۔

نورِ ظلمت

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ملنے والے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو شخص دین اسلام کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہو گیا۔ اللہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست، رفیق، کارساز، مددگار و ولی ہے۔ جو ایمان لائے۔ لفظ ولی میں یہ سب معنی پائے جاتے ہیں جیسے فرمایا اَنْتَ وَلِیُّنَا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ دنیا اور آخرت میں تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھیں گے۔ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہماری پرستش کرو۔ تو وہ جواب دیں گے۔ اے مولا کریم! اَنْتَ وَلِیُّنَا تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ ہم لوگوں کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری پرستش کرو۔ انہوں نے تو خواہ مخواہ شیطان کی بات مانی ہے۔ بہر حال فرمایا اللہ تعالیٰ یہی جو مَنُوْل کا مددگار ہے اور وہ ان کی مدد اس طریقہ سے کرے کہ اُسے جَعِبُ جَعِبُوْا مِنْ اَظْلَمٰتٍ لِّیْ لَشَوْرٍ لِّیْ کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ یہاں پر نور کو مفرد استعمال کیا ہے۔ وہ ظلمات جمع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ توحید اور

ایمان تو ایک ہی چیز ہے۔ جب کہ کفر و شرک ہوتے ہیں۔ کوئی تاروں کو پوچھ رہا ہے۔ کوئی انسانوں کی پرستش کرتا ہے۔ کوئی جنات کو عبادت روا سمجھتا ہے اور کوئی بتوں کے آگے سجدہ و ریز ہے۔ یہ سب ظلمت کی قمیص ہیں۔ انفرنز کہیں کفر و شرک کی ظلمت سنتا۔ کہیں گناہ اور فحاشی کی ظلمت ہے اور کوئی شک کی ظلمت میں مبتلا ہے مگر ان سب کے مقابلے ایمان اور توحید واحد نظریہ ہے۔ لہذا یہاں پر فریضہ و مد کے طور پر مسئلہ حل کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو کس طرح اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ تو اس نے اپنے ہی نیچے ہیں۔ گناہیں بھیجی ہیں۔ جن کے ذریعے اہل ایمان کے دلوں کو منور کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ فَهَن تَسْرَحَ لِلَّهِ حَكْدُ ذُو الْاِسْلَامِ اللہ تعالیٰ جس کے سینے کو سلام کے پیلے کھول دیتا ہے قَبُولِ عَلٰی تُوْبَتِہٖ وَہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے۔ اور اس کے بوضو دوسرے لوگ اندھیروں میں جھٹکتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی واضح راستہ نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ اِنْ تَسْقُوا لِلّٰہِ یَخْفَلْ لَکُمْ ذُرْقَانَا اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ہر تاریکی میں راستہ پیدا کر دیگا۔ تمہارے راستے کو روشن کر دیگا مشکلات کو حل کر دیگا۔ اور تمہارے قدم امور میں آسانی پیدا کر دیگا۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ اہل ایمان دوسرے لوگوں کے درمیان روشنی میں چلے گا۔ جس نے ایمان کا راستہ نہیں چکڑا وہ اندھیروں میں جھٹک گیا۔ اس کے لیے تمام معاملات میں اندھیاری اندھیرا ہے۔ مگر اہل ایمان ایسی روشنی سے منور ہے۔ جو اسے ہر رخ میں بھی کام آئیگی۔ اور اس کی قبر بھی روشن ہو جائیگی۔ حضور نے فرمایا نماز مومن کے لیے قبر میں روشنی پیدا کرے گی۔ اسی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

فرمایا وَلَیْسَ دِیْنُ الْفَسَادِ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اُولَیْہِمْ طَاعُوْنَ ان کے ساتھی طاعت میں ہیں۔ اور ان کا کام کیا ہے یُخْرِجُوْهُمْ مِّنَ السُّوْمِ طاعت کی دوستی

اِنَّ لَطَمَ صَدْرِهِ وَهُوَ نَحْسٌ نَحْسِيٌّ سَتَ نَدْمِ عَمَلٍ كِي سَرَفِ نَكَا سَتَ فِي ظَاهِرِ سَبِّ
 كَرِ جِبِّ شَيْعِيْنَ كَسَ تَنَتَّ حِرْزُ جَا سَتَ فِي تَوَكُّفِيْ نَحْسِ كَهْرِيْ سَرَفِ لَسَ جَا سَبِّ
 كُوْنِيْ تَرَكِ كِي عَرَفِ اُوْر كُوْنِيْ بَعَثِ كِي طَرَفِ - وَهْ كُوْنِيْ تَرِغِيْبِ دَاوَدِ حَسِيَّتِ كِي طَرَفِ
 لَسَ جَا سَبِّ - اِيْسے لوگ بہر حال دین و ایمان کی روشنی سے نکل کر اندھیروں کی طرف
 ہی جاتے ہیں۔ یہ تو پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ دین یہ جہ نہیں۔ اب ایمان اور غفر
 کا تقابلی جائزہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

فَرِیَا جَوْرُگِ رُوْشَنِيْ سَ نَکَلِ کَرَانَا حِیرَ سَ کِي عَرَفِ جَا سَبِّ لَسَ کَا اَنْجَامِ یہ
 سَبِّ - اُوْلَئِکَ صَحْبُ الْمَرْکِ لَوِگِ ہن دوزخ میں۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
 یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں ہی جلتے رہیں گے۔ دہاں سے نکلنے کی کوئی امید نہیں
 حُكْمًا اَرَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاُخِيْدُوْا فِيْهَا اَعْجَبَ اَکْثَرُ دُہاں سے نکلا
 پ ہیں گے وہیں نہ ٹھیکریے جا میں گئے۔ اِن کے مقابلے میں جبرائیل ایمان میں، وہ
 کامیاب ہو جائیں گے۔ اِن کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جنت ہو گا۔ وودوئی عیش و حُت
 میں سوں گے۔ کیونکہ انہوں نے دین اسلام کے مضبوط کوڑے کو چمک لیا۔ اور پھر اس
 گرفت کو کمزور نہیں ہونے دیا۔

لَمْ تَدْرَ إِلَىٰ ذِي حَاجٍّ ابْرَاهِمَ فِي رَبِّهِمْ كُنْ أَشَدَّ لِلَّهِ
 مُؤْتًا ۖ إِذْ قَالَ ابْرَاهِمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ قَالَ
 أَأُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ قَالَ فَإِنَّ رَبَّهُمْ قَدْ أَنَا اللَّهُ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ
 الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ
 لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ﴿٢٥٨﴾

ترجمہ : کیا آپ نے اس شخص کی طرف سے دیکھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیگم کیا تھا۔ اُس کے رکے باسے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بارشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے گناہ پروردگار وہ ہے۔ جو زندہ کر دے اور مار دے۔ تو وہ شخص کسے لگا۔ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا ایک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی جانب سے لاتا ہے۔ تم اس کو مغرب کی جانب سے لادو۔ پس وہ شخص تیراں ہو گیا جس نے کفر کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو راہ نہیں دکھاتا ﴿۲۵۸﴾

طیبات

س سے پہلی سیت میں اللہ تعالیٰ نے بل بیان اور کفار کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ ایمان والوں کا کارسار ہے۔ اُن کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے اُن کے ساتھ ہی طاغوت یا شیطان ہیں جو انہیں ایمان کی روشنی سے نکال کر کفر کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ گویا دو قسم کے گیدوں کا ذکر ہوا۔ ایک اونٹ یا اونٹن یعنی وہ لوگ جن کا ولی اللہ تعالیٰ خود ہے۔ وہ رحمن کے دوست ہیں۔ اور دوسرے گیدہ اولیاء الشیطان کا ہے۔ جنہوں نے طاغوت کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔

آج کے درس سے شہر بن ہونے والے رکعت میں بھی اللہ جل جلالہ نے

انہیں دو قسم کے گروہوں کے متعلق بات کی وضاحت کے لیے تین مثالیں بیان فرمائی ہیں۔
 جن میں سکہ توحید، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مہر اور حیات بعد الحیات کا مسئلہ اپنی طرح سے
 سمجھایا ہے۔ پہلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت و صفات کو سمجھایا ہے۔ اور ساتھ
 توحید خاص کی وضاحت فرمائی ہے۔ دوسری اور تیسری آیت میں مرنے کے بعد دوبارہ
 زندگی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اور توحید کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح ان آیات کو پس آیات
 کے ساتھ رابطہ ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور
 غرور میں منظر

آج کے درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مطالبہ کو ذکر ہے، جو انہوں
 نے بادشاہ وقت غرور کے ساتھ کیا تھا۔ اور جس میں آپ نے توحید باری تعالیٰ کے متعلق
 دلائل دیے تھے۔ راہ شاد ہو رہا ہے۔ اَلْعَوْنُ لِلّٰهِ الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّہٖ
 کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے
 رب کے متعلق حجت لے لیا۔

اَلْعَوْنُ اِس سے پہلے بنی اسرائیل کے واقعہ میں بھی آچکا ہے۔ مفسرین کرام
 فرماتے ہیں کہ روایت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بصری اور دوسری قلبی یا علمی روایت
 بصری وہ ہے۔ جسے آنکھوں سے دیکھا جائے۔ اور پھر واقعہ بیان کیا جائے۔ اور
 روایت علمی وہ ہے۔ جو علم کے ذریعہ حاصل ہو کسی واقعہ کو آنکھوں سے نہ دیکھا
 ہو۔ ابراہیم علیہ السلام اور غرور دو کا یہ واقعہ بھی حضور علیہ السلام کی حجت سے تقریباً اڑھائی
 ہزار سال پہلے پیش آیا۔ اس لیے روایت بصری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوا البتہ
 اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا مشاہدہ علم کے ذریعہ کر لیا۔ اور اس کو اس طرح یاد کر لیا۔
 اَلْعَوْنُ کیا آپ نے نہیں دیکھا یا آپ کو نہیں معلوم غلبہ یہ کہ آپ کو اچھی طرح
 اس واقعہ کا علم ہے کہ کس طرح اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے تعلق ابراہیم علیہ السلام سے
 مکالمہ کیا۔ اور وہ شخص کون تھا۔ اِنَّ مِّنْکُمْ لَعٰلَمًاۢ بِمَا اللّٰہُ تَعَالٰی لَیْکُمْ
 معنی جو قسمت عطا کی ہوئی تھی۔ وہ وقت کا بادشاہ تھا۔

اس شخص کے متعلق مختلف تفاسیر اور آراء کی کتابوں میں آتے ہیں۔ کہ اس کا نام

نمرود کا
 شجرہ نسب

نہروں تھا۔ اُس کے باپ کا نام کنعان بن کوثر تھا۔ لہذا وہ فرود بن کنعان کہلاتا تھا۔ بعض اوقات اسے اپنے دارا کی طرف منسوب کر کے فرود بن کوثر بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال یہ شخص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث میں حام کی نس میں سے تھا۔ اور اس کا باپ تخت سزانی میں بابل کے مقام پر تھا۔ اس زمانے میں یہ بڑا مشہور و معروف شہر تھا۔ جزیرہ نجد سے بغداد سے ستر سو میل کے فاصلے پر تھا۔ اس شہر سے بہت سی تہذیبیں ابتر ہیں۔ فرود، گدانی خادم کا بادشاہ تھا۔ اس خاندان نے چار سو سال تک حکومت کی تفسیری روایات میں آتا ہے۔ کنسل کے اعتبار سے یہ شخص ٹھیک نہیں تھا۔ اہم یہ وہ شخص ہے۔ جس نے مسیح پہلے سر پر تاج شاہی رکھا۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ چار شخص ایسے گذرے ہیں جن کی پوری دنیا پر حکومت تھی۔ ان میں سے درمندان تھے ورد کا فریشتا نزل میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین دین۔ جن کا واقعہ سورۃ کہف میں مذکور ہے۔ کفار میں ایک فرود اور دوسرا بخت نام تھا۔ جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ اس شخص نے بنی اسرائیل کو بالکل برباد کر دیا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کافر و کفر کے ساتھ منقرض ہوئے یا نہ ہوئے۔ اُن کے آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہوا یا اس کے بعد۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کا ہے جو نبی ابراہیم علیہ السلام جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تبلیغ شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وائل عمر سے ہی رشد و ہدایت عطا کی تھی۔ قرآن پاک میں موجود ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ ثُمَّ نَسَىٰ اِبْرَاهِيمَ عِلْمَ لِّلَّهِ كَوَانِدًا۔ اُس کے علاوہ وہ اُس بڑے بہت خانے کے پنجاہ ج تھے جب بادشاہ کے حکم سے قلم کیا گیا تھا۔ یہ مناظرہ، موقت ہوا۔ اس کے بعد آپ کو گمیں لگایا۔ بعض دوسرے مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ منقرض حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے آگے لے جانے کے بعد مولانا ابراہیم علیہ السلام کے آگے سے زندہ بچ جانے کا جزوہ ایچکھ بھی رہ
 آپ پر ایمان لائے۔ اُن کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کے لڑکے کی تصدیق کی۔ اہل بیتؑ میں آپ کی
 بیوی سارہ مہتری۔ جسے ایمان کی دولت حاصل تھی۔ اُن ایام میں یہ منظرہ ہوا۔ آخر وہ فوت
 بھی گیا جب ابراہیم علیہ السلام کو اپنا وطن بابل بھی چھوڑا پڑا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ
 حضرت لوط اور آپ کی بیوی تھے۔ آپ عراق سے چل کر فلسطین پہنچے۔ وہاں اپنے
 بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو تبلیغی مشن پر بحرِ روم کے کاسے متعین کیا۔ پھر آپ مصر
 پہنچے۔ وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ اور اپنے فرزند اسماعیل
 کو وہاں چھوڑا۔ آپ واپس فلسطین آگئے۔ وہاں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے دو سکر
 بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہاں کے تبلیغی فرائض سنبھالے۔

مناظرے کا
 پس منظر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور غرود کے درمیان بحث و مباحثہ کی فہم
 کیوں پیش آئی۔ اس کے متعلق مولانا شیخ السید اور شاہ عبدالغفور نے اپنی تفاسیر
 میں مختصر نوٹ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس سے پہلی آیت میں اہل ایمان کو اہل کفر
 کا تذکرہ تھا۔ اُن کے نور اور عظمت کا بیان تھا۔ اور اب اس آیت میں اسی سلسلہ
 میں بعض نظریں پیش کی گئی ہیں اور اس پہلی نظیر میں غرود اور حضرت ابراہیم کا ذکر ہے
 کہ جب کوئی شخص غرود کے دربار میں جاتا تھا۔ وہ سب سے پہلے اسے سجدہ کرنا تھا جب
 ابراہیم علیہ السلام دربارِ غرود میں پہنچے۔ تو آپ سے بھی سجدہ کرنے کی توقع کی گئی
 مگر آپ نے غرود کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر مناظرے کی مذکورہ صورت
 پیش آئی۔

غرود کا واقعہ تاریخ کی تمام پڑائی کتبوں میں ملتا ہے مگر محض تاریخی روایات
 پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ تاریخ میں ہر قسم کے واقعات بلا تحقیق نقل کر دیے
 جاتے ہیں۔ پرانے مورخین میں ابن خلدون کو اور کچھ مقام حاصل ہے۔ یہ آٹھویں صدی
 ہجری میں ہوئے ہیں۔ اور تاریخ کے نام تصور کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے
 تاریخ کا ایک ضخیم مقدمہ قبلہ کیا ہے جس میں تاریخ کے مختلف موضوعات

پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس نے پرانی دنیا کو تاریخ کا فلسفہ سکھا دیا ہے۔ یورپ اور ایشیاء کے تمام مؤرخین ابن خلدون کے شاگرد ہیں۔ خود قاضی بھی تھے۔ مگر تاریخی روایات کی صحت کے متعلق ان پر بھی مکمل انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ طبری کی تاریخ میں بھی صحیح اور غلط ہر قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ تاریخ دان کسی واقعہ کی پوری تحقیق نہیں کرتے۔ یہ تو محدثین کو شرف حاصل ہے۔ کہ کسی واقعہ کو نقل کرنے سے پہلے رابرل کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ مگر غلط واقعہ درج نہیں کیا جاتا۔ البتہ امام ابن کثیر نے اس ضمن میں کافی پیش رفت کی ہے۔ آپ کا زمانہ مکتوبیں صدی قمری ہے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگردوں میں ہیں۔ آپ نے واقعات کی جانچ پڑتال کی کوشش کی ہے۔ روایات پر صحیح یا غلط ہونے کے متعلق صرح بھی کی ہے۔ آپ کی تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ سولہ جلدوں میں ہے۔ جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے زمانے تک کے واقعات تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ مستند تاریخ تیسیم کی جاتی ہے۔ بہر حال انہوں نے واقعات کی صحت کا کسی حد تک خیال رکھا ہے۔ اپنے قرن پاکی کی تفسیریں کثیر لکھی ہیں۔ جو علی گجے کی تفسیر تیسیم کی جاتی ہے۔

تاریخی روایات کی صحت کی جانچ پڑتال میں امام مسعود مغربی کا نام سرفہرست ہے۔ آپ امام رازی سے بھی پہلے پانچویں صدی میں ہوتے ہیں۔ آپ کا مؤرخ زمانہ میں بغات ہے۔ آپ اعلیٰ پائے کے محدث تھے۔ آپ کی حدیث کی کتاب مصابیح کے نام سے موجود ہے۔ جو علم حدیث کی چند پایہ کتاب ہے۔ جسے صاحب شکوۃ نے مزید شرح کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ آپ عصر قرآن بھی ہیں۔ آپ کی تفسیر معالم التنزیل کے نام سے موجود ہے، جو چار جلدوں میں ہے۔ اور اس دور کی بہتر تفسیروں میں شمار ہوتی ہے۔ بہر حال انہوں نے تاریخی واقعات میں صحت کا کسی قدر زیادہ التزام کیا ہے۔

حضرت ابن تیمیہ علیہ السلام اور غزوہ کے واقعہ کے متعلق امام ابن کثیر اور امام مغربی فرماتے ہیں۔ کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے۔ جب کہ کتاب میں غلط پڑ گیا اور لوگ بھوکوں

مرنے لگے۔ اس وقت غرود کے پاس نئے کاؤنٹر موجود تھا۔ لوگ اس کے پاس غریبوں کے لیے جا سکتے تھے۔ اور وہاں میں پہنچ کر سب سے پہلے مسجد کو دیکھتے اور پھر اپنا دعا پڑھ لیتے۔

اصل سنا کر

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی غرود کے دربار میں پہنچے مگر آپ نے اُسے جہنم کیلئے اس نے وجہ دریافت کی تو اپنے فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی دوست کو سجدہ نہیں کرتا۔ غرود نے کہا کہ رب تو میں ہوں لہذا مجھے سجدہ کر دو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا تم تو شخص حکم وقت ہو (رب نہیں ہو) رب وہ ذات ہے جو زندہ نہ رہے اور مارتا ہے۔ تمہارے اختیار میں یہ چیز نہیں ہے۔ لہذا تم رب نہیں ہو سکتے۔ اس آیت پاک میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا رَبُّكَ کہ الَّذِي يَحْيِي وَيُمِيتُ یعنی میرا رب ہے۔ جہنم کی نعمت ہے اور مارتا ہے غرود فرمایا کہ أَنَا أَحْيَى وَأَمِيتُ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ چنانچہ اپنی طاقت کے مظاہر کے لیے اس نے دو قیدی منگوائے۔ جو بے گناہ تھا اس کو قتل کر دیا۔ اور جو مجرم تھا اُسے آزاد کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ دیکھو میں نے جس کو پامال زندگی سے دی اور جسے پامال موت کے حوالے کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ شخص عقل کا ایسا اندھا ہے کہ موت و حیات کے مضمون کو نہیں سمجھ سکا۔ یہ گنہگار کو چھوڑ دینے اور بے گناہ کو قتل کر دینے کو زندگی اور موت سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ زندگی کا ایک تودہ ہے جو بے جان چیز میں جان ڈال دے اور جاندار کی جان اپنے اختیار سے قبض کر لے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے غرود کو یہ قوت دے دیتے ہوئے اس تہذیب پر مزید بحث نہ کی۔ بلکہ ایک دوسری دلیل سے سمجھایا۔ قَالَ رَبُّنَا اللَّهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَفْتِي بِالنُّجُومِ مِنَ الْمَشْرِقِ اور رب سوچ کو مشرق سے نکالتا ہے فانیات بِهَا مِنَ الْعُجُوبِ تو ایسے معجزات سے نکالتا کہ دکھا۔ اب اس کے حواس درست ہوئے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا سوال کیا ہے جس کا اس کے پاس کوئی جواب

نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ فَبُذِّتِ الْكَلْبُ كَفَرٌ فرد جہنم ہو گیا۔ اللہ نے اس کی مستند
دی۔ وہ جواب ہو گیا۔ چنانچہ اس نے مزید بحث نہ کی۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر ابراہیم علیہ السلام
سے مزید مناظرہ کیا۔ تو ثابت بالکل بگڑ جائیگی اور وہ جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ لہذا وہ خاموش
ہو گیا۔

مفسرین کرام یہاں فرماتے ہیں کہ اس تمام پر مزید بحث و تضحیح ہر جتنی تھکی و فربہ
کروا گئے فرد سورج کے طلوع و غروب کے متعلق ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیتا
کہ سورج کو مشرق سے ترقی طالع کہتا ہوں تم اپنے رب سے کہو کہ مفرج سے نکالے
تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ یقیناً ابراہیم علیہ السلام کو سچا کہہ دکھاتا اور سورج کو مفرج
سے طلوع کرو دیتا۔ مگر فرد کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا۔ لہذا اس نے خاموشی
اقتیاد کرنے میں ہی مصالحت جانی۔

غیر اللہ کو سجدہ کہنے کا دور برصغیر پاک و ہند میں بھی پیش آیا تھا۔ مغل بادشاہ
جہانگیر بھی اپنے آپ کو سجدہ کروانا تھا۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس کے
سلسلے سجدہ کیا جائے۔ مخلوق میں سے کسی کے لائق نہیں کہ اسے سجدہ کیا جائے۔
چنانچہ جہانگیر کے زمانے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سجدہ کی علی الاطلاق مخالفت
کی۔ بہر حال یہ آپ کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ کہ جہانگیر جیسا کھٹرمزاج بادشاہ بھی اس
فعل سے تائب ہو گیا۔ اور اس کا عقیدہ درست ہو گیا۔ البتہ اسکی بیوی رافضیہ تھی۔
مگر وہ رافضیوں کا طرز فکر نہیں بنی۔ اور صحیح دین اسلام پر قائم رہا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ
جہانگیر کے بعد شاہ جہان مزید دین کی طرف رغبت ہوا۔ اور پھر اورنگ زیب عالمگیر
جیسا خوب فدا شکنے والا بادشاہ بھی پیدا ہوا جس نے اگلی پچھلی ساری کسر نکال دی۔

برہم ل جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرد کو سجدہ کہنے سے انکار کر دیا
تو اس نے آپ کو غلہ سینے سے ٹکاد کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام
کا سجدہ

اور آپ کو خالی دلیں آ پڑا۔ وہ پس پردہ میں خیال کیا کہ گھر والوں کو خالی سنے
کا کیا جواب دوں گا۔ آپ نے راستے میں اپنا قہیلہ ریت سے بھر لیا۔ تاکہ گھر والوں

معلوم ہو کہ خالی ہاتھ داپس نہیں آئے۔ گھر بچکر کھیلنا گھر میں کھانے اور خود سو گئے۔ یہی نے سمجھا کہ تم نے کہنے ہیں جہانچہ وہ اعلیٰ تاکہ جھیلے میں سے آتا ایک روشنی تیار کر کے قہر کو کھردر کر اس میں دھنسی دیا تاکہ تیار کھنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو جگایا کہ کھانا کھا میں آپ نے پوچھا تو میں کہیں چیز سے بچائی ہے۔ یہی نے عرض کیا، اُس آئے سے جو آپ لائے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی کی ہے۔ اور ریت کا آٹا بن جانا ایک معجزہ ہے۔ اہم راز بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ وہ کیل قدرت کا مالک ہے۔ اس کی صفت اس کے فعل سے سمجھ میں آتی ہے۔ جب کوئی عجیب و غریب فعل سرزد ہوتا ہے۔ تو پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کو سہی۔ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور جب یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ تو پھر اس کی توجہ کی پہچان ہوتی ہے۔ کہ ایسی صفت کا مالک اور کمال قدرت اور کمال صفت کا مالک صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ گویا اس سے دقت سے یہ بات نکلی کہ موت و حیات کا مالک اور نظام شمسی کو چلانے والا فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے قرپٹے سے بڑے سرکش کو لا جواب کر دے۔ اور چاہے توریت کو غلط میں تبدیل کر دے۔ یہ سب اس کی کمال قدرت کے کمرشے ہیں۔ جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

ظالم پرہیت
سے محروم ہیں

فرمایا اللہ تعالیٰ کی صفات کو کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اگر کوئی شخص ایمان نہیں لاتا۔ تو پھر وہ پرے درجے کا ظالم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے۔ وَلِلّٰهِ يَهْدِي الْقِسْمَ الظَّالِمِينَ۔ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی ان کی رہنمائی نہیں کرتا۔ پہلی آیت میں بھی آچکا ہے۔ وَلِكَيْفَ نُنْظِرَ الْكَافِرِينَ۔ کہ کافر لوگ ہی ظالم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لاتے۔ وہ مشرک ہیں اور شرک کی حقیقت یہ ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اس کے ترکیب ظالم لوگ ہیں۔ جو لوگ شرک جیسے ظلم عظیم میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ ان کو راہ راست کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔ یہ اللہ کا عام قانون ہے۔ کہ جب تک کوئی

معلم فاضل سب نہیں ہوگا اُسے ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔
 اعراض گذشتہ درس میں بیان ہونے والے اویار اللہ اور اولیاء اللہ کے مثال
 اس درس میں آگئی۔ مفرد طاغوت کا پرستار تھا۔ اور ابجدیم علیہ السلام حق پر قائم تھے۔ اللہ
 تعالیٰ نے حق کو فتح نصیب فرمایا۔ اور اپنی صفت کے ذریعے اپنی ذات کی بھی ن کرائی۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ ۳

الْبَقَرَةِ ۲

درس محمد یزدی (۱۱۳۵)

آیت ۲۵۹

أَوَكَلَبْتُ مَرَّةً عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَرُوبَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا
 قَالَ أَلَىٰ يٰحْيٰ هَٰذَا اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِنَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةً
 عَامٍ ثُمَّ بَوَّسَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
 قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
 نَمُوتُ نَحْنُ وَنَنْظُرُ لِي حِجَارِكَ وَلِيَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ
 إِلَىٰ لِعَظْمِكَ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهُمَا الْحَمِإً فَسَاءَ
 قَبِيلٌ لَّٰهٗ ۚ قَالَ عَلَّمْنَاكَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

ترجمہ: ۱۔ کیا نہیں دیکھا آپ نے اس شخص کو جو ایک بستی پر گنبد، جو کہ اپنے
 سچھتوں پر گنبدی مورتی تھی۔ اُس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا۔
 اس کے ویران ہونے کے بعد۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُس شخص پر موت طاری کر دی
 سو سال تک۔ پھر اُسے اٹھایا۔ اور کہا کہ تو یہاں کتنی دیر تک رہا ہے۔ اُس نے
 کہا۔ میں یہاں ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 نہیں بلکہ تو سو سال ٹھہرا ہے۔ پس دیکھ لے کہ جسے اللہ تعالیٰ اور مشرعب کی طرف سے وہ متغیر نہیں
 ہوتا اور دیکھ اپنی مورتی کے گدھے کی طرف اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی
 بن دیں۔ اور دیکھ ہڈیوں کی طرف۔ کس طریقہ ہم ان کو ابھارتے ہیں۔ پھر ان کو گوشت پہنتے
 ہیں۔ جبکہ اُس شخص پر بات واضح ہو گئی۔ تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
 ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۲۵۹﴾

رابطات: گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ولید الرحمن اور اولیاء الشیطان کی مثال بیان فرمائی۔
 ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اولیاء الرحمن کا نمونہ ہیں۔ اور دوسری طرف نمرود

اولیاء الشیطان کی مثال سب سے دونوں کا مناظرہ دیکھنا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دلائل و براہین کی دوسری غالب آنا اور کافر کا جبرن و پریشان ہو جانا۔ سب یہی ہر جگہ ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دستگیری فرمائی اور اس بات کو ثابت کر دیا کہ اللہ و فی الذین یؤمنوا فی اللہ تعالیٰ ابی ایمان کا کارساز ہے۔ اس مثال سے شیطان کی شیطانت بھی سمجھ میں آئی کہ فرد کو اللہ تعالیٰ سے دشمنی عطا کی تھی مگر اس اتحاد کا نتیجہ نہ ہونے کی بجائے وہ شیطان کے پیچھے لگ گیا اور خود خدا کی دعوت پر نہ گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے غلط فائدہ اٹھایا اور سرکشی اختیار کی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اسے صراطِ مستقیم دکھایا تو اس نے جھگڑنا شروع کر دیا۔

حق کے درس الٰہی میں اللہ تعالیٰ نے ایک در مثال کے ذریعے اپنی قدرت کاملہ اور حیات بعد الممات کو مسئلہ سمجھایا ہے۔ یہ مثال بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے فی موت کے رن دوبارہ زندہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مولانا جلیل اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات معارفِ الٰہیہ میں شامل ہوتے ہیں اور ان کو دیکھ کر انسان کا رزق قیامت پر یقین بڑھتا ہے۔ لہذا غلط وقت کا ذریعہ ہے کہ وہ پہلے واقعات کی تشریح کرے تاکہ لوگوں کے دلوں میں دوبارہ جی اٹھنے کے خلق کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

شعاعہ شخص
کون تھا

اس آیت کی ابتداء آؤ کاذب ذی سے کی گئی ہے جنی اس شخص کا واقعہ جس کا ذکر ایک تباہ شدہ بستی پر ہوا اور اس سنہ دل میں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسی پامل شدہ بستی کو کیسے دوبارہ آباد کرے گا۔ یہاں پہ اس شخص کا اتحاد نہیں کر لیا گیا۔ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہمیشہ پاک میں بھی کسی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ بائبل، تفسیری روایات اور تاریخ سے اس شخص کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مفسرین کے اقوال میں سے ایک قول تو یہ ہے کہ یہ شخص سکے سے مسلمان ہی نہیں تھا۔ بلکہ حیات بعد الممات کا منکر تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آنکھوں سے دوبارہ جی اٹھنے کا مشاہدہ کر لیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شخص نہ صرف

مومن تھا بلکہ اللہ کا نبی تھا۔ سب راہ رسول کہ کون سا نبی تھا تو ہمیں منسوخ فرماتے ہیں۔ کہ یہ یہ مینا یہ نبی تھے جن کا ذکر تورات میں موجود ہے۔ اور یہ وہ مشہور قول یہ ہے کہ آپ عزیر علیہ السلام تھے۔ وراہی عجیب و غریب واقعہ کہ بنا پر اسرائیل آپ کو نہ کو بیٹا کہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے، **وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ** یعنی یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام کا بیٹا ہے۔

ترجمہ
میں منظر

یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت یا ولادت سے پانچ سو سال پہلے پیش آیا۔ جب بنی اسرائیل میں کثرت پیدا ہو گئی۔ اور درختوں کے قصبہ کی بنیادیں بنائیں۔ تو اس وقت بابل پہنچتے سر ہیساجا ہر زمانہ پر شاہ حکمران تھے۔ کہتے ہیں کہ ضرور کی شہر بخت نسر سے بنی پوری دنیا پر حکومت کی۔ پانچ سو سال سے شام و فلسطین پر حملہ کرتے تباہ و برباد کر دیا۔ اور یہ شہر اور بیت المقدس کی اینٹ سے انہیں کا دی رہا۔ بنی اسرائیلیوں کو قتل کر دیا، اور ان کے لوگوں کو غلام و نوادیاں بنا کر بیٹے بنا کر عزرائیل بنی اسرائیل کی تمام کتابیں اور سہ عہدیت بدوایں اسکی کہ تورات کا ایک نسخہ بھی سوت نہ بچا۔ تاہم کئی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ قید بنے و مومن میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی شامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ قید سے رہا ہو کر واپس اپنے وطن آئے تھے تو یہ واقعہ سننے میں نہیں آیا۔ اس واقعہ سے مفاسد کے متعلق اندازہ لایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو خیال ہے کہ مذہب کوئی شہر یا بیٹی ملتی۔ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ یہ خود یہ شہر تھا۔ ہر حال اس کی حالت یہ تھی کہ مکہ کی کچھ بیٹیاں اور دیواریں زمین پر نہ بچیں تھیں۔ وہاں کوئی شخص زندہ سلامت وجود نہیں تھا، اب معلوم ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں یہ ایک پُر رونق اور بادشاہ تھا جو کہ اس وقت کشتہ زار کا زحیر بن چکا تھا

واقعہ پر
میں نظر

کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کہتے پر سورسے تھے کہ آپ کے پاس کھانے پینے کا کچھ ساں بھی تھا۔ ایک مرقن میں مچھلیوں کو کچھ شیریں تھا۔ اور ایک نوکری میں انجیر تھے۔ یہ دونوں چیزیں انہیں جو بلکہ خوب چاہتی ہیں۔ ہر حال آپ کا اس

اجڑے ہوئے شہر پر گز رہا۔ کھنڈرت کو عبور کرتے ہوئے ایک مقام پر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ کیا یہ اجڑا ہوا شہر بھی کبھی آباد ہو گا؟ اسی سوچ و پچا میں کھنڈرت کے درمیان ایک مقام پر اترے، نگدے کو بازو اٹھا کھانے کا کچھ حصہ کھایا اور باقی پاس رکھ لیا۔ تھکے ہوئے تو تھتھے ہی، ذرا آگے گئے کہ لیے سیٹ لگے۔ اور پھر ایسے سوئے کہ اللہ تعالیٰ نے سو سال تک سلائے رکھا۔ جس وقت سوئے تھے تو دن کا ابتدائی حصہ تھا اور جب بیدار ہوئے تو ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ ٹھٹھے کے بعد ان سے سوالیہ وجوہات ہوئے کہ کتنا عرصہ سوئے۔ انہوں نے کہا کہ ایک سو دنوں یا دن کا کچھ حصہ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ سو سال تک سوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا طرے کے کمرے کے طور پر انہیں دکھایا کہ اس سو سال کے عرصہ میں ان کا کھانا یا کھل تر تازہ تھا خراب نہیں ہوا تھا۔ البتہ ان کا لگہ حاصر چکا تھا اور بس کی ہڈیاں بڑھ رہی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے نگدے کو زندہ کیا۔

جب عزیر علیہ السلام موت کی نیند سو رہے تھے۔ تو اس دوران بخت نظر گیا، ابراہان کے بادشاہ خمر و نے فسطین پر حملہ کر کے اسے اپنے زیر شکنجہ کر لیا، اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیا۔ اور انہیں فسطین کو دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انہوں نے تیس سال کے مختصر عرصہ میں اس اجڑے ہوئے شہر کو دوبارہ آباد کر لیا۔ اور پھر ایسا محروس ہوا تھا کہ یہ شہر کبھی دیوانہ بڑا ہی نہیں۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ پر رونق ہو گیا۔ دنیا کی تاریخ میں آبدی اور بربادی کی ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی لینٹ سے لینٹ بجا دی گئی تھی۔ مگر جنگ کے خاتمہ سے چند سال کے اندر اندر جرمنی اس طرح آباد ہو گیا۔ کہ گویا وہاں کوئی حادثہ ہمیشہ ہی نہیں آیا۔ بڑی بڑی ٹپٹکیاں ٹیکرٹیاں، کاروباری مراکز پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ معرض وجود میں آ گئے۔

اسی طرح تیس سال کے عرصہ میں وہ شہر پوری آب و تاب کے ساتھ دوبارہ آباد ہو گیا۔ اور جب عزیر علیہ السلام اپنی موت کے سو سال پورے ہوئے

دو بارہ اٹھائے گئے تو دو بج کر تیراں رہ گئے۔ کہ میںوں ایک پہلے دس گھنٹہ بات
بہتے بستے شہر میں تبدیل ہو چکے تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے بطور غور دیکھا دیا کہ
مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دور ہے۔

تباہ شدہ
بستی

ارشاد ہوتا ہے: اَوَكَلَّٰ ذِي الْقُوٰی عَلٰی فَرَدٰیہِ كَیۡۤا سَبَّحَ عَلَیۡہِ
یہ بات صحیح ہے۔ کہ وہ شخص جو ایک بستی پر گزرتا ہے۔ یہ بستی پر شلک بنایا کوئی اور شخص ہی
فردیہ کا ایک علی غرض شہر اور اس بستی کی حالت یہ تھی کہ پنی پختوں
پر گھسیٹ پڑی تھی۔ تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ کہ کوئی دیر سامنے ہی اور نہ کسی مکان کی تعمیراتی
یعنی جگہ پوری بستی بچنے کا ڈھیر بن چکی تھی۔ وہاں کوئی زندہ سلامت آدمی موجود نہیں
تھا۔ اگرچہ عام خیال یہی ہے کہ یہ بستی بخت نصر بادشاہ نے تباہ کر دی تھی مگر کہنے
ہیں کہ یہ کسی عورت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب زبردست قسم کا زلزلہ آتا ہے تو
سیکڑوں میل تک تباہی پھیل جاتی ہے۔ یہ بستی میں زلزلہ نے وہ تباہی
پجائی کہ شاہ کے حوض سے تھیں دس بارہ ہزار کی آبادی میں سے کوئی بھی
زندہ نہ بچا۔ ۱۹۲۲ء میں جاپان میں بہت بڑا زلزلہ آیا تھا ہزاروں میل زمین میں بچے
جیسے شکاری پڑ گئے تھے۔ ڈیڑھ لاکھ آدمی ہلاکت کے منہ میں پیسے گئے تھے۔ قیامت
مغربی کمونہ تھا۔ ۱۹۲۵ء میں کوئٹہ میں آباد شہر آفٹا بچے ہیں تبدیل ہو گیا تھا ہزاروں
بائیں تلف ہو گئی تھیں۔ بہر حال اللہ کے بانی نے بستی کو بربادی کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ
کہ: قُلْ اِنِّیۡ نَحْنُ ھٰذِہٖۤ اُمَّۃٌۭ نُّعٰدُہٗۤ اَنتُمْ نَعٰدُہٗۤا اس قدر تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے
اس بستی کو یکے زندہ کر دیا۔ یہاں پر حیات اور موت کا حفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر
غیبہ سے مرد و بو جتی ہے۔ تو اس کا حقی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس جڑی ہوائی
بستی کو دوبارہ کیسے باد کرے گا۔ اور اگر اس سے ہزاروں بستی کے لوگ ہیں تو بستی کی
تباہی کے ساتھ ہی موت کی آغوش میں پہلے گئے تھے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ
قیامت کے دن ان کو یکے زندہ کرے گا۔ جب کہ ان پر موت جاری ہو چکی ہے
حضرت عزیز علیہ السلام کے اس تعجب نیر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے

موت جاتا
کا منظر

س طرح دیکر فَمَاتَهُ اللَّهُ مَا كُنْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ سوسال تک کے لیے موت طاری
 کر دی۔ فَمَرَّ بَحْثُهُ بِمُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اور کہا قَالَ كَفَرْتُمْ بِدِينِكُمْ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِرَبِّكُمْ
 ٹھہرے یعنی اس حالت میں کہ عرصہ پہلے ذرا بناؤ تو مسمیٰ۔ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا
 أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ عَرَضَ كَيْفَا، ایک دن یا دن سے کچھ کم ٹھہرا ہوں۔ لَمْ تَحْلُطْ
 لَمْ تَحْلُطْ۔ قَالَ بَلْ لَبِثْتُ يَوْمًا عَرَضَ كَيْفَا، ایک سوسال تک ٹھہرے
 اور آپ کو باور کرنے کے لیے فرمایا فَانْظُرُوا إِلَى طَعَامِهِ وَشَرِبَتِهِ
 لَمْ يَسْتَنْدِ ذَوَابِنُهُ كَمَا نَحْنُ لَمْ يَسْتَنْدِ ذَوَابِنُهُ كَمَا نَحْنُ لَمْ يَسْتَنْدِ ذَوَابِنُهُ كَمَا نَحْنُ
 اتنا عرصہ نہ رہنے کے بعد گل شر کر خراب نہیں ہوا نہ اس کی شکل تبدیل ہوئی ہے۔ نہ ذائقہ بد نہ
 رنگ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت ہے۔ کہ جلد خراب ہو جانے والی چیز کو اتنے سچے
 عرصے تک محفوظ رکھا۔ ورنہ دوسری طرف خود عزیر علیہ السلام ہیں۔ ان کا جسم سوسال تک
 کھنڈرت کے درمیان پڑا رہا مگر بالکل صحیح سلامت اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ نہ
 اس کا گوشت گلا سزا اور نہ ہڈیاں ٹخنے ہوئیں۔ جس طرح اس ملک الملک نے احمدی کلمت
 کو تین سوسال تک ایک غار میں محفوظ رکھا۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے
 جسم کو ایک سوسال تک آنچ نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اپنی حکمت کے
 ساتھ ایسی چیزیں ظاہر کرے کہ پورا شرم کا رہ گیا۔ مگر جس جگہ عزیر علیہ السلام آرام
 فرما تھے وہاں اب کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ آج لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وہاں
 کہاں مقید ہے۔ آج دنیا کا کوئی حصہ نظروں سے اوجھل نہیں رہا۔ آخر وہ کہاں چھپا
 ہو رہا ہے۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے اُسے لوگوں کی نظروں سے مخفی کر دیا ہے۔ جب
 اُس کا حکم ہوگا، ظاہر ہو جائے گا۔ یا جرح۔ یا جرح کی قوم بھی یہی ہے۔ وہ بھی کسی
 کو نظر نہیں آتے۔ انگریزوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے پوری دنیا کا کونہ کونہ چھان
 مارا ہے مگر جرح جرح کیس نظر نہیں آئے۔ مگر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی
 حکمت سے چھپا رکھا ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ جب اس کا حکم ہوگا، قوم
 پھاڑوں سے نکل کر ظاہر ہو جائے گی۔

گدھ ایک
ذبح ہوا

حضرت عزیر علیہ السلام کے خود اپنے ساتھ اور کھانے کے ساتھ قویہ معاملہ ہوا۔ اب
انکے گدھے کا انجم دیکھئے۔ ہمارے ہاں تو گدھے کی سواری کو سخت نہیں سمجھا جاتا، مگر اس
زمانے میں یہ ایک عظیمہ سواری شمار ہوتی تھی۔ بڑے خوبصورت اور طاقتور گدھے ہوتے
تھے، خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کی سواری کی ہے، آپ بالکل ٹھکات
نہیں فرماتے تھے۔ جو سواری بستر آئے، استعمال میں آتے تھے جب آپ بنو قریظہ
سے جنگ کے لیے تشریف لے گئے۔ تو آپ کے پاس یہی سواری تھی۔ اور اسپر
بالان بھی نہیں تھا۔ مگر آپ نے اسی حالت میں اس پر سفر کیا۔ آپ نے اونٹ اور
گھوڑے پر بھی سفر کیا، اور اگر کوئی سواری جن میں ملی تو پیدل ہی چل بیٹے، حضرت جابرؓ ہوا
گئے۔ آپ کا گھر مدینہ منیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ حضور علیہ السلام بیمار پرہی کے
لیے جانا چاہتے تھے، کوئی سواری نہیں ملی تو پیدل ہی چل بیٹے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے
ہیں کہ حضور تشریف لائے۔ تو آپ پر گھوڑہ و غبار پڑا ہوا تھا۔ بہر حال گدھے کی سواری
کو محبوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو معنی طلب کر کے فرمایا۔ وَالنَّظَرُ إِلَى رَجُلٍ لِّهِ
ذِرَاعٌ اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔ کہ اس کا کیا حشر ہوا ہے۔ فرمایا یہ سب واقعات
پیش کرنے کا کوئی مقصد ہے۔ وَلَيَجْعَلَنَّكَ ایسا نہ ہو کہ تم آپ کو لوگوں کے
سیبہ تجوز بنا دیں۔ کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے موت طاری کرنے کے بعد بھی کس طرح زندہ
کر دیا۔ اب دیکھو گدھ کس طرح زندہ ہوا ہے۔ فرمایا وَالنَّظَرُ إِلَى الْإِظْلَامِ ان ہڈیوں
کی طرف نگاہ کرو۔ گدھ حمار جیسا ہے۔ گوشت گلی سڑ کر ختم ہو چکا تھا۔ ان ہڈیوں کی ہڈیاں
دادھر اور کھری پڑی تھیں۔ فرمایا ان کی طرف دیکھو كَذَلِكَ اسی طرح ہم کس طرح
ان کا ڈھانچہ تیار کرتے ہیں۔ نشر کا معنی ہوتا ہے، ابھارنا، اٹھانا، تعمیر، انتشار اس
عورت کو کہتے ہیں، جو خاندان کی نافرمان ہو اور مقابلے میں اٹھ کھڑی ہو۔ فرمایا دیکھو!
ہم ان ہڈیوں کو جوڑ کر ڈھانچہ تیار کرتے ہیں۔ ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْصًا پھر ان
پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ہڈیاں

انفرن... ان کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ پھر ان پر گوشت چڑھا۔ گدھے کی شکل و صورت بنی اور پھر وہ زندہ ہو کر ابلنے لگا۔

ہر ذی جان کا جسم ٹیلوں پر قائم ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جب انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کے جسم کی تمام کٹافیں گل سڑ جاتی ہیں۔ صرف دم کی ٹہی کسی نہ کسی صورت میں باقی رہتی ہے۔ قیامت کے دن اسی ٹہی سے پورا ڈھانچہ اور پھر پورا جسم اٹھایا جائے گا۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے گدھے پر وار دیا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے جیتے جاگتے گدھے کی صورت میں کھڑا کر دیا۔

عالم برزخ

وہ دھوئے والی موت کے اس سو سالہ عرصہ کو عالم برزخ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جب کوئی انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کا تعلق اس دنیا سے کٹ جاتا ہے۔ اور قیامت کے روز دوبارہ جی اٹھنے تک برزخی زندگی کھاتی ہے۔ اس عرصہ میں انسان کو وقت کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ کتنا عرصہ برزخ میں رہا ہے جیسا کہ سورۃ یٰسین میں آتا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے، تو کہیں گے، اَنْ لَّيْسَ مِنَّا مَنْ يَبْعَثُكُم مِّنْ قُبُورِكُمْ هَٰذَا اَنۡفُسُكُمۡ اَمْ اَنْتُمْ اٰتٰیۨنَہٗمۡ جَارِیۡ خَوَاطِبَ مَا ہُمۡ اٰتٰیۨنَہُمۡ سَے کس نے اٹھایا۔ ان کو ایسا ہی محسوس ہوگا جیسے کوئی شخص رات کو رات کے وقت کچھ دیر کے لیے سوتا ہے۔ اور پھر اٹھ بیٹھتا ہے۔ یہی چیز حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی۔ انہیں احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ سو سال تک سوئے ہوئے ہیں۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے۔ کہ دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں۔ عالم برزخ میں وقت کا احساس تو نہیں ہوتا۔ مگر راحت اور تکلیف کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔ کہ جب کسی شخص کو دفن کر دیا جاتا ہے تو پھر پھر پھر اس سے سوال و جواب کرتے ہیں اس ابتدائی امتحان میں اگر وہ شخص کامیاب ہوتا ہے۔ تو اس کو پیٹھی نیند ملا دیا جاتا ہے اور اس کے لیے راحت کا سامی میا کر دیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے اگر وہ ناکام ہو گیا ہے۔ سوالات کا جواب نہیں دے سکا۔ تو پھر قیامت تک کے لیے اسے تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اسے تکلیف کا احساس تو ہوتا ہے مگر وقت کا احساس نہیں ہوتا۔

مرنے کے بعد ایک عام انسان کے جسم کی حفاظت کی کوئی گارنٹی نہیں۔ قانون قدرت کے مطابق مردہ جسم گل سڑ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ قبروں کی کھدائی کے دوران بعض اوقات چھوٹی موٹی مٹرائیں ملتی ہیں۔ اور بعض اوقات وہ بھی نہیں ملتیں۔ البتہ اس میں یہ اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام قبر میں بھی محفوظ رہتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ حَفِظَ عَلٰی الْاَمْوَالِ اَنْ تَسَاكُلَ اَحَدُكُمْ اَلَا نُنَبِّئُکُمْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی سَتَ زَمِیْنٍ بِجَسَدِہِمْ کر دیا۔ کہ وہ بیٹوں کے جسموں کو کھسکے۔ ہاں شہداء کے متعلق مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ بعض شہداء کے جسم بھی قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔ سخی شریفین میں روایت ہوئی ہے کہ بعض شہداء کو شہید ہونے پچاس سال گزر چکے تھے۔ بارش اور سیلاب کی وجہ سے ان کی قبروں میں شگاف پڑ گئے۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے جسم میلے ہی محفوظ تھے جیسا وہ دفن کیے گئے۔ یہی پچھلے دنوں اس بات کا اعلان ہو رہا ہے۔ کہ جو لوگ چھ سو سال پہلے تاتاریوں کے علاقے میں کفار سے لڑ کر شہید ہوئے تھے، ان کے جسم اب تک محفوظ برآمد ہوئے تھے۔

یقین کے
تین درجے

عَلَّمَكَ تَبِیُّنٌ کہ جب یہ تمام چیزیں حضرت غزیر علیہ السلام پر واضح ہو گئیں ان کے سوال کا جواب مل گیا۔ انہوں نے حضرت کے انداز میں سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑے ہوئی بستی کو کیسے دوبارہ زندہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان آنکھوں سے دکھا دیا۔ کہ اُس نے نہ صرف پورے شہر کو آباد کر دیا بلکہ خود اُن کو اور اُن کے گھر سے کہ سو سال کے بعد پھر زندہ کر دیا۔ تو غزیر علیہ السلام نے کہا قُلْ اَللّٰهُ عَلٰی شَیْءٍ شَاقٍ قَدِیْقٌ میں جان گیا ہوں اور مجھے علم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ آباد کو برباد اور برباد کو پھر سے آباد کر سکتا ہے۔ زندہ کو مرنے والا اور مرنے والا کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

کسی چیز کو تسلیم کر لینے یا اس پر یقین کر لینے کے تین درجے ہیں۔ اگر کوئی چیز کا علم کسی دوسرے ثقہ شخص کی معرفت ہو تو ایسے علم الیقین کہتے ہیں۔ کیونکہ ایسی چیز کا اور اُن کا علم کے ذریعے ہوا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خود اپنی آنکھوں سے کوئی واقعہ

دیکھ سکتے۔ تو سید عین الیقین کہتے ہیں۔ اور یقین کا تقبیر درجہ حق الیقین ہے۔ اور یہ انکی صورت میں ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ خود اپنے ساتھ پیش آئے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز خود اپنے اوپر وارد ہوئی ہو۔ اور اس کی کیفیت خود اپنے اوپر ملانی ہوئی ہو۔ اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور یہی چیز کہ تسلیم کر لینے کا آخری درجہ یعنی حق الیقین ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ عین الیقین بھی ہے اور حق الیقین بھی عین الیقین اس لحاظ سے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے خود اپنی آنکھوں سے مردہ گدھے کو زندہ ہوتے دیکھا۔ ان کی نظروں کے سامنے گدھے کی بوسیدہ ٹہلیوں سے ڈھانچہ تیار ہوا۔ پھر ان پر گزشت چڑھا۔ گدھے کی شکل و صورت سچی اور پھر وہ واڑیٹے لگا یہ واقعہ حق الیقین کے درجے میں اس لحاظ سے ہے کہ یہ معاملہ خود عزیر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ وہ خود سو سال تک موت کی آغوش میں ہے۔ اور پھر زندہ ہو گئے۔ جہاں تک پہلے درجے علم الیقین کا متعلق ہے۔ تو حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی حاصل تھا۔ کیونکہ آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ مومن تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے پر علمی لحاظ سے بھی یقین تھا۔

اگلی آیت میں بھی اسی قسم کا واقعہ ہے۔ وہاں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مل کا اظہار اور علم الیقین سے عین الیقین اور حق الیقین تک کا مشاہدہ ہے۔

الْبَقَرَةُ
آیت ۲۰۰

تِلْكَ الرُّسُلُ
درس یکم چاند (۱۳)

وَإِذْ قَالَ بُرْهَسُ رَبِّ رَنِّ كَيْفَ تُخَيِّصُ لِي الْقَوْلَ قَالَ أُولَئِكَ
تُؤْمِنُونَ قَالَ بَلَىٰ وَلَئِنْ نِيَّصْتُ قَبِيضًا فَقَدْ
رَبَعَةً مِّنَ الصَّيْرِ فَصُرْهُنَّ لِيكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ
كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ دَعُوهُنَّ بِآيَاتِكَ سَعِيَاءَ
وَأَعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٠﴾

تو جبرہ ۲۰ اور اس بات کو یاد رکھو جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے
کہا کہ مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم یقین نہیں
لے سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں میں یقین رکھتا ہوں لیکن یہ اس لیے تاکہ میرا
ویل فیکلین بکڑھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چار پرندہ سے پکڑ لو اور پھر انہیں اپنے پاس لائے گا
روا اپنے پاس لکھ لے گا تو اسے بکڑے کو دو پھر ہر پاڑ پر ان میں سے ایک ایک جزر رکھ دو۔
پھر ان کو جلاؤ وہ تھکے پاس دھڑکتے ہوئے آئیں گے اور جان لو کہ جبکہ اللہ تعالیٰ
کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ باری تعالیٰ، اُس کی کمال قدرت اور بعثت بعد الموت کے متعلق کس
رکوع میں دو واقعات آپ کے ہیں۔ گزشتہ سے پیوستہ درس میں حضرت ابراہیم
علیہ السلام اور غرور کے مناظرے کی تفصیلات بیان ہوئی تھیں۔

اور گزشتہ درس میں حضرت عزیر علیہ السلام کو قہر آیا تھا جس میں انہوں نے موت
وحیات کے منظر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے اطمینان قلب حاصل کیا۔ آج
کے درس میں اسی قسم کا تیسرا قہر بیان ہو رہا ہے۔ اس میں بھی بعثت بعد الموت
کا بیان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ انہیں

مردوں کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کر لیا جائے گا کہ ان کا ایمان عین یقین کے درجے پر پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اور حکم دیا کہ چار پرندے لے کر ذبح کرو۔ ان کے گوشت آپس میں بٹا دو۔ پھر ان کے تھوڑے تھوڑے حصے مختلف پہاڑوں پر رکھ دو۔ اس کے بعد ہر ایک پرندے کو اس کا نام لے کر ہلاؤ۔ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے مردہ پرندوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ کر طینان قلب حاصل کیا۔

بعض مفسرین کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے اس سوال کے پس منظر میں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ موت اور زندگی نہ سے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا غروہ کے ساتھ مکالمہ ہو چکا تھا۔ جس میں آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ مگر غروہ اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اور اس نے بت گناہ کو قتل کر دیا اور مجرم کو آ کر دیا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کی اس احمقانہ حرکت پر موضوع سخن بدل کر علوم خمس کی دلیل پیش کر دی جس سے غروہ عاجز آ گیا تو مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کو پورا پورا یقین تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ مگر ان کے دل میں موت و حیات کا منظر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا کہ کس طرح پرندے زندہ ہو گئے۔

بعض دوسرے مفسرین اس پس منظر میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریا کے کنارے پر ایک مردہ جانور پڑا دیکھا۔ جب دریا میں نہ آتی اور پانی ساروں سے باہر نکلتا تو وہ دریائے جانور مردہ جانور کا گوشت کھاتے اور جب پانی ٹیچے ہیٹ جاتا۔ تو خشکی کے جانور اس مردار کا گوشت کھاتے اور اوپر سے پتہ سے بھی اگر گوشت کی جاتے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس مردار کا گوشت خشکی، پانی اور فضا کے ہر جگہ ہے۔ یہ گوشت کتنے مختلف بیٹوں میں جا رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مختلف اجزاء کس کس جگہ سے

کے اگے کھڑے اس کو دوبارہ زندہ کریگا۔ لہذا ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ کیفیت مشاہدہ کرائے جس طرح وہ قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کریگا۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔ وَقَالَ رَبِّ ارْنِیْ كَيْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی اِنِّیْ مَوْلَاکَ کَرِیْمٌ مجھے دکھاؤ تو مردوں کو کیسے زندہ کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیا قَالَ وَکَسُوْهُنَّ نٰفِیْۨتِیْنِ یَّقِیْنٰتِیْنِ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کیا تمہیں اس معاملے میں کوئی شک ہے۔ قَالَ بَلٰی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں، میں یقین رکھتا ہوں مگر سوال کرنے کا مقصد یہ ہے۔ وَلٰیکنَّ لَیَطْمَۡنَنَّ قَیْبَیْۡکُمِیْنِ اس معاملے میں اطمینان قلب چاہتا ہوں۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کسی شک کی بنا پر تھا کہ واقعی کوئی شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ مفسرین کو کم فرماتے ہیں کہ ایسا بگڑ نہیں تھا۔ اس موقع میں تو کسی عام مومن کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔ ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے جلیں تقدیر وغیرہ سے انہیں پر شک کیسے ہو سکتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تُخْذِلُوْهُنَّ تو یقین نہیں رکھتا کہ مرے دو پہر زندہ ہو جائیں گے۔ تو ابراہیم علیہ السلام کا جواب تھا سَبَلٰی کیوں نہیں زندہ ہو سکتے اے اللہ کریم! مجھے تو یقین کامل ہے۔ مگر میں محض تسکین قلب کے لیے اپنی اس جگہوں سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا وہاں پر شک کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لَیَحْقَ حَقُّْیْ بِاَنْشِلٰتِہِمْ اَبْدَاہِمَ یعنی اگر ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا شک پاتا تو وہ ہوتا تو ہم ان کی نسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کبھی شک ہوا اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کیا ہے۔ انبار ہمیشہ شک سے پاک ہوتے ہیں۔ اطمینان قلب کے لیے کسی چیز کا مطالبہ کرنا کمال یقین کے مافی نہیں ہے۔

کیونکہ تسکین قلب ایمان سے زیادہ چیز ہے۔ سورۃ فتح میں حدیث کے ساتھ سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب صبح ہو کر تم درخت کے نیچے بیٹھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ

ابن شریک
پاک ہیں

والسلام کے دست مبارک پر بیٹھ و غنوں کر رہے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے
دلوں کی بات کو جتنا تھا اُن دن ان سے کہیں اُن کے اُور ان پر لکھیں نازل
فرمائی۔ نبی کریم اور تمام صحابہ کرام کو کہیں قلب چل کر گئی۔ بعض دوسرے مواقع پر بھی
اس قسم کے اشارات ملتے ہیں۔ تو بہر حال نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی بات
سمجھائی۔ کہ مژدوں کو زندہ کرنے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کسی بھی معاملے میں کسی نبی
کو شک نہیں ہو سکتا۔ جب میں کسی معاملہ میں شک نہیں کرتا، تو ابراہیم علیہ السلام کیسے
شک کر سکتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے: لَوْ كُشِفَ لِقَاطُهَا وَ زِدَتْ
يُحْيَتُ أَيُّهَا اَلْغَرِيبُ كَا بِرٍ وَ هُوَ كَهْوَانٍ دِيَا جَسَدٌ. تو میرے یقین میں اضافہ نہیں
سکا۔ اس قول سے بعض لوگوں نے یہ فہم کیا ہے، کہ حضرت علیؑ — — —
علم یقین اتنا پختہ ہے، کہ عین یقین سے ان کے ایمان میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔
برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اطمینان قلب کے لیے خود عین یقین کا مظاہرہ
کر رہے ہیں نہ البتہ ان کے اس سے حضرت علیؑ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر
فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ بجائی ایہ بات نہیں ہے۔ حضرت علیؑ تو فرمایا: اللہ میں
ستہ ہیں۔ جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ ان کے مرتبہ میں نہیں
آسمان کا فرق ہے مفسر قرآن کریم: شَهِدَ اللّٰهُ عَلٰی تَحٰوٰی فَرَمٰتے ہیں۔ کہ ایک ولی
کا عین یقین بھی کسی علم یقین تک نہیں پہنچ سکتا، نبی کا اصل یقین ہی تباہ نہ ہے
کہ وہ ان کی دلیں تک، ساقی نہیں۔ چہ جائیکہ نبی کے مزینت قلب کے یقین تک پہنچ جائے
وہ تو اور بھی جندہ ہوتا ہے۔ ہزاروں کی نبی پر فضیلت تو کہا، وہ تو انبیاء کی گردن تک کو بھی
نہیں پہنچ سکتے، حضرت علیؑ کا مطلب یہ ہے، کہ ایمان کی حد تک ان کا یقین اتنا پختہ
ہے، کہ اس میں مزید اضافے کی گنجائش نہیں، گرچہ درمیان سے غریب کا پرودہ بھی اٹھ جائے
چپے اطمینان قلب کی بات نہیں کی، یقین اور طماننت قلب دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ اسی لیے
ترجمہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا، کہ مولد کریم، شیری قدرت پر مجھے پورا پورا

کی پختہ کرتی ہے۔ تو ہتھیار ڈال رہتا ہے۔ یعنی لوگوں نے کوسٹ کی جگہ گہر کا ذکر کر دیا ہے
 وہ بھی کھانے کا بڑا لکھی ہوتا ہے۔ جب کہ اکثر انسان بھی کہنے سے بچتے ہیں کہ یہ مذکی سمجھتے
 ہیں۔ انسان میں پستانے ہلکے ہلکے ان چار اوصاف یعنی حرص، شہوت، حسرت وینا اور
 تکبر کے علاوہ ہر انسان کے بعض پہنے پہنے خواہش بھی ہیں۔ جن میں خون، سودا، بلغم اور
 صفرا شامل ہیں۔ ہر حال ان چار اوصاف مثلاً پندول کے انتخاب سے یہ بات بھی
 سمجھ میں آتی ہے۔ کہ ان کو ذوق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھی اگر ان اوصاف
 قبیحہ کو کچل ڈالے، تو کمال تک پہنچ جائے گا۔ جب تک یہ گندے اوصاف انسان
 میں وجود ورہیں۔ وہ کامیابی کی منزل سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔

پندول کی
 حرکت و جوت

بہر حال قرآن پاک یا حضور علیہ السلام نے ان پندول کی تفصیل نہیں بتائی اس
 قسم کی باتیں تفسیری روایات میں آتی ہیں۔ اس قسم کی حکمت کی باتیں مفسرین کو ہم سمجھا
 دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چاروں پندول
 کو ذبح کیا۔ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ پھر ان کے گوشت کا ٹکڑا کر کے آپس میں ملا دیا۔
 اللہ تعالیٰ نے حکم دیا لَا تَجْعَلُوا عَلَىٰ كَلِّ جَبَلٍ مِنْهُمْ جُزْءًا پھر
 ہر پندول پر اس نے اپنے گوشت کا ایک جزو رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
 تعمیل حکم کیا۔ اس قیام کے پانچ دن تک اور چار مختلف پانڈول پر رکھ دیے۔

پھر ارشاد ہوا لَا تَجْعَلُوا مِنْهُمْ جُزْءًا پھر نہیں ملا۔ تفسیری روایات میں آتے ہیں۔
 کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی باری بزرگ پر نذرانہ کا نام سے کر دیا۔ اور پھر اس کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ يَا قَتِيلُكَ سَعِيًّا تھکاؤتے پاس دودھ سے بونے آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی
 ہوا۔ جب آپ نے مرثیہ کو اوزاری تو فغان میں اس کی بڑیاں ٹوڑ دیں۔ پھر بن
 کے گوشت کا جو حصہ جس جس پانڈول پر تھا۔ وہاں سے فوراً آیا اور بڑیوں پر چڑھ گیا۔
 پھر مرثیہ کے پر کو گھس گئے اور مکمل مرثیہ بن کر زندہ ہو گیا۔ اس طرح دوسرے پرشے
 بھی زندہ سلامت ہو گئے۔ جس طرح مرثیہ علیہ السلام کے گدے کی بڑیاں اکٹھی ہوئی
 ان پر گوشت چڑھا۔ اور پھر وہ مکمل گدہ بن کر اڑنے لگا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی نظروں کے سامنے ذبح شدہ پرندے دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے دیکھا دیا۔ کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کر لگا۔ یہ جواب تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کا "ذَرِيتُ اَيُّهَا كَيْفَ يَحْيِي الْمَيُوتَ" کہ مولا کریم! مجھے مشاہدہ کرائے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کا ایک نمونہ ہے، اس قسم کے پیشمار مشاہدات انسان اپنی روزمرہ زندگی میں کرتا ہے۔ انسان کی آنکھوں کے سامنے زمین بائبل خشک ہو جاتی ہے۔ کوئی سبزہ نہیں ہوتا۔ پھر بارش ہوتی ہے۔ تو پھر سرسبز ہو جاتی ہے۔ گریا اللہ تعالیٰ "يُحْيِي الْمَيُوتَ بِعَدَّةٍ مَّقْضٰتٍ" مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ قرآن "كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَيُوتَ" اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دیا۔ یہ کوئی عجوبہ نہیں جس کا انکار کر دیا جائے۔ اس قسم کی چیزیں تو ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ہر موسم کی پنی بد ہوتی ہے۔ کبھی درخت اور نباتات اپنے جوب پر ہوتے ہیں۔ پھر خزاں کا موسم آتا ہے۔ تو درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔ اور درخت ٹٹل جاتا ہے۔ پھر جب بہار کا موسم آتا ہے تو نئے ٹٹولے پھوٹتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے درخت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ ان میں پھل لگتے ہیں۔ پکتے ہیں اور پھر لوگ انہیں مار بیٹھتے ہیں۔ یہی حال سبز لوہ اور فصلوں کا ہے جب موسم آتا ہے۔ تو کان زمین کو بانی دیتا ہے۔ یا آسمان سے بارش برسکتی ہے۔ پھر زمین میں ہل چلا جاتا ہے بیج بڑا جاتا ہے۔ پھر فصل اور سبزیاں لگتی ہیں۔ اور جب پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ تو انہیں کاٹ لیا جاتا ہے۔ اور زمین پھر ایک دفعہ وہی بن ہو جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک مردہ کے زندہ ہونے کا واقعہ گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ گائے ذبح کرو۔ اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس مردہ کو لگاؤ تو وہ زندہ ہو جائے گا۔ دہان پر بھی یہی الفاظ آئے تھے "كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَيُوتَ" اسی طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی

کمال قدرت
کا مشاہدہ

آنکھوں کے سامنے قریح شدہ پرنذوں کو زندہ کیا۔ مطلب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نامک ہے جب اس کا حکم ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی۔ تو تمام مردے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے۔ فرمایا وَأَنصُرُوا اور جان لو، خوب اچھی طرح سمجھ لو، أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حکم کیسے کرتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ جس طرح چاہے کرے، اس کے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ وہ جیٹھ ہے اس کا کوئی کام حکمت سے غای نہیں۔ وہ کمال و درجہ کی حکمت کا نامک ہے۔ عزت کا معنی عزت دینے والا بھی ہر تہا ہے۔ یہ خدا کی صفت ہے۔ وہ عزت کا نامک بھی ہے۔

معجزہ اور کرامت

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کمال قدرت کے تین واقعات چکے ہیں۔ خصوصاً بعثت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ پندول والا واقعہ بالکل واضح ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اس قسم کا جو عجوبہ ظاہر کرتا ہے اسے معجزہ کہتے ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث میں بے شمار معجزات کا تذکرہ موجود ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات کسی امتی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو وہ کرامت کہلاتے ہیں۔ قادر ہی سلسلہ کے بزرگوں میں سے یہاں پنجاب میں ایک سنگی شیخ عبدالحق درجیلانی کی دواؤں میں سے تھے ان کے لیے ثابت ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کیا تھا۔ لکھنؤ میں ایک مردہ کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ لوگوں نے یہ کرامت بھی دیکھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے چچا کے سامنے بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ انہوں نے بھی مردہ کو زندہ کیا تھا۔ الخضرؑ اس قسم کے واقعات کرامت کہلاتے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ معجزہ یا کرامت اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ ایسا کام انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْأَمْرُ مِنَ اللَّهِ کسی نبی کے اختیار میں بھی نہیں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کر سکتا ہے لہذا سمجھنا اس اور کرامت کے جوہر کے واقعات ہیں۔ انہیں تعلیم کہنا چاہیے۔ مگر بلا تحقیق ہر بے سرو پا کرامت تسلیم کرنا درست نہیں۔

سب سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کا ثبوت ملتا ہے
مگر بارہ سال تک کشتی ڈوبتے رہے وقفہ کی کوئی اصل نہیں ہے۔ سنا یہ قابل تسلیم
ہرگز نہیں۔

مجموعۃ الاسرار کرامت کے علاوہ ایک اور چیز ہے جسے استدراج کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو کسی بافرسکے ہاتھ بھی کوئی عجیبہ ظہر کرے مگر یہ عزت دلی ہست
نہیں بخوتی بلکہ امتحان ہوتا ہے جس طرح حدیث شریف میں موجود ہے کہ وہاں
مردوں کو زندہ کرے گا۔ یہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہوگا۔

توحید بلکہ می تعالیٰ اور معادہ کے متعلق تین واقعات بیان کرے جس کے بعد اسے کہیں
پھر اتفاق فی سبیل اللہ کی طرف جاتا ہے اگلی سیات کا تعلق پھر اسی پہلی اکیت "فَعَفُوْا
مَعَنَا رَدِّقَاتِکُمْ" کے ساتھ ہے۔ لہذا اگلے رکوع کا موضوع پھر وہی ہے
چلیگا، جہاں پچھلے بیان ختم ہوا تھا۔ درمیان میں اس کی تائید کے لیے تین واقعات کا
ذکر آگیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ
حَبَّةٍ نَبْتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ
حَبَّةٌ ۚ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
عَلِيمٌ ۝ (۳۱) الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَمْ
يُكُنْ لَهُمْ مِمَّا أُنْفَقُوا مَتًّا وَلَا أَذًى ۚ لَّهُمْ جَزَاءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۳۲) قَوْلٌ
مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى ۚ
وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝ (۳۳)

ترجمہ: ۱۔ لوگوں کے مثال جو اللہ کے راستے میں اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں۔
اُس دانے جیسی ہے جس نے سات بالوں کو اُٹھایا۔ ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ
دگنا کر دے گا (بڑھائے گا) جس کے یہ پاس ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور
سب کچھ جانتے والا ہے (۳۱) جو لوگ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے
ہیں۔ پھر کچھ انہوں نے خرچ کیا اس کے پیچھے جہاں جہاں اللہ تکلیف دینا نہیں لگاتے
ایسے لوگوں کے لیے اُن کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور اُن پر مرنے کا خوف نہیں
ہوگا اور نہ وہ ملگن ہوں گے (۳۲) دستہ کے مطابق بات اور درگزر کرنا اُس قدر
سستہ بہتر ہے جس کے پیچھے تکلیف (سزا) ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور
بردار ہے (۳۳)

ایک آیت
میں اللہ کی

آیت اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان تھا جو دین کا اصل الاصول اور بنیاد ہے
اس آیت میں اللہ کی صفات کا ذکر بھی آچکا ہے۔ گذشتہ رکوع کی تین آیات میں تین

ہوتے ہیں۔ جس طرح درخیز زمین میں ایک دانہ بویا جائے اور اس کی مناسب دیکھ بھال اور آبیاری کی جائے تو اس سے سات سو فٹے پید ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہونے والے ایک پیسہ کا اجر و ثواب سات سو گنا حاصل ہوتا ہے۔

قرآن و سنت میں ہر نیکی کے اجر و ثواب کے کئی معیار ہیں جن کا ذکر آتا ہے سورۃ نعام میں آتا ہے: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ لَهَا، اِكْرَامًا" ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے جب کہ حدیث میں سات سو گنا تک بیان کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں حضرت سید کریم فرماتے ہیں کہ نیکی کے کام میں جس قدر اخلاص پایا جاتا ہے۔ اس کے مطابق اس نیکی کا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ تاہم سورۃ نعام کی آیت پاک کے مطابق ہر نیکی کا کم از کم اجر دس گنا ہے۔ اس کے بعد جس قدر اخلاص بڑھتا جائیگا ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ علی درجہ کے اخلاص پر سات سو گنا تک اجر حاصل ہوگا۔ تاہم حضرت سید کریم بیان فرماتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ جس کے ساتھ دین کی اقامت اور اشاعت و البتہ ہے، اس سلسلہ میں کی گئی اور فی سبیل اللہ کی جہاد کے ساتھ اس کی نیکی کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور پھر جس قدر خصوص بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اجر و ثواب بھی بڑھتا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی جہاد کے موقع پر ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک اونٹنی پیش کی جس کو حملہ لگی ہوئی تھی اور اس پر کہا وہ کسا ہو تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت والے دن ایسی کئی کئی کجا مے والی سات سو اونٹیاں عنایت کرے گا۔ گویا جہاد میں خرچ کیے جانے والے مال کا کم از کم اجر سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ دین کی عزت اور بقا جہاد کی وجہ سے ہے۔ اور علی صبح کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ جتنا چاہے۔ جو چاہے چاہے اسے وہ ایک سو ہے۔ اسی لیے فرمایا: وَلِلّٰهِ يَضْرِبُ السَّيْفَ اللہ تعالیٰ جو چاہے جسکے لیے چاہے واللہ اعلم بالصواب اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا ہے اور سب کچھ جانتا والا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہر قدر کی فضیلت متعلق دو باتیں بیان فرمادی ہیں پہلی یہ

کہ عام نیکی کا بدلہ دس گناہ سے ملے کر سات سو گنا تک سیدہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کا کم از کم اجر سات سو گناہ اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

معیار قبولیت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کیے جانے والے مال کی قبولیت کا ایک معیار مقرر کیا ہے۔ اور وہ ہے کہ صدقہ محض رضائے الہی کے لیے ہو۔ اور وصول کنندہ کو نہ تو احسان جنلایا جائے۔ اور نہ اُسے صدقہ کے بدلے ازیت دی جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِہٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ لَهُمْ لَا يُشْبِعُوْنَ مَا الْاَلْمَعُوْنَ اَمَّا اُولٰٓئِہٖ پھر اُس خرچ کرنے کے پیچھے احسان اور ازیت نہیں لگاتے یعنی وہ کوئی چیز دے کر مستحق کو نہ احسان جنلاتے ہیں۔ کہ میں نے تیری فلاں وقت حاجت پوری کی اور نہ اس کی ازیت پہنچاتے ہیں یعنی سستے نہیں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ غریب آدمی کو صدقہ دیا۔ اور پھر اُسے بار بار یاد دلاتے ہیں۔ یاد دہروں کے سامنے بیان کرتے پھرتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں آدمی کو زکوٰۃ و خیرت دی ہے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس محتاج کو کوئی چیز عطا کی ہے۔ اس کے بدلے میں اس سے بیگار لی جائے۔ جو ظاہر ہے کہ اُسے تنگ کرنے اور سنانے کے مترادف ہو گا۔ کسی کو دھوکا دیا جائے۔ پٹائی کر دی جائے۔ اگلی نکالی جائے یا طعن و عداوت کی جائے۔ یہ سب ایذا رسالی کی باتیں ہیں۔ فرمایا وہ لوگ جو خرچ کرنے کے بعد ایسی بڑی حرکت سے باز رہتے ہیں۔ لَهُمْ اَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ اے ہی لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے۔ جو انہیں کوئی بڑا چڑھا کر دیا جائے گا۔ وَلَا يَحْزَنُوْنَ عَلَيْهِمْ وَلَا يَحْزَنُوْنَ ایسے لوگوں کو نہ اس دنیا میں کوئی غرت ہو گا۔ اور نہ دوسرے جہان میں غمگین ہوں گے۔ بلکہ ان کی دنیا و آخرت ہر دو مقامات سے نور پائیں گے اور وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

برفلاں اس کے اگر کسی شخص نے کسی محتاج کی مالی اعانت بھی کی۔ اور اس کو احسان جنلایا یا ازیت پہنچائی۔ تو اس کا صدقہ باطل ہو گا۔ اور اس کے بدلے میں

کوئی اجر و ثواب بھی حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ الٹا معصیت میں مبتلا ہو کر عذاب کا مستحق ہو جائیگا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزرا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ احسان جتنا لے گا اُسے اُسے شخص کی طرف نظر شفقت سے دیکھا بھی پسند نہیں کریگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پاک بھی نہیں فرمائے گا۔ بلکہ اُن کے لیے عذاب الیم تیار ہوگا۔ اس حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اپنا تہنہ یا شہر یا گھر یا غرضوں سے بچنے لگتا ہے۔ اس کی طرف نظر شفقت سے نہیں دیکھیگا۔ اور وہ جہنم میں جا بیگا۔ حدیث کے الفاظ میں اسفل میں، انکسین یعنی الٹا بھی آیا ہے۔ غنوں سے بچنے یا بامہ لٹکا کر وہ گھر بھی اور قابلِ مؤخرہ ہے۔ بہر حال صدقہ کے متعلق درجہ حرارت کی سخت وعید فرمائی۔ کہ صدقہ دینے والا نہ تو احسان تھلائے اور نہ تکلیف دے۔ اگر ایسا کرے گا۔ تو نہ صرف اس کا صدقہ باطل ہو جائے گا۔ بلکہ خود معطلی گنہگار ہوگا اور عذاب کا مستحق ٹھہریگا۔

سائل کے ساتھ
مذہب دین

بعض اوقات دل لپی جیت کر رہا ہے۔ منت سماجت کر رہا ہے۔ اور اپنے سوال پر اصرار کر رہا ہے۔ اس صورت میں فرمایا قَوْلًا مَّعْرُوفًا و متوجہ کی حالتی نرم جواب دینا وَمُفَصِّلًا اور درگزر کرنا اس کے اصرار پر بدذاتی سے پرہیز کرنا خَيْرٌ لَّكَ مَدَقَّةً يَشْبَعُهَا اذنی اس صدقہ سے بہتر ہے۔ جن کے بعد اذیت پہنچائی جائے مطلب یہ کہ سائل کے بعد ہونے پر اسے نرمی کے ساتھ جواب دے دیا جائے تو بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ اسے کچھ دے بھی دیا جائے۔ اور ساتھ طعن تشنیع اور کالی بھی دے دی جائے۔ یا اسے دھکے دیکر نکال دیا جائے۔ ایسا کرنے سے صدقہ باطل ہو جائے گا۔ لہذا ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر کے رقت یہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو تنہا کے صدقہ و خیرات کی ضرورت ہے۔ نہیں، بلکہ واللہ علی اللہ تعالیٰ تو ایسی چیزوں سے بہت نیاز ہے۔ صدقہ دینے سے انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے اسے تقرب الی اللہ حاصل ہوگا۔ اس کا فطران پاک ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ جلیل ہے بھی ہے۔ بڑا بردبار ہے۔ اکثر اوقات انجمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ بہت سے

لوگوں، متذکر، اس مہلت سے ناپائیدار ہو کر بڑے کاموں میں لگتے ہیں۔
 مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وقت مقرر پر گرفت بھی کر لیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اَتُكْفَرُوْا

درس پچھد ش فرود (۱۶)

آیت ۲۶۳، ۲۶۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ
وَالَّذِيْ لَكُمْ اَلَدِيْ يُنْفِقُوْا مَّا لَكُمْ رِثًاۙ اَلْبَسْ وَلَا يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوٰنٍ عَلٰى
تُرْبٍ فَاَصَابَهُ وَيْلٌ فَتَرَكَهُ صَنِيعًا لَا يَفْقِرُوْنَ
عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَلِلّٰهِ اَلَّذِيْ الْقَوْلُ الْاَكْبَرُ ﴿۲۶۳﴾
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ مَوٰلِهِمْ اِبْتِغَاءَ مَرْضٰتِ
لِّهِ وَتَشْبِيْهًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ مُّزْبُوْةٍ اَصَابَهَا
وَيْلٌ فَاَتَتْ اَكْلَهَا ضَعْفٰنٌۭۙ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَيْلٌ فَقَطَّعَتْ اَوَّلَهُ
يَعْتَمِدُوْنَ بِصِيْرٍ ﴿۲۶۴﴾ اَبُوْذُ حٰدٍ كُمْۙ نَ تَكُوْنُ لَهَا جَنَّةٌ
مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍۭۙ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ وَفِيْهَا
مِنْ كُلِّ ثَمَرٍۭۙ ثَمَرٰتٍۭۙ وَّاَصَابَهُ لِكَبْرُ وَاَنَّهُۥ ذُرِّيَّةٌ ضَعَفًاۙ وَفِيْ
فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌۭۙ فِيْهِ نَارٌۭۙ فَاحْتَرَقَتْۙ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
لِلنَّاسِ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۵﴾

۲۶۵

ترجمہ: یہ ہے ایمان والو! اپنے صدقات کو باغی ذکر کرو۔ جان چلا کر نور تکلیف
شے کر۔ اُس شخص کی طرح جو لڑکوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
اور قیامت کے دن پر حقین نہیں رکھتا۔ پس اُس شخص کی مثال دین میں اس کے خرچ کر نیکی
عادت چلنا یا پتھر نہ ہے، جس پر ٹی پیس پیسے اس کو سرمد دھار بادشہ
اور چھوڑے۔ اس کو بائیں غان اور صاف۔ یہ لوگ اس میں سے کسی چیز پر قادر نہیں

ہوں گے جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں کرنے والی قوم کی رہنمائی فرمائی ہے۔
 کرنا۔ (۶۶۳) اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی
 رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ اپنے دلوں کی پہنچ کے لیے، ان کی مثال اس باغ جیسی
 ہے۔ جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔ اس کو سلاخوں سے بارش پہنچے، پس وہ اپنا پھل دیکھتا ہے۔
 پس اگر زبردست بارش نہ پہنچے تو یہ بھی بارش بھی اس کے لیے کام نہ ہوگی، اور اللہ تعالیٰ
 نگاہ میں رکھتا ہے۔ جو کام تم کرتے ہو (۶۶۴) کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو
 پسند کرتا ہے کہ اس کا بھروسہ اور غمخواروں کا باغ ہو۔ اس کے سامنے نہریں
 بہتی ہوں۔ اور اس شخص کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں۔ اور اس شخص کو
 طرح پر اپنا پیسہ اور اس کی اولاد کھڑا ہو۔ پس اس باغ کو جڑا رہے ہیں جس کے اندر آگ
 اور وہ اس باغ کو جلا ڈالے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ دافع طور پر اپنی آیات بیان فرماتا
 ہے۔ اگر تم غور و فکر کرو (۶۶۵)

صانع ہوتا ہے۔ ریاکار نہ صرف اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے بلکہ اس کا نام گمراہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہیں کیا۔ بلکہ شہرت اور نیکی نامی کی خاطر کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ریاکار کو فرمائے گا۔ جاؤ تمہارے لیے میرے پاس کوئی اجر نہیں۔ تم ایسے صدقہ کا اجر لی سے ہو۔ جن کی خوشنودی کی خاطر صدقہ کیا تھا۔ کیونکہ نا۔ غنی لشوۃ آدم میں شریحوں سے پاک ہوں میرا کوئی ہمسر نہیں۔ سی لیے ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔ شرک کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جن میں ریا بھی قسم کا شرک نہ رہتا ہے۔

فرمایا ایک تو ایسا شخص رکھائے کے لیے خرچ کرتا ہے اور دوسرے کو لا یتقوا منہ یاتلہ و لیسوہ الآخر اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن یقین بھی نہیں رکھتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی قدرت کاملہ اور بعثت بعد الموت کا یقین ہوتا۔ تو پھر دوسروں کو رکھائے کے لیے بھی لاکھ کام نہ کرتا محض رضا الہی کے لیے اپنا مال خرچ کرتا۔

چٹان کی مثال

فرمایا وَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ شُرَاكٌ رِیَاکار کی مثال سب چٹان کی سی ہے۔ جس پر مٹی پڑی ہو۔ اور بظاہر یہ نظر آئے کہ اگر اس مٹی میں سچے بودا جاتا تو فصل لگ گئے گی۔ مگر حقیقت میں وہ مٹی نہیں ہوتی بلکہ سخت اور صاف چٹان پر مٹی کی تہ جمی ہوئی ہے۔ فاصدہ واکیں جب اُس پر زور کا مینہ برسا۔ تیز بارش ہوئی فٹو کٹھ صند، تو مٹی پر لگنی اور صاف چٹان باقی رہ گئی۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح چٹان پر بوسے گئے سچے کچھ مائل نہیں ہوتا۔ اسی طرح ریاکاری میں خرچ کیے گئے مال کا کچھ بدلہ نہیں ملے گا۔ جو بھی صدقہ احسان جلائے۔ ایذا پہنچانے یا ریاکاری کے لیے دیا جائے گا وہ باطل ہو جائے گا فرمایا لَا یَقْدِرُونَ عَسُو شُحًۢی ۚ قَسَفَ کَسْبُو اے لوگ اس میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہونگے جو کچھ انہوں نے کیا ہے یعنی جو صدقہ و خیرات کیا ہے۔ کیونکہ اس میں ریاکاری کا عنصر شامل ہے۔ انہیں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

۴۴ فرمایا
سے رہا نہیں

فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَقْدِرُ الْقَوَمَ الْكَافِرِينَ اللہ تعالیٰ کافروں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ جو لوگ بظاہر نبی کا کام کر رہے ہیں۔ دھڑ دھڑال خرچ کر رہے ہیں۔ مگر نیت میں خرابی ہے۔ کوئی احسان جتلا رہا ہے۔ کوئی ایذا پہنچا رہا ہے۔ اور کوئی محض ذاتی شہرت کی خاطر خرچ کر رہا ہے۔ تو ایسے لوگ ہمیشہ غلط راستے پر بھٹکتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی راہ درست کیونکر راہنمائی نہیں فرمائیں گے۔ یہ ان کے لیے سزا کے طور پر ہے۔ درندہ گھرانے میں ذرہ بھی نیک نیتی موجود ہو، تو اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف فرمائے۔ مگر جب تک یہ لوگ اپنی بُری حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ گھڑا شرک اور مشقِ درجہ پر نادم ہو کر اس کو ترک نہیں کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے خود صراطِ مستقیم کی راہنمائی طلب نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب نہیں کرسکے گا۔

رضا الہی کے
یہ خرچ

میاکاری کے طور پر خرچ کر کے کی رضا حمت کے بعد اب تصور کا دوسرا رُخ پیش کیا جا رہا ہے۔ وَمَثَلُ الْيَزِيدِ بْنِ مَعْقُونٍ أَتَوْا لَهُمْ أَتَيْتَهُمْ مَرَضَتِ الْمَلِكَةُ اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رضا الہی کا حصول بہت بڑی نعمت ہے۔ جس سے اللہ راضی ہو گیا۔ سب کچھ مل گیا۔ اور جس کی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا۔ وہ ہر چیز سے محروم ہو گیا، تو فرمایا جو لوگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں وَتَشْتَبِهَتْ عَنْ أَعْيُنِهِمْ اور ان کا دوسرا مقصد اپنے نفسوں کو بہت رکنا ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے ساتھ ساتھ ان کے مقصود اصلاحِ نفس بھی ہوتا ہے۔ تاکہ ان اتفاق فی سبیل اللہ اور نبی کے دو سکر کاموں پر تابہ قائم رہے۔ اور ان کے دلوں سے بخل کا مادہ دور ہو کر ان میں فیاضی کا مادہ پیدا ہو جائے۔ فرمایا ایسے لوگوں کی مثال کے مَثَلُ جَسَدٍ أَبَدِيٍّ اس بارغ جیسی ہے جو کوئی غیرِ واقع ہو أَصَابَهُ قَدِيرٌ جب اس بارغ پر زور مارا جائے تو فَأَنْتَ كَيْفَ تَتَحَفَّنُ تو وہ دنگ چل رہا ہے۔ وَالْمَثَلُ

يُصِيبُهَا وَقَبْلَ فُصْلٍ اور اگر تیز بارش نہ ہو تو اس کے لیے معمولی بارش جیسے اوس، بھی کافی ہو۔ غصہ سڑی گرم فرماتے ہیں۔ یہاں پر تیز بارش سے مراد یہ ہے۔ کہ کوئی شخص فیاضی کا خوب مظاہرہ کرتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں کھل کر خرچ کرتا ہے۔ تو اس مثال کے مطابق وہ کسی گناہ پر زیادہ جلد نواب کو مستحق ہے۔ اور معمولی بارش اپنی تدریجی مقدار میں خرچ کرتا ہے۔ تو اس کی کامیابی کے لیے وہ بھی کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کی نیت درست ہو، احسان و ایذا اور یہ یا کار خیر سے پاک ہو۔ نیت بخیر نہ نہیں کے ہے۔ اگر نہ میں فیض ہے یعنی نیت درست ہے۔ تو تھوڑا خرچ کرنا بھی اس کے لیے زیادہ ہوگا۔ جب کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ تَخْلَعُ فِي رِدَائِكَ يَكْفِيكَ قَلِيلٌ مِّنْ تَعْمَلُ اپنے دین میں اخلاص پیدا کر لو۔ تو تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔ اندھا کی کے ہر کام میں رضا الہی ہمیشہ پیش نظر ہونی چاہیے، قبولیت کا یہی معیار ہے وَلَوْلَا بِمَا تَعْمَلُونَ لَيُصَدِّقُنَّ أَعْمَالُكُمْ لَئِيْلٌ مِّنْكُمْ سَوَاءٌ لَّكُمْ مَا تَعْمَلُونَ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔ تمہارے کسی عمل سے غافل نہیں۔ تمہارے دلوں کے حالات اور نیت سے واقف ہے۔ وہ تمہارے اخلاص کے لیے کو جاننا ہے، اس سے کوئی چیز اور جمل نہیں بڑھ کر کام کرتے وقت اپنی نیت کو درست کر لو۔

بارش کی مثال

کسی موقع نعمت کے خدایہ ہو جانے پر کسی قدر پریشانی ہوتی ہے اس کی وضاحت عثمان غنیؓ کی مثال میں ہو چکی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس قسم کی ایک در مثال بنایا فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو غلط کردہ نعمت پر ہی انسان کا قصہ ہو۔ اور وہ ضائع ہو جائے تو انسان کو کس قدر دکھ ہوتا ہے۔ اور اس کی امیدوں پر کس طرح پانی پھر جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص نیکی کا کام کرنے کے باوجود بعض وجوہ کی بنا پر اس کے اجر و ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو اس کے لیے کتنا دیت ناگ ہوتا ہے۔

اور شاید ہوتا ہے۔ لَيُؤْخَذُ بِمَا أَحَدُكُمْ كَفَرَ يُكْفَرُ لَهُ أَجْرُهُ مِمَّنْ سَبَّ يَخِيْلُ وَ عَنَابٍ تَخْرِجُ مِنْ تَحْتِهِمْ أَلَا نَهْدُكُمْ فِي مَنِّ سَبَّ كَوْنِ شَخْصٍ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اَبْقُوا

درس یکم عدد ہفتم (۱۱۷)

آیت ۲۶۷ تا ۲۶۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، تَقْوُوا مِنْ حَيْثُ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا
 اَخْرَجْنَاكُمْ مِنْ اَرْضٍ، وَلَا تَتَّبِعُوا حَيْثُ مِنْهُ
 تَنْفُقُوْنَ وَتَسْتُمْ بِاِحْذِيْهِ لَا اَنْ تَغِيْضُوْا فِيْهِ وَاَعْمَلُوْا
 اِنَّ اللّٰهَ غَفِيْرٌ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَسْخِيْضُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
 وِيَمْرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَبْغِيْكُمْ مَغْفِرَةً
 مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! وہ پاک چیزیں خرچ کرو جو تمہارے کوئی ہیں۔ اور اس
 میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔ درودی چیز کا تعدد کرو مگر تم اس
 سے خرچ نہ کرو۔ اور خود تم سے پیسے نہ لے نہیں سوائے اس کے کہ تم اس میں
 چشمہ پڑی کرو۔ اور جان تو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اور تعریفوں والا ہے ﴿۲۶۷﴾
 سسختان تم کہ فقر کا وعدہ دیتا ہے، اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، درلہو تو نے
 تم کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا
 اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۶۸﴾

حادثات کی قبولیت کے متعلق قرین شرائط کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ
 کسی کو غیرت سے کہ نہ تو اس پر احسان بتلایا جائے۔ نہ اس سے تکلیف پہنچائی جائے
 اور نہ خرچ کرنے میں ریاکاری کا عنصر شامل ہو، یعنی خاص نیک رشتی کے ساتھ
 رہنا سے الہی مقصود ہو، اگر یہ چیزیں موجود ہوں گی تو صدقہ باطل ہو جائے گا۔
 اور مینے والا گندگار ہو کہ لٹا دیا میں پڑ جائے گا۔ آج کے درمیں قبولیت کی پڑتی
 شرط مال کی پاکیزگی کا بیان ہے۔

قبولیت کی
چھوٹی شہرت
پاکیزگی کا

ارشاد ہوتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مِنْ ظِلْمِ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ**
اے ایمان والو! خیر کی وجہ سے پاک اور ستھری چیزیں جو تم نے کئی ہیں گویا قبولیت صدقہ
کے لیے یہ بھی ایک شرط ہے۔ کہ عداوت ستھری اور بہتر چیز اللہ کے راستے میں دی
جائے۔ مفسرین کرام نے طہارت کی تفصیل میں دو چیزیں بیان کی ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے
کہ حرم مال فی سبیل اللہ خرچ کیا جا رہا ہے اور عدل ہو۔ جائز ذریعہ سے حاصل کیا گیا
ہو۔ حرم مال سے ادا کردہ صدقہ قابل قبول نہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص
چوری، لٹا کر یا رشوت کا مال صدقہ کہتا ہے تو وہ بارگاہِ بزدلی میں کیے قبول ہو
گا۔ بلکہ ایسا کرنے سے انسان الٹ گنہگار ہوگا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ
جو شخص حرم کھائی کی خوراک کھائے گا یا لباس پہنے گا۔ دُاُس کی عداوت قبول ہوگی
اور نہ اُس کا صدقہ خیرات قبول ہوگا۔ اور اگر ایسا شخص مر گیا اور اپنے پیچھے مال چھوڑ گیا
تو وہی مال اس کے لیے جہنم کا زادِ زاد ہوگا۔ بعض چیزیں تو شرعاً قطعی حرام ہیں اور
بعض مشتبہ ہوتی ہیں۔ مشتبہ مال کی خیرات بھی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ کیونکہ واضح
حکم موجود ہے۔ **كُلُوا مِمَّا فِي رِزْقِنَا حَلٰلًا وَطَيِّبًا** یعنی حلال اور پاکیزہ
چیزیں کھاؤ۔ حرام سے پرہیز کرو۔

طیب کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز بھی صدقہ میں دی جا رہی ہے۔ وہ اعلیٰ
اللہ بہتر ہو۔ نہ کہ کچی اور ردی چیز۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ کہ اچھی چیز اپنے لیے رکھ
ی جائے اور کم تر چیز زکوٰۃ و صدقات میں دی جائے۔ یہ بھی مناسب نہیں۔ حدیث
شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو کچھ برکے اچھے سمجھے اپنے واسطے
محفوظ کر لیتے ہیں اور کمتر کچھ اصحابِ صفہ کے لیے لٹکا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے ایسی تقسیم سے منع فرمایا ہے۔ جب تم خود ردی چیز کو پسند نہیں کرتے تو
اللہ تعالیٰ اُسے کیسے پسند کرے گا۔ لہذا زکوٰۃ و صدقات میں بہتر چیز دینی چاہیے۔
فرمایا اے اہل ایمان! اُن پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کو پسند
جو تم نے کھائی ہیں۔ اب کھائی کی بھی محکف سورتیں ہیں۔ جملہ اُن کے کھائی کا اولین

ذاتی کھائی
میں سے خرچ

سب سے پہلے یہ سمجھنا ہے کہ اگر یہ چیزیں خود کاشت کی جائیں۔ چائے کے پلے لگا کر پیو تو یہ خود بونی
جائے، مگر ان کے لیے درخت لگائیں یا کاشت کی جائے، تو پھر ان پر عشر ادا
کرنا ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی فتویٰ ہے، عشر کی ادائیگی تو فرض ہے، یہ تو لازم ہے
اس کے علاوہ اگر کوئی مزید خرچ کرے گا۔ تو وہ زائل میں شمار ہوگا۔ اور یہ جب
اجر و ثواب ہوگا۔

یہاں پر ایک شہر کا ازالہ ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث ہے۔
لَيْسَ فِي الْخَصْرِ وَائِنَ صَدَقَ يَمْنَعُ سَبْرِيَّوْنَ مِّنْ صَدَقَةٍ هِيَ . حالانکہ یہ بھی
نئی بیاد ہے۔ اور زمین ہی سے نکلتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث
کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سبزیوں پر عشر بالکل معاف ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے
سبزیوں کا عشر سرکاری خزانے میں جمع کرانے کی ضرورت نہیں بلکہ خود اپنی
مواہدہ کے مطابق مستحقین میں تقسیم کر دے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سبزیوں کا ثواب
جو ہانے والی چیز ہے سرکاری انشٹا میں بیچتے پیچتے اور پھر تقسیم ہوتے ہیں اس
کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اس لیے سبزی عشر یعنی دسواں یا بیسواں حصہ
مالک کو خود تقسیم کر دینا چاہیے۔ مثال کے طور پر اگر سبزی کے دس گٹھے چھل گئے
تو ان میں سے ایک انشہ کی رو میں لے لے۔ یا اگر زمین چاہی یا مذہبی ہے۔
تو بیس گٹھوں میں سے ایک اد کر دے۔ غلہ یا نقد یا سبزی ملک قرآن و سنت
سے موافقت رکھتا ہے۔

زرعی پیداوار کے نصاب کے متعلق فقہائے کرام میں کچھ اختلاف پایا جاتا
ہے۔ بعض فرماتے کہ دوسو درہم سے کم مالیت کی زرعی پیداوار پر عشر نہیں ہے
کیونکہ یہ حدیث ہے۔ سب سے کم پانچ دس سے کم انی پر عشر نہیں۔ اور پانچ دس
دوسو درہم کو نصاب ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھارتی ماں سے
متعلق ہے۔ جس شخص کے پاس تجارت کی غرض سے پانچ دس سے کم مالیت ہے
وہ مذکورہ ہے کیونکہ یہ نصاب کو نہیں پہنچتا۔ البتہ زرعی پیداوار کے متعلق فرماتے

وہ کہ زرق پچہ اور قبیل ہوا کثیر اس پر ستر ہندوری سبت۔ کیونکہ اس کے متعلق حدیث میں واضح الفاظ آئے ہیں زمین کے مالک کو زرق پچہ اور کی کم سے کم مقدار پر بھی عشر اور کمر ہوگا البتہ رسول ہاقی رہتا ہے کہ عشر کون اور کسے مالک اراضی کا شتہ یا وہ لوہاں بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عشر کی ادائیگی کا شتہ ضروری نہ آتی ہے۔ مالک ارضی پر نہیں۔ تاہم واضح قول یہ ہے کہ عشر کی ادائیگی کے حصہ رسدنی دونوں ذمہ ور ہیں۔ انہیں چاہیے کہ کل پیداوار سے پہلے عشر نکالیں درباقی مانج وغیرہ آپس میں تقسیم کر دیں۔

زمین کی پیداوار کا ایک اور فریضہ صدیاست میں۔ عام زمین میں اور پھاڑوں میں کانیں بن جاتی ہیں جن سے سبب نمک اور کوئلہ اور لڑا، پونا چاندی، تیل وغیرہ نکلتے ہیں ان تمام چیزوں کی ذکوۃ شمس حدی کل آمدنی کو پانچواں حصہ سبت۔ پونہ ان استغیار کی پیداوار کے لیے گوارا محنت کی ضرورت نہیں ہوتی، نہ بیج نہ پانی نہ منگلائی وغیرہ اس لیے اس کی کل آمدنی کا پانچواں یعنی بیس فیصد ارفاقہ نامہ ہوتی ہے۔ البتہ ایک مسئلہ فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ ان کانوں کا مالک کون ہے۔ امام اربعہ فقہاء اور شافعی اور امام احمد و فرقت میں کہ کانوں کا مالک وہ شخص ہے جس کی اراضی سے صدیاست برآمد ہو۔ لہذا خمس بھی وہی ادا کرے گا۔ مگر یہ حدیثات سی عام ہنجل، حضرت یا محمد سے نکلیں تو ان کی مالک حکومت ہوگی البتہ مالک کا حکم یہ ہے کہ کان خدوا کہیں ہی سکے، اس کی مالک حکومت ہے۔ امام مالک صاحب الفراء کی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتے۔

بہر حال فرمایا کہ اگر کوئی تھاری ذائق محنت و مشقت کی ہے۔ تو پھر اس میں سے حلال اور طیب چیزیں اس کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جو زمین کی پیداوار ہے اس سے بھی اچھی چیز خرچ کرو۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَبِطَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور تہی ذمہ دہ چیز کو خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ غیبت سے مراد وہی انجیہا چیز ہے۔ اس کا مطلق پاک چیز پر بھی حاسب ہے۔ اللہ کی راہ میں محنت

غیبت
تو پھر نہیں

سحری چیز دینی چاہیے۔ کہ نہ کہ وَاكْسُوْا بِاَحْذِيَّتِكُمْ گھٹیا چیر جب تم خود سنے کے
یہ تیار نہیں ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی چیز کموں دیتے ہو۔ گھٹیا چیز قبول کر سنے کی
ایک صورت ہے کہ اَلَا تَنْفَعُ صُلُوًّا فِیْہِ تَمَّ خُودِہُمْ پویشی کرار۔ مگر یہ تم کرنے
کے لیے تیار نہیں ہو۔ لہذا اللہ کی راہ میں بھی اچھی سے۔ چھی خرچ کرو۔ ورنہ اگر تم
پر اللہ تعالیٰ کا ایشا ہے۔ کُنْ تَاوُ الْمِسْرَحَ حَقِّ تَنْفَعُوْا مِمَّا يَنْفَعُوْا
تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ
ہر شخص کے لیے اچھی اوصاف سحری اور بہتر چیز ہی پسندیدہ ہوتی ہے۔ لہذا بہتر چیز
ہی فی سبیل اللہ بھی ادا کرو۔

پاکیزہ چیز کے سلسلہ میں تمدنی شریعت کی حدیث ہے جعفر بن عبد السلام نے
فَرَا لَا تَقْبَلُ صَلَوةً اَوْ نَفْسًا اَوْ صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ
یعنی طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔ اور خیانت کے مال سے صدقہ
قبول نہیں کرتا۔ لہذا جس مال کی زکوٰۃ، صدقات، خیرات وغیرہ دی جا رہی ہے
اس کا حلال اور طیب ہونا بھی ضروری ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَیُّھُمْ طَرِیْقَہُ سَہْلٌ لَّہٗ
اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ اللہ تعالیٰ سہل و آسان ہے۔ اور بے نیاز ہے۔ اس کو
تمہارے صدقات و خیرات کی کوئی ضرورت نہیں یہ تو تمہارے اپنے ہی فائدے کے
لیے ہے تاکہ تم اس سے آخرت میں مستفید ہو سکو۔ یہ دنیا میں قوم کے عز و آسائش
کی اعانت کا ایک ذریعہ ہے۔ نیز تمہارے اپنے اخلاق بھی اس کی وجہ سے عالی ہوں
گئے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رضی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حمید یعنی تمام خوبیوں کا مالک خود ہے
تم اچھا کام کرو یا بُرا کرو۔ وہ بے نیاز ہے۔ تمہارے اچھے اعمال نہ اس کی مدد میں
اضافہ کر سکتے ہیں

تمہارے بڑے اعمال اس کی مدد میں پھر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال و اسباب
تو اس کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اس کا شکریہ ادا کرو اگر اس نے تمہیں انعام سے
نوازا ہے۔

شیطان کا
ہرکاد

فرمایا۔ دیکھنا اس حملے میں شیطان کے ہرکادے میں نہ آجائے۔ شیطان کی یہ ہمیشہ
گوشش ہوتی ہے کہ وہ طرح طرح کے دوسرے ذال کہ انسان کو ٹیکے میں سے روکنے
کی کوشش کرے۔ آجے۔ چنانچہ انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں کُتِبَ لَكُمْ لَعْنَةُ
شیطان تمہیں فقہ سے ڈرا تا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شیطان انسان پر سطر
حملہ آور ہوتا ہے کہ اگر ذال فقہ را ہے۔ تو وہ ہرکادے کہ اگر یہ مال صدقات میں دیا
تو پھر تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ تم غفلت ہو کر دوسروں کے محتاج ہو جاؤ گے۔
جب اس قسم کا خیال آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شیطان دوسرے ہے۔ اگر مال
قلیل بھی ہے تو اس میں سے کچھ نہ کچھ لے دو، اللہ تعالیٰ قلیل مال میں برکت دیتا
فرمایا وَمَا تَلَقَّوْا مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ اللَّهُ يُخْلِفُهُ لَكُمْ رُحْمًا رُحْمًا رُحْمًا
اس کی جگہ کسی دوسرے ذلیعے میں سے لے لیا۔ لہذا بھل نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ غرض اللہ کا
مظاہرہ کرنا چاہیے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو ذال دیا ہے۔ تو پھر شیطان دوسرے طریقے
سے حملہ کرتا ہے۔ وَيَا مُرْكُكُمْ بِأَفْحَشَاءَ وہ تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ آرمی کو فحاشی کے کاموں کی طرف لگا دیتا ہے۔ کہ
نکمرہ کرو۔ تمہارے پاس بہت مال ہے۔ خوب عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو۔
دنیا میں بار بار نہیں آتا۔ لہذا کئی وقت یہ عیش کرو۔ یا پھر اس کا مال کفیل تمہارے اور فضول
رحم و رواج پر خرچ کرنا ہے کہ یہی دھوم و دھام سے شادی ہو رہی ہے۔ ساتھ
منائی جا رہی ہے۔ اچھے بھلے جا رہے ہیں۔ چراغاں کیا جا رہا ہے۔ ہمیں عرس
منانے جا رہے ہیں۔ اور لکھنؤ روپیہ ان فضول رحم و رواج پر ضائع کیا جا رہا ہے
یہ سب شیطان کے ہرکادے ہیں۔

اللہ تعالیٰ
کا وعدہ

فرمایا اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے
وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت
اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اگر اس کے حکم کے مطابق اس کے رستے میں تشریف

کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ صاف فرما دیگا۔ دنیا میں بھی برکت عطا کرے گا۔ اور عزت
 میں اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دیگا۔ یہ اس کا وعدہ ہے۔ لہذا شیطان کے پہلے
 میں نہ آنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین کر کے اس کے احکام کی بجا آوری کرو۔ اور
 دائمی علاج پا جاؤ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ بڑا ہی رسوت والا ہے۔
 اس کے خزانے بہت وسیع ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو دیر میں نہیں لڑاتا بلکہ انہیں گناہ
 چوگنا عطا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا بھی ہے۔ وہ عظیم قیامت العودہ بھی ہے
 تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے۔ جس قدر اخلاص تمہارے دلوں میں موجود ہو گا
 اللہ تعالیٰ اس کے مطابق بڑھا چڑھا کر تمہیں عطا کریں گے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

الْبَقَرَةِ ۲

درس یکمہ ہفتہ (۱۸)

آیت ۲۹۹-۳۰۰

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
 أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أُولَٰئِكَ الْبَاقِي ۙ وَمَا
 نَفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ
 وَمَا يُلَٰظِلُّمِينَ مِنْ الْأَنصَارِ ۙ (۲۹۹)

فہم جمہ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عنایت فرماتا ہے اور جس کو حکمت
 دی گئی، اسے بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی۔ اور یہ نصیحت قبول کرنے والے کو
 لوگ جو عقل سے ہیں (۲۹۹) اور تم جو بھی خرچ کرو صدقہ و خیرات یا کوئی نذر، نذر نذرانا
 تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور ظلم کرنے والوں کے سب سے بڑی نذر نہیں (۳۰۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ و خیرات کی قبولیت سے متعلق چار شرائط
 کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں خیرات (بیکہ احسان نہ جلاؤ، اید نہ پہنچانا، یا بیکاری سے اعتنا
 اور پاکیزگی اور شرافت کا ذکر الگے دروس میں آئے گا۔ یہاں درمیان میں
 اللہ تعالیٰ نے حکمت کی تشریح بیان کی ہے۔ اور اسے خیر کثیر سے تعبیر کیا ہے۔
 اس میں نذر ماننے کے متعلق بیان بھی ہے۔ کہ یہ کس حد تک جائز ہے۔

حکمت و
مقدم

ارشاد ربانی ہے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ اللہ تعالیٰ جسے چاہے
 حکمت عطا کرتا ہے۔ حکمت کا مادہ احکام سے نکلا ہے، جو شیئی کے معنی میں
 استعمال ہوتا ہے۔ لہذا حکمت سمر اور وہ چیز ہے، جو چھڑے ہو، اور پھر صدقہ کے ساتھ
 اس کے مختلف اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ حکمت کا عام معنی فہم اور سمجھ کیا جاتا ہے
 بعض مفسرین کو فرماتے ہیں اَلْوَسْمُ النَّافِعُ الْمُؤَدِّي دَلِيلُ اَلْحَمَلِ حِينَ حُكْمِ
 ایسے علم کو کہا جاتا ہے، جو مفید ہو، انسان کو عمل تک پہنچائے۔
 نام مالک حکمت کا معنی سنت کرتے ہیں جیکہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے

اور قرآن کریم کو بھی حکمت کہا گیا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ کو بھی حکمت کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ذاتی سمجھ یا دانائی کی باتیں بھی حکمت میں شمار ہوتی ہیں۔
حضرت اہل حق کے نام پر قرآن پاک میں سورۃ موجود ہے۔ آپ نبی نہیں تھے،
بلکہ حکیم تھے عربی میں حکیم اس شخص کو کہتے ہیں مَن اَتَقَنَ الْعِلْمَ وَتَعَمَّلَ بِهِ عِلْمَ
اور عمل دونوں میں سچتہ ہو۔ علاج معالجہ کرنے والے کو عربی زبان میں حکیم نہیں
بلکہ طبیب کہتے ہیں۔ بہر حال حکمت کا اعلیٰ ترین درجہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوا
ہے۔ اس کے علاوہ عام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت و دانائی
میں حصہ عطا کرتا ہے۔

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سمجھ بہت بڑی حکمت ہے۔ جسے
اللہ تعالیٰ عطا کرے۔ حضرت علیؑ کی روایت میں ہے: حضور علیہ السلام نے ہمیں عام
مسلمانوں سے الگ کوئی خاص چیز نہیں دی۔ اَوْفَهُمْ اَوْفِيَتْكَ رَجُلًا اَللّٰهُ تَعَالٰی
نے قرآن پاک کی سمجھ دے دی ہو، تو اس سے انکار نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت
ہے۔ اور خاص طور پر آپؐ سے دین کا فہم اور سمجھ حکمت ہے تو مذی شریعت کی روایت میں
حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافق کو دو چیزوں سے محروم رکھا
ہے۔ ایک اچھا اخلاق اور دوسرے دین کی سمجھ۔ بخاری شریعت کی روایت میں حضور کا
فرمان ہے مَن شَرِدَ اللّٰهُ لِبَابٍ خَيْرٍ يُغْفِرْهُ فِي الْحَيٰۃِ اَللّٰهُ تَعَالٰی جس کے
بائے میں بہتری کا ارادہ فرماتا ہے۔ اُسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔ پھر جب اس
سمجھ کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تو یہ شخص ہی حکیم کہلاتا ہے۔

اس زمانہ میں حکیم کے ہم معنی الفاظ دانشور، علامہ یا ڈاکٹر پڑی اچھی ڈی و غیر
استعمال کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ استعمال درست نہیں ہے۔ حکیم کے لیے ضروری
ہے کہ علم کی پہنچ کے ساتھ اس پر عمل بھی ہو۔ موجودہ دور میں بے شک بڑی بڑی
ڈگریاں تو حاصل کر لی جاتی ہیں۔ مگر وہ عمل کہاں ہے جو حکمت کی اصل روح ہے۔
حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حِكْمَةٌ لَّكَرَّ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ

حکمت کی جڑ اور بنیاد خوفِ الہی ہے۔ حکم و ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔ وگرنہ محض علم حاصل کرنے سے کوئی شخص حکیم نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ درس میں گنہ زد چکا ہے کہ شیطان تمہیں فخر سے ڈراتا اور بے حیالی کا حکم دیتا ہے۔ شیطان انسان کو یہ سچی پڑھاتا ہے کہ دیکھو اپنے مال کو خرچ نہ کرنا۔ اگر خرچ کر دیا تو رقم منس ہو جائے گی۔ تمہارے بیوی بچے بھوکوں مر جائیں گے۔ تمہارا بڑھاپہ کا سارا ختم ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔ اس شیطانی دوسرے سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے قرآن پاک کا فہم ہوگا۔ فہم قرآنی دلائل سے ہی سچے گا کہ انفاق فی سبیل اللہ سے مل کر تمہیں دوگا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید برکت دینگے۔ اسی چیز کا نام حکمت ہے، اسی طرح گریخت انفاق سبیل اللہ پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہے حکمت عطا کرے۔ ہر آدمی حکمت حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ جس شخص میں جس قدر حکمت کے حصول کی استعداد ہوتی ہے۔ اس کے مطابق وہ اپنا حصہ وصول کر لیتا ہے۔ اور پھر اس کا نتیجہ نکلتا ہے وَمَنْ حَقَّقَتْ فِي كَلِمَةٍ فَقَدْ أَفْقَى خَبْرَيْنِ كَيْتُ إِذًا جَعَلَ حُكْمًا عَطَاكَ دَمِي كُنْتُ، اُسے خیر کثیر سے نواز گیا۔ گریخت حکمت یعنی فہم قرآن یا فہم دین تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اور فہم علم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اور علم کی روشنی دینی مدارس پھیلائے ہیں۔ برصغیر میں دارالعلوم دہلیوہ تقریباً سو سو سال سے مصروف کار ہے۔ اس نے ایک صدی کے عرصہ میں چالیس ہزار علماء تیار کیے ہیں، جو صحیح معنوں میں دین کا فہم رکھنے والے لوگ ہیں۔ انہوں نے دنیا کے کونے کونے میں علم دین کی شمع روشن کی ہے۔ حضرت علیؑ اپنے بیٹوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ انہوں نے شکوک کے طور پر فرمایا بہت سے آدمی شکل و صورت میں انسان نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں وہ جانوروں جیسے ہیں۔ جب مال میں کمی واقع ہوتی ہے۔ تو فوراً سمجھ جاتے ہیں مگر دین سائے کا سارا بھی برباد ہو جاتے تو انہیں کچھ پروا نہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عقل دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک عقل وہ ہے جو باہر معاشیات ہے۔ معاش میں ذرہ بھر کمی بیشی آئے تو فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ مگر دین

انفاق پر حکمت کا اثر

حکمت منبع احسانات ہے

کے معاملہ میں ہرگز سے بڑا نقصان بھی نہیں پہنچتا تو جہاں نہیں گریتا۔ دنیا کے
ہر گز بڑے نڈر و دلیر سبوروں اور دانش وروں میں یہی خرابی پائی جاتی ہے کہ
ان کی عقل معاش کو اعلیٰ نسبت کا ہے۔ مگر وہ سو دس کے معاش میں بالکل کوہستے ہیں۔
تہہ تست میں کامل شخص وہ ہے جو قیامت و راہی باگزشت کے مقام کو سمجھتا ہے۔
بہر حال اللہ تعالیٰ نے صدقات و خیرات کے نمن میں آیات مارل فرمیں

گذاشت حکمت را خدا خیر کمثر بہ کعبہ خیر را بیتی جئیر
اللہ تعالیٰ نے حکمت کو خیر شرف پر ہے۔ یہ جس جگہ بھی ملے اس کو اختیار کرو۔ ہرگز نہیں
کی روایت میں آیت حکمہ الحکمۃ ضلالتہ انصر میں حکمت کی
بات مومن کی گم شد و چیز ہے۔ اسے ہاں پاتا ہے۔ ہاں نعل عمریتا سے حکمت
ہی ایسی چیز ہے جو مومن کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ ہذا مومن ہمیشہ اس کا
مشاخی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی اعلیٰ عمدہ منصب یا کسی دوسری قیمتی سے
قیمتی چیز کو خیر کثیر سے تعبیر کیا۔ مگر یہ لقب معرفت حکمت کو عطا ہوا۔ کیونکہ حکمت
تمام خوبیوں کا منبع ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حکمت کی ابتدا یہ ہے کہ انسان فضل و شیا کو
افضل معلوم سے معلوم کرے۔ افضل الی شیانہ تعالیٰ کی ذات۔ وعدائیت اور
اس کی صفات میں۔ لہذا جو شخص علم کے ذریعے اس کو پہچانے گا۔ وہی صاحب حکمت
ہوگا۔ اور ہر عمدہ بھی ممکن۔ ہائی کمائی نہ ہو سیکہ میں میں دل کی تصویر اور عقل کا کمان
شامل ہو۔ لہذا جس حکمت عطا کی گئی اسے گویا بہت بہتری ملے دی گئی۔ اور یہی چیز
منبع صفات اور ہر چیز کی جزو در فیاد ہے۔

فرمایا وَہ یکذکہ نزلہ اور ہر باب یاد رکھو نصیحت ہونا میں
کرتے۔ مگر وہ جو عقل سے ہیں۔ در چہ عقل کو صحیح طور پر مستعمل بھی کریں۔
دوستہ مقام پر اللہ تعالیٰ کہ فرماں ہے اَشْكُرُ لَكُمْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ لَنْ يَخْلُقُوا
وہ لوگ بہرے اور کشتہ ہیں جو عقل کو درست طریقے سے استعمال نہیں کرتے

کافروں کی مثال اللہ نے بیان فرمائی کہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں **وَسَيِّئٌ كَذَّابٌ**
بَلْ هُمْ كَافِرُونَ کیونکہ جانور بھی بعض باتیں سمجھتے ہیں، مگر جو لوگ جانوروں
 سے بھی بدتر ہیں، وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ فرمایا نصیحت کو بھی وہی شخص قبول کرتا
 ہے جس کے اندر دانا ئی اور عقل ہوگی۔ دوسرے شخص کو نصیحت سے کچھ فائدہ
 نہیں پہنچتا۔

نفاق فی سبیل اللہ ہی کے ضمن میں یہاں پر نذر کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ - **مکملہ نذر**
وَمَا أَفْقَرُ مِنْ نَفَقَةٍ اور تم جو بھی خرچ کرو کوئی خرچہ جو مطلب صدقہ
 و خیرات ہی ہے۔ **وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ اللَّهُ** یا کوئی نذر ادا نہ کرے کہ اللہ **يَعْلَمُهُ**
 اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ یہاں پر نذر کو صدقہ کے مرتبے میں ذکر کیا ہے۔
 معصومین کا دم فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ایہ ہے کہ صدقہ و خیرات قربانہ جنات میں سے
 ہے۔ محمد نذر جانے بوجھنے کے، وجہ و خطرے سے خالی نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں
 آیا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: نذر نہ دنا کہو دیکو بخیر آدمی کو نقدیہ سے
 نہیں بچا سکتی۔ حدیث کے الفاظ ہیں **لَا يَغْنِي ذَنْبٌ قَدْرٌ** جو کچھ نقدیہ میں ہوا
 ہے وہ نذر کہہ رہتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ نذر بخیل لوگ مانتے ہیں، وگرنہ فیاض آدمی
 شرط نہیں لگاتے۔ وہ تو غیر مشروط طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ گویا
 نذر ماننا مشروط عبادت ہے کہ اگر میرا فذل کام ہو گیا تو میں ستے فذل اور گمراہ نکلا۔
 بار دوسرے رکھوں گا یا اتنا صدقہ خیرات کروں گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ
 شرط — باندھنے والی بات ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ جب وہ کام ہو جائے تو
 نذر کا پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ تدرجاً نہ ہو۔ اور اگر نذر کو پورا نہ کیا تو
 انسان گنہگار ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **لَا تَنْذَرُ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ** گناہ کے کام
 میں نذر نہ جانتے نہیں۔ اور اگر ایسا کہہ ہی لیا ہے تو پھر اس کا پورا کرنا درست نہیں
 بلکہ اس کو توڑ کر نذر کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ ہے **الْمَنْذَرُ عِبَادَةٌ**

منّت بمنزلہ عبادت ہے۔ اور عبادت بدنی بھی ہو سکتی ہے اور مالی بھی۔ بدنی عبادت کی مثال نوافل یا روزے ہیں، اور مالی عبادت میں صدقہ خیرات یا خیرہ ذبح کرنا ہے، سیلے فرمایا کہ گناہ کے کام کے لیے یہ عبادت جائز نہیں ہے۔ اور اگرچہ نذر غیر نذر کے اقرب کے لیے مانی جائے تو یہ شرک ہی جاتا ہے۔ جیسا کہ ہماری فقہ کی کتابوں عالمگیری اور شامی وغیرہ میں موجود ہے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جو لوگ قبروں کا علاقہ پکڑتے ہیں اور مہمانتے ہیں کہ بسے بندہ گ! اگر میرا فلاں کام ہوگا، تو تمہارے دربار فلاں خدمت پیش کر دوں گا، فرمایا ایسی چیز بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر ایسی منّت مانے کہ اگر فلاں کام ہو گیا۔ تو اسی بزرگ کو ایسا نواب کے لیے محتاجوں کی یہ خدمت کر دینا تو وہ ٹھیک بہت ہے۔ اور اگر بزرگ کو ہی حاجت روا سمجھ لیا تو کفر شرک میں مبتلا ہو گیا۔ سیلے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محصیت کی نذر سرے سے نذر بدنی ہی نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ فلاں کام ہونے پر دس آدمیوں کو مشرب بلاؤں گا۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مزاروں پر تیل چڑھانا، موسم قیام جلانا، چادریں چڑھانا، ہنڈ سے چڑھانا یہ سب باطل اور ناجائز منّت میں شامل ہیں۔ اور اگر ایسا کرنے سے مراد بندہ گ کی قربت حاصل کرنا ہے۔ تو پھر بھی شرک میں داخل ہے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے علاوہ یہ بھی ہماری حاجات پوری کرتے ہیں، تو یہی کفر ہے۔ اور اگر محض می ورون کو کھانا مقصود ہے تو یہ تخصیص بھی غلط ہے۔ پنہ گلی مٹنے، گاؤں شہر کے غریب و مساکین کو کھانا دانا ان کی جائز ضروریات کا خیال رکھو۔ مزاروں پر تو عموماً اوباش قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر نیت درست بھی ہو، تو یہی سیلے لوگوں کو کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ محتاج نہیں بلکہ پیٹہ درگد اگر ہیں مزاروں پر موجود انتظامی عمل بھی کھانے پینے میں شریک ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی اس کے حق نہیں ہوتے۔ اگر صاحب نصاب ہے تو منّت کا مال تو خود منّت ڈننے والا بھی نہیں کھا سکتا۔ جس طرح ذکاوت کے حقدار، صرف اس کے مستحق ہیں۔ اسی طرح نذر کا مال بھی

میں سامنے آئے گا، اس لیے فرمایا: "ظلم کرنے والوں کا کوئی پروردگار نہیں ہوگا"۔
 ظالم اپنے ظلم کی وجہ سے پھنسنے ہوئے ہوں گے مگر ان کی خلاصی کے لیے کوئی ہر
 نہیں پہنچے گی۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ نہ عبادت میں ظلم کا ارتکاب کرے نہ معاملات
 میں اور نہ حقوق میں غرض کسی چیز میں ظلم نہیں کرنا چاہیے۔

مفسرین کا یہ فرماتے ہیں کہ صدقہ خیرات سے متعلق سب سے اہم چیز دینے والے کی نیت ہے۔ اگرچہ ان کا اثر نیت میں فوری نہیں ہے کسی کو سنا جتنا دے یا اپنا پہنانے کے لیے یا یا کا یہی کے طور پر دیا۔ تو صدقہ بدل ہو جائے گا۔ تاہم نیک نیتی کے ساتھ ظاہر آیا باطل دونوں طرح دینا جائز ہے البتہ اس کی اوضیئت کے متعلق فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت علامہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ فرض صدقات یعنی زکوٰۃ اور عشر کو ظاہر رکھ کے دینا چاہیے۔ اور نقلی صدقات کو پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے۔ برخلاف اس کے امام حسن بصری، امام رازی، مولانا شاہ شرف علی خان اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس نیت میں اللہ تعالیٰ نے صدقات کی پوشیدہ طور پر دینا ایسی کو فہم رکھ لیا ہے۔ خواہ وہ صدقہ فرض ہو یا نقلی مفسرین کو روایت میں کہ اوضیئت اس بنا پر ہے کہ خفیہ دینے سے ایک تو دیا کا اسکاں باقی نہیں رہتا دوسرے لینے والے کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بہتر قرار دیا ہے۔

بعض اوقات کسی شخص کے مال کو ظاہر نہ کرنے میں بھی مصلحت ہوتی ہے۔ اگر زکوٰۃ ظاہر کر کے دی جائے تو کل مال کا علم ہو جاتا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے خفیہ دینا بہتر ہے۔ البتہ ظاہر کر کے دینے میں ایک مصلحت بھی ہے کہ دیکھنے والے کو بھی شوق پیدا ہو کہ وہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اگر اس نیت سے کچھ طور پر صدقہ خیرات کرے تو یہ مناسب ہوگا۔ بایں بہ اکثر مفسرین کا یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خفیہ طور پر خرچ کرنا افضل ہے۔ اس کی تصدیق صحیحین کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جن سات آدمیوں کے متعلق حضور عید السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن ان کو رب العزت کے عرش کے نیچے جگہ ملے گی۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے **نَصَّدَقَ بِسَيِّئِهِمْ حَتَّى لَا تَعْلَمُوا سَمَاءُ** کہ راز دہانہ سے صدقہ کرتا ہے مگر بائیں ہاتھ کو خیر نہیں ہوتی۔ اس قدر خفیہ طور پر خرچ کر اسے۔

الغرض فرمایا **إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ**۔ آخر تم صدقات

یہ پنجویں بات بھی آگئی۔

یہاں پہ سوال پیدا ہوا ہے کہ کیا عہد قریبات غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے؟ نہیں یہ اس
 ضمن میں چھٹی بات ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں
 حضور علیہ السلام نے صرف مسلمانوں کو عہد قریبات دینے کا حکم دیا تھا۔ حدیث شریف
 میں مختلف الفاظ آتے ہیں مثلاً آپ نے فرمایا **لَا نَصْرَ لِمَنْ لَمْ يَأْتِ الْإِسْلَامَ** یعنی اہل ایمان و مسلمانوں
 یعنی صرف اہل دین مسلمانوں پر عہد کیا گیا کہ وہ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے **لَا نَصْرَ لِمَنْ لَمْ يَأْتِ الْإِسْلَامَ**
وَلَا عَمَلٍ اھل ایمان کے سوا دوسروں پر غیر مسلموں پر عہد
 نہ کیا کرو۔ اس لیے آپ کے سہو کہ تم غیر مسلموں کو عہد قریبات سے گریز کرتے تھے
 ہمیں جب مشرکوں میں کفار مکہ سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ تو سب سے پہلے آپ
 دوسرے کے ہاں آئے جاتے تھے۔ اس دور میں حضرت اسی کی والدہ ماجدہ حضرت
 فاطمہ صدیقہؓ کی بیوی جو کہ اپنی ایک مشرکہ رضیٰ اللہ عنہا نے سہو کرنے
 حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ حضور! میری ماں آئی ہے۔ وہی مشرکہ کائنات
 اور وہ مشرکہ ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں میں اس سے صلح کر دوں۔ وہ محتاج
 بھی ہے۔ کیا میں اس کو کچھ عہد قریبات نہ دے سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا، ہاں
 بہادت ہے۔ تو فرمایا اللہ کے رسول نے غیر مسلموں کو عہد قریبات دینے کی اجازت
 دے دی۔ مگر آپت ہوا کہ عہد قریبات کمال غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے
 سہو بھی جبراً نکلا کر سہو کیا۔ یہ سہو کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیوی ام رومانؓ کو
 مشرکہ ہی سے اسلام ملے، انہیں مگر آپ کی دوسری بیوی یعنی ام سلمہؓ کی والدہ
 عظیمہؓ بنت عبدالمطلبؓ سے اسلام نہیں ملا تھا۔

البتہ زکوٰۃ و عشر غیر مسلموں کو نہیں دیا جاسکتا۔ کہونکہ یہ فرض ہے اور اس
 کے تحقق بخیر ہی اور شرعیت کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام
 نے حضرت معاذؓ کو مہینہ لکھا کہ نہ بنا کر نہ بھی۔ تو دینچہ نکالت کے ساتھ زکوٰۃ کا
 حکم بھی دیا اور واضح کیا **لَا تُؤْتُوا مِنْ غَنِيِّائِهِمْ فَمَا كَانَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْهُمْ**

یعنی زکوٰۃ مسلمانوں کے، غنیاء سے وصول کی جائیگی اور انہیں کے فقر میں تقسیم کی جائے گی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ زکوٰۃ عشر کسی غیر مسلم کو نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ناجائز اور حرام ہے۔ بل نفل صدقہ، صدقہ فطر کفارہ کا صدقہ جیسے نہ تو تقسیم یا ظاہر کا اظہار ہے، وہ بھی غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔

حنفی غیر مسلم
محروم ہے

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ صدقہ وغیرہ فرمی غیر مسلم کو تو دیا جاسکتا ہے۔ مگر عربی کا فرد، مشرک یا دغیر کو دینا جائز نہیں۔ یعنی ایسے غیر مسلم جو اہل اسلام کے ساتھ برسرِ بیگاری ہوں، وہ اگر محتاج بھی ہوں تو وہ صدقہ کے حق دار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے: **لَا يَنْفَعُكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُفَاتِمُكُمْ فِي الدِّينِ وَلَكُمْ يُجْعَلُ جُنُودُكُمْ وَيُزَكَّرُكُمْ أَنْ تَكُونُوا لَهُمْ** یعنی جو لوگ تم سے لڑائی نہیں کرتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے ان کے ساتھ بھی یہ احسان کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتے ہیں، جو تم سے لڑائی نہیں کرتے اور تمہیں گھروں سے نکال دیں۔ اور جو کوئی ایسے لوگوں سے راہ و رسم نہ چاہیگا۔ قرآن کا شمار ظالموں میں ہوگا جہاں تک کفار کو جو دست پر لاسے کا تعلق ہے۔ تو یہ صرف اور صرف قتلتے

ہدایت نہ ہو
صرف اللہ ہے

ایزدی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے: **لَا يَنْفَعُكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُفَاتِمُكُمْ فِي الدِّينِ وَلَكُمْ يُجْعَلُ جُنُودُكُمْ وَيُزَكَّرُكُمْ أَنْ تَكُونُوا لَهُمْ** یعنی جو لوگ تم سے لڑائی نہیں کرتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے ان کے ساتھ بھی یہ احسان کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتے ہیں، جو تم سے لڑائی نہیں کرتے اور تمہیں گھروں سے نکال دیں۔ اور جو کوئی ایسے لوگوں سے راہ و رسم نہ چاہیگا۔ قرآن کا شمار ظالموں میں ہوگا جہاں تک کفار کو جو دست پر لاسے کا تعلق ہے۔ تو یہ صرف اور صرف قتلتے

سے شرف برداشتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے ولادت، عیسیٰ القدر صحابہ اور خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ مگر باپ کو کلمہ نصیب نہیں ہو۔ کیونکہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ اَنْتَ تُكْرِهُمُ الْاَسَاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِّنْ قَوْمٍ مُّشْرِكِيْنَ کیا آپ لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ضرور ہی ایمان لے آئیں۔ بلکہ فَرَحِمَا عَلَيْنَا الْاَبْلَاحُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ آپ کے ذمے دین کو پہنچانا ہے۔ آپ سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لائے۔ حساب تو ہمارے ذمے ہے۔

پورا پورا بدلہ فرمایا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ حَیْرٍ فَلَا تُغْنِیْكُمْ اَمْ تَحِبُّوْنَ اللّٰهَ کی! وہ میں خرچ کرتے ہو، یہ تمہارے اپنے ہی فائدے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مالوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہیں اجر عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں سنی فروع و انان کے لیے بہرہ دہی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں اجر و ثواب سے نوازنا چاہتا ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا اِتِّعَاءً وَجَاءَ اللّٰهُ اَوْ تَمَّ نَحْنُ خرچ کرتے ہو محض رضا لئی کے لیے۔ اس میں کوئی دیگر مقصد نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسرا مقصد ہوگا مثلاً کوئی اپنا مفاد و اہمیت ہو۔ یا کھری پانی بانے یا کسی کو ایذا دینا مقصود ہو تو ایسی صورت میں صدقہ ضائع ہو جائے گا۔ لہذا محض اللہ کی رضا کے لیے صدقہ و خیرات کرنا چاہیئے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنا چاہیئے۔ محتاجوں کی حاجت براری کرنی چاہیئے۔ یہ سب رضا الہی کے ذرائع ہیں۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ حَیْرٍ اَوْ تَمَّ نَحْنُ اور تم جو بھی خرچ کرو گے، نیکی کرو گے، کسی کے ساتھ بھلائی کرو گے۔ جَوْنَا وَالْاَیْکُمْ اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ایسی بات نہیں ہے کہ مسلمان محتاج کو دینے سے پورا اجر ملے اور کافر کو دینے سے کم ملے۔ بلکہ پورا بدلہ دیا جائیگا۔ اس بات میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیئے خاص نیت کے ساتھ جو بھی خرچ کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں بڑھا چڑھا کر دیں گے۔ البتہ فضیلت اس بات میں ہے کہ محتاجوں میں سے بہتر محتاج

کو دیا جائے۔ مثلاً ایک نمازی ہے اور دوسرے نماز ہے۔ تو نمازی کو دینا زیادہ اجر
 و ثواب کا موجب ہے۔ مگر جہاں مجبوری کا معاملہ ہو۔ وہاں کھرتہ آدمی کو بھی میت
 چاہیے۔ اگر کوئی بے نمازی بھوکا مر رہا ہے۔ تو اسے پہلے دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ
 ہرزگی کا پورہ پھرا بد کر دے گا۔ **وَأَنْتُمْ لَا تَفْطَنُونَ** اور کسی شخص پر ذرہ بھسہ
 نہ پڑتی نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ کسی کی نیکی کو مٹانے نہیں
 کرتا۔ یہ تو اس کے قانون کے خلاف ہے۔ کہ کسی آدمی سے اور فی نیکی کو بھی مٹا دے۔

— — — — —

نظیر مسلم کو نہیں چیلے پاسکتے۔

فقر و مسکین

آج کے درس میں ساتویں اور آخری بات یہ ہے کہ صدقات و خیرات کے سب سے زیادہ مستحق کون لوگ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ صدقات (فَقْرًا وَفَقْرًا) فقیروں کے لیے ہیں۔ لفظ فقیر اصل میں فقر کے مشتق ہے۔ اور فقر کے لیے معذور شخص کو کہتے ہیں جس کا کمزور ٹوٹا بڑا ہو، ورنہ وہ پلٹے پھرنے سے عاجز ہو۔ اسی مناسبت سے عام مصطلح میں فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی جائز ضروریات زندگی پورا کرنے کے لیے دوسروں کا محتاج ہو۔ ایسے محتاجوں کا ذکر سورۃ حشر اور دیگر کئی صورتوں میں آتا ہے۔ سورۃ قہر میں زکوٰۃ کے آٹھ مصادر بیان کیے گئے ہیں جن میں فقراء اور مسکین سب سے پہلے آتے ہیں۔ فقہائے کرام نے فقیر اور مسکین کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فقیر زیادہ مستحق ہے اور بعض مسکین کو پہلے فقیر پر لاسٹ ہیں۔ تاہم ان کی عام تعریف کے مطابق وہ ہے جس کے پاس بالکل کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر وہ اس کی جائز ضروریات کے لیے کافی ہو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف فقیر کا حق استعمال کیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقات و خیرات کے سب سے زیادہ مستحق فقراء ہیں۔ جن کے پاس ضروریات زندگی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اہمیت نہ پروردگار میں فقر اریں سے ان خاص فقر پر پھر جو کہنے کی ترغیب دی گئی
 ہے۔ جو روک ٹوک گئے ہوں۔ یعنی محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ لَقَطَصٌ مِنَ الدِّينِ اَخْمَرُوْهُ
 فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صدقات اُن فقر ارس کے لیے ہیں۔ جو امداد کے راستے میں روک ٹوک گئے
 ہیں۔ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْ اَرْضِهِمْ لَاحِرًا وَرَاحًا اور زمین میں فقر کی نئی عاقبت نہیں رکھتے۔ ایک
 مقام پر پابند ہو کر رہ گئے ہیں۔ احمد مار کا معنی ہے روک دینا۔ جیسا کہ جس کے حکم میں
 اللہ تعالیٰ اسے بیان فرمایا کہ جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادہ سے نکلیں پھر راستے میں روک
 دیے جائیں۔ احمد مار باندھ رکھے ہیں۔ مگر دشمن نے راستہ روک دیا ہے یا کوئی بیاد ہو گیا کوئی
 حادثہ پیش آیا ہے۔ تو محصور شخص کو چاہیے کہ وہ قربانی کا جانور دو سکے

شخص کے ہاتھ بھیج دیے جسے حرم شریف میں جا کر فوج کروایا جائے۔ اہم اہل صیغہ کے فتویٰ کے مطابق ایسی صورتوں میں محرم ہوا رم کھول دیکھا۔ اور پھر آٹا، مویج یا عطر جیسی بھی صورت ہو اسکی قضاء دیکھا۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صدقہ و خیرات اُن لوگوں کا حق ہے۔ جو اللہ کے راستے میں روک ٹپ لگے ہیں۔ اور عطر کی طاقت نہیں رکھتے۔

مفسرین کریم فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں روک ٹپ دیے جانے والے لوگوں میں دو قسم کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ فی سبیل اللہ سے علم و جہاد مروا لیا جاتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہو گا کہ جو لوگ اس قدر نادار ہیں کہ جہاد پر محض اس لیے نہیں جاسکتے کہ انہیں ضروریات زندگی کے لیے محنت مزدوری کرنا ہوتی ہے۔ اگر جہاد پر پلے جائیں تو یہ کچھ ان کے بچوں کی کفالت ممکن نہیں اور اگر کاروبار میں لگے رہتے ہیں تو جہاد پر نہیں جاسکتے اس طرح وہ جہاد پر جانے سے روک ٹپ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگ صدقہ و خیرات کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر ان کی اعانت کر دی جائے۔ تو جہاد کے فریضہ پر جاتے وقت وہ گھر کی کفالت سے بھی بے فکر ہو جائیں گے۔ اُن پر خرچ کرنا گویا جہاد کے راستے میں حائل رکاوٹ کو دور کرنا ہے۔

مصورین کی دوسری قسم میں وہ لوگ آتے ہیں جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ حصول تعلیم کے لیے وہ درس میں پابند ہو کر رہ گئے ہیں۔ لہذا دیگر کام کاج کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر وہ حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر کاروبار بھی کرنا چاہیں۔ تو ظاہر ہے کسی ایک کام کی طرف بھی پوری توجہ نہیں دے سکیں گے۔ گزر اوقات کے لیے محنت، مزدوری، ملازمت، کاروبار، کھیتی باڑی وغیرہ ہر کام کے لیے پوری توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح دینی تعلیم کے لیے بھی پورا وقت درکار ہے جب تک پورا وقت نہیں ملے گا، نہ قرآن پاک یاد کر سکا ہے۔ نہ قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ ہر وقتی سے دونوں کام ادھر سے رہ جائیں گے، اور طالب علم کسی کام میں بھی کامل نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ بعض اوقات اس طرح کا کام نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان ایک مشہور مقولہ ہے

بمقتضی تعلیم شخص فخری پسیلا کر نقصان کا باعث ہو گا۔ لہذا جو شخص دینی تعلیم حاصل کرنا چاہے
 اُسے دیگر ضروریات سے بے نیاز بنانے کے لیے اُن پر خرچ کرنا ہو گا۔ مولانا اشرف علی
 تھانوی فرماتے ہیں کہ اس دور میں صدقہ و خیرات کے سبب زیادہ سستی میں لوگ ہیں۔
 آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ دین حاصل کرنے والے لوگ تنگ
 ہوتے ہیں۔ یہ کوئی دوسرا کام کاج نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے
 دیا ہے کہ یہ لوگ مُخَصَّصُونَ فَاِنْ تَسْئَلِ اللّٰهَ التَّوَكُّلَ کہتے ہیں روک دیے گئے
 ہیں انہیں دوسری دینی تعلیم کے لیے پابند کر دیا گیا ہے۔ دیگر کاروبار کرنے سے
 ان کی تعلیم اور دوسری رو جائیگی۔ لہذا یہ لوگ تہمت سے صداقت و خیرات کے زیادہ سستی میں
 فرمایا سستی فقر کی ایک پہچان تو یہ ہے يَخْشَوْنَ الْجَاهِلَ اَعْيَابَ اَرْضٍ
التَّعَفُّفِ اور اوقات کو ایسے مستحقین کو مال دے سمجھتے ہیں محض اس وجہ سے کہ وہ سوال
 نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ اعانت کے سستی میں۔ ایسے لوگوں کی مثال اصحاب صفہ کی
 ہے حضور علیہ السلام کی مسجد سے قریب ایک بہترہ تھا، اور یہ کھجور کے پتوں کی چھت
 تھی۔ اس مقام پر ایسے لوگ جمع ہتے تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کے لیے
 وقف کر رکھی تھیں۔ بعض اوقات چار سو آدمی بھی مکھے ہو جاتے تھے۔ حضور
 علیہ السلام سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور جہاد میں جانے کی ضرورت پڑتی تو اوجھر
 چل جیتے۔ کوئی کاروبار نہ کیا کرتے تھے۔ مگر سستی بوسنے کے باوجود سوال نہیں کرتے تھے
 حضرت قبیصہؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت! میں
 بہت مفروض ہو گیا ہوں، میری مدد فرمائیے یعنی زکوٰۃ و صدقات میں سے کچھ دلا دیں
 آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو جیسے پاس کچھ نہیں۔ البتہ تم لوگ جاؤ، جب
 کہ فی پیر میرا کچھ تو تمہارے محلے پر عذر کہہ بی گے۔ پھر آپ نے فرمایا قبیصہ
اِنَّ الصَّيْئَةَ لَا تَحُلُ یعنی اے قبیصہ! سوال نہ کرنا حلال نہیں۔ سو اسے بن قسم
 کے آدمیوں کے۔ اول وہ شخص جو ایسے فقر میں مبتلا ہو جائے کہ کسی مٹی میں مل جائے
 یعنی اس کے پاس کوئی چیز باقی نہ رہے۔ دوسرا شخص جس پر کوئی مال نہ پڑ جائے یا

فقر کی پہچان

قرضہ دینا ہے۔ درمیرادہ شخص جس کی قوم کے تین خٹل منہ آدمی گراہی دیں کہ وہ قحیہ شخص بڑا نامور ہے۔ فاقہ کشی کہہ رہا ہے۔ اور اس کے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا ان تین شخصوں کے علاوہ جو کوئی سوال کرتا ہے، وہ حرام کھا رہا ہے۔ اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس مال موجود ہو، اس کے باوجود وہ سوال کرے۔ تو ایسا شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں ہمیشہ ہوگا۔ کہ اُس کے چہرے پر گوشت ہی نہیں ہوگا۔

اہم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس خود رک، لباس اور ہنہ کے لیے مکان کے علاوہ دوسرے ہم کی مقدار میں مال موجود ہو، وہ صاحب نصاب ہی جانتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ اہم، لکٹ فرماتے ہیں جس کے پاس چالیس درہم ہوں، وہ بھی سوال نہیں کر سکتا۔ اہم سفیان ثوریؒ پچاس درہم کے مقدار بتاتے ہیں حتیٰ کہ ایک اور حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس شخص کے پاس دو وقت کا کھانا موجود ہو، اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض اہل فتنہ یا پیشہ ور ہوتے ہیں، جنہیں کچھ اذکار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس اگر چالیس، پچاس یا دوسو درہم سے کم مال ہو تو اُن کے لیے سوال کرنا کی گنجائش ہے۔ دراز سوال کرنا حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ اُن کے متعلق ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے منبر اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرہ پڑے تھے۔ فرماتے ہیں کہ لوگ میری گردن پر پانوں رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مجھے خون کا دروہہ پڑ گیا ہے حالانکہ صابنہؓ الّا الخوج یہ صرف بھوک کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اس قدر زہلوں حالی کے باوجود اپنے کبھی درست سوال دراز نہیں کیا۔ یہ اُن صحابہ کا حال تھا، جنہیں اپنی عزت نفس اس قدر عزیز تھی۔ اس آیت میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ خوش پوش پوش پہنے اور سوال نہ کرنے کی بنا پر نادانقت آدمی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ شخص بڑا مالدار ہے۔ حالانکہ وہ اپنی

حضرت غنیمت کی خاطر سوال سے گریزاں ہے۔ اکبر! آبادی نے اسی پھیر کی لوں ترجمانی کی ہے۔

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ د کرتی ہے
خدا ہی خوب وقت ہے کسی پر کیا گزرتی ہے

آج کے حکم نہ دو۔ میں بھی حضرت غنیمت کی پاسداری کی ہاتی ہے۔ سچ تو شرابی بھی کہتے ہیں الخ بن پائے۔ اسی یعنی ہر آدمی کو راحت دینی مہی پاتے ہیں۔ اگر سے سب کو جس کے ذہن نہ ہونا پڑے۔ اسی سے لائق دانستہ فرمایا کہ ہر کوئی سوال کر سکتے ہیں۔ ۱۰۰ صدقات و خیرات کے زیادہ مستحق ہیں۔

مستحق فقر کی کہ دوسری پہچان یہ فرمائی کہ فقیر فقیر ہے فقیر نہیں ان کی نشاندہی سے پہچانے۔ راجع نشانی یہ ہے کہ ہر کوئی کی رشتہ لاغیر ہوں گے، ان کے چہرہ پر نہ زردی چھائی ہوگی مزید برس نہ لکھتے ہوں ان کے اس احتیاط وہ لوگوں سے لپٹ کر ہوں نہیں کرتے۔ اگر ہر آدمی سزا کرنا ہی پڑے تو یہ وقار طریقے سے کرتے ہیں۔ ہمیشہ درجہ کاریوں کی طرح دیکھتے نہیں پڑے ہاتھ کہ ضرورت سے کہہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اب جو کہ جصاص فرماتے ہیں کہ ان کا فاسد ہے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ناجائز سے سوال نہیں کرتے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر سوال کریں گے تو لوگوں کو علم ہو جائے گا۔ کہ لازمہ میں ہرگز وہ تو اپنی نادرہ می کو ظاہر ہونے ہی نہیں دیتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تعالیٰ بیٹے ہی فرما چکے ہیں۔ کہ سزا نہ کرنے کی وجہ سے تو لوگ انہیں معنی یعنی بالدرتسمہ کرتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگ مطلقاً سوال کرتے ہی نہیں۔

یہ بات نام لور پہ قابل ذکر ہے کہ ہمیشہ درجہ کاری فقر کی ضرورت میں شامل کہ مٹی تر گاہ نہیں ہیں کیونکہ ہمیکہ ماٹن تو سخت محبوب ہے۔ اور جن ناداروں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے ان کی اللہ تعالیٰ نے تعزیت فرمائی ہے۔ کہ وہ اس قدر خود دار ہیں کہ سخت ضرورت کے باوجود سولی سے گریز کرتے ہیں۔ مسلمہ ماکہ میں عمرہ اور جہتے ہاں خصوصاً لوگ جگہ جگہ

بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح چوری، ڈاکہ، قمار، دھوکہ وغیرہ اکسابِ ضارہ ہیں، اسی طرح گدگداری بھی اسی فہرست میں شامل ہے۔ یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ یورپ کی عیسائی، یورپی اور دہریہ اقوام میں آپ کو کہیں بھکاری نظر نہیں آئے گا۔ ان کی حکومتیں اپنے ناداروں کی کفالت کرتی ہیں۔ برطانیہ میں تو بے روزگاروں کو روزانہ گدازہ گدازہ الاؤنس ملتا ہے۔ جب تک کسی شخص کو کام مہیا نہیں کیا جاسکتا، اُسے گدازہ گدازہ کے لیے وظیفہ دیا جاتا ہے۔ لہذا وہاں پر گدگداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سوال سے بچنے کا اصول تو اسلام نے پیش کیا تھا مگر ایسے اغیار نے اپنا لیا اور جو مسلمان اس سے محروم ہو گئے۔ ہم اُسے حکمران اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ گدگداری بڑی بڑی فحشیت ہے اور عزت نفس کے خلاف ہے۔ اس کا ستر باب ہونا چاہیے۔

فَرَمَا وَمَا تُفْقُوْا مِنْ خَيْرٍ بِهٖ اِيْمَانٌ وَالْوَلُوْا اَقْرَبُ حَتّٰى يَخْرُجَ كَرۡهًا ۗ فَاِنْ كَانَ مِنَ الْوَالِدِ اَوْ الْوَالِدِ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَوْ مِنْ نِّسْبَةٍ فَلَا مَرَدَ عَلَيْهِمْ اَشْءٌ مِّمَّا فَرَغَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ مِثْلَ هٰذَا فَاِنَّهُ يَفْعَلُ مِثْلَ مَا يَخْرُجُ ۚ

ترجمہ کر دے کہ صدقات سے متعلق احکام میں اللہ نے آخری بات یہ سمجھائی کہ تمہارے صدقات کے سب سے زیادہ حقدار کون ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو دین کا کام فاقوٹی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ مگر سوال نہیں کرتے۔ سلف صالحین میں ایسے بزرگوں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ، ان کے استاد عبد اللہ بن ابی بن جہانمؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ، امام بخاریؒ وغیرہم ایسے بزرگ ہیں کہ علم دین کی خاطر لمبے لمبے سفر کیے۔ بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ مگر سوال نہیں کیا۔ امام ابن جریرؒ کے متعلق آتا ہے کہ حصولِ تعلیم کے لیے رخصت ہونے لگے تو والدہ نے در سوکچہ تیار کر کے ساتھ لے دیا۔ فرماتے ہیں کہ پوسے در سوکچہ ان کپڑوں پر گزار دیا، ہر روز ایک کچھ کھا کر پانی پیتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔ کسی سے سوال نہیں کیا۔ یہ وہی عشر قرآن ہیں۔ جنہوں نے قرآن پاک کی سب سے بڑی تفسیر لکھی ہے۔ آپ چالیس سال تک بغداد میں مقیم رہے، ہر روز چالیس روق لکھتے تھے۔ آپ کی وفات

دین کی خدمت

کے بعد حساب لگائیگی تو معلوم ہوگا کہ آپ نے زندگی میں ہانچ سو پونڈ سیاحی استعمال کی۔ یہ ان لوگوں کے کام کی برکات ہیں کہ دین کا قافلہ چل رہا ہے۔ ورنہ اگر اس زمرے کے بھکاریوں کی بات ہوتی تو پھر دین کا اسٹریٹ سافٹ تھا۔ اسی سلیٹ فرمایا کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ کس نیت سے خرچ کر رہے ہو۔ اگر اس پر خرچ کر رہے ہو۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے خرچ کی بہترین مدد بھی بیان فرمادی۔

تِلْكَ نَارُ ۳

بَقَرَةُ ۲

نہیں دیکھ سکتے ہیں ۱۲

آیت ۱۴۹ تا ۱۵۸

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْإِثْرِ وَالْإِثْرُ سِرٌّ وَعَلَانِيَةٌ
فَالَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۴۹﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ تَرَبُّوا لَا يَقُومُونَ
إِلَّا كَمَا يَقُومُ لَدَىٰ يَخْبُطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الْبُرْجَاءِ وَأَحَلَّ لِلدَّائِبِ
وَحَرَمَ تَرَبُّوا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَبِهْ
فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَىٰ مَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۵۰﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ
الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ
لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَجْرًا مِمَّا قَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَنفَقُوا الزَّكَاةَ هُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: یا وہ لوگ جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات کے وقت اور دن کے وقت پریشانی
طوریہ اور ظاہری طور پر ان کے لیے ان کے لیے جب کہ پاس پر ہے۔ اور وہ ان پر خوف ہوتا
اور وہ وہ نکلیں ہوں گے ﴿۱۴۹﴾ وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ نہیں ٹھہر سکتے ہوں گے۔
مگر اس شخص کو طرح جس کے حواس شیطان محکم کر دیتا ہے چلتے کی وجہ سے۔ یہ
س میں کہ بلیک انہوں نے کہا کہ بیشک سود گری کسی سود کی مثل ہے۔ حلال الزکوٰۃ
نے سود گری کو حلال قرار دیا ہے۔ سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس کے یہ نصیحت

گئی اسکے رب کی طرف سے پس وہ ملک پہنچا جو کچھ ہو چکا وہ اسکے لیے ہے اور اسکا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور ہمیں نے پٹ کر کیا پس یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ ہیں (۲۴۱) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ درمذہبیان شکر گزار درگنہ کو پسند نہیں کرتے (۲۴۲) بلکہ وہ لوگ جڑیاں لٹاتے اور جنوں سے ایچھے بدمعے درخماز قمار کی اور زکوٰۃ نہ کی۔ ان کے لیے ان سے بربکے پاس جہنم۔ ان پر عذوب ہوگا۔ ان نہ وہ نکلیں ہوں گے (۲۴۳)

گزشتہ سنی درمذہبیان میں صدقہ کا بیان آیا ہے۔ اور گزشتہ درس میں صدقت سے متعلق ساتویں بات تھی اس کے بہتر میں صرفت کا ذکر تھا۔ اب آج کے درس میں سچے صدقات ہی کے ضمن میں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ وہ پھر اس کے مقابلے میں سود کی مذمت ہے۔ صدقہ و خیرات کرنے سے انسان کے اندر فیاضی کم اور پیڑا ہوتا ہے ورنہ دور ہوتا ہے۔ اس کے مبدی انسان کے اندر بنی نیرت انسان کے لیے جہاد بہر دی پیدا ہوتا ہے۔ اسکا یہ اخلاق کی تعمیل ہوتی ہے۔ اور پھر یہی معاملہ انسان کی نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جو عذوب اس کے سود خرم میں کل کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اخلاق کا جنازہ نکلتا ہے۔ اور ان کو وہ سود پر مار جمع کرنے کی حرص پیدا ہوتی ہے۔ انسانی ہمدردی اور فیاضی اٹھ جاتی ہے سود و خیرات ملگ ہیں اور ظلم بن جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے اس کا دین تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْبَاغِي مَوْكَلِهِ۔ ملا اللہ تعالیٰ نے سود لینے سے اور شینے والے پر۔ اسکی دستاویز کے قاتل و گواہان سب پر لعنت کی ہے اور صدقہ و خیرات کرنے والوں پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تو ان ایات میں اللہ تعالیٰ نے دونوں متضاد چیزوں کو اکٹھا بیان کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خیرات کے چار مستحقین مرقع بیان کیے ہیں۔
لَا يَرْفَعُ رُتَبًا وَلَا يَنْفَعُونَ هَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ وَلَا يَنْفَعُونَ هَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ وَلَا يَنْفَعُونَ هَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ

صدقہ کے
چار نوازے

مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات اور دن مستحقین کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اہل ایمان چار حالتوں میں خرچ کرتے ہیں، وقت کے لحاظ سے رات ہوگی یا دن ہوگا اور حالت کے لحاظ سے پوشیدہ طور پر ہوگا یا ظاہر ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ اس آیت کے مکمل مصداق تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے پاس اگر چار درہم آگئے ہیں۔ تو انہوں نے ایک رات خرچ کر دیا، ایک دن کے وقت ایک پوشیدہ طور پر خرچ کر دیا اور ایک کسی عام مجلس کے اندر، اور اس طرح اس آیت کے سبب پورے اہل کلمہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس چالیس ہزار درہم آ گئے۔ انہوں نے بھی قرآن پاک کے حکم کے مطابق انہیں چار حصوں میں تقسیم کیا۔ دس ہزار درہم رات میں خرچ کیے، دس ہزار دن میں پھر دس ہزار پوشیدہ طور پر اور دس ہزار علانیہ خرچ کیے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بہت بڑے تاجرانہ مالدار تھے۔ آپ بھی خرچ کرتے وقت چاروں موقع کا خیال رکھتے تھے۔

یہاں سے یہ بات افہم ہوتی ہے کہ صدقہ خیرات کے لینے کوئی خاص وقت یا کوئی خاص جگہ معین نہیں ہے۔ بلکہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں اور نظامِ ہر باطنی حالت میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَالْهَمُّ أَجْرُهُمْ اور عَمَلُهُمْ۔ یعنی لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے وہ ضرور اس اجر سے مستفید ہوں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وہ مستقبل میں پیش آنے والے کسی خطر سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ اور نہ ہی گنہگار ہوں گے۔ زندگی پر انہیں کسی قسم کا افسوس اور غم ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں سچی اور بھلائی کا کام کیا ہے۔ وہ اللہ بھر ہوں گے۔

اس آیت پاک سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ و خیرات کے لینے کوئی خاص وقت یا دن مقرر نہیں کیا۔ کہ ضرور فلاں دن اور فلاں وقت پر ہو۔ بلکہ ہر روز اور ہر وقت خیرات ہو سکتی ہے۔ مگر اکثر لوگ اس کے لیے جمعرات کا روز یا ہفتہ کی گیارہویں تاریخ مقرر کرتے ہیں۔ شعبان کی پندرہویں اور رمضان کی سترہویں

ایصالِ ثواب
کے لیے تعیینِ وقت

تاریخ بھی بطور خاص مقرر کی جاتی ہے۔ یہ چیز ضرور لا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی پابندی عاید نہیں کی۔ البتہ جس چیز کی پابندی ہونی چاہیے، وہ یہ ہے کہ جو کچھ حسرتی کیا جا رہا ہے، وہ حلال کھانی سے ہو۔ دن رات اور تاریخ کا کوئی تعین نہیں۔ عربیہ ممالک کی مذمت کرنی ہے۔ کو کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے۔ نیت و سہارنی چاہیے۔ محسن اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ مردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے تیسروں، ساتویں، رسول، یا چالیسویں دن ہی کیوں ضروری ہے۔ اسی طرح مردوں کے ثواب کے لیے جمعرات کی شخصیت بھی ناقابلِ فہم ہے۔ یہ محض ڈھونڈ اور غلط فہمی ہے۔ حد قدوسیت کے لیے کوئی تاریخ اور کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، خود ساختہ شریعت کے احکام ہیں۔

سود کی مذمت اور حرمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الْبَنَاجِلَ يَعْنِي جَوَلُوكَ سُودَ كَهَاتِهِ مِنْ أَنْ كِي مَنْ أَلِی سَبَّ مَام بِضَاوِي فَرَمَاتِهِ هِيَ مَك أَسْ أَبَتِ مِنْ أَمْرٍ تَعَالَى نَے سُود كُھانے کا ذکر فرمایا ہے لیکن مرا اس سے یہ یاد دینا ہی ہے، صرف کھانا لاؤ نہیں۔ یہاں پر کھانے کا ذکر اس سے کیا گیا ہے کہ انسانی زندگی کھانے پینے پر منحصر ہے اور یہ انسان کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی محنت مزدوری، کام کاج کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہیٹ کی خاطر یہ کچھ کیا جا رہا ہے۔ آدمی کو در وقت کی روٹی تو ضرور ملنی چاہیے، باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ قرآن عام عاصب فرماتے ہیں کہ اس مقام پر کھانے کا ذکر انہی منزل میں کیا گیا ہے۔ تاہم سود کھانے سے مراد سود کا لین دین، اور ہر قسم کے اٹھان میں شامل فرمایا جو لوگ سود کھاتے ہیں لَا يَقُومُونَ وہ قیامت کے دن نہیں کھڑے ہو سکے اپنی قبروں سے الَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ الْعَنَقِ مَنْ اَسْ شَخْصِ کی طرح جسے شیطان نے ٹپٹ کر مخبوط الحواس کر دیا ہو جب کسی شخص پر جن اثر ڈالتا ہے۔ جسے جن کا سایہ یا جن کا چمٹنا کہتے ہیں۔ تو وہ شخص اپنے ہوش و حواس قائم نہیں رکھ سکتا۔ اچھے طریقے سے بھڑانیں ہو سکتی، طرح طرح کی

سود خور کی حالت نامہ

حرکتیں کرتا ہے۔ تو فرمایا قیامت کے دن سود خور کی بھی یہی حالت ہوگی۔ جب وہ قبر پر سے اٹھیں گے تو ان کے پاؤں لٹکھڑکتے ہوں گے۔ اور ان پر جنوں کی سی کیفیت طاری ہوگی۔ یہ ان کے یہ سود خوری کی سزا ہوگی۔

جن کا انسان کو چمپٹ جانا اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی نیکوئی کرتا ہے۔ جس سے شیاطین کو تحریک ملتی ہے تو وہ لوگوں کو چمپٹ کر رکھتا ہے۔ مبتلا کر دیتے ہیں۔ جنات کی مختلف قسمیں ہیں۔ جیسا کہ سورۃ جن میں آتا ہے ”هَٰذَا الْمُسْلِمُونَ“ ”وَهَٰذَا الْقَبِطِيُّونَ“، بطرح انہوں میں یمن و مکہ و فاس و غیرہ ہوتے ہیں، اسی طرح جنہوں میں بھی ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ انہوں کو نظر نہیں آتے کیونکہ ان کا فارغ نگین زیادہ لطیف ہے۔ انسانی آبادی کی طرح یہ دنیا جنوں سے بھی بھری ہوئی ہے۔ وہ بعض اوقات انہوں کو چمپٹ جاتے ہیں، جن لَصِیَّطُتِ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں پنجاب میں کچھ مصنوعی اور جعلی کاروبار بھی ہوتا ہے۔ عامل لوگ ایسے واقعات اور تجربات چٹھا کر بیان کرتے ہیں۔ اکثر عورتوں کو بعض بیڑیاں ہوتی ہیں، مگر عالمین شے ہی جانت چٹھنے پر چھو کر دیتے ہیں۔ حالانکہ بیماری کا علاج یہی طریقہ ہی کہنا چاہیے۔ یہ اعتقاد کی کمزوری اور جہالت کا نتیجہ ہے۔ وگرنہ حقیقی طور پر جن چٹھنے کی کیفیت تو سب کو معلوم ہی ہے کہ انسان کیسی کسی حرکتیں کرتا ہے۔ اور کس طرح حواس باختہ ہو جاتا ہے۔

تجارت بہ برہہ فرمایا سود خور قیامت کے روز قبر سے حواس باختہ اٹھ گیا۔ ذٰلِكَ يَكْفُرُ اَسٰی کی وجہ یہ ہے کہ قُلْ اَلَا اُنْعَمٰ اَلَيْسَ مِثْلُ النِّعَمِ اَنْزَلْنَا مِنْ سَمَوٰتِنَا مَاءً فَخَرْنَا مِنْهُ خَبثَاتٍ کَثِیْرًا مِّنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَیُزَوِّیْهِمْ فِرْقٰنٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَمِنْ اُولٰٓئِکَ یُجۡزٰی سَوَادٌ مِّنْہُمۡ وَاٰیٰتِہٖ لَکُمْ فِیۡ ہٰذَا لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ اور پھر اس میں نفع نکالتے ہیں۔ اس طرح سام جو کار بھی اپنی رقم لگاتا ہے۔ اور اس پر یہ نفع دیتا ہے۔ سود خور کا یہ نظریہ ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں شے سراب جیسا ہے کہ سننے اور حائل حرام میں عدم تمیز کا جنون ہو چکا ہے۔ اسی لیے یہ سود کو تجارت کے برابر قرار دے رہا ہے، حالانکہ منافع کی جنس کے بدلے میں ہوتا ہے۔ ایک شخص کوئی چیز

بیچتا ہے۔ اور پنی لاگت سے زیادہ وصول کر کے نفع کھاتا ہے۔ مگر سود میں تو کسی چیز کا تعلق ہی نہیں ہوتا۔ سود خود نہ کوئی چیز خریدتا ہے۔ اور نہ اُسے بیچتا ہے۔ بلکہ صرف روپیہ اور عمارتیں پر سود دیتا ہے۔ جو قطعاً حرام ہے۔

سود دو شکلوں میں ہوتا ہے۔ ارحا کی شکل میں یا اجناس کی صورت میں۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قرض کے طور پر کچھ رقم دیتا ہے۔ اور پھر مقررہ مدت کے بعد اصل رقم کے ساتھ کچھ زائد بھی لیتا ہے۔ تو یہ عریضاً سود ہے۔ کیونکہ قرض دینے والے نے اس میں محنت کی ہے۔ نہ وقت دیا اور نہ صلاحیت صرف کی ہے۔ وہ شخص اپنی رقم کے بل بوتے پر مقررہ نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جو سود ہے۔

جنس کی صورت یہ ہے۔ کہ کوئی شخص جنس کسی دوسرے شخص کو مقررہ مدت کے لیے دے اور پھر واپسی پر ادا شدہ جنس سے زیادہ لے۔ یہ بھی سود ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **اَلدَّهَبُ بِالدَّهَبِ** یعنی حباب جنس کا لین دین ہو۔ اور ایک جنس کا تبادلہ ہو۔ تو برابر برابر ہونا چاہیے۔ سونے کے بدلے سونا ہو، چاندی کے بدلے چاندی ہو، نمک کے بدلے نمک ہو۔ جو کہ بدلے جو گندم کے عوض میں گندم ہو تو برابر برابر ہی کی بنیاد پر اور دست بردست ہونا چاہیے۔ جو کوئی ایک سیر گندم دیکر دوسرے گندم واپس لے گا تو یہ سود ہوگی اسی طرح ایک سیر گندم کے بدلے جو گندم کے بدلے ایک سیر چاول واپس لے لے تو یہ بھی سود ہوگا۔ اگر اجناس مختلف ہوں تو شرح تبادلہ میں کمی بیشی جائز ہے۔ مثلاً ایک سیر گندم کے بدلے میں دوسرے جو لے سکتا ہے۔ ایک تولہ سونے کے عوض کئی گنا زیادہ چاندی حاصل کی جا سکتی ہے۔ علیٰ ذہن لقیاس۔ مگر سب پر ستر طریقی ہے۔ کہ سود درست درست ہو۔ اگر اس میں ادھار کیا ہے۔ اور اس درست معوض میں کچھ زیادہ مل کر یا تو یہ ہو جاتا ہے۔

۱۸) ماگت فرات۔ کہ جو چیز بھروسہ نہ رکھ سکتی ہے۔ جیسے گندم۔ جو چناؤ خیر و اور وہ اپنی قیمت بھی نہ رکھتی ہے۔ اس میں اگر ادھار کی بنیاد پر کمی بیشی ہو گی تو یہ سود ہوگا۔ اہم شافعی اور ہر احمد بھی خود ان اشیاء میں یہی حکم دیتے ہیں۔

ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی جنس جس کا وزن یا پیمائش ہو سکتی ہے۔ اس کے تباہی میں کمی بیشی کر گیا۔ تو سود شمار ہوگا۔ لہذا ہر ایک سیر یا دیگر دوسری چیز سے نہیں سکتا، ایک میں چونا یا دیگر ڈیڑھ من وصول نہیں کر سکتا۔ عرض کیا کہ ہر وہ چیز جو وزن یا پیمائش میں آ سکتی ہے۔ اس کا تبادلہ بڑبڑی کی بنیاد پر ہو، تو جائز ہے۔ مگر زیادہ وصول کیا۔ تو پھر بڑبڑی فرمایا سود و غرر میں کا نظریہ یہ ہے۔ کہ تجارت سود کی مثل ہے **وَاحِلَ اللّٰهُ اَبِيْعَ وَحَدَّثَنَا ابُو الْيَاقُوْبِ** حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔ اور سود کو حرام کیا ہے تجارت میں کمی منافع ہوتا ہے اور کبھی نقصان کا احتمال بھی ہوتا ہے جب کہ سود ایک مقرر منافع ہے جو ہر صورت رقم دہندہ کو وصول ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے اندر حضور نبی کریمؐ نے فرمایا، سود بالکل چھوڑ دو، سابقہ تمام سود ختم ہو گئے۔ فرمایا میرے خاندان میں جو سود وصول کرتے تھے، وہ بھی میں نے ختم کر دیا۔ اب کسی کو سود کی رقم لینے کی اجازت نہیں۔ **سَبَّحَ** پہلے حضورؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود ختم کیا، اور فرمایا کہ اصل قرضہ واپس سے لے سکتا ہے۔ مگر سود کا ایک پیسہ تک لینے کی اجازت نہیں۔ تمام سود مٹا دیے گئے۔

سابقہ سود
کے حلال

فرمایا **لَقَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ** جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی۔ یعنی سود کی حرمت کا حکم پہنچ گیا۔ فانتھنی تو اس شخص نے سود لینا چھوڑ دیا۔ **قُلْنَا مَا سَلَكَتَ** تو جو کچھ ہو چکا وہ اس کے لیے ہے۔ یعنی جو سود حاصل کر چکا ہے۔ اس کا کچھ مواخذہ نہیں یعنی حرمت سود کا قانون آنے سے پہلے سود کی جو رقم سے چکا ہے۔ وہ اس کی ہو گئی، اب اس کی واپسی کی ضرورت نہیں۔ **وَاَمَّا رَأٰی اللّٰهِ** اس کا معاملہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ اسے معاف کر سنے پر قادر ہے۔ تاہم یہ اس کی نیت پر منحصر ہے۔ کہ اس نے دل سے اللہ کے حکم کو قبول کر لیا ہے۔ یا محض دکھ دے کے لیے سود لینا بند کیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسے شخص کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ **وَمَنْ عَادَ** اور جو کوئی دوبارہ سودی کاروبار شروع کرے گا۔ **فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ** وہی لوگ اہل جہنم ہیں **هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ**

وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ جاننے کے بعد جو شخص سوئی
 لیں دین سے باز نہ آیا، تو وہ اسی لائق ہے کہ جہنم کے گڑھے میں پھینک دیا جائے۔
 جہاں سے کبھی چشمہ کار نہ ہو۔ اگر اُس نے سود کو حلال سمجھ کر کھایا ہے، تو پھر تو قطعی کافر
 ہے۔ اور حلال تو نہیں جانتا مگر کھا رہا ہے، تو بھی شدید درجے کا گنہگار ہے اور دوزخ
 کا مستحق ہے۔

حرمت ہونے
 کی حکمت

سود کے وضع احکام بیان کرنے کے بعد، اسکی حکمت بھی بیان فرمادی۔
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَللّٰهُ تَعَالٰی سود کو مٹاتا ہے۔ سود کا جتنا بھی مال اکٹھا کر لو، مگر
 انجام کار اس سے فائدے کی بجائے نقصان ہی پہنچے گا۔ ایسا مال اکثر تعلیش کے
 کاموں، کھو و لعب، بیڈ بازی، آتش بازی، بے جا فیشن یا غطرسم و درواز کی نظر
 ہو جاتا ہے۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت کے مصداق حرام کے مال سے صحیح
 نتائج مرتب نہیں ہو پاتے، اس میں خیر و برکت نہیں آتی، انسان سکران قلب سے محروم
 رہتا ہے، حرص بڑھتی رہتی ہے، باقی لوگ خواہ بھوکے رہ جائیں، ایسے مال اکٹھا کرنے
 سے غرض ہے، یہ سب نقصان دہ چیزیں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
 سود کو مٹاتا ہے۔ وَيُزِيْلُ الصَّدَقَاتِ اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ زکوٰۃ و صدقات
 دینے والے کے مال میں اللہ تعالیٰ برکت بخلا کرتا ہے۔ صدقات کا جذبہ بنی نوع انسان
 کے ساتھ ہر مذہبی اور خیر شالی کا جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے مال میں دنیا میں بھی
 اضافہ کرتا ہے۔ اور آخرت میں تو سات سو گنا تک بکد اس سے بھی بڑھا چڑھا کر اجر عطا
 ہو گا۔ اللہ مالک الملک کھجور کے ایک دانے کو ادا ہوا جتنا بڑھا کر معاوضہ دے گا۔
 صدقہ و خیرات کی یہ برکات ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے۔ وَلِلّٰهِ رِجَابُ
 كُلِّ كَفَّٰرٍ اَيْ سِیِّئُو اللہ تعالیٰ ناشکر گزار اور گنہگار آدمی کو پسند نہیں کرتا، جو شخص
 اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو چند دن کے لیے کسی کو ادا نہ کر دیتا، کسی
 غریب و لاچار کی مدد نہیں کر سکتا، کسی بھوکے کو کھانا نہیں کھلا سکتا۔ اللہ ایسے ناشکر گزار
 کو پسند نہیں کرتا۔ اور پھر جو شخص اٹا کسی کی مجبوری سے غلامہ اٹھا کر اسے سود پر قرض

دینا ہے۔ اس کا خزان چوسا ہے۔ وہ پہلے ہی کھنڈور ہے۔ اس پر اور مالی بوجھ ڈالا ہے۔ وہ شخص سخت گنہگار ہے۔ اور اللہ علیہ السلام کو بھی ہرگز پسند نہیں کرتا۔

احکام الہی کی خلافت درزی کرنے والوں کے برخلاف ان لڑکھنوں جو

اہل ایمان کے
یہ بخلت

دل ایمان لائے دیکھو! لکھتے اور نیک اعمال کئے۔ یعنی ولادہ اہل ایمان میں

ان کا عقیدہ صحیح ہے۔ تو حید خداوندی پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ بعثت بعد الموت پر یقین

ہے۔ کتب کا دیر پہ ایمان ہے اور ثانیاً وہ اچھے اور شائستہ کام انجام دیتے ہیں۔ ہوائی

سے بچتے ہیں۔ بالخصوص وقت مقررہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ جو کرام العبادۃ

المقربہ اللہ کا تقرب دلانے والی چیز ہے۔ اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس کے

علاوہ اَللّٰہُ تَعَالٰی تَرْکُوۡہُ تَرْکُوۡۃً یَّہٰی ادا کرتے ہیں۔ یعنی بدنی عبارات کے ساتھ ساتھ

مالی عبادت بھی کرتے ہیں۔ ان کے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ بخل سے

محفوظ ہیں۔ لَہُ دُہَاۡ اَجْرُہٗ دُہَاۡ مَیۡتَہٗ تَرٰہُمُہٗ اُن کے لیے اُن کے رب کے

ہاں اجر مقرر ہے۔ اُن کے نیک اعمال کا ایک ایک ذرہ محفوظ ہے، اگر نہی کے

دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہے۔ تو اللہ کے شائع نہیں کرتا، بلکہ اس کا بدلہ سات

سو گنا تک یا اس سے بھی بڑھا کر عطا کرتا ہے۔ ایسے ہی نیکو کار لوگوں کے متعلق

فرمایا وَ اَزۡحَکُوۡہُ عَلَیۡہُمُہٗ ز۔ نہیں اس دنیا میں کسی قسم کا خوف ہو گا۔ وَ لَا هٰۡ

یَحۡزَنُوۡنَ دُہَاۡ مَیۡتَہٗ میں وہ کسی غم و فکر میں مبتلا ہوں گے۔ قیامت کا ڈر تو ہر

ایک کو ہونا چاہیے۔ مگر حقیقت میں وہ اپنے اچھے اعمال کی وجہ سے مامون ہونگے

برخلاف اس کے اللہ کے احکام کی خلافت درزی کرنے والے سخت مغموم ہوں گے۔

پہلے لوگ قیامت کے دن اپنے ایک پریشان ہونگے اور کہیں گے یٰۤاَسۡفُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمْ

فِیۡ حَیۡۃِ النُّفُوسِ اللہ کی دی ہوئی ہمت سے میں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور

آج قیامت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہو گیا۔ بہر حال ایمان اور اعمال صالحہ

کے حامل لوگوں کو نہ خوف ہو گا۔ اور نہ کسی قسم کا غم ہو گا۔

تِلْكَ اَنْزِلُ ۳

اَنْزِلُ ۲

درس یکم ص ۱۳۳ (۱۳۳)

آیت ۲۸۱ تا ۲۸۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُّوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۸۱﴾ فَإِن لَّمْ تَقْعَلُوا فَاذْكُرُوا يَحْزَبَ مِنْ لَّدُنْهُ وَسُؤْلُهُ إِنَّ تُبْتُمْ فَلَكُمْ زُورٌ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۸۲﴾ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرٍ فَنُصْرَةٌ لِّمِيسْرَةٍ وَإِن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۳﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ فَتَعْلَمُونَ ۖ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۴﴾

۲۸۴

تو جس حد تک میں (یا خدا) اللہ سے ڈرو، درحضور رہی رہا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم (حقیقت میں) ایمان لا رہے ہو (۲۸۱) اور اگر تم نے ایمان نہ کیا، پس سن لو اللہ در اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کا پیغام دے گا، اور اگر تم کو یہ کہہ کر، تو تمہارے اصل دین تمہارے ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائیگا (۲۸۲) اگر وہ شخص تنگ دستی والا مفرد میں ہے، پس اس کو دولت دینی چاہیئے (سود کی نمک) اور یہ کہ تم صدقہ کرو (بخش دو) یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو (۲۸۳) اور اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کے سامنے لوٹنے کا بار لگے، پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جو اس نے کمایا، اور اُن پر کسی طرح ظلم نہیں کیا جائیگا (۲۸۴)

درست

صدقہ و خیرات کی فضیلت کے بعد اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت اور مذمت بیان فرمائی۔ گذشتہ درس میں سود و خور کی قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے کی حالت کا تذکرہ تھا۔ کہ وہ اپنی قبروں سے اس طرح مغرور و انحوس اٹھیں گے جیسے اُن کو جین چھٹ گیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں مال جمع کرنے کی فکر

میں سے قدر اذیت ہو سکتے کہ ان کے نزدیک تجارت اور سود میں کوئی امتیاز نہ رہا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ سود کی حرمت کے نفاذ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے دو طریقے بتائے ہیں۔ پہلا طریقہ تو گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔
 "فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ يَتْلُوهَا فَاُولَٰئِكَ يَتْلُوهُنَّ لِيَكُونَ لَهُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَيَعْلَمِ اللَّهُ مَن يَكْتُم سُوءَهُمْ أَفَلَا يَعْلَمُونَ" (سورہ بقرہ ۲۳۹)
 سے باز رہنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ اللہ کا حکم مان کر سود سے کنارہ کش ہو جائے تو بہتر و گزر ایسے لوگ اَصْحَابُ الشَّارِ ہیں۔ ان کا گناہ ناقابل معافی ہے۔ "هَٰؤُلَاءِكَ خَسِرُوا فَنَافَعُهُمْ" یہ دامن نہیں ہیں۔

سود کی لعنت سے نجات دلانے کا دوسرا طریقہ تعمیری عمل ہے جو آج کے درس میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ حکومت اسلامی ہو اور وہ اسلامی احکام کا نفاذ کرے اور پھر ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف تعمیری کارروائی کرے۔ کسی بھی ملک و قوم کے لیے معاشی مسائل بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر یہ نظام درست ہو جائے، تو لوگوں کے بیشتر دنیوی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں سود ایک بنیادی رخنہ ہے۔ جسے دور کیے بغیر لوگوں کی معاشی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ لہذا ایک اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ کہ ملک کو سود کی لعنت سے پاک کرے اور اس راستے میں آنے والے ہر روٹے کو ہٹائے، اور یہ چیز تعمیری قوانین کے ذریعے حاصل ہوگی، جس کا ذکر آج کے درس میں آ رہا ہے۔

شانِ نزول نماز جاہلیت میں طائف میں آباد قبیلہ بنو ثقیف کے کچھ لوگ سودی کاروبار کرتے تھے۔ مکہ میں آباد بنو مغیرہ نے بنو ثقیف کے مقروض تھے۔ انہوں نے سود پر دوپہرے رکھا تھا۔ جب اسلام کی شہر نے خطہ عرب کو منور کیا، تو یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے۔ چونکہ بنو ثقیف کی رقم بنو مغیرہ کی طرف واجب الادا تھی، اول الذکر نے اپنی اصل رقم مجبوراً سود مطابریک کیا، تو بنو مغیرہ نے جواب دیا کہ اسلام میں قرضہ کا لین دین جائز نہیں ہے۔ لہذا اس تمسار و دعویٰ درست نہیں ہے۔

آخر معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر مکمل کر دیا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ وَذُرُوا صَافِي هَيْبَتِكُمُ الْيَتِيمَ اور سود کی بقیہ رقم چھوڑ دو جو یتیم کا مطالبہ نہ کرو۔ اب یہ تمہارے لیے رہنمائی ہے۔ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اگر تم فی الحقیقت مومن ہو، جی اگر سچے دل سے استدار اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہو، تو سود کا خیال قطعاً دل سے نکال دو۔

اس آیت پاک میں سود خور دل کے لیے تحذیر کا بیان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے مسلمان حاکم کا فرض ہے کہ سودی کاروبار کو ختم کرنے کا انتظام کرے اور اگر سود خور سود خوری سے باز نہ آئیں تو پھر ان کے خلاف جہاد کیا جائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَإِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا یعنی سود لینے سے باز نہ آئے، تو پھر فنا کرو يُحِبُّ قِبَلِ اللَّهِ کہ اللہ کے رسول اور اس کے رسول کی طرف سے شرابی کا جلیج سن کر تمہارے خلاف جنگ ہوگی یہاں تک کہ تم اس قلع حرکت سے باز آ جاؤ۔ وَإِنْ تَبَيَّنْ پھر اگر تم نے توبہ نہ کر لی۔ سودی کاروبار کو ختم کر دیا، فَكُنْ زَعِيمًا تو تمہارا اصل ذرہ تمہیں مل جائے گا۔ اور اس رقم پر جو سود تنگایا گیا ہے۔ وہ نہیں ملے گا۔ وہ چھوڑ دینا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان حاکم کا فرض ہے کہ سود خور سے توبہ کرائے کہ ائذہ کے لیے سودی کام سے قطعاً دست بردار ہو جائے۔ اگر اُس نے یہ کیا کر دیا تو معاملہ ختم ہو گیا اور اگر کوئی شخص توبہ سے انکار کرتا ہے، تو حاکم اسے سزا دینے کا پابند ہے، اور یہ سزا سزائے موت بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت حسن نصریؓ اور ابن میریؓ عجز، بعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر سود خور توبہ نہ کرے تو اسلامی نظام کے تحت ایسے شخص کا سر تلوار سے قلم کر دینا چاہیے۔ اب سود لینے والا اور طرح کا سودی کام ہے اگر ایسا شخص جو سود کو حرام نہیں سمجھتا، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور سزا سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسلام کے

سود خوروں کے لیے تحذیر

چیز ہے۔ بہر حال سورہ کے متعلق بعض تفصیلات بیان ہو گئیں، کچھ مزید باتیں سورہ آل عمران اور سورہ روم میں بھی آئیں گی۔

سورہ کے مسائل بیان کر سنے کے بعد فرمایا کہ اگر ان احکام پر عمل نہیں کر دے۔ **خزوت بن عباس** تَرَوْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَكُونُ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اُس دن سے ڈر جاؤ جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے جاؤ گے یعنی قیامت کا دن آنے والا ہے۔ دہلی پر ہر شخص کا مہر ہو گا ثُمَّ نُنْفِثُ كُفْلَهُمْ مَآ كَسَبَتْ پھر ہر نفس کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائیگا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مفسرین کو تم فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی آیت ہے۔ اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اس سے پہلے حضور علیہ السلام کی وفات سے تین ما قبل حجۃ الوداع کے موقع پر عرذہ اور جمعہ کے دن الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ والی آیت نازل ہوئی تھی۔ مگر یہ آیت وَتَقُوا يَوْمَئِذٍ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق اس آیت کے نزول کے بعد آپ اس دنیا میں ۲۲ دن تک تشریف فرما رہے۔ شاہ رفیع الدین کی تفسیر کے مطابق آپ صرف تین دن بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ بہر حال حجۃ الوداع والی آیت کے ذریعہ اللہ نے تکمیل دین کا اعلان فرمایا اور پھر اس آخری آیت میں محاسبہ کی یاد دلائی کہ اُسے وحی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اس آیت کو سورہ القدر میں اسی مقام پر رکھنے کا حکم بھی خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے دیا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ

الْبُفَسْرَةُ

دریں یکصد و بہشت (ص ۱۱۳)

گیت ۳۸۲ حوالہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ قَدْ يَنْتَعِبُ يَدِينِ إِلَىٰ أَحَبِّ مُسْمَىٰ
فَكَتَبُوهُ وَلَيْكَتَبَ بَيْنَكُمْ كَاتِبًا بِالْعَدْلِ وَلَا يَب
كَاتِبًا لَّن يَكْتَبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَيَكْتَبُ ۚ وَلِيُصِلِ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَّقِيَ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ مِنْهُ
شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا
وَلَا يَسْتَضِيعُ أَنْ يُمِيزَ أَلْفًا مِّنْ مِّائَةٍ وَلَا يَمِيزَ مِائَةً

تو ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اپنے آپ کو دعا کے معاملہ میں گرفتار وقت پر مہرہ کر
تو اس کو لکھ دیا کرو۔ اور چاہیے کہ وہ بات سے درمیان لکھ کر لی لکھنے والے نصیب کے
معاقدہ دروازہ کو کتب کوئی کاتب (لکھنے والا) اس بات سے کہ وہ لکھے جیسا کہ اس کو
اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ اور اس کو چاہیے کہ وہ لکھے جسے۔ اور چاہیے کہ لکھوئے وہ شخص
جس کے پر حق ہیں۔ اور اس کو چاہیے کہ منہ سے ڈرنا ہے جس کو یہ پورا دنا رہے اور
اس میں سے کسی چیز کو کم نہ کرے۔ اور اگر وہ شخص جس کے پر حق ہے اسے بھول ہے یا
کمزور ہے یا لکھنے کی طاقت نہیں رکھتا پس چاہیے کہ لکھوئے اس کا سر پر دست
انصاف کے ساتھ۔

اس سورتہ کے چھتیسویں رکوع سے مالی مسائل بیان کرتے ہیں۔ پہلے عقدہ و
حیرت کے متعلق مختلف مسائل کا ذکر ہے۔ پھر سود کی رسمت اور اس کے احکام بیان
کئے۔ اب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قرض یا دعا کے قوانین نازل فرمائے
میں یہ ایک دوسرے کے ساتھ بین الدین کے معاملات ہیں۔ ساری میں بنیادی
قوانین ہیں اور ان کے ساتھ کچھ نئی مسائل میں بنیادی قوانین ہیں۔

دستور
احکام

دستاویز کی تیاری، نگارہ کا تقرر اور رہن کی تفصیلات شامل ہیں ان کے ذریعے ادھار کے معاملات میں کسی ممکنہ تنازعہ سے بچا جاسکتا ہے۔ آج کے دور میں تحریر یعنی دستاویز کی تیاری کے متعلق احکام ہیں۔ آج کے دور میں تحریر کر لینا ایک معمولی بات نظر آتی ہے۔ کیونکہ تعلیم عام ہے۔ اور یہ کام آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مگر چودہ صدیاں قبل جب کوئی پڑھا لکھا آدمی خال خال ہی نظر آتا تھا، تحریر کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اس وقت لوگ اپنے معاملات عموماً زبانی ہی طے کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر جھگڑے پیدا ہو جاتے تھے۔ لہذا تحریر کے یہ احکام نازل کیے گئے۔

کئی بار یہ تحریر کر لینا کوئی غرض و اسباب تو زیر معائنات ان درجہ کی کیسے مستحب ہے اور میں آج کے سامنے کر کے اجراء میں بھول بھی سکتا ہے کہ کیا شرط تھیں کہ تھی یہ مقرر تھی فیسی آدم قدسیت تشریف کے مصداق حضرت آدم علیہ السلام سے چوک ہوئی تو ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بات لڑائی جھگڑائے تک پہنچتی ہے اگر تحریر موجود ہوگی۔ تو تنازعہ کے وقت کام آئیگی۔ اور کئی عدالت اس تحریر کی بنا پر فیصلہ کر چکی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دستاویز کے حکام نازل فرمائے تاکہ معاشرہ میں اس وجہ سے بگاڑ پیدا نہ ہو۔ اسی لیے مولانا عبدالمجید صاحب فرماتے ہیں کہ تعلیم جبری ہوئی پاس ہے۔ تاکہ لوگ معاملات کو درست رکھ سکیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُذَلَّ لَكُمْ سُبُلُ الْفَقْرِ اور پھر ہے کہ تم اس کو لکھ لیا کرو۔ وَلْيُكْتَبَ بَيْنَ يَدَيْ لَكُمْ اور پھر ہے کہ تم اسے درمیان لیکنے والا انصاف کے ساتھ لکھو۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ کیونکہ قلم کا قلم بہت بڑا فتنہ ہے۔ لہذا قاتل کی وجہ سے بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے لہذا کاتب کے لیے ضروری ہے۔ وَرَأْيَا بَ كَاتِبٍ أَنْ يَحْتَبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللہ کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے جب کہ اللہ نے اسے علم دیا ہے۔ وَلْيُكْتَبَ بلکہ پڑھنے کو وہ لکھنے سے بھی جب کسی ان پڑھ شخص کو تحریر کی ضرورت ہو تو پڑھ

نکھے آدمی کو اسکی مدد کرنا چاہیے۔ اور حسب ضرورت تحریر کر دینی چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے علم کی جو نعمت اُسے عطا کی ہے۔ اس میں دخل نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ اُس نے علم کی دولت دینی اور اُسے خدمتِ خلق کا موقع ملا۔

صنوبر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ **وَالَّذِينَ الصَّدَقَاتِ فَلَوْ لَا يُدِ بِأَنْ مَصَافِحًا كَوْنَهُنَّ** **وَالْحَقِّ** یہ بھی صدقہ میں شامل ہے۔ کہ تو کسی کارِ بیکار کی مدد کر دے یا کسی بے ہنر آدمی کو کوئی چیز بنا کر دے دے۔ اس اصول کے مطابق اگر کوئی شخص ان پڑھ ہے۔ خود لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ تو اس کی فرائض پر تحریر کر دینا بھی صدقہ میں شامل ہے۔ علاوہ انہیں اپنے علم سے دوسروں کو مستفید نہ کرنے والوں کے لیے حدیث شریف میں وعید بھی آئی ہے۔ **مَنْ سَبَّلَ عِلْمًا يَفْلُحُ** جس سے کوئی ایسی بات دریافت کی گئی جسے وہ جانتا ہے **فَكَتَلَهُ** پھر اُس نے اُسے چھپایا۔ ایسے شخص کے متعلق **قُرْءَانَ الْجَحْرِ** بلعاجم موت ثابت **يَوْمَ الْقِيَامَةِ** قیامت کے دن ایسے شخص کے منہ میں لگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ کیونکہ اس نے دانستہ چیز کو چھپا لیا۔ لہذا کاتب کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے علم کے مطابق حق و العباد کے ساتھ تحریر کر دے۔

ابتنہ یہ بات ذہن میں ہے۔ کہ کاتب کے لیے تحریر کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ یہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے مطلب یہ کہ کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ ضروری یہ فرائض پورے کرے۔ اُسے انکار کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر لکھائی کی اجرت لینا چاہے۔ تو مناسب معاوضہ بھی جائز ہے۔ تاہم بھلا دینا بہتر ہے۔ کیونکہ مستحسن بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسکی ترغیب دلائی ہے تاکہ ضرورت مند کی خدمت کی سچا کریہ بھی خدمتِ خلق کا ایک حصہ ہے۔

قرض اور دین (ادھار) میں قدسے فرق ہے۔ اگرچہ دونوں الفاظ ادھار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں مگر ادھار یا دین عام ہے۔ اور قرض خاص ہے قرض صرف رقم کے ادھار پر بولا جاتا ہے۔ جب کہ دین میں ہر قسم کا ادھار شامل ہے خواہ وہ نقد رقم کا لین دین ہو یا کسی چیز کے ہونے میں ادھار ہو۔ قرض کے متعلق

قرض اور دین
میں فرق

پہلے بیان ہو چکا ہے مَن دَالِ ذِي بَقَرَةٍ لَّكَ قَوْلٌ حَسَنٌ جو اللہ کو قرضِ حسن
 سے یعنی کسی ضرورت میں نہ کہ مقررہ مدت کے لیے نقد رقم ادھار پر لے لے اور اس سے
 زیادہ وصول نہ کرے۔ اگر نقد رقم کی راہی پس اس کے ساتھ کچھ زیادہ وصول نہ کرے گا تو وہ
 سود ہو گا جس کی حرمت کا بیان آچکا ہے۔ البتہ اگر کسی چیز کے تبادلے کے ضمن میں کوئی
 نقد رقم واجب آتا ہے۔ تو وہ ادھار سے۔ اس صورت میں چیز نیچے والا اپنی
 اصل لاگت سے زیادہ بھی لے سکتا ہے۔ جسے منافع کہتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے۔ اس
 آیت کریمہ میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ جب تم مقررہ مدت کے لیے ادھار کا معاملہ
 کرو۔ اگر اسے کچھ نیا کر دو۔ کوئی نقص نہ گمان یا زمین تپنا ہے۔ کوئی جانور فروخت کرنا ہے
 جنس کا سود ہوتا ہے۔ اور رقم کی ادائیگی کے لیے تاریخ یا دن کا تقرب ہوتا ہے۔ تو پیشگی
 کے قرضے زمین یعنی ادھار ہے۔ جو وہ مقررہ تاریخ پر ادا کرنے کا پابند ہے۔ عام طور
 پر خرید و فروخت نقد ہوتی ہے۔ لاکھ کے پاس چیز موجود ہے۔ اور گاہک کے پاس
 رقم موجود ہے۔ تو تبادلہ درست بہت ہو جائیگا۔ اور اگر گاہک قیمت کی ادائیگی کے لیے
 مہلت طلب کرے۔ تو یہ ادھار کہلائے گا۔ ہاں اگر دونوں طرف چیز موجود نہ ہو۔ نہ
 تو لاکھ کے پاس چیز موجود ہے اور نہ گاہک کے پاس رقم اور سوداے پاجتا ہے
 مثلاً زمیندار کا ہے کہ آئندہ فصل پر میں فلاں جنس اس بہاؤ پر فروخت کروں گا۔ یا
 کارخانے کی فلاں میٹھے کی فلاں پیداوار اتنے دام میں دوں گا۔ اور گاہک اسے تسلیم کر
 لیتا ہے۔ تو شرعی اصطلاح میں اسے بیع الکالی یا نکالی کہتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے
 فقہی بیع الکالی یا نکالی ایسی خرید و فروخت کے شریعت سے منع کر دیا ہے۔

خرید و فروخت کی باقی دو صورتیں جائز ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ قیمت
 موجود ہے مگر چیز موجود نہیں و ادھار ہے۔ اس کو بیع سلم کہتے ہیں جھڑ علیہ السلام
 کا ارشاد ہے۔ قُلِبَ مَعْلُومٌ وَ ذِي مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ
 یعنی بیع سلم بعقل مثلاً لٹکے ساتھ جائز ہے۔ جب کہ اس کی پیمائش و وزن یا پست
 معلوم ہو اور جبکہ بھی معلوم ہو۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ جنس بھی معلوم ہونی چاہیے

اور بھاؤ کے کر لینا ضروری ہے۔ مثلاً دو فریقوں کے درمیان طے پانا ہے۔ کہ فلاں چیز
 یا جس کا ستے تول یا ماپ میں فلاں تاریخ کو اس بھاؤ سے لین دین ہوگا۔ چنانچہ قیمت
 فقہ اور اگر کے سوا طے پانا ہے۔ تو یہ درست ہے۔ چیز کے ماپ تول میں کمی بیشی ہو
 سکتی ہے۔ اور بھاؤ کے مطابق اس کی کل قیمت میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ بیع سلم کے
 لیے بعض دیگر شرائط بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ موٹے کی مدت کم از کم پندرہ دن ہونی چاہیے۔
 بعض بنے ایک ماہ کا تعین کیے ہیں۔ ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے
 وہ مکھیٹ سے بالکل معدوم نہ ہو بلکہ محاذ ہٹے پاتے وقت بازار میں موجود بھی ہو۔
 اس قسم کی بیع میں مدت تبادلہ واضح ہونی چاہیے۔ اگر مدت کا تعین نہیں ہوگا تو بیع
 درست نہ ہوگی۔ مثلاً اس قسم کا معاہدہ ہوگا ہے۔ کہ جس کا تبادلہ اس وقت ہوگا جب
 فصل پکے گی جب کہ فصل پکنے اور کٹنے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ اسی طرح کوئی
 شخص بیسودا کرنا ہے۔ کہ جب جانور بچو دیگا، اس وقت قیمت ادا کی جائے گی۔ اس
 قسم کی مجہول مدت قابل قبول نہیں اور ایسی بیع فاسد شمار ہوگی۔ جہن مفسدہ کا
 لفظ وضاحت کر رہا ہے۔ کہ مدت کا تعین لازمی ہے کہ فلاں دن یا فلاں تاریخ کو
 چیز وصول کی جائے گی۔ اور اگر مدت مجہول ہو تو اسے بیع الغرر کہتے ہیں۔ یہ دھوکے
 والی بیع ہے۔ اور شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔

بیع سلم کی دوسری صورت یہ ہے۔ کہ چیز موجود ہے، وہ گاہک وصول کر لیتا
 ہے۔ مگر قیمت فوری طور پر ادا نہیں کرتا بلکہ خاص مدت کے لیے ادھار کر دیتا ہے
 یہ بھی جائز ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا
 حضور! آپ کے پاس اورڑھنے کے لیے پٹریاں ہیں۔ فلاں بیرودی کے ہاں
 کپڑا موجود ہے۔ آپ پیغام بھیج کر کہ پٹریاں ادھار لے لیں۔ اور مدت مقررہ پھر رقم ادا
 کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے بیرودی کو۔ یہ پیغام بھیجا تھا، مگر اُس نے کپڑے سے
 انکار کر دیا تھا۔ تاہم بیع کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ مدت مقررہ کر کے قیمت کا
 ادھار کیا جاسکتا ہے۔

اور بھی قرض
لیجئے نقد

قرض کی ویسے کسی قدر ضرورت ہے۔ اس کے تعین حضور علیہ السلام نے سادہ و سادہ
است کا ایک عجیب و غریب و قدیم بیان فرمایا۔ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے دوسرے سے
مقررہ مدت کے لیے ایک ہزار دینار قرض لیا۔ قرض خواہ نے کہا۔ کہ کوئی گواہ لاؤ، تو
ضرورت مند نے لگا۔ میرا گواہ تو لشکر ہی ہے۔ پھر اُس نے کہا۔ کوئی ضامن بھی لاؤ۔ تو وہ
کہنے لگا۔ میں ضامن بھی اللہ ہی ہے۔ غرض سب نیک و نیکوئی نے خیر گواہ اور ضامن
کے ایک ہزار دینار قرض میں مے میے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت
آیا۔ تو قرض دیا سے اُس پار سفر پر تھا۔ تاہم اُسے دوستی قرض کی ذمہ داری کا احساس
تھا۔ وہ نہ سہ سے پر آیا، مگر کوئی کشتی نہ پائی جو اُسے دوست کرنا سے پرہیزا ہے۔ سخت
پریشان تھا کہ قرض کی ادائیگی وقت پر نہ ہو سکے گی۔ اسی سوچ بچار میں اُس نے
دو برس ہجرت اللہ کی بد گاہ میں دعا کے لیے اٹھا لیے۔ اور عرض کیا اے اللہ! میرے
نئے فلاں شخص کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ کہ اس کی رقم فلاں تاریخ کو لوٹا دوں گا۔ رقم
موجود ہے۔ مگر دریا کے پار جانے کے لیے سوزی موجود نہیں۔ اگر قرض خواہ
کو رقم وقت پر نہیں ملتی تو وعدہ خلافی ہوتی ہے۔ اے اللہ! سب تو ہی اس کا
انتظام فرما۔ آخر اس کے دل میں ایک خیالی آیا۔ اُس نے ایک لکھڑی لی۔ اس کو کچھ کھلا کر
اس میں ایک ہزار روپے اور قرض خواہ کے نام ایک رقم رکھ دیا۔ پھر اس کا منہ چھپی
طرح بند کر کے اس کو دریا میں ڈال دیا اور خود پھر اوپر اوتار کشتی تلاش کرنے لگا۔
اور قرض خود کو یاد آیا کہ آج قرض کی ادائیگی کی تاریخ ہے۔ اور وعدہ قرض دیا ہے۔ نہ
ہر گز یہ ہو سبے۔ پتہ نہیں آتا ہے یا نہیں۔ اسی خیال میں وہ دریا کے کنارے پہنچا۔ مگر
دوسری طرف سے کوئی کشتی آتی دکھائی نہ دی۔ وہاں بس ہو گیا۔ وہ واپس آئے ہی رانا
تھا۔ کہ شے جتنی بولی ایک لکھڑی نظر آئی۔ اُسے قریب سے مگر مٹی کو پختہ کیا کہ گھر میں کسی کام
سنے گا۔ یا ہندوؤں کے طور پر ہی استغفار کر لیں گے۔ گھر پہنچ کر جب اس کو تواریف
تو اس میں سے ایک ہزار دینار اور قرض من کار قہر ملا۔ وہ شخص اپنا قرض واپس پا کر مطمئن
ہو گیا۔

کسی دن بعد قرض شخص کو کثرتی میسر آئی جتنی وہ دریا پا کر کے قرض خواہ کے ہاں پہنچا۔ اور اُسے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ اس کے ساتھ معذرت بھی کی کہ وہ قرض کی رقم مقررہ تاریخ پر نہ دیا سکا۔ کیونکہ اُسے کشتی میسر نہیں آئی تھی۔ مگر قرض خواہ نے یہ کہہ کر رقم لینے سے انکار کر دیا کہ مجھے رقم واپس مل چکی ہے۔ جب یہ مقررہ دن سے زیادہ مقرر کیا تو قرض خواہ نے کہا کہ تم حلفیہ بیان کرو کہ کیا تم نے ایک ہزار دینار کشتی میں بند کر کے سمندر میں نہیں بہا دیے تھے۔ آخر کار اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ اُس نے واقعی تاریخ مقررہ پر ایسا ہی کیا تھا۔ چنانچہ ان کے درمیان تسفیہ ہو گیا یہ واقعہ بنی عبد السلام سے صحیح سند کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اس قسم کے واقعات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہوتے ہیں۔ جنہوں نے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان کر کے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ کچھ کچھ مسلمانوں کا شیوہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ جیسے ان دو مسلمانوں کا تھا، کہ قرض لینے میں اتنی اپنی ذمہ داری کا احساس کیا۔ دیر لینے والے نے دوبارہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ آج کے مسلمان کا حال یہ ہے کہ قرضہ نام کی گھر حاتی ہے۔ قرض خواہ پیچھے پیچھے چھڑا ہے۔ اور قرض مال مولیٰ کہہ پاؤں جاتا ہے۔ حتیٰ کہ زینت لڑکی کا گھر سے ایک مچھتی ہے۔ یہ مقررہ دن کہ اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔ اور نہ قرض خواہ کی مجبوری کو سمجھتا ہے۔ دونوں خود غرضی کا شکار ہیں۔ ایک دوسرے کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی جبر و حیثیت ہو جاتی ہے جس سے معاشرے میں بگاڑ پھیل جاتا ہے۔ مذکورہ مثال سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب فریقین ایک نیت ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرماتا ہے۔

تحریر مولانا
کا حق ہے

دستور ویز کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وسیع کر دیا کہ دست ویز کی تیار کی کا حق ہے۔ یعنی کہ فریق اس کو ٹھوسے کا حقدار ہے۔ فرمایا وَتُخَصِّلُ لَكَ ذِي الْعِيدِ عَزَّوَجَلَّ یعنی تحریر ویز کے لئے جسے اور یہ حق ہے۔ اور وہ مولیٰ یا مقررہ دن ہے۔ اُسے پاس ہے کہ وہ قرض کی شرائط ایک ایک لکھوٹے اور اس معاشرے میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔ کوئی بظنی اللہ رب العالمین اور پختہ پور و گار سے نہ جائے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

النُّصَرُ ۲

درس پچھلے کا چہار (۱۲۴)

آیت ۲۰۱۲

وَأَسْتَشْهِدُ شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا
 رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَآمْرَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
 أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا
 يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذْ مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُونَ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا
 أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجْلِهِ ذَلِكُمْ قِسْطٌ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ شَهَادَةٌ
 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
 بَيْنَكُمْ فَيَسَّ عَيْنَكُمْ جُنَاحَ الْأَتَكْتُبُوهَا وَشَهِدُوا
 إِذَا تَبَيَّنَ وَلَا يُضَارُكَ كَيْفٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَنَعَسُوا
 فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَتَقُوا اللَّهَ وَيُعِظْكُمْ اللَّهُ وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ
 الشَّائِقِينَ عَلَيْهِ ۷۶

ترجمہ: اور گواہ بنا دو روئے اپنے مردوں میں سے۔ پس اگر نہ ہوں مرد، تو ایک مرد
 اور دو عورتیں ان میں سے ہیں کہ تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو اس وجہ سے کہ
 گواہ دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ اور
 گواہ انکار نہ کریں جس وقت ان کو بلا جائے گواہی کے یہ۔ اور نہ دیگر جو اس
 بات سے کہ کھوکھلے کو چھٹا ہوا یا بڑا اس کی مدت تک، یہ بات زیادہ اہم
 دلی ہے اللہ کے نزدیک، اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے۔ وہ یہ
 تہذیب و قریب ہے کہ تم شک نہ کرو مگر یہ کہ دست دست تجارت جو جس کو تم بنے
 درمیان گردش دیتے ہو، اور تم پر گناہ نہیں ہے۔ اس بات میں کہ اس نے گھوڑا اور
 گواہ بنا کر جس وقت تم سود کرتے ہو، اور نہ نقصان پہنچایا جائے گھنے جانے کو

اور نہ گواہ کو، اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے اندر فسق اور فحاشی والی بات ہوگی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ تم کو سکھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخشنے والا ہے (۱۳)

ادھار کے معاملے سے متعلق تین قوانین کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ یعنی دستاویز کی تیاری، گواہی اور رہن۔ ان میں دستاویز یعنی تحریر کے حکام بیان ہو چکے ہیں۔ آج کے درس میں گواہی سے متعلق احکام ہیں اور اس کے ساتھ تحریر کی دوبارہ تاکید آئی ہے۔ البتہ دوسرے اصول یعنی رہن کا ذکر اگلی آیت کریمہ میں آئے گا۔

گواہ کی شرط

آپس میں دین کے وقت یا کوئی دیگر معاملہ طے کرتے وقت مندرجہ ذیل آیت شریفہ **وَأَشْهِدُوا ذُنُبَكُمْ لِيَوْمَ تَكْفَرُونَ** میں سے دو گواہ مقرر کر لو۔ گواہی کی ضرورت مختلف معاملات میں پڑتی ہے۔ مثلاً مقدمات میں سے فوجداری مقدمہ اور دیوانی مقدمہ میں گواہی کے معیار مختلف ہیں۔ اسی طرح دینی معاملات اور دنیوی معاملات میں گواہی کی شرائط مختلف ہیں۔ تو جس قسم کا معاملہ درپیش ہوگا۔ اس کے مطابق گواہی کی شرائط عائد ہونگی۔ عام حالات میں اس آیت کی روش سے کم از کم دو گواہ ہونے چاہئیں۔ مگر حدیث نبوی کی روایت کے متعلق ایک آیت ادرسی کی شہادت بھی کافی ہے۔ عام حالات میں آزار مرد کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے، غلام کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ روایت کے مسئلہ میں اگر استاد اور شاگرد ایک مجلس میں موجود ہوں تو شاگرد کی روایت مقبول ہے۔ مگر دنیوی معاملہ میں شہادت علی الشہاد کا اصل تعلیم کیا جاتا ہے۔ جب اس موجود ہو تو فروع کی گواہی معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ یعنی اصل کی موجودگی میں فرع گواہی نہیں ملے سکتا۔

اس آیت کریمہ میں جس گواہی کا ذکر ہے، وہ عام معاملات سے متعلق ہے۔ ان میں سے فوجداری مقدمات میں سے حدود و قصاص کے مقدمات میں صرف مردوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ نہ ان کے مقدمہ میں سورۃ نور میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْبَلُوا شَهَادَةَ النِّسَاءِ** کا ذکر ہے۔ یعنی چار مرد یعنی گواہ

ہونے چاہئیں۔ وہاں پر عورتوں کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ عام طور پر بائبل
 بچے کی گواہی تسلیم نہیں کی جاتی، مگر اہم کثرت بعض شرائط کے ساتھ بچے کی گواہی بھی تسلیم
 کرتے ہیں۔ دیگر اہم کامزوت یہ ہے کہ گواہی کے سلسلے میں رجال کا لفظ استعمال ہوا
 ہے۔ جس سے مراد بائبل مرد ہے، مذکر نابالغ بچہ، اسی طرح مسلمان کی گواہی معتبر ہے۔
 مگر کافر کی گواہی قابل قبول نہیں۔ جب کہ وہ مسلمان پر ہو۔ ہاں کافروں کی گواہی ایک
 در سکر کے خلاف، درست ہے۔ علاوہ انہیں گواہ کا عادل ہونا بھی شرط ہے۔
 فاسق کی گواہی معتبر نہیں۔ جو شخص شرعی حدود کی علی الاعلان خلاف ورزی کرتا ہے۔
 وہ فاسق ہے اور ایسے شخص کی گواہی بھی مقبول نہیں۔ پھر گواہ کے لیے یہ بھی شرط ہے
 کہ جس معاملے کے متعلق گواہی دے رہا ہے۔ اس معاملے کا اسے علم ہو۔ اگر اسے
 علم ہی نہیں۔ تو پھر اس کی گواہی چھ مسمیٰ۔ وہ تو جھوٹا گواہ کہلائے گا۔

شہادت میں گواہ کا ذاتی مفاد نہیں ہونا چاہیے اگر اسے کوئی ذاتی فائدہ پہنچ رہا ہے تو ایسی گواہی موزوں
 ہوگی۔ اگر گواہ اس لیے گواہی دے رہا ہے کہ وہ تو کسی نقصان سے بچ جائے تو ایسی شہادت بھی قبول نہیں کی جاتی۔
 گواہ لائچی اور بہتر نہیں ہونا چاہیے جس کے خلاف گواہی دے رہا ہے اسے ساتھ کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہونا چاہیے۔
 اگر گواہ باطل ہو جائے تو اسے کلام فرماتے ہی کہ جانی نامہ کا ملاق ہوتا ہو وہاں بھی گواہی قبول نہیں کی جائیگی
 مثلاً باپ بیٹے کے بارے میں گواہی دے تو منظور ہوگی۔ یا غلام نوکر وغیرہ اپنے ملک
 کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ محکوم ہے در لانا اپنے حاکم کے حق میں جھگڑا۔

فرما، معتبر گواہی ہے۔ نہ تم میں سے دو مرد اور نہ دو عورتیں۔ **وَبَيْنَهُمَا**
دُخْلَانِ اور اگر دو مرد گواہ مقرر نہ ہوں **فَلْيَكُنْ** تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی
 ہیں۔ یعنی دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا۔ اور یہ گواہی ایسے سول مقصد کے لئے
مِنْ لَمَّا نَدَّ جو ہمیں پسند ہوں، طہر ہے۔ نہ پسند دہی ہو گئے جو نیک اور عادل
 ہوں گے۔ جس سے ٹھیک ٹھیک گواہی کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ غیر شرفہ اور جھوٹ
 آدمی سے درست گواہی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

عورتوں کی
 گواہی

فرمایا ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو اکٹھے کھینچنے میں کم۔ یہ ہے۔
أَنَّ تَقْسِينَ رَحْمَتُهُمَا۔ اگر ان میں سے ایک مقبول جائے۔ **فَتَقْبَلُ**

اِحْدَاثُهَا الْاَعْرَاضُ تو دوسری آسمک یاد دے کہ تہ عورتیں عام طور پر مردوں کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہیں، ان کے دماغ میں رطوبت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان سے نسیان زیادہ واقع ہوتا ہے اور وہ بھول جاتی ہیں یہ ایک انسانی فطرت ہے مگر نہ بعض عورتیں بڑھی ذہین ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ایک لڑکی امتحان میں نمبر کے سے زیادہ نمبر حاصل کر لیتی ہے۔ بعض عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیت بخشی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بعض اوقات مردوں کے مقابلے میں زیادہ ذہین ثابت ہوتی ہیں۔ تاہم عام فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ قانون عطا کیا کہ چونکہ عورت کا مزاج اعصابی ہوتا ہے۔ اکثر بھول جاتی ہیں۔ اللہ نے دماغی کیفیت ہی ایسی بنائی ہے۔ لہذا ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ خطبہ کے دوران فرمایا کہ عورتیں ناقصہ العقول فلیتین ہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ میرا نقص عقل کون ہے؟ ہم میں کیا کمزوری پائی جاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا اللہ نے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر نہیں رکھی۔ تو اس نے عرض کیا۔ ہاں حضور ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ عورت میں نسیان یعنی بھول کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ عورتوں میں مریں کا نقصان بہت ہے کہ وہ ہر ماہ کی کمی روز تک نماز نہیں پڑھ سکتیں۔ روزہ نہیں رکھ سکتیں۔ یہ مریں کا نقصان ہے۔ اگرچہ گناہ نہیں ہے۔ یہ ان کی مجبوری ہے مگر نقصان نور بہر حال ہے۔

یہ شہادت کا قانون ضروری ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا شات ادرتم کہ کسی مقدمہ کا فیصلہ دو طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ یا تہ تحقیق گواہ پیش کر دیں گے یا فیصلہ قسم پر ہوگا۔ مسلمہ تعریف کی روایت میں آتا ہے۔ قصی یمنہ من و شہید یعنی حضور علیہ السلام نے یا تو گواہوں یا فیصلہ فرمایا قسم پر یعنی اگر گواہ موجود نہیں ہیں۔ تو پھر فیصلہ قسم کے ذریعے ہوگا۔ اور شافعی تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ معاملہ بین چونکہ دو گواہ ضروری ہیں۔ اور اگر دو کی بجائے صرف ایک ہی گواہ پیش ہو تو دوسرے

گواہ کی کئی قسم اٹھانے سے پوری ہوگی، دیگر فیصلہ درست نہ ہوگا۔ اہم احوطیہ اور دیگر
 ائمہ کرام فرماتے ہیں: **الدیۃ علی المدعی والیسین علی من انتخب یعنی**
 گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم اٹھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔
 بہر حال حضور نے بعض اوقات گواہوں پر فیصلہ کیا اور بعض اوقات قسم پر یعنی
 اگر موقع کا کوئی گواہ موجود نہیں ہے۔ تو مدعا علیہ کی بریت کے متعلق جس سے قسم
 اٹھائی کہ وہ بے گناہ ہے۔

گواہ کی ذمہ داری

گواہوں کی حاضری کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَلَا يَبِشْهُدُونَ**
اِذَا مَدُّوا اور جب گواہوں کو طلب کیا جائے تو وہ گواہی کے لیے آنے سے
 انکار نہ کریں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ کوئی معاملہ الجھ گیا ہے۔ وہ موقع کے گواہ
 ہیں تو انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک شہادت دیکر معاملہ کا تصفیہ
 کر دیں۔ یہ ان کی اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ تاہم فقہائے کرام فرماتے ہیں، کہ
 گواہ کا گواہی دینا استیجاب کے قبضے میں سے ہے، اسے گواہی کے لیے مجبور نہیں
 کیا جاسکتا۔ ہاں اگر معاملہ اس پہنچ کا ہے۔ کہ کوئی اور گواہ نہیں ہے۔ عرف بھی یک
 گواہ ہے۔ جو شہادت دینے پر آمادہ نہیں۔ تو ایسی صورت میں اس پر واجب ہو
 جاتا ہے۔ کہ وہ گواہی کے لیے حاضر ہو، ورنہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایسے ہی
 معاملہ سے متعلق فرمایا۔ کہ جب گواہوں کو شہادت کے لیے طلب کیا جاوے تو وہ
 انکار نہ کریں۔

جھوٹی گواہی

حضرت علیہ السلام نے جھوٹی گواہی (شہادتِ زور) کو شرک کے برابر قرار دیا،
 خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں عباد الرحمن کی صفت بیان فرمائی ہیں ان میں یہ بھی
 ہے: **وَالَّذِينَ لَا جُنْحَ عَلَيْهِمْ لِلَّذِينَ** کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جھوٹی گواہی
 دنیا سخت گناہ کی بات ہے۔ اس کی وجہ سے ہی جھوٹ کا سچ اور سچ کا جھوٹ بن
 جاتا ہے۔ آپ دیکھ سب سے ہیں، کہ انگریز کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق شہادت
 خود دہائی جاتی ہے۔ اس معاملہ میں گواہ آزاد نہیں ہوتا۔ کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق

شہادت کے بلکہ دلیل حضرات و زبیر کو ایسیس سے گواہ کو سمجھاتے پڑھاتے ہیں کہ اس طرح کہنا ہے۔ اور اس غلط فہمی کو یہ چیز دینا مذہبی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ "فَإِذَا قُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَشْعُرُونَ" اعلیٰ اور نیچے دونوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ کسی فریق سے ناجائز امید رکھتا ہو تو کسی کے شر کا خوف و دل نہ لے کر بلکہ گواہی کو محض اللہ کے لئے قائم کر دے تاکہ یہ چیز پہچان ہو سکے اور دنیا میں من تمام نہیں ہو سکے گا۔ لوگ دلیل و ثبوت ہی بھول رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ثبوت ابھیرت حاصل ہے اس کے بغیر انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

تحریر کب
مزدوری ہے

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے تحریر کی دوبارہ تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا "وَلَا تَقْسَمُوا أَن تَكْفُرُوا بِمَا كُنْتُمْ أَتَىٰ أَجَلُهُمْ لَمَّا نُوَادُّهُم بِمَا بَوَّأُوا" براہمحوں فریعت کا بویا اہم لئے سننے میں دلگیر ہوں یعنی تحریر میں تساہل نہیں کرنا چاہیے بلکہ جسے درست مقررہ ایک کچھ نہ چاہئے۔ مستدرک اہم حکم کی روایت ہے کہ ہم ابن کثیر نے بھی بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پہلا شخص وہ ہے جو خود مومن اور عادل ہے مگر اس کی بیوی بد کردارہ۔ بد اخلاق اور فاسق ہے وہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتی۔ اگر ایسا شخص بڑی عمر تک کہ تعلق سے کہ خدا نہیں کرتا تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ سب غیرتی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو کسی عظیم کام پر دست ہے مگر ایمان کے باطن بوسے سے پہلے ہی اس کا حال اس کے حوصلے کو دیتا ہے اور پھر مال کو ضائع کر دیتا ہے۔ یہ لے شخص کی دعا بھی مستحکم نہیں ہوتی۔ فرمایا تیسرا شخص وہ ہے جو کسی کو قرض دیتا ہے مگر اسے کھاتا نہیں یہ شخص بھی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے لہذا اس کی دعا بھی مستحکم نہیں ہوتی۔

فرمایا تحریر کہ لینا دینے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ

انصاف والی بات ہے۔ وَقَوْلُكَ لَمَنْ يَكْفُرُ بِالْإِثْمِ وَالْعَذَابِ اور گواہی کو نزدیک و دور سے سننے والی چیز ہے۔ وَإِنِّي لَأَتُوبُ لَكُمْ اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک و شبہ میں نہ پڑو۔ یہ سب تحریر کے فوائد میں سے ہیں۔ ہاں ایک صورت میں عدم تحریر کی گنجائش ہے اَلَا نُنَبِّئُكَ بِتِجَارَةٍ مَّا مِثْلُ مَا يُرَدُّ عَلَيْهَا بِبَيْعِكَ کہ درست بہت تجارت ہو جسے قبضہ درمیان گردش دیتے ہو۔ یعنی معاملہ ایسا ہو کہ دوسرے چیز کی اور دوسرے رقم اور گہڑی یعنی سود یا بیکل فقیر ہے۔ اس میں وجہ کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ فَالْيَوْمَ يَمِيزُكُمُ اللَّهُ بِتِجَارَتِكُمُ لَا تَزِدُ الَّذِينَ كَانُوا عَلَيْكُمْ فِي شَيْءٍ فَزَيَّغُوا عَنْهُ وَلِيَكُونَ الْفُقَرَاءُ۔ تحریر کا مقصد تو یہ ہے کہ مقررہ مدت پہ جب زمین دین ہو، تو کوئی جھگڑا نہ کھڑ ہو جائے۔ مثلاً جب ادھار کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ اور تقیہ مدت کا سوال ہی نہیں تو پھر تنازعہ پیدا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لہذا نقد معاملہ میں تحریر کی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر ایسی صورت میں بھی کوئی ٹکنا پاتا ہے۔ تو اس سے۔ اگر آئندہ زمانے میں معاملہ کی نوعیت بدلے کر آج پانچ سو، تو تحریر کے ذریعہ ٹھیک ٹھیک معلومات حاصل فرمائی گئی نا، ہم ایک ہفتہ وصول نہ پایا کہ زمین دین کے معاملہ میں وہ شہید ہو کر نہ کیا لے گا۔ سرور اگر تے وقت گواہ ضرور بناو۔ اگر کسی کی تریہ نہیں کرتے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً گواہ ضرور بناو۔ کہ زمین دین کا معاملہ ہے کسی وقت بھی کوئی تنازعہ پیدا ہو سکتا ہے جس سے عذرہ پڑے ہونے کے لیے گواہی ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جہاں کتابت اور گواہی، ہمیت بیان فرمائی ہے۔ وہاں کتابت اور گواہ کا تحفظ بھی فرمایا ہے۔ تنازعہ کی صورت میں بعض اوقات فریقین کے ساتھ کتابت اور گواہ کو کئی شکلات پیش آتی ہیں۔ جن کی وجہ سے انہیں نقصان ٹھانڈا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج کے زمانے میں کوئی شخص گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہے کہ اسے کتنی دفعہ عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔ اور اس کا کتنا وقت ضائع ہوگا اور پھر جس کے خلاف گواہی دیا، وہ اس کا دشمن بن جائے گا اور اسے نسیان پہنچائے گا۔ گواہی سے باز رکھنے کے لیے کتنے

کاتب اور
گواہ رکھنا

گواہوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے معاملے کے فریقین کو نصیحت فرمائی ہے وَلَا يُضْلِكُمْ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ اور نقصان پہنچایا جاسے سمجھنے والے کو اور نہ گواہ کو اگر ان اصحاب کو ایہ کوئی تکلیف نہ ہو تو کم از کم ان کے وقت کی قدر اور ان کی ساری نظام کو بھونا چاہیے تاکہ کسی دوسرے شخص کی گواہی کے لیے انہیں ذاتی طور پر نقصان نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف نہ دوئے نقصان نہ پہنچاؤ:

فَرَأَى كَوْنُ تَحْقُلُوا اِذَا قُرْمَ اِيَا كَرْدَ مَ . اِن شَرِيْعَ اَمْرِيُوں كُو نَقْصَانِ پَنچَاؤ
مَ . اِن كَا تَحْظُو نَهِيں كَرْدَ . فَرِيْعَه مَسْوُوقُ نِيَكُو يَه فَنَقْ هَر كَا فَرْكَ كُو طَاعَتِ مَ سَ
بَاہر نكٹے كے مترادف ہوگا ، لہذا جہاں اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہو ، وہاں کاتب اور
گواہ کی جان و مال كے بھي محافظ بنو ، اور انہيں ناجائز تكليف نہ پہنچاؤ۔

فَرَأَى وَتَقَرُّوا اِلٰهَ اَمْرُ سَے ڈر جاؤ۔ اس كے احكام كی خلافت درزی نہ كرنا
معاہدہ میں دین کا بویا کا ح حلاق کا ہر حالت میں خوف خدا کو دل سے نہ نکلانا۔ دنیا
كے معاملات كے متعلق ہیرا پھیری كر كے ، دھوكا اور فریب دیر مصلطے كر دفع
كر لینے سے بظاہر مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ یاد كر رہے ہیں۔ كیر مصلطہ كے
دین اللہ كی عدالت میں بھی پیش ہونا ہے۔ یہاں تو تم جالا كی كر كے مواخذہ سے بچ جاؤ
گے ، مگر اس سبب بڑی عدالت كے سامنے كوں چال كالم نہیں آئیگی۔ وہاں دودھ كا
دودھ اور پانی كا پانی كو كر رہے گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جس كی عدالت میں بالآخر
تمہیں پیش ہونا ہے۔ فَرَأَى وَتَقَرُّوا اِلٰهَ اَمْرُ تَمِیں ایسی ہی نیکی اور اچھائی كی
باتیں سمجھا رہے۔ دلیلانی اور فوجداری مقدمات كے معاملات اور ان كے متعلق احكام
تمہیں اللہ تعالیٰ سمجھا رہے۔ ان پر عمل كر دے تو اس دنیا میں بھی چین كی زندگی بسر كر رہے
ور آخرت میں بھی اس كی گرفت سے بچ جاؤ گے اور یاد ركھو وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَیْمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز كو جانتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا كر وہ تمہارے حال سے واقف ہے
بلكہ وہ تمہاری عیبتوں سے بھی واقف ہے لہذا تم اس كی گرفت سے نكل نہیں سكتے

اپنے اعمال کو ہمیشہ درست رکھو گے، تو فلاح پاؤ گے۔
 قرآن پاک کی یہ سب لمبی آیت ہے اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے
 ہمیں مسائل بیان فرمائے ہیں۔ تاہم لہجہ میں دین کے معانی میں دو قوانین یعنی تحریر اور
 گزراہ کا بیان آچکا ہے۔ اب گلی آیت میں دوسرے اہم قانون میں کا ذکر ہو گا۔

تِلْكَ لَآئِسُ

بَلَقَةَ

در کتب حدیث و تفسیر (۱۳۵)

آیت ۲۸۳

وَنُكُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ
مَقْبُوضَةً فَإِنْ مِنْ بَعْضِكُمْ بَعْضًا فليُمِدَّ الَّذِي
أُتِيَ مِنَ الْأَمْنِ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ
وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ لَمَّا قَلْبَهُ وَاللَّهُ يَسْأَلُ
عَلَيْكُمْ (۲۸۳)

۲۸۳

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو۔ در کاتب (لکھنے والے) نہ پاؤ۔ پس وہی سب
قبضہ کیا ہوا۔ پس اگر تم میں بعض کو بعض پر اعتبار ہو۔ پس چاہیے کہ وہ شخص ادا کرے
اس چیز کو جس میں اس پر اعتبار کیا گیا ہے۔ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔ وہ
اپنی امانت کو ادا کرے اور ڈرتا ہے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے۔ اور سب چھپا
گوئی کو۔ اور جو شخص اس کو چھپائیگا۔ بیشک اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ
جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کو خوب جانتا ہے۔ (۲۸۳)

وہی

اس سے پہلے میں دین کے معاملے سے متعلق دو احکام کا بیان آچکا ہے۔
سب سے پہلے اللہ جل شانہ نے تحریر کے متعلق احکام اور اس کی اہمیت بیان
فرمائی۔ پھر ایسے معاملات میں گواہ کی ضرورت اور اس کی ہمت کا ذکر فرمایا۔ اب اگلی
آیت میں تیسرے اصول یعنی دین کے متعلق مسائل کا تذکرہ ہے۔ یعنی جب کسی کو
اوصاف دو اس کے بدلے میں کوئی چیز دین کے طور پر رکھ لے جب قرضہ واپس ہوگا
تو دین شدہ چیز واپس کر دی جائے گی۔

دین وہ چیز ہوتی ہے۔ جو قرض کے بدلے میں کسی شخص کے پاس رکھی جاتی ہے۔ مثلاً دین
اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر قرضہ کی رقم مقررہ مدت میں ادا نہ کی جائے تو قرض خواہ
اس چیز کو فروخت کر کے اپنی رقم پوری کرے، اور جو کچھ باقی بچے وہ ضرور دین کو ٹٹلے۔

اس اصطلاح میں مقررہ یا معلوم کرنا کہ اس نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اور جس کے پاس رہن رکھی جاوے وہ مرتب کہلاتا ہے۔ رہن میں چیز پر قبضہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر رہن مکمل نہیں ہوتا۔ قَرْضٌ مَقْبُوضٌ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ رہن میں منقولہ یا غیر منقولہ کوئی بھی جائیداد رکھی جاسکتی ہے۔ مثلاً مکان، زمین، باغ۔ جائیداد زکوٰۃ کا بھی وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ أَرْتَمْتُمْ مَوْجًا مَّقْبُوضًا اور کاتب نے فرمایا فَرَضَ مَقْبُوضًا پس رہن ہے قبضہ کیا ہوا۔ اس آیت کریمہ میں رہن کے لیے سفر کی حالت ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تم سفر کی حالت میں ایسا کر سکتے ہو مگر فقہائے کرام اور محدثین مخطاں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن سفر یعنی اقامت کی حالت میں بھی درست ہے۔ اور یہاں پر سفر کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس عمل کی ضرورت سفر میں زیادہ پڑتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ کھنے والا میسر نہ ہو تو پھر اس کے بغیر چارہ نہیں کر سکتے رہن کی کوئی چیز بطور رہن رکھ لے۔ اور جب رہن قرضہ والیں کرے تو اپنی مرتبہ چیز واپس لے لے۔ اقامت کی حالت میں رہن خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے بخاری اور ترمذی شریفین کی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے گھریلو اخراجات کے لیے مہینے کے ایک یودی (دوا اتم) سے بیس صاع اور بعض روایات کے مطابق تیس صاع نانج ادھار پر لیا تھا۔

اور اس کے بدلے میں اپنی درجہ یودی کے پاس رہن رکھی تھی مگر آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں واپس نہ لے سکے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے قرض ادا کر کے درجہ واپس لی یہ مقصد یہ کہ رہن آپ نے دین میں قیام کے دوران رکھا تھا۔ لہذا اس آیت میں سفر کی قید لگاتی ہے۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرتب رہن شہہ چیز سے فائدہ ٹھا سکتا ہے یا نہیں مثلاً زکوٰۃ رہن میں لے سکتا ہے یا نہیں، باغ کا پھل یا زمین کی پیداوار حاصل کر سکتا ہے یا کوئی دودھ دینے والا جانور ہے، تو اس کا دودھ پی سکتا ہے یا نہیں۔ اس معاملے

میں شہہ چیز سے
فائدہ ٹھانا جائز
ہے

میں محدثین اور فقہائے کرام کے درمیان قدرے اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ
 اس کی اجازت سے فائدہ اٹھا جا سکتا ہے مگر مجبور فقہائے ائمہ جہن میں ہم ابو حنیفہؒ
 کے شاگردان اہل اہل بیتؑ اور ائمہ مجتہد اہل اہل بیتؑ بن زیدؒ اہل سفیان ثوریؒ وغیرہ فرماتے
 ہیں کہ ہمیں شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ روایات سے
 استفادہ حاصل کرنے کا جواز ملتا ہے۔ وہ ابتدائی دور کی روایات میں جب کہ۔۔۔

سود کی حرمت تامل نہیں ہوئی تھی۔ جب سود کی ممانعت ہو گئی۔ تو زمین شدہ چیز سے
 نفع حاصل کرنا بھی جائز نہ رہا۔ ہاں نفع اٹھا کر صرف ایک شکل میں جائز ہے کہ جس سے
 قابلیت کا فائدہ اٹھا سہے۔ اتنی رقم قرض میں سے منہا کر دی جاسکے۔ مگر چونکہ چیز ہر
 اس کی آمدنی میں نہیں کے پاس بطور ضمانت ہوئی ہے۔ لہذا اس سے فائدہ اٹھانا ضمانت
 میں خیانت کا مترتب ہو نا قطعاً جائز نہیں۔ اسبکل اکثر لوگ مکان یا زمین وغیرہ نفع اٹھانے
 کی غرض سے بھی سکتے ہیں۔ چونکہ زمین مجبور ہو آہستہ۔ فائدہ اس کی مجبوری سے
 حاصل کرنا فائدہ اٹھا کر اس سے اجازت ملے لیتے ہیں۔ اس ضمن میں فقہائے کرام فرماتے
 ہیں کہ زمین کی اجازت کے باوجود زمین کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا
 ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص مقررہ قرض کی اجازت سے سود کو جائز قرار دے لے۔ لہذا
 زمین شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

اجازت کی
 پابندی

فَرِيدُ قَانِ آمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا الرَّهْنُ لِعَظْمٍ لِبَعْضٍ بِرَأْيِهِمْ قَوْلُ
 الْكُفِيِّ أَوْ كَيْفَ تَكُونُ شَيْئًا تَكُونُ شَيْئًا تَكُونُ شَيْئًا تَكُونُ شَيْئًا
 کہ اپنی ضمانت والپس کر دے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر قرض خواہ دیول پر طلبہ کرے بلکہ
 یا جلازمین قرض سے دیتا ہے۔ تو پھر قرض کی رقم مقررہ قرض کے پاس نہ رہے
 یہ ضمانت مقررہ مدت پر واپس لوانی چاہیے۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کا ارشاد لڑائی
 بھی ہے۔ عَلَيَّ الْيَدِ حَتَّى تَقُولَ بِيْزِ نَافِلٍ لَمْ يَزَلْ يَدْرُسُ بِرَأْيِهِمْ قَوْلُ
 واپس نہ کرے اس کو این سمجھ کر رقم یا کوئی دوسری چیز کی قرض تھی۔ لہذا ضمانت میں
 ضمانت نہیں ہو چکی۔ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّ ظَاوِرٍ يَدْرُسُ بِرَأْيِهِمْ قَوْلُ

ہے۔ کہ اگر اہل سنت واپس نہ کی، تو اس کا ضرور مؤخذہ ہوگا۔ اور اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکیگا،

کتاب شہادت
مکمل ہے

گو اہی کا مسئلہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ گواہ کون ہو اور گواہی کا نصاب کیا ہے
یہاں پر شہادت کا ایک دوسرا پہلو بیان کیا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی معاملے کے
جانتا ہے۔ اور وہ تینا زعم کے نصفہ میں معاون ہو سکتا ہے۔ وَلَا تَكُونُوا شُهَدَاءَ
تَوْحِيدِ شَهَادَتِ كُوْچِيَا نِي كِي جَابَرَتِ نہیں ہے۔ وَمَنْ يَكْتُمْهَا درجہ کوئی شہادت
کو چھپائیگا فَاتَّخَذَ قَلْبُهُ تو اس کا دل گنہگار ہوگا۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ
یہاں پر دل کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ دل جسم انسانی میں ایک اعلیٰ حیثیت کا جزو
ہے۔ اگر دل کی اصلاح ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور دل کا بگاڑ پورے
جسم کا بگاڑ ہے۔ دل مرکز اخلاق ہے۔ عقیدہ کی اچھائی یا بُرائی کا تعلق بھی دل سے
ہے۔ اس لیے یہاں پر فرمایا کہ جو کوئی گواہی کو چھپائے گا۔ حقیقت میں اس کا دل گنہگار
ہے۔ اس کے دل میں فتور ہے۔ در نہ وہ ایسی حرکت نہ کرے۔ بِخَيْرِ عِلْمٍ کا اقرار کرے
ہے کہ انسان کے جسم میں ایک کو مختار ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہے۔ تو سارا جسم ٹھیک
ہے۔ اگر وہ بگڑ گیا ہے۔ تو سارا جسم خراب ہے فرمایا أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ یاد رکھو وہ
کو مختار دل ہے۔ جس پر سارے جسم کا دار و مدار ہے۔ یہ دل ایسی چیز ہے کہ جب
اللہ تعالیٰ سے روزِ خ میں سزا کا ذکر کیا ہے۔ تو دُعاں بھی فرمایا تَصْلَعُ عَلَى الْأَعْيُنِ
جہنم کی آگ کا اثر پہلے دل پر ہوگا۔ پھر جسم پر ہوگا۔ اسی لیے مختصر میں کلام فرماتے ہیں
کہ جب گواہی نہ دینے سے کسی کا حق ضائع ہو رہا ہو تو پھر گواہ کے لیے لازم ہو جاتا
ہے کہ وہ ضرور گواہی دے۔ گواہ کی یہ ذمہ داری وجوب کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے
اگر گواہی سے انکار کرتا ہے۔ تو کتاب شہادت کا مرتکب ہو کر گنہگار ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی
جھوٹی شہادت دیتا ہے۔ تو وہ بھی کتاب شہادت کا مرتکب تصور ہوگا۔ گویا گواہی کو چھپانا
یا جھوٹی گواہی دینا برابر ہے۔

یہ ایک اصولی بات ہے۔ کہ جب کسی شخص پر کوئی چیز واجب ہو جائے تو پھر

شہادت کا
معاذ حق ہے
مہین

اس کی عدم ادائیگی گناہ کا باعث ہوگی۔ لہذا اس کے لیے اس کام کا معاوضہ طلب کرنا جائز نہیں رہتا۔ اگر ایسا کرے گا تو اس نے واجب کی ادائیگی نہیں کی بلکہ مالی منفعت کے لیے گناہی دی ہے۔ اہل اتنی گنجائش موجود ہے۔ کہ گواہی دینے پر گواہ کو بھی کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنی جیب سے کرایہ خرچ کر کے گواہی کے لیے جاتا ہے یا اپنی ساری استعمال کرے گا تو وہ دوش کا سامان خود کرے گا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا مالی نقصان ہوگا۔ اگر وہ سبے خوشی سے ہر داشت کرنے کے لیے تیار ہے۔ تو کوئی خرچ نہیں۔ تاہم اگر وہ متعلقہ فرقہ کی ساری استعمال کرے گا، اس کی طرف سے کھانا کھائے یا جس قدر اس کا خرچ ہوا وہ سبے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ اس کے لیے جائز ہے۔

فَرَّادِیَ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیْمٌ تَمَّ حُكْمُہِی كَرِہَی ہُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی كے علم میں ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے حتیٰ کہ وہ تمہارے ارادوں اور مخفی عزائم سے بھی واقف ہے۔ تم غلط کام کر کے اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیکر انسان کی مزید رہنمائی فرمائی ہے۔ کہ اگر گرفت سے بچنا ہے۔ تو تقویٰ اختیار کرو۔ پہلے پہلے سے غلط کام کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے۔

تِلْكَ النُّسُلُ ۳

البقرة ۲

درس پندرہویں بخش ۲۱۱

آیت ۲۸۲

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ طَوَّافٌ عَلٰى عَرْشِ
 مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ يُخَفِّفْهُ يَحْسِبْكُمْ يَدُ اللّٰهِ فَيَغْفِرْ لِمَنْ
 يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۲﴾

تین چیزیں : اللہ ہی کے واسطے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
 اور اگر تم ظاہر کرو اس چیز کو جو تمہارے نغصوں میں ہے یا اسے چھپاؤ تو اللہ تعالیٰ اس
 کا حساب سب کا قلم سے پس بخش دے گا جس کو چاہے اور سزا دے گا جس کو چاہے ۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۸۲﴾

انتہائی گہرا

سورۃ بقرہ کے مدرس اختتام پذیر ہیں۔ اور آج کے درس سے سورۃ کا چالیسواں
 اور آخری رکوع شروع ہو رہا ہے قرآن پاک کی اس سبک ابی سورۃ میں مختلف الانواع
 احکام بیان ہوئے ہیں جن میں اصول بھی ہیں اور فرعی مسائل بھی ہیں عبادت، معاملات
 مالی و جانی، جہاد و نکاح و طلاق اور دیگر بے شمار مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے
 اس سورۃ کو تمام القرآن بھی کہا گیا ہے۔ مگر یہ سورۃ مبارکہ قرآن پاک کی کوڑی ہے۔ اس
 کو قرآن پاک میں بلند مقام حاصل ہے ۔

سورۃ کے آخری رکوع میں قرآن پاک کو نازل کرنے والے اللہ جل جلالہ کی حاکمیت
 اعلیٰ کا بیان ہے کیونکہ اس میں مندرج تمام احکام و شرائع اسی کی جانب سے ہیں۔ اس کے
 علاوہ اس کی قدرت اور تصرف کا بیان ہے۔ کہ اقتدار اعلیٰ ابھی اسی کے پاس ہے
 اور ہر چیز کے تصرف پر بھی اُسی کا حق ہے۔ وہ جس طرح چاہے۔ اپنی پیداکردہ بنیاد
 کو تصرف میں لائے۔ رکوع کی آخری آیت میں ایمان کی تفصیلات کا تذکرہ ہے ۔
 اور پھر مکمل آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کا قانون بتایا گیا ہے۔ اور وہ کلمات
 سکھائے گئے ہیں جن کے ذریعے ایک بندے کو اپنے خالق و مالک کے حضور

دست بردار ہونا چاہیے، اور اپنے مالک حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور اللہ کے
کی مدد کی درخواست پیش کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے۔ **لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ**۔ یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے۔ مفسرین کو
فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی تخصیص کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جن کی بنا پر کہا جاسکتا ہے
کہ فلاں چیز فلاں کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے۔ تخصیص کی پہلی وجہ یہ ہے کہ
کوئی شخص کسی چیز کا بنانا والا ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کوئی برتن، مغفیری، اوزار بنا رہے
تو اس کے حق میں وہ چیز خاص ہوتی ہے۔ خصوصیت کی دوسری وجہ ملکیت ہوتی ہے
جس چیز کا کوئی مالک ہے۔ اُسے اس کے ساتھ تخصیص حاصل ہے۔ اور تیسری
وجہ حق تصرف ہے۔ جس شخص کو کوئی چیز تصرف میں لانے کا حق ہے۔ اُس کو بھی
خصوصیت حاصل ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات کے ساتھ تخصیص ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ میں مذکورہ
بالائینوں صفات پائی جاتی ہیں۔ جن کی بنا پر اُسے کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ
تخصیص ہے۔ وہ ہر چیز کو بنانے والا۔ وہ **بِكَيْدٍ السَّحَابِ وَوَلَا يَحِصُّ**
ہے۔ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی وہی ذات ہے۔ وہی ہر شے کا صانع ہے۔
لَا يَحِصُّ كَيْدُ شَيْءٍ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کمال صنعت اور کارگرئی کا شاہکار
ہے۔ خود انسان اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ**
ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے **وَاللّٰهُ**
صَانِعُ كُلِّ صَانِعٍ وَصَنَعَتْهُ ہر چیز اور اس کی صنعت کو پیدا کرنے والا اللہ
وعدہ لا شرک ہے۔

چونکہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اُسی نے ہر چیز کو بنایا ہے۔
لہٰذا ان کا مالک حقیقی بھی وہی ہے **لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَوَلَا يَحِصُّ** کائنات
۱۔ **رَدِّهِ عَلٰی مَوْلٰیہٖ** (فیاض)

کی تمام چیزیں اس کی ملک میں۔ اللہ کے علاوہ انسان کو جن چیزوں کی ملکیت حاصل ہے یہ عارضی ہے اور اللہ کے حکم سے ہے۔ حقیقی ملکیت صرف خدا تعالیٰ کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی کسی انسان کی ملکیت قائم رہتی ہے۔ وہ جب چاہتا ہے کسی سے حق ملکیت سلب کر لیتا ہے۔ اور پھر ملکیت دینی دیتا ہے اور نہ تبخیر۔ انسان خود فنا ہو جاتا ہے۔ اور وہ تمام چیزیں جن پر ملکیت کا دعویٰ تھا۔ یہیں رہ جاتی ہیں۔ گویا حقیقی مالک بھی ہر چیز کا اللہ ہی ہے۔

تیسری چیز تصرف ہے۔ اور کائنات کے ذرے ذرے پر اللہ تعالیٰ ہی کو کمال اور مکمل تصرف حاصل ہے۔ اگر کسی دوسرے کو تصرف کی اجازت ہے۔ آوردہ خاص وقت تک کے لیے اور عارضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو ذاتی تصرف حاصل نہیں۔ کیونکہ خلقت، ملکیت اور تصرف کی میزبانی اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ وَصَلَّى إِلَيْنَا الْأَمْرُ عِلْمُ آسَمَانَ وَزَمِينَ کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت اعلیٰ بیان کرنے کے بعد ہی نوع انسان سے فرمایا

وَلَا تَبْذُرُوا مَالَكُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تَخْفَوْهُ بِحَسَابِ كُفْرٍ بِاللَّهِ تُبَوِّجُ

تمہارے دلوں میں ہے۔ تم اسے ظاہر کر دو یا چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا یہاں پر یہ بات قابل غور ہے۔ کہ کسی اچھے یا بُرے کام کا مرتکب ہونا اور کسی چیز کا محض دل میں خیال آنا، دو مختلف چیزیں ہیں۔ کسی غلط کام کے کرنے سے محاسبہ کا عمل تو ذہن میں آتا ہے۔ مگر محض دل میں کسی خیال کے آجانے سے محاسبہ کیسا ہو گا جب کہ یہ ایک غیر اختیاری چیز ہے۔ اس ضمن میں شاد رفیع الدین محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس میں جو چیزیں آتی ہیں، وہ پانچ اقسام ہیں۔ ا) میں سے پہلی چیز اعتقاد ہے۔ انسان کا اعتقاد کیسا ہے، وہ توحید پر کابند ہے یا شرک میں گرفتار ہے۔ اس کے دل میں انطاع یا باغی ہونا ہے یا انفاق سے پڑنا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اسے اللہ تعالیٰ پر کچھ یقین ہے یا وہ تہرور اور شک کا شکار ہے۔ اعتقاد

محاسبہ
پر کا

سے متعلق جو کچھ بھی اس کے دل میں پایا جاتا ہے۔ اس کا محاسبہ ہوگا۔ اگر وہ مؤمنہ
فاحشہ اور اللہ پر یقین رکھنے والا ہے۔ تو اللہ کے ہاں جزاء پائیگا اور اگر شرک، منافق
یا سترور ہے۔ تو سزا کا مستحق ہوگا۔ بہر حال ہر انسان کا اعتقاد قابل محاسبہ اور قابل مواخذہ ہے۔

دوسری چیز جس پر محاسبہ کا درودار ہے، محبت یا نفرت کا جذبہ ہے۔ حدیث
شریف میں آتا ہے اَفْضَلُ لَكُمْ اَلْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ عَنْ اَسَدِ بْنِ
کِی غاظر محبت یا نفرت ہونا اچھے اعمال میں سے ہے۔ ایسا شخص اللہ کے ہاں جزا کا
حقدار ہے۔ اور جس کے دل میں جذبہ محبت و نفرت اپنی رقی اغراض یا غیر اللہ کے

سے ہے۔ وہ لانا سزا کا مستوجب ہوگا۔ دوسری حدیث میں فرمایا من حبب لله
وَالْبُغْضُ لِلَّهِ وَاعْطَى لِلَّهِ وَمَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ جس نے
اللہ کی خاطر کسی سے محبت کی۔ اُسی کی خاطر نفرت کی۔ اُسی کی خاطر دیا اور اسی کی خاطر
نہ دیا۔ تو اس نے ایمان کو مکمل کر لیا۔ ایک اور روایت میں آتکح لله کے الفاظ بھی
آتے ہیں۔ جتن کسی کو اللہ کے لیے نکاح کر دیا تو وہ کامل ایمان دار بن گیا۔ مختصر یہ
ہے کہ دل میں آنے والے محبت یا نفرت کے جذبات اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار
سے قابل محاسبہ ہیں۔

اس ضمن میں تیسری چیز فرمایا نیت اور غرض ہے۔ کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے
سے متعلق اچھی یا بُری نیت قابل محاسبہ ہے۔ اگر کوئی شخص اچھی نیت کا کام کرنے
کی محض دل سے نیت کرتا ہے۔ اور ابھی اس پر عمل نہ کرے تو شرع نہیں کیا، تو اسکو نیکی
حاصل ہو جاتی ہے۔ درحقیقت جب نیک عمل کو کرے گا تو اسے۔ تو اس نیکیوں کا حقدار ہو جاتا
ہے۔ حال تک بُری نیت کا متعلق ہے۔ محض نیت پر مواخذہ نہیں ہے۔ البتہ جب اس
نیت یا ارادے کے مطابق عمل کر لیا۔ تو اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی برائی لکھی
جائیگی، اور وہ قابل محاسبہ ہوگا۔

فصل الثانی میں غیر نیت یا طوری طور پر آلے ولی چوتھی چیز اخلاق ہے۔ اور اس میں
تقویٰ، زہد، احسان، الریح وغیرہ آتے ہیں۔ کسی انسان کے اندر جس قدر تقویٰ اور زہد ہوگا

انہی قدر اس کے درجہات بلند ہوں گے۔ اس کا ہر عمل اس کے تخیلی دور زہر سے
 ساتھ پر کھینچا جائیگا اور اگر کوئی شخص جس طرح یا دیکھ لیتا یا شہ کا شمار بندہ تو پھر
 اس کے مطابق اس کا فیصلہ ہوگا۔ بہر حال خلاق بھی قابل محاسبہ اور قابل ترمیم ہیں۔
 پانچویں چیز جس پر مبنی بر انسانی کا انحصار ہے وہ عزت ہے جو انسان کے
 دماغ میں کھینچے جاتے ہیں۔ ان خیالات کی کمی قسمیں ہیں۔ جن میں سے بعض قابل ترمیم
 ہیں اور بعض پر کوئی گرفت نہیں۔ پہلی چیز ایسا خیال ہے جو انسان کے دل میں پیدا
 ہوتا ہے کہ فلاں غلط کام کرنا چاہتا ہے مگر فوری خیال خود بخود بند جاتا ہے۔ ایسے خیال
 پر کوئی مواخذہ نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ دوسری قسم کا ایسا خیال ہے جو انسان کے
 دماغ پر وارد ہو کہ کچھ دیر قلم ریتا ہے اور پھر زلزلہ بوجاتا ہے اسے خاطر کتے
 ہیں اور اس پر کبھی کوئی محاسبہ نہیں کیسری قسم کا خیال ایسا ہے کہ جب یہ آتے ہیں
 تو اس سے انسان لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ اسے کوئی تہمت نہیں ہے اور ہماری امت
 میں ایسے خیال کا بھی کوئی محاسبہ نہیں۔ چوتھی قسم کا خیال حدیثِ نفس ہے کہ انسان
 خود اپنے دل میں کوئی ایسی ویسی توہم و بات کو ثابت کرنا جس پر عمل نہیں کرتا ایسے
 خیال پر بھی امت محمدیہ پر کوئی مواخذہ نہیں کیے جاسکتے۔ مواخذہ ان قسمیں امت میں حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کا قول مشہور ہے کہ میں نے خیال کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں
 اٹھتا ہوں۔ وہ اگرچہ جلتا تو نہیں مگر کعبہ کے زور سے دیتا ہے۔ اس قسم کے خیالات
 انسان پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ پہلی امتیں اس سے مستثنیٰ نہیں
 تاہم ہماری امت میں اس خیال پر بھی کوئی مواخذہ نہیں۔

اگرچہ ان خطرات کی پانچویں قسم وہ عظیمہ اور درد سے ہمیں کے ذریعہ انسان
 برائی پر غمگین رہیں پس نہ بوجا آئے۔ ایسے خیالات کو دل میں آنا قابل مواخذہ ہے۔
 جب یہ اہمیت نامہ ہوتی کہ نہ اپنے دل کی بات ظاہر کر دیا چھپاؤ نہ پشیمان
 بلکہ اللہ تم سے حساب لے گا۔ تو مخاطبہ کرنا پیرائے ہوئے اور حدیثِ علیہ السلام سے
 عرض کیا۔ حضور! ہم غمگین روزہ، صدقہ، ہمد و غیرہ کی تعالیٰ برداشت کر سکتے ہیں

شہید ترمذی

تربہ ایک ایسی چیز کا حکم آیا ہے جو ہمارے بس میں نہیں۔ دل میں خیالات نہ آنا
ایک ایسی چیز ہے جسے خود بخود مانیں نہیں سکتے۔ اگر اس پر محاسبہ شروع ہوگی، تو
ہمارے پیلے کوئی بائیں رفتن نہ ہوں۔ ہم اللہ کے ہاں کیسے سرخرو ہوں گے،
حضور علیہ السلام نے فرمایا، تم اس طرح کے لوگ نہ بنو جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی
قوم تھی۔ جنہوں نے کہا مَنَّا سَعَفًا وَ عَصَفًا یعنی ہم نے احکام کو سنا یا منکر
ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ لَقَدْ آتَاكُمُ الْمَلِكُ مِنْ عِلْمِهِ
جو بھی حکم آئے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور اس کیلئے جذبہ طاعت کا
اظہار کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بخشش کی دکان کھول دی ہے، چنانچہ یہ کہ آگے آ رہے
صحیہ کریم ہر حکم کی تصدیق اس طرح یا رہے گئے۔ سَعَفًا وَ عَصَفًا
وَبَشَاءِ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَفِي حُجْرٍ مِّنْ لَّدُنِّي يَوْمَ تَفُوتُ۔ تو ہمیں معاف
فرمائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
میری امت کے دلوں میں آئے دوسو سال پر مؤخذہ نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ گرفت
اُن کی ہے جو دنیا سے نکل کر دوزخ میں جائیں گے یا اُن پر عمل درآمد ہو جائے گا جب
ایک عمل نہیں ہوگا، کیلئے خیالات پر مؤخذہ نہیں ہوگا۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ باطنی اعتقادات، برے اخلاق یا
فاسد نیت جو دلوں میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ مؤخذہ کرے گا۔ ائمہ مہتممین
حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کی اس طرح توجیہ فرماتی ہیں کہ مؤخذہ تو ہر چیز پر ہوتا ہے
مگر انسان کو جو تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچی۔ جتنی وہ ایسے اعمال کا کفارہ بن جاتی
ہیں اور انسان محاسبے سے بچ جاتا ہے۔ حضور کا فرما بہت ہے کہ جب کسی شخص
کو کوئی کام طے ہو جائے، پھر نہ لگ جائے۔ یا وہ کوئی چیز رکھ کر بھول جائے تو اس
وجہ سے اس کو جو پریشانی لاحق ہوتی ہے، وہ اسکی خاواں کا کفارہ بن جاتی ہے۔
اور انسان جب دنیا سے جاتا ہے تو پاک صاف ہوتا ہے۔

فرمایا محاسبے کے س قانون کے باوجود فَيَعْفُو لِمَن يَشَاءُ اللہ تعالیٰ
قادر مطلق ہے

جیسے چاہے معاف کر دے۔ جس شخص میں بخشش حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہوگی، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمے گا۔ وَیُعَذِّبُ مَن یَّشَاءُ ۚ وَهُوَ سَرِیُّ السَّعْدِیِّ ۚ اُسے سزا میں مبتلا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ وہ کسی کو ناجائز تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ کیونکہ اس کا اپنا فرمان ہے وَمَا دُلُّتُکُمْ بِاللَّغَبِ ۚ لَیْسَ لِلّٰہِ اَلْحُکْمُ ۚ اَللّٰہُ تَعَالٰی پختہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اس کے ذہن ربی کے ایک دہنے کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ اس سے پہلے بھی آچکاتے وَتَسْمَعُ لَا تَصِدِّقُوْنَ ۚ تَعْمٰیۡرُ ظَلَمَ نَہِیۡسَ کیا جائے گا۔ تمہارے سامعہ انصافی نہیں ہوگی اور یہ بھی فرمایا تَوَدَّ کُلُّ نَفْسٍ اَنْ یَّہْزُبَ عَنْہَا ۚ وَلَہٗ دَلٰلٌ ۚ اُسے گناہ

فرمایا یہ سزا اور جزا اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ کیونکہ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیۡرٌ ۚ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ملک ہے اور اسے حق حاصل ہے۔ کہ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔ الغرض گذشتہ دروس میں آئے گئے ہزاروں مسائل کا یہ اجماعی تبصرہ ہے۔ کہ ملک، المملک جو چاہے کرے۔ وہ جو بھی حکم دے، بندوں کا فرض ہے کہ اس کی تعمیل کریں۔ اور ہر مشکل حکم پر اس کے آسانی کی دُن کھدیں اور اس کے ساتھ بخشش طلب کریں۔

تَبَقَرَا

سمیت ۲۱۵

بَقَرَةُ الرَّسُولِ ۳

در سیکہ بہشت بہشت ۱۲۴

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَلِئِمُّنُونَ ۖ
 كُلٌّ أَمَّنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا تَفَرُّقُ
 بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَدْ تَوَاصَوْا بِمَا وَصَّيْتُمْ تَعْفُونَ
 رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝

ترجمہ: ایمان لیا ہے۔ رسول اس چیز پر جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس
 پر انکری گئی ہے۔ اور مومن بھی ایمان لائے ہیں۔ سب ایمان لائے ہیں۔ اشر
 پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر (اور وہ یہ کہتے
 ہیں) ہم نہیں تفریق کرتے کسی میں۔ اس کے رسولوں میں سے۔ اور انہوں نے
 کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔ ہم تیری بخشش چاہتے
 ہیں اے ہمارے پروردگار! اور تیری طرف ہی لوٹ کر جاتے ہیں (۲۸۵)

گذشتہ آیت میں محاسب کا تذکرہ تھا کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں سبائے
 ظاہر کرو یہ چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔ نزدیکی آیت پر صحابہ کرام کو سخت
 تشویش ہوئی کہ اگر غیر اختیار می خیالات پر ہی انسان کی گرفت ہو گئی تو نجاست
 مشکل ہو جائے گی۔ صحابہ کرام نے اپنی تشویش کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا تم یہودیوں کی طرح یوں نہ کرو سَمِعْتُمْ وَأَطَعْتُمْ
 یعنی ہم نے سن لیا اور انکار کر دیا۔ بلکہ اس قسم کی صورت حال میں یوں کیا کرو۔

سَمِعْتُمْ وَأَطَعْتُمْ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے
 معافی مانگو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے دل کی پوری محبت کے ساتھ کہا "سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
 عَفِّرْنَا رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ"

اس آیت میں درحقیقت اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف فرمائی ہے۔ صحابہ کرام

کیونکہ انہوں نے ولی محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کیا۔ اور
 اس میں کسی قسم کا لیت و لعل نہ کیا۔ بلکہ اللہ کے حضور اپنی عاجزی کا اظہار کیا جس کی
 وجہ سے اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی اول پسند آئی اور اس کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام
 کا ذکر مبارک بھی ہے۔ جس کی وجہ سے صحابہؓ کی شان مزید بلند ہوئی۔ مومنانہ۔
 اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اللہ نے صحابہؓ کے ساتھ حضور نبی کریمؐ
 کا ذکر کر کے یہ بات واضح کی ہے۔ کہ صحابہؓ کو اللہ بھی حضور کی طرح ایمان دے تھے۔ اور
 ان کے ایمان حضور کے ایمان کے ساتھ سڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ پیغمبر کا ایمان
 اکمل درجے کا ہوا ہے۔ اور عیسیٰؑ کا ایمان کامل درجے کا۔ مگر دونوں طرح کے
 ایمانوں کو باجمہ غلامانے سے صحابہؓ کو کرم کے درجات کی بلندی کی نشان دہی ہوئی ہے۔
 صحابہؓ کو کرم کی اس اطاعت گزاری پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَمَّا الرَّسُولُ
 فَمِمَّا تَضِلُّونَ اَلَيْسَ مِنْ رَبِّهِمْ وَلَهُمْ مَنُوكُمْ جَوَازِ رُتُولِ كِطْرَتِ اس کے
 رب کی طرف سے اتاری گئی تھی۔ رسول اس پر ایمان لایا۔ اور اس کے ساتھ مومن بھی
 ایمان لائے۔ یہاں پر ایک بات قرین ثابت ہوتی ہے۔ کہ شریعت نبی پر نازل ہوتی
 ہے کسی غیر نبی پر نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ صحابہؓ بھی اس چیز پر ایمان لائے جس پر پیغمبر
 لایا ہے۔ کہ یہ صحابہؓ کو کرم کی طرح ہو گئی۔ اور ان کی حوصلہ افزائی عظمیٰ اور یہ کیفیت
 اس وقت پیدا ہوئی جب کہ صحابہؓ نے کان عاجزی و انکاری کے ساتھ اللہ کے حکم کو
 قبول کیا۔ اور اپنی لغزشوں کی معافی طلب کی۔

اور آگے ایمان کے ارکان کا بیان ہے سَكَنَ اَمِنْ بِاللهِ سبب
 کے سبب عیسیٰؑ کو کرم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ بنیادی طور پر ایمان کے پانچ ارکان
 میں جن کی دل سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔ درنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔ یہ ارکان
 سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانا، پھر فرشتوں پر، رسول پر، کتابوں پر اور قیامت کے
 دن پر ایمان لانا ہے۔ شاہ عبد القادر اصفہانیؒ کا ترجمہ مان لیا کرتے ہیں جی دل سے
 تسلیم کر لیا۔ گویا دوسرے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ اگرچہ زبانی سے اقرار

تصدیق
 بالقلب

بھی لازم ہے۔ مگر اس کی مکمل تصدیق قہری سے ہی ہوتی ہے۔ اِقْرَأْ بِاللِّسَانِ
وَقَضَىٰ ذُنُوبًا لِّقَلْبِ

سب سے پہلے ایمان باللہ کا درجہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہونا
کیونکہ یہ بنیادی چیز ہے۔ نہ صرف اس کا وجود ہے بلکہ وہ واجب الوجود بھی ہے
یعنی اس کا وجود خود بخود ہے۔ کسی دوسرے کا بتایا ہوا نہیں ہے۔ اللہ کے علاوہ
ہر چیز کا وجود عطا کیا ہوا ہے اور عارضی ہے مگر اللہ ہی ایک واجب ذات ہے
جو واجب الوجود ہے اللہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور اس لفظ میں یہ چیز باقی جاتی
ہے۔ واجب الوجود المستجمع لجميع صفات الکمال واجب الوجود
وہ ذات ہے جس میں تمام صفات کمال پائی جاتی ہیں۔ وہ ذات مبدع
النفق و المزدول ہے۔ اس ذات میں نہ کوئی عیب ہے اور نہ کوئی نقصان
وہی چیز ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ دائم و قائم ہے گا۔ اسے کبھی زوال
نہیں آئے گا۔ جب لفظ اللہ بولا جاتا ہے تو یہ تمام صفات اس میں آجاتی ہیں۔
فارسی زبان میں جب اللہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ تو اس کا معنی بھی یہی ہے۔ کہ وہ
ہستی جو خود بخود ہے۔ کسی دوسرے کی محتاج نہیں، گویا یہ لفظ بھی واجب الوجود کا
ہی ہم معنی ہے کہ وہ ذات خود بخود ہے اور جمیع صفات کمال کے ساتھ
متصف ہے۔ وہ ذات نقص و زوال جیسی صفات سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفاست کمال کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور ان ہی سے
اللہ کی پہچان ہوتی ہے۔ ان صفات میں الرحمن، الرحیم، الملک، القہار، السار
الصر، الغنی، المحی الیقوم وغیرہ ہیں۔ یہ سب وجودی یا مثبت صفات ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کی بعض منفی صفات ہیں مثلاً "لَمْ يَكُنْ لَہُ یَیْسٌ وَلَمْ یُکُنْ لَہُ
مِیْسَرٌ وَلَمْ یَکُنْ لَہُ صَاحِبٌ" یعنی نہ اس کی اولاد ہے۔ اور
نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی بری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ — — —
کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ لَآ قَاخِذَ سَیْنَةٌ وَلَآ قَوْمٌ اس کو نہ اور کھاتی

ہے اور نہ فیض آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تمام غیب اور نقصان والی صفات سے پاک اور منزہ ہے۔ جبکہ سچائی اللہ کا جانا ہے تو اس کا معنی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اللہ تعالیٰ اور غیب والی صفات سے پاک ہے۔ نہ کسی کو خدا کا موت ہوتی ہے۔ اور نہ کسی پر موت جاری ہوتی ہے۔ الخ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کہ وہ تمام صفات کمال کا مالک ہے۔

صفاتی
پر ایمان

جس طرح اللہ کی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کی صفات پر ایمان لانا بھی لازمی ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی سستی کو ماننا ہے مگر توحید کو نہیں مانتا، تو وہ ایمان نہ تین ہے۔ ایک کی بجائے دو یاقین ماننا ہے جیسے مجوسی یا عیسائی یا مجسمہ تو بھی مشرک اور غیر ہو گیا۔ اگر توحید میں کوئی خدائی آگے لے کر انسان کا فرہ ہائے حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خدا کی سستی کو ماننے کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے لیے رسول نہیں بھیجتا، تو پھر بھی کافر ہے کیونکہ رسول صحت کے ساتھ اللہ کی صفت ہے جس سے انکار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک لاکھ سے زیادہ نبیاء اور رسول بھیجے ہیں اور آخر میں اس کی مکمل پرکھ امت کے ہر سلسلہ نبوت کو تمام کر دیا ہے اب قیامت کا انتظار ہے کوئی نیا پروردگار نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اللہ یہ بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت یہ ہے۔۔۔ کہ جب تک کوئی تقدیر پر ایمان نہیں دے گا، اللہ کی برکات میں اس کی عبادت مقبول نہیں ہوگا وہ احد پانچ کے برابر سونا خرچ کرے اور تقدیر کا منصب یہ ہے کہ جو کچھ کائنات میں ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم، قدرت اور مشیت سے ہوتا ہے کہ نہی فی ذلک خفاء فی وجہ ذات ہے جس نے تمام چیزوں کو مقرر فرمایا ہے لہذا لفظ اللہ میں تقدیر پر ایمان نہ بھی

فرشتوں پر
ایمان

آگیا، کیونکہ یہ اللہ کی محض سب اور اس کی تمام صفات پر ایمان لانا، ضروری ہے
فریاد رسول اور اس کے صحابہ اللہ پر ایمان داتے۔ کہ کتابِ کتب اور اس کے
فرشتوں پر بھی ایمان لائے، فرشتوں پر ایمان دانا، ایمان کا دوسرا رکن ہے جس کے
پسے فرشتوں کے وجود پر ایمان نہ ہو گا۔ اور پھر فرشتوں کی بہت سی قسمیں
ہیں۔ جیسے۔ ملائکہ اعلیٰ و ملائکہ اسفل، عرش کے گرد گھومتے فرشتے،
علین میں بہتے، مائوں پر قائم اور پھر فضائیں سنبھالنے زمین پر بہتے
یہ تمام فرشتوں کی مختلف اقسام ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ ملائکہ اعلیٰ
سے ملائکہ اسفل تک فرشتوں کی سات قسمیں متعین ہیں اور ہر ایک قسم کو اللہ تعالیٰ
نے نیک نام اور مختلف نوعیت میں پیدا کیا ہے۔ جو فرشتے ملائکہ اعلیٰ ملائکہ
میں وہ عالی ترین یا نفیس ترین ہیں۔ جیسے فرشتے خواہ وہ کس کے ہوں یا نیچے
کے دوسری مخلوق سے لطیف تر ہیں۔ اس نذرانی مخلوق میں روح، عقل اور شعور
پایا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کیے کرتے ہیں اور یہ
عبادت الہی سے نہ ہٹتے ہیں نہ اکارتے ہیں۔ وہ معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
کبھی نہیں کرتے۔ لَقَدْ خَلَقْنَاهُ لَدُنَّا أَهْلًا عَرَفْنَاهُ۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں
جو کچھ حکم کرتا ہے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں وَ لَقَدْ عَلَّمْنَاهُ مَا يَدْعُوهُ سَرَوًى
یہ اللہ تعالیٰ کی مقرب مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ کا جو فیضانِ کائنات میں پہنچتا
ہے وہ انہی فرشتوں کے ذریعے پہنچتا ہے فرشتوں کے بعد ملائکہ کے
ملاحظہ دوسرے درجے کی مخلوق جنات ہیں۔ انکو وہ معصوم نہیں ہیں۔ بنی نوع
انسان میں سے صرف نبیہ کی جب موت معصوم ہے باقی کسی مخلوق کو یہ گارنٹی حاصل
نہیں ہے۔

لطیف مخلوق جوئے کی درجہ فرشتے بھی ہیں۔ دنیا میں نظر نہیں آتے
ہاں کہ وہ بھی تبدیل کر دیتے تو انہوں کو بھی نظر آسکتے ہیں۔ جنہر علیہ اللہ کے نام
بارہ مرتبہ جبرائیل علیہ السلام وحید کہی یا کسی مفرک صورت میں آتے تھے۔ تو

نظر آئے تھے۔ عالم بزرگ اس مادی جہاں سے لطیف ہے اور حشر اس سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ جب انسان اس جہاں میں پہنچیں گے، تو ان میں بھی کماں درجے کی عطاقت پیدا ہو جائیگی، لہذا سب کو فرشتے نظر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنٹی لوگوں کے پاس فرشتے آکر سلام کہیں گے: "سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُکُمْ غَرِیْبُکُمْ فَرَشْتُکُمْ" پر ایمان لانا بھی ارکانِ ایمان میں سے ہے۔

کتابوں پر
ایمان

ایمان باللہ اللہ ایمان بالملائکہ کے بعد فرمایا وَکُتِبَہُ یعنی حضور رسول مبعوث اور صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں۔ کتب جمع کا صیغہ ہے، کہ کراہلہ تمام آسمانی کتب پر ایمان لانا اور تفصیلاً قرآن پاک پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن پاک کا ہر حکم صحیح، برحق اور واجب التعمیل ہے۔ پہلی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اودار میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائیں۔ ان کے تمام احکام پر عمل کرنا جہاں سے جہاں ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ تاہم ان کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ربا یہ سوال کہ اللہ نے کل کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ اس بارے میں قرآن پاک کی کسی آیت یا کسی صحیح روایت میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ ماں بزرگانِ دین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار کتابیں کوہِ ثبویٰ یعنی زبور، توریت، انجیل اور قرآن پاک اس کے علاوہ کچھ چھوٹی کتابیں یا صحیفے ہیں۔ امام شافعی کی روایت کے مطابق ایک سو چار کتابیں اور صحیفہ اللہ نے نازل فرمائے۔ ہر نبی کے لیے کتاب کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت سے انبیاء اپنے سے قبل آنے والی کتاب کی ہی پیروی کا درس دیتے رہے۔ مثلاً نزولِ توریت کے بعد جتنے نبی آئے وہ توریت کی ہی تبلیغ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر وحی آتی تھی، مگر ماضی کی روایت کا ہی چلنا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا ذکر آتا ہے۔ اسی طرح یونس علیہ السلام اور بعض دیگر انبیاء کے صحیفے بھی تھے۔ موجودہ بکبیل یعنی توریت کے ساتھ ۴۵ صحیفے اور انجیل بھی ہے۔ پچیسواں باب توریت کے ہیں اور باقی دو سکر ہیبروں کے

صحیفہ میں اس طرح ہر سب غلط برپا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اللہ کی کتابوں میں
 بہت گناہ کی ہے۔ مگر کچھ چیزیں آج بھی مستح ہیں اور قرآن کے مطابق ہیں۔ یہ روایت
 بھی مشہور ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے تھے یہ ہر حال
 آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ارکان ایمان میں سے ہے۔

آگے ایمان کے چوتھے جزو کے متعلق فرمایا وَرَسُولٌ یعنی اللہ کے تمام رسولوں
 پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اللہ
 کے رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی انکار کرے گا۔ تو کافر ہو جائے گا۔ نصاریٰ کو
 دیکھ لیں۔ سابقہ تمام انبیاء کو مانتے ہیں مگر حضور خاتم النبیین کو تسلیم نہیں کرتے اور
 کافر ٹھہرتے۔

تمام رسولوں پر ایمان لانے کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی
لَا تَقُولُوا سُبْحٰنَہٗ بِحَدِّ مَنۡ تَشَآءُ ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان
 تفریق نہیں کرتے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ کسی رسول کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا۔
 یہود یوں کا یہی حال ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے منکر ہیں۔ حضور خاتم النبیین کو بھی نہیں مانتے۔ اللہ ایہ کافر ہی ہیں۔ جب تک ہر
 رسول پر ایمان نہ رکھیں تو وہ ان کا نام معلوم ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس جس
 دہر میں جس جس نبی کو مبعوث فرمایا۔ وہ سب اس کے برگزیدہ بندے تھے۔ اپنی
 اپنی قوم کے خدای اور راہنما تھے۔ ہم ان سب کی تصدیق کہتے ہیں وَمَا أَوْفٰی
النَّبِیِّ دُنَّ مَنۡ جَرَّیۡنَہٗ جَوۡجَہٗ عَلٰی الشَّیۡطٰنِ اپنے نبیوں کو دیا ہے سب
 برحق ہے۔ اور ہمارا ان پر ایمان ہے لَا تَقُولُوا سُبْحٰنَہٗ کا یہی معنی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں موجود ہے، انہوں نے عرض کیا حضور
 انبیاء کرام کا سلسلہ کیسے شروع ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے بنی آدم علیہ السلام
 تھے۔ مگر یہ سب سے پہلے انسان نہیں تھے۔ صحابی نے عرض کیا وہ کیوں نہیں تھے
 ارشاد فرمایا، اس بنی مکرم تھے۔ اللہ نے ان سے کلام فرمایا تھا۔ اور سب سے آخری بنی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ مجموعی طور پر ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش نبی اور رسول آئے ہیں۔ ان میں سے رسول مبین ہوئے مبین سو پندرہ اور تین تک پیس کی روایت بھی آتی ہیں۔ بہر حال یہ سب برحق نبی اور رسول تھے۔ رسول وہ ہوتا ہے جس کو مستقل شریعت ملے، اُسے کتاب کا ملنا ضروری نہیں ہے۔ شریعت ضروری ہے۔ مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ کے رسول تھے مگر اُن پر مستقل کتاب ازل نہیں ہوئی۔

الغرض! التفریق بین المرسل کفر ہے۔ تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کسی ایک کا بھی انکار کیا۔ تو سب کے انکار کے مترادف ہو گا۔ اس آیت میں ایمان کے اجزائیاں ہرچے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کے صیغہ کی تعریف بھی بیان ہو گئی۔

بخشش کی طلب

وَقَالُوا سَمِعْنَا اَنْ سَبَّ نَبِيَّكَ لَمَّا كُنَّا فِي الْمَدِينَةِ فَقَالُوا لَا تَنْزِلْ فِي دَارِنَا حَتَّىٰ تَخْرُجَ مِنْهَا وَتَكْفُرُ بِمَا كُنَّا فِيهَا كَاذِبًا ۚ فَاُولَٰئِكَ يَنْتَظِرُونَ ۚ

جو کچھ نازل فرمایا ہے۔ وہ جہنم تک پہنچ گیا۔ وَاَطَعْتَ اور ہم اس کی دل و جان سے فرما نہر داری کرتے ہیں۔ اطاعت کرتے ہیں۔ کسی چیز کا انکار نہیں کرتے۔ غَضُوْا لَكَ رَبَّنَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا لَوْلَا الَّذِي نَسْتَعِيْزُ بِكَ لَكُنَّا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ۚ

ہے۔ اور ہماری کوتاہیوں کو معاف کر دیا جائے۔ بخیر ان کا سنی اڈھانپ دینا ہوتا ہے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ہماری نغز شول کو اپنی بخشش کے پودے میں ٹھنپ لے۔ ان پر کوئی باز پرس نہ کرے۔

قیامت پر ایمان

اب ایمان کے پانچوں جزو کے متعلق فرمایا وَرَبُّكَ الْكَافُّ الْمُنِيبُ ۚ اور تیری ہی طرف لوٹ کر جائے گا۔ گویا معاد یعنی قیامت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ جب قیامت برپا ہوگی، پھر سب کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ اس کے بغیر بھی ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ گویا یہ ایمان کے پانچ جزو ہو گئے، تو حیدر، رسول، ملائکہ، کتب اور قیامت کا دن۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَرَبُّكَ الْخَفِيُّ الْعَلِيْمُ ۚ

وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جس جہاں کا آخری دن ہو گا۔ اس کے بعد دوسرے جہاں کے ایہم شروع ہو جائیں گے۔ اور ان کی فریخت الگ ہو گی۔

لہذا آخرت کے دن (۱۵) موصول ہو گا۔ یہ ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کہ وہ دن نے وارا ہے۔ جب حساب کتاب ہو گا۔ اور اس کے نتیجے میں جزا یا سزا اور جنت یا دوزخ کی منزل پر حق ہے۔ جب انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔ تو پھر اس کے لیے جزا و سزا کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اس کی تصدیق ضروری ہے۔ ورنہ آدمی کافر ہو جائے گا۔

جب تک ایمان کے تمام ارکان پر ایمان نہیں لائے گا، گرفتار نہیں کیج سکتا۔

یہ وہی اجزائے ایمان ہیں۔ جن کے متعلق سورۃ کی ابتداء میں اشارہ کیا گیا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْبَغْيُ يَعْنِيْ ثَمَنٌ وَّهِيَ بَوْبٌ رَّيْبِيْهِ اِيْمَانٌ رَّكْعَتَيْنِ - یہی پراسی چیز کی تشریح ہے۔ کہ وہ کون کون سے امور ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔

تو یہاں پر واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جامع اسکی صفات ہے۔ ملاحظہ کیا یہی رسول اور دوز قیامت اور سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حالانکہ نہ ملائکہ کو دیکھا، نہ رسول کو دیکھا۔

وہ نہ قیامت کو دیکھا مگر ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہی ایمان بالغیب ہے۔

بھول اور
خطہ نہ فرقی

نیاں یہ بھول جیسی غلطی کا نام ہے۔ جس میں نیت یا واسعہ کو دخل نہ ہو۔ بلکہ کوئی کام بھول کر ہو جائے اور خط سے مراد یہ ہے کہ نیت کچھ دور کام کی ہوتی ہے مگر عمل کوئی دوسرا ہو جائے۔ مثلاً روزے کی حالت میں گلی کی نیت سے مندریں پانی ڈالا مگر وہ حلق سے نچنے لگا۔ کسی شخص نے شکر کے بعد نور کے لیے گون جیون مگر وہ کسی انسان یا در سے گرنے لگا۔ یہ خطہ ہوتی ہے۔ اور سخت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ البتہ دنیا میں اس کی وسعت اور کفارہ دینا پڑتا ہے۔ اگر کوئی شخص خطہ قتل ہو گیا ہے۔ تو اس کا خون بہا بھی دینا پڑیگا اور کفارہ کے غور پر وہ اسے روزے سے بھی رکھنے ہوں گے۔

اور اگر کسی کو عمدہ قتل کیا ہے۔ تو اس کو دنیا میں بھی قصاص ہوگا اور آخرت میں ستر کے اس بھی مؤخذ ہوگا۔ اگر کوہ ہنہ کی ہو۔ بھول اور خطا میں یہ فرق ہے۔

بھول اور
خطا پر توبہ
نہیں

بھول کے متعلق حضور علیہ السلام کی حدیث میں آتا ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ كَفَعَ عَنْ قَوْمٍ الْأَخْصَاءَ وَالْمِثْبَانَ وَمَا أَشْكِرَ اللَّهُ لَكَ** اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ایسے گناہ کو نہ دیا ہے۔ جو بھول، خطا یا جبر کی وجہ سے ہو۔ یہ سب سے سب سے ایسے عمل پر کہ کوئی مؤخذ نہیں ہوگا۔ اگر کسی کو بھول کر کے کوئی گناہ کیا جائے تو وہ گناہ ایسا تھا کہ کوئی شخص دوسرے کو بھول کر دے کہ شرب پانی دیا تو اس کو گناہ نہ ہو۔ نہ سب سے قتل کر دیا جائے گا۔ تو یہ عمل گناہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ کے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

البتہ دنیا میں ایسے امور کی تلافی کرنا پڑتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جس وقت اس کو یاد آئے اس وقت ادا کرے۔ اگر ایک دفعہ بھول گیا ہے تو اب باطل ترک نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعد از وقت بھی ادا کرنا ہوگی۔ اسی طرح روزہ کی حالت میں غلطی سے پانی حلق سے ندر چلا گیا۔ تو اگرچہ عمدہ اس کا مؤخذ نہیں۔ مگر جو روزہ ضائع ہوا اس کی قضا دینا ہوگی۔ البتہ روزہ میں بھول کر کھانا کھانے کی معافی ہے۔ ایسی صورت کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **فَصَحَّ لِلَّهِ وَتَقَدَّرَ** اللہ نے اس کو کھل دیا۔ اس کا روزہ مکمل

ہو گیا۔ اسے روزہ دوبارہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر بھول کر بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی تو اسے ٹوٹا نہ ہوگی۔ اس کی نماز نہیں بھولنی۔

چنانچہ اسی نسخہ میں اور خطائے متعلق اللہ تعالیٰ نے دعائیں لکھائیں۔ کہ دعا یہ لکھو
اے میرے بندو! جب بھول جاؤ یا غلط ہو جائے تو مجھ سے ان کلمات کے ساتھ معافی طلب کر لیا کرو رَبَّنَا لَا تُؤْخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَا نَا اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلط ہو جائے تو ہمارا مؤخر نہ کر۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ بقرہ کے آخر میں جو دعائیں مذکور ہیں جب بندہ ان کو یاد کرے گا تو ہر دعا کے اتمام پر اللہ تعالیٰ فرمائی ہے لَكُمْ قَدْ فَعَلْتُ یعنی اے میرے بندے! میں نے یہ کیا کر دیا تیری دعا قبول کر لی۔

اس کے بعد دعا کا اگلا حصہ فرمایا رَبَّنَا وَلَا تَجْعَلْ عَلَيْنَا مَثَلًا اے ہمارے پروردگار! تو ہم پر ایسا جوہ نہ ڈال کہ مَثَلًا حَمَلْتَهُ عَلَىٰ اَسْذَىٰ مِنْ قبلیت جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر جوہ ڈالا۔ یہاں پر جوہ سے مراد وہ مشکل احکام ہیں جو پہلی امتوں پر وارد ہوئے۔ حضرت عیسیٰ کرام مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔ اسرائیلیوں پر پانچ سو زیادہ نمازی فرض تھیں لہذا وہ امت محمدی سے زیادہ مشکل میں تھے۔ بعض امتوں کو ہمیشہ روزے رکھنے کا حکم تھا اور بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ حکم بھی تھا۔ نہ جس کپڑے پر نجاست لگ جاتی تھی وہ دھو لے سے پاک نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ قیمتی سے قیمتی کپڑا بھی نجاست والی جگہ سے کاٹ ڈالنا پڑتا تھا۔ اسی طرح بنی اسرائیل حلال جانور کا گوشت تو کھا سکتے تھے مگر اس کی چربی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا وہ گوشت سے چربی کو مشکل طریقہ کر کے پھر کھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرنے کے لیے یہ شرط رکھ دی کہ ایک روز ستر کو قتل کر دو۔ ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل قتل ہوئے، تب جبکہ ان کی توبہ قبول ہوئی اپنے مال کا چوتھا حصہ انہیں بطور زکوٰۃ ادا کرنا پڑا تھا۔ حدیث شریف میں آئی ہے۔ کہ جو کوئی آدمی گناہ کا مرتکب ہوتا تھا تو رات کے وقت فرشتے اس کے دروازے

پر کچھ نہیں تھے۔ جس سے اسکی سخت رسوائی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوہے
 سابقہ امتوں پر ڈال رکھے تھے جس کے متعلق یہاں پر دعا کی جا رہی ہے کہ سب پر روزِ
 ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ نے پہلی امتوں پر ڈالا تھا۔ وَبَيْنَا وَلَدًا تَحْمِلُنَا مَا لَا
طَاقَةَ لَنَا بِهِ اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھا جسکی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ بعض مفسرین
 کہہ رہے ہیں کہ تَحْمِلُنَا عَلَيْنَا سے شرعی احکام کا بوجھ ہے جس کے
 متعلق دعا کی گئی ہے کہ ہم پر مشکل احکام نہ ڈال اور تَحْمِلُنَا سے مراد وہ تواریق
 آفات و بلیات ہیں جو کسی قوم پر نازل ہو جائیں۔ قریباں پر ان تکوینی مصائب کا ذکر
 کیا گیا ہے کہ مولا کریم! ہم سے ایسے قدرتی مشکلات کا بوجھ بھی نہ اٹھا کہ جس کی
 ہم طاقت ہی نہیں رکھتے۔ مقصد یہ کہ ہمیں شرعی اور تکوینی ہر دو مشکل امور سے محفوظ رکھے۔
وَأَعِزَّنَا ہے پروردگار! ہم کو معاف فرمائے۔ ہماری خطاؤں سے برگزیدہ
 فرما۔ وَأَعِزَّنَا ہماری کوتاہیوں کو بخش دے۔ حضرت کا معنی ڈھانپ دینا ہوتا ہے
 یعنی ہماری تمام لغزشوں کو اپنی رحمت سے ڈھانپ دے۔ وَأَذْهَبْنَا ہم پر ہم
 فرما۔ ہم پر مہربانی فرما أَنْتَ هَوَّلُنَا کہ جسکی ہمارا مولا ہے۔ جیسا کہ قاموس نے لکھتے
 ہیں لفظ هَوَّلُنَا بچپن میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر مولا کا معنی آقا اور کارِ گزار
 ہے۔ یعنی جیسے کاموں کا بنانے والا اور ہماری سرپرستی کرنے والا تو ہی ہے۔
 مولا مجبور کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اس کا معنی "ساتھی" صاحب، رفیق وغیرہ
 بھی ہے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ یہاں پر مراد ہمارا آقا ہے۔ متولی امورِ مہاجر
 کاموں کو بنانے والا، ہماری حاجات پوری کرنے والا۔ نے مولا کریم! تو ہی ہے
فَاذْهَبْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ اور کافروں کے مقابلے میں ہمارا مدد فرما۔ یعنی ہم کو
 غلبہ عطا فرما۔

معافی کی دعا

حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں
 پر غلبے کی نعمت بھی عطا فرمائی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اہل دین اپنے دین پر
 قائم رہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔

غلبہ

اگر تم صحیح ایمان پر قائم رہو گے، تو قرہ ہی غالب آئے گے۔ خلفائے راشدین کا زمانہ اس غلبے کا بہترین ثبوت ہے۔ مصنفین کے واقعہ ایک مسلمان نصف دنیا پر غالب تھے۔ اور باقی دنیا میں بھی کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو اہل ایمان سے ٹکر لے سکے۔ یہ نکتہ صرف پچاس سال تک قائم رہ سکا۔

غرضیکہ اگر دین طے دین پر قائم رہیں اور عام لوگ ان کے معاد ان اصول وفاق سے چمکتے رہیں۔ بدعت سے بیزار رہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم ہوں، و ثروت سود اور دیگر حرمت سے چمکتے رہیں، تو کسی غیر قوم کو مسلمانوں پر تسلط حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب مسلمانوں میں یہ قباحتیں پیدا ہو جائیں گی، تو دوسری قومیں ان پر تسلط ہو جائیں گی اور یہ مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔ اس کو دیکھ لیجئے یہ تمام لعین مسلمانوں میں موجود ہیں۔ حریم خوری عام سبہ بدعت کا چرچا ہے۔ بلکہ اس کو عین کاہنہ و نابہ سمجھ کر اس پر اصرار کیا جا رہا ہے۔ بدعت کے علاوہ لوگ شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کسی حکومت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیا۔ زبانی جمع ختم ہو رہا ہے۔ عمل صفر کے برابر ہے۔ منافق کی تمام علامتیں مسلمانوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں اسلام کو غلبہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محافظ فرمائے اور صحیح دین اختیار کر لیں عطا فرمائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ بقرہ کو فسطاط القرآن فرمایا ہے۔ یعنی یہ سورۃ قرآن پاک کا بڑا خیمہ ہے۔ جس طرح ایک بڑے خیمے میں بہت سے ساز و سامان رکھنے اور دلائل کی گنجائش ہوتی ہے۔ اسی طرح اس سورۃ مباد کہ میں اللہ تعالیٰ نے نظام خلافت کبریٰ کے تمام اصول و قواعد بیان کر دیئے ہیں۔ اس سورۃ میں دعوت الی التوحید والہدایہ کا بیان ہے۔ قرآن کریم کی حقیقت اور عداقت بیان کی گئی ہے۔ فرائض خمسہ کے علاوہ چار نظام سلطنت اور بے شمار مثالیں اور حکمت کی باتیں اس سورۃ میں پائی جاتی ہیں اس لیے اسے فسطاط القرآن کہا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس سورۃ کو نام القرآن یعنی قرآن کی کوٹن سے تعبیر

سورۃ بقرہ
کی خصوصیت

کیا گیا ہے۔ جس طرح اونٹ کی کرمان سبب ہنرموتی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں یہ سورۃ بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی آخری دو آیتیں حضور علیہ السلام کو معراج کے موقع پر عطا ہوئی تھیں۔ اَمِنْ الْمَرْسُولِ سے یکھ قَوْمُ الْكَافِرِ تَنْک کی آیتیں معراج کا خاص کلمہ ہے۔ پانچ نمازیں بھی معراج کا کلمہ ہے جو حضور امدت کے لیے لائے گئے۔ اور تیسرے متحد حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ لائے۔ مگر میری امت کا جو شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائے گا، اس کی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ ان آیات کی اہمیت اسی امر سے واضح ہے کہ ان میں اسلام کے ارکان غمہ کا بیان ہے۔ جو سب سے اہم چیزیں ہیں۔ اور پھر اس میں اللہ کی مناجات ہے اور اس سے دعا کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔

فضائل آیات
آخر سورۃ

حریف شریفین میں آتا ہے۔ کہ جو شخص ان آیات کو رات کے وقت تلاوت کرے گا۔ یہ آیات اس کے لیے ماری رات کی عبادت کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ یا فرمایا تجھ کے قائم مقام ہوں گی بشرطیکہ انسان فرائض کا پابند ہو اور خلوص نیت کے ساتھ تلاوت کرے۔ یہ بڑی فضیلت والی آیتیں ہیں۔ انہیں درود کے طور پر اختیار کر لیا جائے ایک روایت میں یوں آتا ہے۔ کہ عرشِ معلیٰ کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک خزانہ ہے۔ سو قلعہ کی یہ آخری دو آیتیں اللہ تعالیٰ نے اس خزانہ میں سے نازل فرمائی ہیں۔ ان آیات کی اسی قدر فضیلت ہے۔ سبحانک اللہم و بحمدک

احکامِ حج

تذکرات

مکتہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

مرتب

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

ملنے کا پتہ: بمکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوہر الزلہ صفحات ۱۷۰ قیمت ۱۷۰ روپے